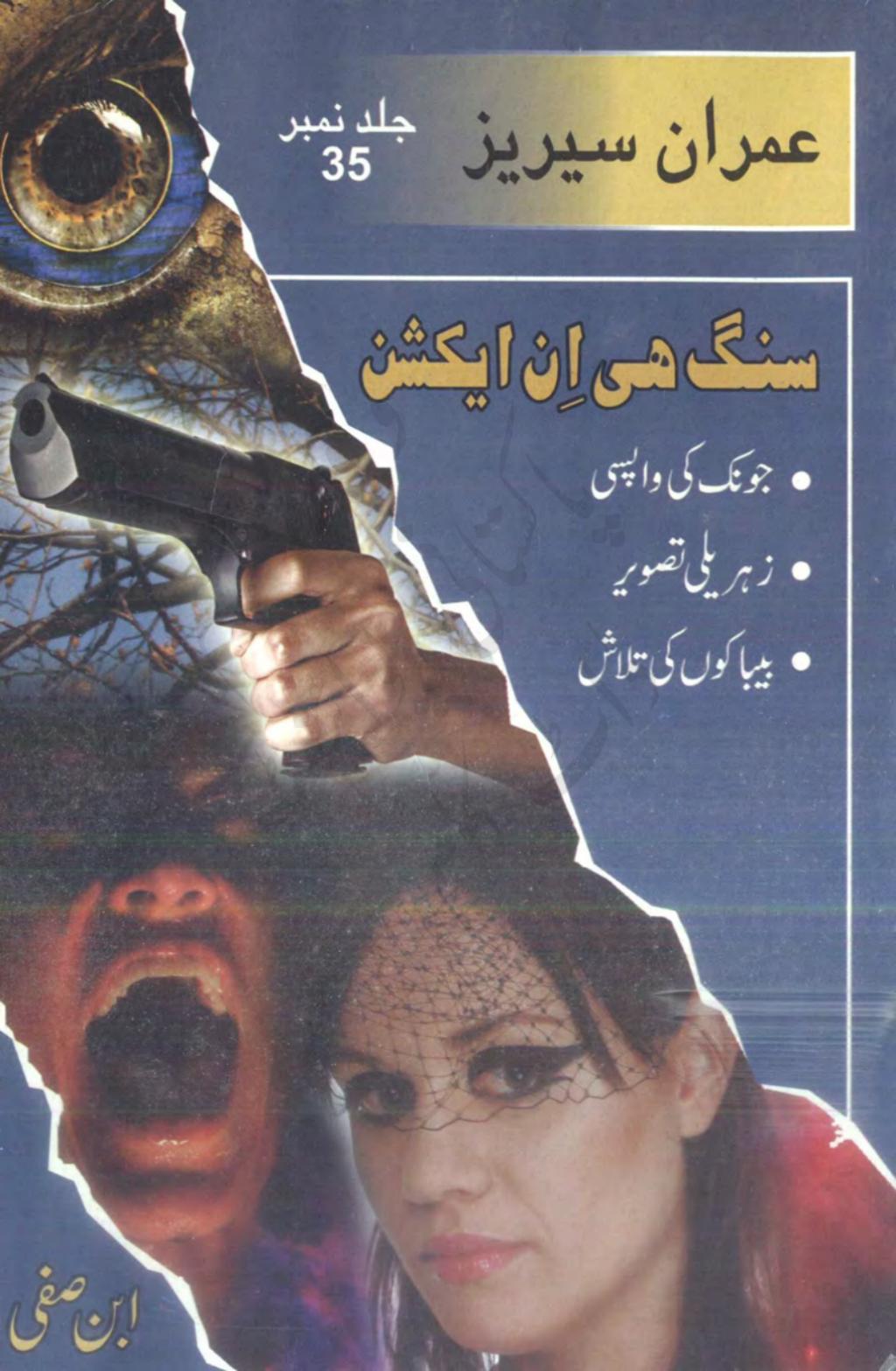


عمران سیریز

جلد نمبر  
35

# سنگھی ان ایکشن

- جونک کی واپسی
- زہریلی تصویر
- بیباکوں کی تلاش



ابن صofi

## پیشہ

”جو نک کی واپسی“ حاضر ہے۔

اس دوران میں بہتیرے پڑھنے والوں نے ”سنگ ہی“ کی واپسی کی فرمائش کی تھی اُس کی واپسی کے امکانات کا جائزہ لینے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ گنجائش ہے۔ واپسی ہو سکے گی میرے پڑھنے والے غالباً بھولے نہ ہوں گے کہ سنگ ہی عرف عام میں ”جو نک“ کہلاتا تھا....

بہرہمال واپسی ہو گئی ہے۔ لیکن اس کتاب میں صرف واپسی ہی کی حد تک ہے.... ویسے یہ اور بات ہے کہ پوری کہانی پر سنگ ہی چھایا نظر آئے۔ اس تمہید کا مقصد یہ ہے کہ سنگ ہی کی دوسری کہانی کے منتظر رہنے۔

میرے پڑھنے والوں نے بڑی شدت سے استفسار کیا ہے کہ اب آخر جasoں دنیا اور عمر ان سیر یز کے نام پاپند کی سے کہوں شائع نہیں ہو رہے۔

گزارش ہے کہ جب سے دوبارہ لکھنا شروع کیا ہے ”مودہ“ کا پابند ہو گیا ہوں۔ پہلے کی طرح طبیعت پر جبر کر کے نہیں لکھتا۔ معانیج کا مشورہ بھی یہی تھا کہ فی الحال کچھ دنوں تک مودہ ہی کے پابند رہنے۔ آہستہ آہستہ معمول پر آنا مناسب ہو گا۔ لہذا اسی ہدایت پر عمل کر رہا ہوں۔ موقع ہے جلد ہی اسی قابل ہو جاؤں گا کہ پڑھنے والوں کو کسی شکایت کا موقع نہ ملنے۔

جونک کی واپسی ایک مکمل کہانی ہے.... یہ اور بات ہے کہ اصل مجرم کا کوئی کچھ نہ بگاڑ سکا ہو۔ ایسا بھی ہوتا ہے.... لیکن بعض پڑھنے والے تو یہی کہتے ہیں ”کیا ہوا.... کچھ بھی تو نہیں؟ آخر میں کہانی پھس ہو کر رہ گئی۔“

اب انہیں کون سمجھائے بھائی بعض کہانیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کا مزاج بہت زیادہ دھول دھپے کا متحمل نہیں ہو سکتا اور نہ ان کا اختتام ہی ڈرامائی انداز اختیار کر سکتا ہے۔ لیکن وہ تو کہتے ہیں ”فلان ناول جیسا تھا.... ویسا یہ نہیں ہے۔!“

یہ تو بڑی اچھی بات ہوئی کہ یہ اس سے مختلف ہے۔ ورنہ آپ ہی ”بور بور“ کا نفرہ بلند کرنے لگتے۔ میں خود ہی کوشش کرتا ہوں کہ کہانیوں پر ٹریننگ میں مماثلت نہ ہونے پائے۔

## آخر صفحہ

جو لیانا فشر والرے سکھیوں سے دیکھا۔ وہ مونا چینی اسے اب بھی گھوڑے جادہ تھا۔ جھوٹے قد کا بھاری بھر کم آدمی تھا۔ چہرہ گول، آنکھوں اور ناک کی بناؤت ایسی ہی تھی جیسی عام طور پر چینیوں کی ہوتی ہے۔ عمر جالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہو گی۔ جسم پر عمده تراش کا سمر سوت تھا۔ کوئی چینی خواہ کتنا ہی صاف سفہر اکیوں نہ ہو جو لیا کو پسند نہیں آتا تھا کچھ دیر بعد اسے اس پر غصہ آنے لگا۔ گھورے ہی چلا جاتا ہے، کتیا کا بچ... اس نے سوچا... اور یکھنٹ اس کی طرف مڑ گئی اور وہ کچھ اس طرح جھوٹھکا جیسے اچانک کسی قسم کا ذہنی جھکھا لگا ہو۔ اب جو لیا اسے خنوار نظروں سے گھور رہی تھی اور وہ آنکھیں چڑا باتھا۔ اس دفت و کثوریہ روڑ کے چورا ہے کا یہ اسنیک بار زیادہ آباد نہیں تھا۔ کئی میزیں خالی تھیں، جو لیا اتفاقاً کافی پیسے بیباں چلی آئی تھی۔ ورنہ اسے ایسی چھوٹی جگہوں سے وحشت ہی ہوتی تھی۔ جہاں وہ عام طور پر دوسروں کی توجہ کا مرکز بن سکے۔ اب تو چینی نے حقیقتاً کہم کر سر جھکالایا تھا... جو لیا نے جوں توں کافی ختم کی اور اٹھ گئی۔ ویسے بھی بیباں دیر ٹک بیٹھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ باہر آئرہ اپنی چھوٹی سی فیات میں بیٹھی اور ایک طرف چال پڑی۔ وہ ایک خوشنگوار شام تھی۔ کئی دن کی بونداہاندی کے بعد مطلع صاف ہوا تھا اور سردی بھی

غیر معمولی نہیں تھی، جو لیا کا خیال تھا کہ کچھ وقت کھل فضاہی میں گزارے گی۔ کچھ دیر بعد اسے یاد آیا کہ اسے کامپلکس بھی خریدنی پڑیں۔

ایک جزل اسٹور کے سامنے گاڑی روک دی۔ اتر کر ضرورت کی چیزیں خریدیں اور پھر گاڑی کی طرف واپس آ رہی تھی کہ دفعتہ اسیں جاتب نظر اٹھ گئی اور سب سے پہلے اُسی چینی کی شکل دکھائی دی جو کچھ دیر قبل اسیک بار میں اُسے گورہ رہا تھا۔ شیورلیٹ جو لیا کی فیاث سے تقریباً نئے ماڈل کی شیورلیٹ تھی اور وہ خود ہی اسٹریم پر تھا۔ شیورلیٹ جو لیا کی فیاث سے تقریباً چار گز کے فاصلے پر کھڑی کی گئی تھی۔

جو لیا نے لاپرواپی سے شانوں کو جتنش دی اور اپنی گاڑی میں آبینہ۔ لیکن اب اُس نے گھر جانے کا ارادہ ملتی کر دیا تھا۔ گاڑی اسٹارٹ کر کے تھوڑی دور تک چلی پھر ایک گلی میں مڑ گئی۔ عقب نما آئینے میں چینی کی شیورلیٹ صاف نظر آ رہی تھی۔

وہ گلیوں میں بھی اُس کی فیاث ہی کے پیچھے لگی رہی۔ دوسرا سڑک کے کنارے ایک پلک پارک تھا جو لیا نے وہیں اپنی فیاث روک دی اور نیچے اتر آئی۔ پارک زیادہ گنجان آباد نہیں تھا۔ متعدد بچیں خالی نظر آ رہی تھیں۔

بیہاں رک جانے کا فعل اضطراری تھا۔ جو لیا کے ذہن میں کوئی اسکیم نہیں تھی۔ ویسے چینی کے خلاف اُس کے غصے کی آگ اور زیادہ بھڑک انٹھی تھی وہ سوچ رہی تھی کہ اُسے اس کی سزا ضرور ملنی چاہئے۔

وہ گاڑی منتقل کر کے پارک میں داخل ہو گئی۔ کئی تناور اور گھنے درخنوں کے نیچے دلی چخوں پر لوگ آرام بھی کر رہے تھے۔

جو لیا کو کسی سایہ دار جگہ ہی والی بیٹھنے کی تلاش تھی۔ چلتے چلتے وہ ایسی پوزیشن میں آگئی کہ سکنکھیوں سے عقب کا جائزہ بھی لے سکے۔

توقیع کرنے والا چینی بھی پارک میں داخل ہوا تھا۔ بے اختیار جو لیا کا دل چاہا کہ سینڈل اٹارے اور اس پر پھینک مارے۔ صورت حرام آخر خود کو سمجھتا کیا ہے؟ وہ تیزی سے ایک خالی بیٹھنے کی طرف بڑھی۔

”مختصر۔ عاف نہیں یہ گا۔“ دفعتہ اپنست سے آواز آئی اور وہ چڑھا کر بے انداز میں طاہن۔ چینی سامنے کھڑا تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر مسلسلی طاری تھی ایسا معلوم ہوا، با تھا جیسے، وہ نہ،

بھی اپنے اس رویے پر پیمان ہو۔  
”کیا بات ہے!“ جو لیا غرائی۔

”یہ...“ وہ ایک رومال آگے بڑھاتا ہوا بولا۔ ”شاید آپ کا ہے؟“  
”تم گدھے ہو۔ تعارف حاصل کرنے کا یہ طریقہ بہت پرانا ہے۔“ جو لیا نے سرد لمحے میں کہا۔  
”آپ غلط سمجھیں مختصر میں!“ اُس نے شہنشی سانس لے کر کہا۔ آواز غم ناک تھی اور اُس کی آنکھوں میں افسرگی مترخ تھی۔

”نہیں یہ میرا نہیں ہے۔“ جو لیا غصہ ظاہر کرتی ہوئی بولی۔  
”میں نہیں سمجھ سکتا کہ لوگ مجھے اتنا بُراؤ کیوں سمجھتے ہیں۔“ وہ اس طرح بڑھایا جسے خود سے مخاطب ہو۔

جو لیا دوسرا طرف مڑ گئی تھی۔ بیٹھ کر قریب پہنچ کر اُس کی طرف دیکھے بغیر بیٹھ گئی۔ چینی اُب بھی وہیں کھڑا تھا۔ جہاں جو لیا سے گفتگو کی تھی۔

جو لیا نے اُسے دیکھا اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا۔  
”تو بُری دیر بعد وہ آگے بڑھا اور نظریں جھکائے ہوئے بولا۔“  
”کیا آپ مجھے معاف کر دیں گے۔“ واقعی مجھ سے زبردست غلظی ہوئی۔ مجھے اُس رومال کو نظر انداز کر دینا چاہئے تھا۔

”تو اب کیوں سر پر سوار ہو.... وغیرہ ہو جاؤ۔“ جو لیا نت پیس کر بولی۔  
اُس نے مغموم انداز میں سر کو جتنش دی اور آہستہ سے بولا۔ ”میں ہمیشہ اداس ہی رہوں گا... خوشی کا ایک لمحہ بھی مجھے میسر نہیں۔“

”حالانکہ شیورلیٹ دبائے پھرتے ہو۔“ جو لیا نے مھنگہ اڑانے کے سے انداز میں کہا۔  
”یہ...“ وہ اپنی سرست کی تلاش میں ہوں۔“

”تعجب ہے کہ ابھی تک تلاش ہی میں ہو۔ حالانکہ تمہارے ملک کی انبوون بہت مشہور ہے۔“  
”میں بُر نہیں مانتا۔ آپ شوق سے مھنگہ اڑائیے۔“ وہ رودینے کے سے انداز میں بولا۔  
جو لیا نے دوسرا طرف منہ پھیر لیا۔ لیکن محسوس کر رہی تھی کہ وہ اب بھی وہیں کھڑا ہے۔  
کچھ دیر بعد اُس نے کھا کر کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ آپ نے میرے متعلق کوئی بُری رائے نہ قائم کی ہو گئی۔“

”ارے۔ ارے۔“ ”جو لیا جھلانے پڑ گئی۔“ تمہارا ایسا نہیں خراب ہو گیا۔ تم ہو یا ہا۔“

"میں معافی چاہتا ہوں اگر میری زبان سے کوئی نامناسب بات نکل گئی ہو۔"

"میں کہتی ہوں جاؤ یہاں سے.... درست....!" جولیا چھل کر کھڑی ہو گئی۔

"ارے.... نہیں.... ارے نہیں۔" دفعتاً پشت سے آواز آئی.... جولیا غیر ارادی طور پر آواز کی جانب مڑ گئی۔ کراثا کی باڑھ کے پیچے ایک دوسرا چینی نظر آیا۔ دبلا پٹلا اور دراز قد۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ کافی اوپری باڑھ کو پھلانگ کر ان کے قریب پہنچ پکا تھا۔ جولیا نے اتنا لما چینی آج تک نہیں دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی اور بے حد چیکلی تھیں۔ لباس سے ذی حیثیت آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

"میں سمجھتا ہا آپ انہیں تھہرمانے جا رہی ہیں۔" اس نے جولیا سے کہا۔

شہ جانے کیوں جولیا اس کی آمد پر بوکھلا سی گئی تھی۔

"تم.... تم یہاں کیوں؟" موٹے چینی نے غصیلے لمحے میں کہا۔

"آپ تو خاموش ہی رہئے جناہ۔" دبليے چینی نے شرات آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ پھر جولیا سے بولا۔ "آپ کچھ خیال نہ کیجئے محترم۔... یہ میرے مالک مسٹر کاؤنچن ہیں، خوبصورت خواتین کو دیکھ کر بد حواس ہو جاتے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ تم لوگ کیا کواس کر رہے ہو اور اس کا مقصد کیا ہے۔"

"کیا مقصد ہے....؟" دبلا چینی یو جن کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکراہٹ اور یو جن بھی اس پر دانت پینے لگا۔ کیونکہ اس کی مسکراہٹ کا انداز کافی محدود دماغوں کو بھی غصہ دلا سکتا تھا۔

"میں کسی پولیس میں کو بلاتی ہوں۔" جولیا غرائی۔

"ارے نہیں....!" دبلا چینی ہاتھ اخھا کر بولا۔ "آپ ہی دو چار جو تیاں مار دیجئے۔ پولیس میں کو کیوں تکلف دیں گی۔"

"حرام زادے۔" یو چین نے اسے گھونسہ دکھایا۔

"ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا۔" دبليے چینی نے جولیا کو پھر مخاطب کیا۔ "میرے مالک مسٹر یو چن کی ذہنی حالت نیک نہیں ہے اس لئے مجبو را مجھے ان کی نگرانی کرنی پڑتی ہے۔ یہ آپ کے پیچھے تھے اور میں ان کے پیچھے تھا۔ ذہنی توازن مگر گیا تھا۔ لیکن بے ضر، آدمی ہیں.... کچھ دیر بعد آپ کے پیچھے دوڑتے اور پھر کسی موقع پر مگر کہہ کر آپ سے لپٹ جانے کی کوشش کرتے۔"

"او حرام زادے....!" یو چین بے بس سے پیچا۔

اور جولیا تیزی سے سڑک کی طرف مڑ گئی۔... غصے سے کانپ رہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آرہا

تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔

اُسی جھلائی کے عالم میں اپنی کار تک آئی۔ دروازہ کھولا اور اندر بینچ کر انہیں اشارہ کر دیا۔ دبلا چینی تیز رفتاری سے اُس کی جانب جھپٹا آرہا تھا۔

"محترم۔... محترم۔! اُس نے قریب پہنچ کر اوپری آواز میں کہا۔ "میں پھر عرض کروں گا کہ وہ خطرناک قسم کے پاگل نہیں ہیں۔"

"چلے جاؤ.... ورنہ اتنے جوتے لگاؤں گی....!"

"یقیناً.... یقیناً....!" وہ جلدی سے بات کاٹ کر بولا۔ "ویسے یہ بھی عرض کروں گا کہ اگر میں دخل اندازی نہ کر پہنچتا تو۔"

"تو کیا ہوتا....؟" جولیا پھر لکھنے والے انداز میں گاڑی سے یہ نہ آئی۔

"دوسرا خاتمن کو تو ہمیں ہی کہتے رہے ہیں.... آپ کی بات۔"

"میں کہتی ہوں دفع ہو جاؤ۔"

"وہ تو ہونا ہی ہے۔ لیکن میں کہیں کا نہ رہا۔ اس دخل اندازی کے سلسلے میں ملازمت سے ضرور بر طرف کر دیا جاؤں گا۔"

جو لیا پھر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ اُس نے انہیں بند نہیں کیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں گاڑی چل پڑی۔

وہ اُس دبليے آدمی سے نہ جانے کیوں غافل ہو گئی تھی۔ پتہ نہیں کیا چیز تھی اُس کی شخصیت میں جو اُس کے ذہن کے کسی تاریک گوشے کو جھنھوڑ کر رکھ دیتی تھی۔ وہ اس احساس کو کوئی معنی نہ پہنچ سکی۔

کار تیزی سے دوڑتی رہی۔ دفعتاً عقب نما آئی میں پھر اُس مونے چینی کی شیوریت دکھائی دی۔

"کچ کاپا۔!" وہ دانت پیس کر بڑھا۔

موٹا چینی اب بھی اُس کا تعاقب کر رہا تھا اور اُس کی گاڑی زیادہ فاصلے پر بھی نہیں تھی۔

جو لیا نے رفتار تیز کر دی۔ لیکن دونوں گاڑیوں کا فاصلہ طویل نہ ہوا۔ اُس کے ساتھ ہی پیسی نے بھی رفتار بڑھا دی۔

جو لیا کو دبليے چینی کی کہی ہوئی بات یاد آئی۔ اور اُس نے سوچا اگر ذہنی توازن نہیں تو کہیں گاڑی لڑاہی نہ دے۔

ہنسی کے ساتھ کہا۔ ”ارے یہ تو مسٹر یوچن ہیں۔ تشریف رکھئے مسٹر یوچن... یہ میری دوست مس جولیا نافٹر والریں۔“

اس نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے اور پھر بند کرنے۔ دونوں ہاتھوں میں جنبش ہوتی اور یہ دھنگے پین سے دانت نکل پڑے۔ بے حد زوس نظر آرہا تھا۔

”تشریف رکھئے.... مسٹر یوچن...!“ صدر نے پھر کہا اور یوچن ایک کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ جولیا تمیرانہ انداز میں پلکیں جھپکا رہی تھی۔ صدر بھی کچھ کم نزوں نہیں نظر آرہا تھا کمرے کی فضائ پر گہری خاموشی مسلط تھی۔ یہیں کے چہروں سے صاف ظاہر تھا۔ جیسے وہ کچھ کہنا تو چاہتے ہوں لیکن انہیں خیال کے لئے مناسب الفاظ انہیں مل رہے ہوں۔

”یہ مسٹر کاؤچن ہیں۔ شہر کی اہم ترین شخصیت...!“ صدر نے دوبارہ تفصیل سے تعارف شروع کیا۔ ”ہم سب ہی کسی طرح ان کے احسان مند ہیں۔ واٹر سپلائی کا یا نظام انہیں کی صلاحیتوں کا مر ہون منت ہے... اور مسٹر یوچن... مس جولیا سمجھی تھیں شاہد آپ انہیں خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں۔“

”ارے نہیں.... نہیں....!“ دہ زور زور سے سر ہلانے لگا۔

”تو پھر یہاں تک چلے آنے کی وجہ...!“ جولیا نے آنکھیں نکال کر کہا۔

”مسٹر یوچن نے وجہ بھی بتائی ہے۔“ صدر مسکرا لیا۔ ”لیکن بہتر ہو گا کہ تم بھی انہی ہی کی زبان سے سنو۔“

”نہیں.... نہیں....!“ دہ شرم کر بولا۔ ”آپ ہی بتادیے مسٹر...!“

”نہیں آپ۔“

”نہیں۔ سب...!“ یوچن نے عورتوں کی طرح لپکنے کی کوشش کی اور حصھلا کر رہ گیا۔ جولیا کا غصہ رفع ہو چکا تھا اور اس ”اوا“ پر بے ساختہ مسکرا پڑی تھی۔ لیکن تجسس تو بہر حال برقرار رہا تھا۔ پھر وہ اس سے کیا چاہتا ہے؟

”اچھا بھی....!“ صدر اپنی ہنسی پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ ”مسٹر یوچن کا کہنا ہے کہ اگر تم انہیں ایک تھیز بھی مار دیتیں تو ان کی محنت وصول ہو جاتی۔“

”تم نے بھی کو اس شروع کر دی۔“ یوچن جھنجڑا گئی۔

”مسٹر یوچن.... بہتر ہو گا کہ آپ ہی بتادیں...!“ صدر بولا۔

”نہیں آپ....!“ یوچن جھینپھی ہوئے انداز میں بنسا۔



وہ کار کی رفتار بذریعہ تیز کرتی رہی لیکن فاصلہ کم نہ ہوا... پھر کچھ دیر بعد بھری پڑی سڑکوں سے بھی گزرنا پڑا اور رفتار دوبارہ کم کرنی پڑی۔

اب وہ سوچ رہی تھی کہ اُسے کہاں جانا چاہئے۔ تعاقب کرنے والے کی ڈھنائی نے اُسے یقین دلا دیا تھا کہ وہ پاگل ہی ہے۔

وھٹا اُسے خیال آیا کہ صدر گھر ہی ہو گا... اُس کا گھر یہاں سے زیادہ دور بھی نہیں... ٹھیک ہے۔ وہیں چلتا چاہئے... براو راست اپنے گھر جانا مناسب نہیں پاگل ہی ٹھہر۔ گھردیکھ لینے کے بعد نہ جانے کیا کر بیٹھ۔ پڑھ سیوں میں خواہ خواہ مسحکہ اڑے گا۔ صدر کے مکان کے سامنے پہنچ کر اُس نے گاڑی روکی۔ مڑکر پیچھے دیکھے بغیر نیچے اتری اور تیزی نے برآمدے میں پہنچ کر کاکاں بل کا مٹنے زبانے لگی۔

زروازہ کھولنے والا صدر ہی تھا۔ جو لیا اندر جلی گئی اور وہ اُسے جیرت سے دیکھتا ہا کیونکہ اس کے چہرے پر سر اسیگی کے آثار دور سے بھی نظر آسکتے تھے۔

”خیریت...!“

”ایک پاگل آدمی میرا تعاقب کر رہا ہے۔“

”کہاں...!“ صدر نہیں پڑا۔

”بابر... ایک موٹا سا چینی ہے۔ فٹے موڈل کی شیور لٹ میں۔“

”تب تو پھر نکل بھی گیا ہو گا۔“

”مجھے یقین نہیں...!“

”کیوں؟“

”اب وہ ایسا ہی آدمی معلوم ہوتا ہے۔“

”اچھا ٹھہر وہ... میں دیکھتا ہوں۔“

جو لیا ہیں ٹھہر کر اس کی منتظر رہی... ویسے اب اُسے اپنی اس مسحکہ خیز حالت پر ہنسی بھی آ رہی تھی۔ وہ آشادہ اسے تھیز بھی مار دیں لیکن وہ پاگل تھا؟ عورتیں عموماً پاگلوں سے ذریتی ہیں ایسے سلسلہ ہے لاشیوںی طور پر۔ نہیں اپنے جڑیں۔ کھجھن جوں۔

کچھ دیر بعد صدر مارپس آیا۔ اس کے پیچھے وہ موٹا چینی بھی تھا۔ صدر نے اعصاب زده سی

”بھی سنو....!“ صدر نے جولیا سے کہا۔ ”بات کسی حد تک مصلحہ خیز بھی ہے لیکن تمہیں اس پر ہمدردی سے غور کرنا پڑے گا۔“

”میں جاری ہوں۔“

”ار... نہیں...!“

”خدا کے لئے میری بات سن لجھے....!“ یوچن کھاکھلیا۔

”آج شائد احتقون کے علاوہ اور کسی سے ملاقات نہ ہو سکے گی۔“

”اچھا ہے وو... آخری کوشش ہے۔ اس بار شائد پوری بات تمہاری بھی میں آجائے۔“ صدر نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”بیٹھ جاؤ۔“

جو لیا رہا سامنہ بنائے بیٹھ گئی۔

”مسٹر یوچن کی والدہ ایک فرانسیسی خاتون تھیں۔“ صدر نے ہنسی روکتے ہوئے کہا۔ ”باپ چینی تھے.... مسٹر یوچن کا کہنا ہے کہ تمہاری محل ان کی والدہ سے بہت لطی ہے۔“

”بکواس بند کرو۔“ جولیا صوفے کے ہتھے پر ہاتھ مار کر بولی۔ ”اس کے ملازم نے ٹھیک ہی کہا تھا.... یہ سچ پا گل ہے۔“

”ملازم.... کون ملازم....!“ یوچن نے حیرت سی کہا۔

”وہ دوسرا چینی....!“ جولیا اسے چھاڑ کھانے والی نظر وہ دیکھتی ہوئی بولی۔

”میں نہیں جانتا وہ کون تھا؟“

”میں کیسے یقین کر لوں جب کہ تم نے اُس کی کواس کی تردید بھی نہیں کی تھی۔“

”مجھے شدت سے غصہ آگیا تھا اور جب مجھے شدت سے غصہ آتا ہے تو میں گونگا ہو کر رہ جاتا ہوں۔ زبان سے کچھ نہیں نکلتا۔“

”وہ کہہ رہا تھا کہ تم عورتوں کا چیچا کرتے ہو اور جب وہ جوتا اتار کر تم پر پڑتی ہیں تو تم میں می کہہ کر جان چھڑاتے ہو۔“

”جبونا تھا وہ حرام زادہ....!“ یوچن دانت پیس کر بولنا۔ ”میں کبھی عورتوں کا چیچا نہیں کرتا.... کیا میں گدھا ہوں۔“

”پھر میرا تعاقب کیوں کر رہے تھے۔“

”انہوں نے بتا تو دیا۔“ یوچن نے آہست سے شر میں بچے میں ہباد۔

جو لیا نے سوچا پر لے سرے کا گدھا معلوم ہوتا ہے۔ چلو ہوڑی تھی تھی سکی۔

”ہوں....!“ اُس نے اوپری ہونٹ بھیجن کر کہا۔ ”اگر میں تمہاری ماں سے مشابہ ہوں تو پھر؟“

”پھر.... پھر.... میں کیا کہوں۔“

”نہیں.... کیا کہنا چاہتے ہو....؟“

”بس میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں.... کبھی کبھی؟“

جو لیا ہوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ ”وہ دوسرا آدمی کون تھا۔“

”یقین کجھے میں نہیں جانتا۔“

”پھر.... میں والی بات تمہارے ذہن سے نکل کر اُس کے ذہن میں کیسے پچھی ہو گی؟“

”میں خود بھی نہیں جانتا۔ یقین کجھے پتے نہیں وہ کون بدمعاش تھا۔“

”ظاہر ہے کہ وہ شروع سے آپ کے پیچھے لگا رہا ہوا۔“

”پتے نہیں۔“

”بہر حال مجھے تو اس پر بھی آرہی ہے کہ تم مسٹر یوچن جیسے آدمی کو پا گل سمجھتی تھیں۔“

صدر بول پڑا۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ ہوڑی دیر بعد یوچن نے جولیا سے کہا۔ ”یہ آپ مجھے اپنا فون نمبر دے سکیں گی۔“

”کیوں نہیں.... ضرور ضرور....!“ جولیا سر ہلا کر بولی اور اُسے نمبر لکھوانے لگی۔ لیکن یہ عمران کے فون نمبر تھے۔

صدر نے اُسے گھوڑ کر دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔

یوچن نے نمبر لکھ کر نوٹ بک جیب میں رکھی اور صدر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو لیا سے کہا۔ ”کیا یہ آپ کے....!“

”دوست ہیں....!“ جولیا نے جلدی سے جملہ پورا کر دیا۔

”تو آپ یہاں نہیں رہتے۔“

”نہیں....!“

”اوہ.... اوہ....!“ اُس کے چہرے پر مایوسی بکھر گئی۔

اُب جولیا کے انداز میں بے عقلی پیدا ہو گئی تھی اور وہ صدر کو بتانے لگی تھی کہ سو سٹر لینڈ میں گاہریں اس طرح کھالی جاتی ہیں.... پھر پولٹری فارم میک پر اتر آئی اور یوچن احتفاظ انداز میں

ان کی گفتگو سنтарہا۔ پھر دفتارہ اُس سے بھی پوچھ بیٹھی۔ ”تمہاری ماں مر غیاب پالتی تھیں؟“

ذالی اور بیگ سے رومال نکال کر دروازے کا ہینڈل صاف کیا۔  
سیکرٹ سروس کے چیف ایکس ٹو کا حکم تھا کہ ایسے موقع کبھی نہ پیدا ہونے چاہیں جہاں  
پولیس سے مدد بھیڑ ہو جانے کا امکان ہو۔

اب وہ اپنی گاڑی کی طرف جبھی اور پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر انہیں اشارت کر دیا۔ پھر اسے یہ  
نہیں کہ کس طرح گھر تک پہنچی تھی۔

وہ سوچ رہی تھی کیا اس احقیقی کے خلاف کوئی سازش کی گئی ہے یادہ خود ہی دیدہ و دانتے  
ایک لاش اپنی کار میں لئے پھر رہا تھا؟

کچھ دیر بعد اس نے صدر کے نمبر ڈائل کئے۔ جواب ملنے میں دیر نہیں لگی لیکن اس نے  
محسوس کیا چیزے صدر کی آواز کا نپ رہی ہو۔

”تم کہاں ہو؟“ اس نے پوچھا۔

”اپنے گھر پر...!“ جولیا نے جواب دیا تھا۔

”یہ تم نے کس مصیبت میں پھنسا دیا۔“

”کیوں کیا بات ہے۔“

”فون پر نہیں بتائی جاسکتی۔“

”پھر...!“

”میں کچھ دیر بعد وہ میں آؤں گا....!“ صدر نے کہا اور پھر سلمہ منقطع ہو گیا۔  
جولیا بھی ریسیور کر دیا پر رکھ کر بیٹھی ہی تھی کہ گھنٹی بجی۔

اس نے ریسیور اٹھایا۔ دوسرا طرف سے عمران کی آواز آئی۔

”میرا کیا قصور ہے محترم جولیا فائز وائز...!“ وہ پوچھ رہا تھا۔

”میں نہیں سمجھی تم کیا کہہ رہے ہو۔“

”پولیس ہیڈ کوارٹر سے مجھے بور کیا جا رہا ہے۔ بار بار فون کی گھنٹی بجتی ہے تمہارا نام دہرایا جاتا  
ہے اور میں ہر بار رانگ نہیں کہہ کر سندھ منقطع کر دیتا ہوں۔“

”کوئی وجہ...?“

”وجہ بھی تم ہی بتاؤ گی۔“

”تم یہاں آ جاؤ۔“

”یہی مناسب بھی ہے ورنہ اگر تم یہاں آئیں تو...!“

”نن... ار... ہاں... نن... نم میرا خیال ہے پالتی تھیں...!“  
”ضرور پالتی ہوں گی...“ جولیا نے کہا اور پھر صدر سے مطابق ہو گئی۔ اب مرغیوں کی  
مختلف اقسام میں زرخیزی کی نو عیت زیر بحث تھی۔

یوچن ہمہ تن گوش تھا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اس کے مستقبل کا انعام ہی مرغیوں پر ہو۔  
”میں تو مرغیوں کی صرف ایک ہی نسل سے واقع ہوں۔“ صدر نے کہا۔

”کون سی؟“  
”وہ جو کھائی جاتی ہیں۔“ صدر نے کہا اور شاہد اس موقع پر یوچن کی طرف دیکھا کہ اسے بھی  
آگئی ہو گی لیکن وہ تو کسی بار بردار گھر کی طرح ٹھس بیٹھا تھا۔

”اچھا... اب چلتا چاہئے۔“ جولیا بھتی ہوئی بولی۔

”میں بھی چلوں۔“ یوچن نے بچکانہ انداز میں پوچھا۔

”تم کہاں چلو گے۔“

”تمہارے گھر...!“

”دیاغ تو نہیں خراب ہو گیا۔“ جولیا پھر جھلا گئی۔

”اچھا چھا! میں اب نہیں کہوں گا... نہ ارض مت ہوئے...!“  
”اگر اب تم میرے پیچھے آئے تو سڑک پر بے عنی کر دو گئی۔“ جولیا نے کہا اور باہر نکل چلی آئی۔  
مزکر دیکھا بھی نہیں کہ کہیں وہ پھر تو نہیں آ رہا... لیکن برآمدے سے اترتے ہی اس نے  
سوچا کہ یوچن کو سبق تو دینا ہی چاہئے... اس کی گاڑی کے پیچھے ہی یوچن کی شیوریٹ نظر آئی۔  
کیوں نہ ہوا نکال دی جائے ایک آدھ پیٹے کی، اس نے سوچا اور مزکر برآمدے کی طرف  
دیکھنے لگی۔ یوچن کو شاہد صدر نے روک لیا تھا۔

وہ تیزی سے آگے بڑھی ایک دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر جھکی ہی تھی کہ پھر اس

طرح اچھل کر پیچھے ہٹ آئی جیسے الیٹر ک شاک لگا ہو۔

چھپلی نشست کے نیچے ایک لاش تھی کسی عورت کی لاش جس کی گردن کاٹ دی گئی تھی۔



جو لیانے مزید کچھ سے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

صفروں سے پہلے عمر ان وہاں پہنچا تھا۔ جو لیانے اُسے بتایا کہ پولیس ہیڈ کوارٹر سے اُس کے لئے عمران سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”تو اُس نے دوسرے چینی کو اپنا ملازم تشیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔“

”قطعی طور پر لا علمی ظاہر کی تھی۔“

”کیا صفر... اُس آدمی کا وچین کو پہلے سے جانتا ہے۔“

”پتہ نہیں... میرا خیال ہے کہ صفر تو اُسے جانتا تھا لیکن وہ صفر سے واقف نہیں... اُن کی گفتگو کے انداز سے یہی ظاہر ہو رہا تھا؟“

”لیکن تم نے اُسے میرے فون نمبر کیوں دیئے تھے؟“

”تفہیماً...!“ جو لیانے لاپرواں سے شانوں کو جبکش دی۔

عمران اُسے تشویش کن نظروں سے دیکھتا رہا۔ جو لیا دوسرا طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر کچھ دیر بعد عمران نے کہا۔ ”صفر کو پھر فون کرو۔“

”اُس نے کہا تھا کہ وہ خود آئے گا۔“

”فون کرنے سے پتہ چل جائے گا کہ وہ گھر سے روانہ ہو چکا ہے یا نہیں۔“

جو لیانے صفر کے نمبر ڈائل کئے لیکن جواب نہ ملا۔ دوبارہ پھر ڈائل کئے اور عمران کی طرف دیکھ کر نفی میں سر ہلایا۔

ریسیوزر کھ کر وہ اندر چل گئی۔ عمران نشست کے کمرے میں تھا رہ گیا۔ اُس کے چہرے پر بھی تشویش کے آثار تھے۔

کچھ دیر بعد اُس نے باہر سے گھٹنی بھائی۔ یہ صفر رہی تھا۔

”اوہ... تو جناب پہلے ہی سے موجود ہیں۔“ اُس نے کمرے میں داخل ہوئے ہوئے کہا۔

عمران کچھ نہ بولا۔ وہ اُسے مٹلنے والی نظر سے دیکھ رہا تھا۔

”کیا جو لیانے آپ کو بتایا...!“ اُس نے عمران سے پوچھا۔

”اب تم بھی بتا۔“ عمران نے محنت کی سانس لی۔ ”پولیس تو یہی بو، سر رہی ہے۔“

”اوہ... بھجے یاد ہے۔“ صدر بھس پڑا۔ ”جو لیانے اُسے آپ تھے آپ تھے نمبر لکھوا تھے؟“

”تم کاؤچین کو کیسے جانتے ہو۔“

”بس یو نہیں! اُس سے کبھی تعارف نہیں ہوا۔ پہلے کہیں دیکھا تھا اور کسی نے اُس کا نام بتایا تھا۔“

”کار میں لاش کس نے دریافت کی تھی۔“

”خود اُسی نے... اور چیختا ہوا پھر میرے مکان میں گھس آیا تھا۔“

”پولیس کو کس نے اطلاع دی تھی۔“

”مجھے ہی دینی پڑی تھی... وہ تو بُری طرح بد حواس تھا۔“

”پھر پولیس کے سامنے اُس نے کیا بیان دیا۔“

”یہی کہ اُس کی لاعلی میں کسی نے وہ لاش اُس کی کار میں لاڈاں تھی... ایک بڑا ساموی تھیلا بھی کار میں ملا ہے لاش اُسی میں بھر کر دہاں لائی گئی ہو گی۔“

”لاش کی شاخت ہو سکی تھی؟“

”نہیں... کاؤچین کے لئے ابھی تھی۔“

”اب تم اپنی پوزیشن بتا جاؤ...!“

”چوکہ وہ ایک ابھی کی حیثیت سے میرے گھر میں داخل ہوا تھا اس لئے میرے بیان میں جو لیا کا نام آتا بھی ضروری ہو گیا... لیکن میں نے اس کے رہائش پتے سے لاعلی ظاہر کی۔ بس یہ لکھوادیا کہ اکثر ہوٹلوں اور نائب کلبوں میں اُس سے ملاقات ہوتی رہی تھی۔“

”بے حد عقائدی کا کام کیا تم نے جو اس کے باوجود بھی یہاں دوڑے چلے آئے۔ اگر انہوں نے تمہاری لفک و حرکت کی بھی نگرانی شروع کر دی تو...؟“

”مجھے توقع نہیں ہے کہ وہ اتنی جلدی کسی خاص نیجے پر پہنچ کر کوئی اقدام کر سکیں۔“

عمران کچھ نہ بولا۔ اتنے میں جو لیا بھی واپس آگئی۔ ہاتھوں پر چائے کی ٹرے سنبھال ہوئی تھی۔

”لکھنی فیاض تمہیں بھی جانتا ہے اور جو لیا کو بھی۔“ عمران نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”جو لیا رہاں گاہ سے لاعلی ظاہر کر کے تم نے اچھا نہیں کیا اور پھر یہ مجرمہ اُسے میرا فون نمبر بتا رکھ لی ہی مزید عقائدی کا ثبوت دے چکی ہیں۔“

جو لیا حاموشی سے چائے اندھیتی رہی۔

اب عمران تمہر آمیز مسکراہٹ کے ساتھ اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”کیا پولیس نے آپ کو رنگ کیا تھا۔“

”ئی بار...“ عمران تھنڈی کی سانس لے کر بولا۔ ”وہ جنمی کا نام لیتے تھے،“ میں اُنکے نام

کہہ کر ذہن لکھت کر دیتا تھا۔ شاید اب کیپن فیاض میرے فیٹ میں بیٹھا، لگھ رہا ہو۔“

”نہایت نامعقول عورت معلوم ہوتی ہے۔ پولیس کو اس کی تلاش ہونی ہی چاہئے۔“

”اس نے اپنا نام جو لیا فائز واثر بتایا تھا۔“

”بھر تم یہاں کیوں آئے.... کیا اس کا پتہ تمہیں معلوم نہیں۔“

”سوال یہ ہے کہ اس نے تمہارا نمبر کیوں بتایا۔“

”یہ سوال بھی تم اُسی سے کر سکتے ہو۔“

”ہمیں کوارٹر سے تم سے اُس کے متعلق پوچھا گیا تھا تم نے رانگ نمبر کہہ کر سلسلہ کیوں منقطع کر دیا تھا۔“

”بھر کیا کرتا.... یہاں کوئی جو لیا فائز واثر نہیں رہتی۔“

”تم نہیں اُس کا صحیح پتہ بتاتے تھے۔“

”ہو سکتا ہے اس شہر میں کوئی اور جو لیا فائز واثر بھی ہو۔“

”وہ اس وقت کہاں ملے گی۔“

”ارے میں نے کوئی تھیک لے رکھا ہے شہر بھر کا....!“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔

”وہ بڑی الجھنوں میں پڑ جائے گی.... کاڈیو چن زیر حرast ہے۔“

”کہاں کی ہاںک رہے ہو.... یہ کاڈیو چن کون ہے۔“

فیاض خاموشی سے اُسے گھور تارہ۔ بھر آہستہ آہستہ اُس نے بھی وہی داستان دہرا دی جو

عمران جو لیا اور صدر سے سن چکا تھا۔

”ہوں....!“ وہ سر ہلا کر بولا۔ ”تو یہ عورت... کیا لاش کی شاخت ہو گئی ہے۔“

”میں کہتا ہوں یہ جو لیا خواہ مخواہ اپنی گروں پھنس بیٹھنے ہے۔“ فیاض نے بڑے جوش سے کہا۔

”لاش کی شاخت ہو چکی ہے.... وہ ایک غیر ملکی سفیر کی بیوی تھی۔“



اور پھر جب عمران کو یہ معلوم ہوا کہ یہ کس ملک کے سفیر کی بیوی تھی تو اُسے یک یکہ سنجیدہ ہو جانا پڑا لیکن فیاض کے جوش و خروش کے مطابق وہ تینجے بھی نہ نظر آ کا۔ کیونکہ مقتدا اپنی مانسی کے لئے نامحسوس شہر تھی۔ وہ سمجھیے اس لئے ہو جانا یا تھا کہ وہ نہیں ملک سفیر کی بیوی تھی۔ قتل اس کے ملک میں ہوا تھا اس لئے سُن کہ مدت اُس کی سد نہ تھی۔ جو

جو لیانے بڑے اہتمام کے ساتھ عمران کو چائے پیش کی۔

”شکر یہ....!“ عمران نے خنک لیجے میں کہا۔ ”برہم چاری ہوں....!“

”کیوں؟“

”کئی بار یہاں تقاضوں کے باوجود بھی چائے نہیں ملی۔“

”اوہ....!“ جو لیا جنگنگلا گئی.... ”تم سمجھتے ہو شاہد میں تمہاری خوشامد کر رہی ہوں۔ خود کو کیا سمجھتے ہو۔“

”ایڈیٹ.... درج اول....!“

جو لیانے لا پروائی سے شانوں کو جنبش دے کر وہی پیالی صدر کی طرف بڑھادی۔

”لبجھے ہا....!“ صدر نہیں کر بولا۔

”تاوقت چائے نہیں پیتا۔“ عمران نے بدستور خنک لیجے میں کہا۔ ”اچھا ب میں چلا، اس

سلسلے میں کوئی مدد نہ کر سکوں گا اپنی کھلیاں خود ہی مارو۔“

وہ انھیں کیا اور جو لیا اور اسمانہ بنا کر بولی۔ ”جہنم میں جاؤ۔“

عمران باہر نکلا چلا آیا۔

چند لمحے باہر کھڑا ادھر ادھر نظریں دوڑاتا رہا پھر مایوسانہ انداز میں سر ہلا تا ہوا اپنی نو سیڑی کی طرف بڑھ گیا۔

اس کی یہ تشویش فضول ثابت ہوئی کہ کسی نے صدر کا تعاقب کیا ہو گا۔ آس پاس کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ البتہ اُس کا یہ اندازہ غلط نہ تکالکہ فیاض اُس کے فلیٹ میں اس کا منتظر ہو گا۔

عمران نے بڑی گرم جوشی سے نہ صرف مصالغہ بلکہ معالقة بھی کیا اور بہت دنوں بعد ملاقات ہونے پر افسوس بھی ظاہر کرتا ہوا بولا۔

”میاں یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ ایک ہی شہر میں رہتے ہیں اور کئی کئی ماہ تک ملاقات نہیں ہوتی۔ اب کہاں لوگ اگلے وقوں کے..... روزانہ ملاقات نہ ہو تو حقہ ہضم نہیں ہوتا تھا۔“

”ہوں؟“ فیاض اُسے گھورتا ہوا غریباً اور جیب سے کانڈہ کا ایک ٹلوڑ انکال کر اُس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ”یہ تمہارے ہی فون کا نمبر ہے نا؟“

عمران نے اُسے دیکھ کر واپس کرتے ہوئے کہا۔ ”ہم باں.... کیوں؟“ اس نمبر پر اگر کوئی بد سلوکی ہوئی ہو تو جو زرف کو شرابی اور سیمانہ ہے فلسفی سمجھو اور معاف کر دینا۔“

”پولیس کو ایک ایسی عورت کی تلاش ہے جس نے یہ نمبر اپنا کہہ کر بتایا تھا۔“

”جی صاحب!“ سلیمان نے دروازے کی اوٹ سے سر نکال کر پوچھا۔  
 ”صاحب کے لئے ایک گلاس ٹھنڈا اپانی لاو۔“  
 سلیمان موہبانہ انداز میں سر کو جبش دے کر چلا گیا اور فیاض عمران کو گھونسہ دکھا کر بولا۔  
 ”میں کسی دن بہت بڑی طرح پیش آؤں گا۔“  
 ”آج بھی موقع ہے۔“  
 ”میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ اُس نے تمہارا فون نمبر اسے کیوں لکھ دیا تھا۔“ فیاض میز پر گھونسہ مار کر دہاز۔  
 ”آہ تھے۔ پیارے آہ تھے۔ میرا بادی گارڈ جوزف اختلاج قلب کا مریض ہے۔“ عمران نے خوشامد انہ لمحے میں کہا۔  
 ”میری بات کا جواب دو۔“  
 ”کسی رسالے کے ایڈیٹر کو لکھ بھیجو۔ جواب چھپ بھی جائے گا۔“  
 فیاض کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں لیکن وہ خاموش ہی رہا۔ البتہ پلیس جھپکائے بغیر عمران کو گھوڑے جا رہا تھا۔  
 سلیمان نے پانی کا گلاس لا کر نہایت ادب سے فیاض کے سامنے پیش کر دیا۔ لیکن دوسرا بھی لمحے میں وہ فرش پر گر کر چور چور ہو گیا۔ کیونکہ فیاض نے اُسے پلیٹ سے اٹھانے کی بجائے سلیمان کا ہاتھ جھٹک دیا تھا وہ پھر خود بھی اٹھتا ہوا بولا۔ ”دیکھ لوں گا.... ابھی تمہیں بھی ہیڈ کوارٹر ہی میں طلب کرتا ہوں۔“  
 عمران کو کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر وہ باہر نکل گیا۔  
 سلیمان بھی عمران کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی نوٹے ہوئے گلاس کی طرف۔  
 ”موروف کہاں ہے۔“ عمران نے اُس سے پوچھا۔  
 ”میکیا آپ کمپنی صاحب کاغذہ اُس پر اتاریے گا....؟“ سلیمان نے نہ اسامنہ بنا کر کہا۔  
 ”اُسے یہاں بھیجن دو....!“ عمران نے عصیتے لمحے میں کہا۔  
 ”نہیں شاہد مجھ پر ہی اترے گا۔“  
 ”ابے جاتا ہے.... یا!“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔  
 سلیمان جھپٹ کر انہ چلا گیا۔  
 دنعتا اسی نے باہر سے گھنٹی بھائی اور عمران کے اشارے پر سلیمان دروازے کی طرف چھپنا۔

ہو سکتی تھی۔ پھر ظاہر ہے ایسی صورت میں نہ صرف ملکہ سراج رسانی بلکہ امور خارجہ کی سیکرٹ سروس کے لئے دردسر بمقدار وافر مہیا ہو سکتا تھا۔  
 وہ چند لمحے تشویش کرنے نظر وہ سے فیاض کی طرف دیکھتا ہا پھر بولا۔ ”ہاں ممکن ہے کہ یہ کسی رقبت کا فشنگ ٹھی ہو۔“  
 ”اس لمحے جو لیا کی پوزیشن نازک بھی ہو سکتی ہے۔“  
 ”جو لیا کو جہنم میں جھوکو گردہ ایسے ہی گھٹیا میٹ کی مالک ہے۔“ عمران نہ اسامنہ بنا کر بولا۔  
 ”کیا مطلب....!“  
 ”وہ کسی چینی کے لئے کسی عورت کو قتل نہیں کر سکتی۔ میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں۔“  
 ”ضروری نہیں کہ وہ قتل کسی چینی کے لئے ہوا ہو.... کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ الram اُسی چینی کے سر تھوپنے کے لئے لاش اُس کی گاڑی میں ڈال دی گئی ہو۔“  
 ”چینی ہی کیوں؟“ عمران اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ چند لمحے خاموش رہ کر مسکراہٹ شرارت آمیز تھی۔ فیاض تاؤ کھا گیا۔ غصیل آواز میں غرا کر بولا۔ ”جس طرح وہ اپنی بعض خصوصیات کے لئے مشہور تھی اُسی طرح کا وہ چین... عورتوں کے لئے خاص کشش رکھتا ہے اور اُس کی کہانیاں بھی عام ہیں.... اُس کے گرد بھی عورتوں کی بھیڑ دیکھی جاتی ہے۔“  
 ”تو گویا بعض عورتیں اُسے پسند کرتی ہیں۔“ عمران نے پوچھا۔  
 ”تم کہنا کیا چاہتے ہو۔“ فیاض کچھ اور زیادہ جھنجھلا گیا۔  
 ”بس اتنا ہی کہ اگر وہ کسی عورت ہی کا کام تھا تو اُس نے یو جن کو کیوں پھنسانا چاہا جب کہ وہ اُس کا محبوب تھا.... یا تو یہ تسلیم کرو کہ قتل رقبت کی بناء پر نہیں ہوا یا پھر کسی قاتل کی بجائے قاتل کی تلاش کرو۔ اگر کوئی عورت اُسے قتل کرتی تو یو جن کو پھنسانے کی کوشش ہرگز نہ کرتی۔“  
 ”میں نے لفظ رقبت استعمال کیا ہے۔ اُسے کسی کے لئے مخصوص نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے قتل کرنے والا مرد ہی ہو۔ اپنی محبوبہ کے ہر جائی پن پر تاؤ کھا کر اُسے نہ صرف قتل کر دیا بلکہ یو جن کو بھی پھسانے کی کوشش کی ہو۔“  
 ”میں یہی عرض کرنا چاہتا تھا زیر کمپنی فیاض کے جو لیا کے پیچھے نہ پڑو۔ وہ اُس خانے میں کسی طرح بھی فٹ نہ ہو سکے گی۔“  
 ”پوچھ گئے لئے وہ بہینہ کوارٹر میں ضرور طلب کی جائے گی۔“ فیاض اُسے خون خوار نظر وہ سے گھوڑتا ہوا بولا۔ عمران نے سلیمان کو آواز دی۔

اور پھر اس طرح پلنا تھا جیسے دروازے کے باہر سر نکالنے کی نہ مدد پر تھپڑ رسید کر دیا ہو۔ عمران نے اُسے گھور کر دیکھا۔

”بڑے... بڑے...!“ سلیمان ہانپتا ہوا بولا۔ لیکن جملہ پورا نہ کر سکا۔

”کیا بکتا ہے...!“

”بڑے بڑے پولیس آفیسر...!“

عمران خود اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔

”فف فرمائیے...!“ اُس نے دروازے سے باہر نکلنے سے قبل ہی پوچھا... اور پھر جب مخاطب پر نظریں پڑیں تو اسے سنجیدہ ہو جاتا پڑا کیونکہ وہ موجودہ ذمی آئی جی سے بخوبی واقف تھا۔ لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ خود بھی اُس سے واقف ہو۔

”میں مس جولیانا فنٹر واٹر سے ملتا چاہتا ہوں...!“ اُس نے عمران کو نیچے سے اوپر تک گھوڑتے ہوئے کہا۔

”مس ونولیا... ذریک واٹر...!“ عمران نے حیرت سے دہرا لیا۔

”جولیانا فنٹر واٹر...!“ اُس نے سخت لمحے میں کہا۔

”یہاں اس نام کی کوئی مس نہیں رہتیں... یہاں تو میں... یعنی کہ جی ہاں...!“  
”آپ کون ہیں...!“

”علی عمران ایم ایس سی۔ ذمی۔ ایس۔ سی۔ آکسن...!“

ذمی آئی جی کے پیچھے کھڑے ہوئے ایک ماتحت آفیسر نے آگے بڑھ کر آہستہ سے کہا۔ ”جناب والا شاہد نہیں غلط ہوئی ہے... یہ یہاں تمہارے ہیں۔“

”تم کیا جانو...!“

”جناب یہ ذارِ یکٹر جزل مسٹر رحمان کے صاحب زادے ہیں اور ان کے ساتھ کوئی عورت نہیں رہتی۔“

”اوہ... تو یہ وہ مسٹر ملی عمران ہیں۔“ ذمی آئی جی مسکرا لیا۔ ”یہ آپ نہیں میں کو بھی نہ کہیں گے۔“

”اوہ... ضرور ضرور...!“ اندھر تحریف لے چکے...!“ عمران نے شر میلے لمحے میں کہا۔

دوسرے ماتحت آفیسر ”مسٹر رحمان“ تھے... اور اب تھا اسی ذمی تھی... وہ بھی ایک بخت تھا یہیں ہو گیا تھا۔ وہ ذرا اینگر دم میں آئی۔

پھر ڈی۔ آئی۔ جی نے انھ کر عمران کے ٹلی فون نمبر دیکھے اور سر ہلا کر بولا۔ ”لیکن نمبر میں کوئی اختلاف نہیں۔“

”آخر بات کیا ہے۔“ عمران نے پوچھا۔

”ایک مشتبہ عورت جولیانا فنٹر واٹر نے کسی کو آپ کے نمبر بتائے تھے۔“

” بتا سکتی ہے...!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”میں نہیں سمجھا...!“

”وہ میری دوست ہے۔“

”جی...!“

”جی ہاں! لیکن یہاں نہیں رہتی... ہو سکتا ہے کسی کو میرے ہی نمبر بتائے ہوں۔“

”وہ کہاں رہتی ہے۔“

عمران نے جولیانا کا پتہ ایک ماتحت آفیسر کو نوٹ کرایا۔

ڈمی۔ آئی۔ جی کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے عمران کو مخاطب کیا۔

”یہ فنٹر واٹر کیا کرتی ہیں۔“

”میرا خیال ہے کہ کسی فارورڈ مگ کلیر مگ ایچبی میں اشیوں ہے۔“

”اُس کا پتہ بھی لکھ دیجئے۔“

”مجھے فرم کا نام یاد نہیں۔“

”کیا وہ کوئی بُری عورت ہے۔“

”اسکی بُری بھی نہیں ہے... ویسے میرا خیال ہے کہ دیاں کان بائیں سے کچھ چھوٹا ہے لیکن بغور دیکھنے ہی پر اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔“

”فنٹر رن میں آپ کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ اس لئے استدعا کروں گا کہ اس مسئلے پر سنجیدگی انتخیار کیجئے۔ کیونکہ یہ ایک غیر ملکی سفیر کی بیوی کے قتل کا معاملہ ہے۔“

”قتل...!“ عمران متحیر ان اندازوں میں چوکے پڑا۔

”جی ہاں...!“

”تو پھر جولیانا کس سلسلے میں مشتبہ ہے۔“

”تو سچا ہے،“ قائل۔ ”سے واثق ہے واقف ہو۔“

”اُکری یہ بات ہے تو وہ ضرور بتائے گی۔ میرا خیال ہے کہ وہ جھوٹ صرف ایسے ہی موقوٰع پر

”اوہ تو کسی نے آپ کو جزل مرچنٹ سمجھ کر فون کیا تھا۔“  
 عمران کچھ نہ بولا۔ نہ امنہ بنائے بیخاڑا۔ ”کچھ دیر خاموشی رہی پھر ذی آئی جی بولا۔“ یہ  
 جولیا نافٹر واٹر کیسے مزاج کی عورت ہے۔  
 ”مزاج تو ملتے ہی نہیں۔“  
 ”میری مراد نہ پر امنٹ سے تھی۔“  
 ”میں آج تک اُسے سمجھ ہی نہیں سکا۔“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔  
 پھر دو چار رکی باتیں ہوئیں اور ذی آئی جی اٹھ گیا۔  
 عمران گھری سوچ میں تھا۔ وہ اٹھ کر ان کے ساتھ دروازے تک بھی نہ گیا۔  
 تھوڑی دیر بعد اُس نے جولیا نافٹر واٹر کے نمبر ڈائل کئے۔ فوراً ہی جواب ملا۔  
 عمران نے اُس سے پوچھا کہ ابھی تک پولیس اُس تک پہنچی یا نہیں۔ نفی میں جواب پا کر اُس  
 نے کہا۔ ”کیپشن فیاض اور سول پولیس سبھی کو تمہاری طرف سے تشویش لاحق ہو گئی ہے۔“  
 ”اوہ نہہ آنے دو.... کیا تم انہیں میرا پختہ تادیا ہے۔“ جولیا نے پوچھا۔  
 ”نہ بتا تا جب بھی کوئی فرق نہ پڑتا کیونکہ فیاض تمہاری رہائش گاہ سے واقع ہے۔“  
 ”اور کچھ؟“  
 ”اور کچھ بھی نہیں۔ ویسے بہتر ہو تا اگر تم اس واقعہ کی اطلاع اپنے چیف کو بھی دے دیتیں۔“  
 ”مشورے کا شکریہ۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ لبھ زہریلا تھا۔ عمران نے متذکر انداز میں سر ہلاتے ہوئے رسیور کہ دیا۔  
 کچھ دیر بعد اُس نے جوزف کو آواز دی اور وہ کمرے میں داخل ہو کر ”امینشن“ ہو گیا۔  
 حسب معمول اس وقت بھی جسم پر فوچی وردی تھی اور دونوں جانب بلٹ ہو لشرون میں رویوالوں  
 میں جو ڈرستھے اس کا معمول تھا جب تک جائیں تھا جسم سے وردی نہ اترتی اور مسلسل بھی رہتا۔  
 ”جوزف....!“  
 ”لیس باس....!“  
 ”تمہیں گونڈایا ہے.... کرنل ڈوہرگ کا جبشی ملازم....!“  
 ”لیس باس....!“  
 ”اُسے کس نے اپنی صانت میں لیا تھا؟“  
 ”مادام نشی کانے....!“

بولتی ہے جب اپنی گردے سے کچھ خرچ کرنا پڑے۔“  
 ”کیا آپ اسے ایک شریف اور با اصول عورت سمجھتے ہیں۔“  
 ”قطیعی.... قطیعی....!“ وہ سر ہلا کر بولا۔  
 ”آپ اسے کب سے جانتے ہیں۔“  
 ”بہت دونوں سے....!“  
 ”کیا وہ یہاں بھی آتی ہے۔“  
 ”جب میرے ستارے گردش میں ہوں تو ضرور آتی ہے۔“  
 ”میں نہیں سمجھا۔“  
 ”سمجا تو میں بھی نہیں ہوں کہ اُس کے آنے کی وجہ سے ستارے گردش میں آتے ہیں یا  
 ستارے گردش میں ہوں تو وہ آتی ہے۔“  
 ”یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آسکی۔“  
 ”پھر بتائیے امیں اس سلسلے میں کیا کر سکوں گا....!“ عمران نے کہا اور فون کی گھنٹی کی آواز  
 سن کر اچھل پڑ جھپٹ کر رسیور اٹھا دوسرا طرف جو لیا تھا۔  
 ”ہلو....!“ عمران چپک کر بولا۔ ”فرمائیے، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔“  
 ”بکومت! میری بات سنو۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔  
 ”جی....!“ عمران نے جیرت سے کہا۔ ”نہیں۔ نہیں جتاب.... یہ جزل اسٹور  
 نہیں ہے.... جزل اسٹور نہیں ہے تو پھر میں سور کی دال کا بھاؤ بھی نہیں بتا سکتا.... جی  
 ہاں.... رائگ نمبر....!“ اُس نے سلسلہ منقطع کر کے ایک طویل سانس لی اور احتفانہ انداز میں  
 ڈی آئی جی کی طرف دیکھنے لگا۔

◆

پھر عمران پیشانی پر شکنیں ڈالے منہ ہی منہ میں کچھ بڑا تا ہوا ذی آئی جی کی طرف مڑا۔  
 ”کیا بات ہے۔“ ذی آئی جی نے پوچھا۔  
 ”ایک بیگم صاحبہ سور کی دال کے بھاؤ پوچھ رہی تھیں۔“ عمران تاخوش گوار لبھ میں بولا۔  
 ”میں تو تھک آگیا ہوں اس میلی فون سے۔ ہر وقت صیحت بناء بتا بے۔“

"وہ کون تھی....؟"

"فلی پائیں کے سفیر کی بیوی....!"

"اب وہ آدمی گنوٹا کہاں ہے۔"

"وہیں ہو گا بس! عورت اس کی کمزوری ہے۔"

"ہوں....!" عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا وہ ہمیں مل سکے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ مل سکے گا۔"

"میں اُس سے ملتا چاہتا ہوں۔"

"ریگی بار تک چلتا پڑے گا۔ وہ زیادہ تر وہیں ملتا ہے۔"

"کیا آج بھی جب کہ اُس کی ماں لکھ قتل کردی گئی ہے....!"

"کون قتل کردی گئی۔" جوزف نے حیرت سے پوچھا۔ "مادام نشی کا۔"

"ہاں.... اُس کی لاش ایک چینی مسٹر کاؤنیجن کی گاڑی میں پائی گئی ہے....!"

"اوہ....!" جوزف کے ہونٹ دائرے کی شکل میں سکڑ گئے۔

"پھر پتہ نہیں باس وہ کہاں ہو گا۔" اُس نے تھوڑی در بعد کہا۔ "اعظی طاریگی بار میں بھی دیکھ لیں گے۔ میری دانست میں تو قتل کی خبر سن کر بھی اُس نے اپنی میز نہ چھوڑی ہو گی.... وہ ایسا ہی ولد الحرام ہے.... بے دفا.... طوطے کی طرح آنکھیں بدل لینے والا....!"

وہ باہر آکر گاڑی میں بیٹھے.... عمران خود ہی ڈرائیور رہا تھا۔ جوزف بچکی نشست پر تھا.... جب بھی جوزف عمران کے ساتھ باہر نکلتا.... رائگیردوں کی نظریں ان پر جم کر رہے جاتیں۔ کیونکہ جوزف کے انداز سے ایسا ہی لگتا جیسے عمران کسی ملک کا نابالغ شہزادہ ہو اور اُس کی نگہداشت کے فرائض جوزف کے پرورد کر دیے گئے ہوں۔

کچھ در بعد گاڑی شہر کی ایک باروں تھا شاہراہ کے فٹ پاٹھ سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ باہمیں جانب والی عمارت پر "ریگی بار" کا بڑا سا بورڈ نظر آ رہا تھا۔

"آؤ....!" عمران نیچے اترتا ہوا بولا۔

بار میں قدم رکھتے ہی عمران کو تسلیم کرتا ہوا کہ جوزف کی فراہم کردہ اطلاع غلط نہیں تھی۔ گنوٹا ایک گوشے کی میز پر تباہیاں رکھتا۔ نظریں گلداں پر مکمل تھیں اور انگلیوں میں سگریت سلٹ رہی تھیں۔

عمران سیدھا اس طرف چلا گیا۔ جوزف اُس کے پیچے چل رہا تھا۔

گنوٹا نہیں دیکھ کر چونا اور پھر کھڑا ہو گیا۔ اُس کی حالت کسی وحشت زدہ درندے سے مشابہ تھی۔ دونوں ہاتھ بلٹ ہو لشڑیں لگے ہوئے ریو اور وہن کے دستوں پر جائے تھے۔

"بیٹھ جاؤ....!" عمران سر دلچسپی میں بولا۔

"اس اچاک ملاقات کا مقصد معلوم کئے بغیر نہیں....!" گنوٹا غرایا۔ کبھی بھی وہ جوزف کو بھی گھورنے لکلتا۔

عمران اُس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا اور جوزف کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہوا گنوٹا سے بولا۔ "میا تم نے ابھی تک کوئی بڑی خبر نہیں سنی۔"

"نہیں....!" گنوٹا پھر غرایا اور ایک حصکے کے ساتھ بیٹھ گیا۔ جوزف بھی بیٹھ گیا تھا۔

"تم نے مادام نشی کو کب سے نہیں دیکھا؟ عمران نے گنوٹا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا؟"

"مطلوب کیا ہے؟"

"اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ فی الحال مادام نشی کا میں دلچسپی لے رہا ہوں۔"

"میں جواب دینے کا پابند نہیں۔"

"میا ساتھ مجھے بھول گئے۔" عمران نے مخندی سانس لی۔

"نہیں اپنے موقع کا منتظر ہوں۔"

"باس....!" جوزف نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "تم اپنی زبان تھکانے کی بجائے ہاتھوں کو تکلیف دو.... سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"شش اپ....!" گنوٹا جوزف پر الٹ پڑا۔

جوزف کا ہاتھ ریو اور پر گیا ہی تھا کہ عمران بول پڑا۔ "جوزف میں یہاں کسی قسم کا جھگڑا اپنے نہیں کروں گا۔"

"تو پھر باہر چلو....!" گنوٹا نے چیخت کیا۔

"نہیں....!" عمران جھک کر اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مکھھ کارا۔

"اگر تم آدمیوں کی طرح بات نہیں کرو گے تو پچھتا پڑے گا۔ تمہیں ایک بار تجربہ ہو چکا ہے۔ اگر کوئی واضح ثبوت تمہارے خلاف مل کا جو تا تو اس وقت بیان میں بھی ہوتے۔"

گنوٹا اسٹا گھوڑتا۔ با پھر منیتے بیجے میں بولے۔ "یا کہنا چاہتے ہو۔ میرے پاس زیادہ وقت

لے اس کی داستان" دا کنٹ دعا گو" جلد نمبر 34 میں ملاحظہ فرمائیں۔

نہیں ہے۔

”کسی نے مادام نشی کا کو قتل کر دیا۔“

”میا...؟“ گونڈا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ پھر اُس نے اس انداز میں جوزف کی

طرف دیکھا جیسے اس اطلاع کی تصدیق چاہتا ہو۔

”ہاں... بار بھی جھوٹ نہیں بولتے۔“ جوزف آنکھیں نکال کر بولا۔

”کس نے۔ کس نے قتل کیا مادام کو...؟“

”یہ نہیں معلوم ہو سکا۔ تم صح سے اب تک کہاں رہے ہو۔“

”کیوں؟“ اُس کے تیور بدلتے۔

”میری بات کا جواب دو...!“ عمران نے سخت لمحے میں کہا۔ ”تمہارا ریکارڈ بھی اچھا نہیں رہا۔“

”بار بندیر شہادت دے گا کہ میں آٹھ بجے، صح سے اس وقت تک میں رہا ہوں۔“

”اُس کی لاش ایک چینی کنٹریکٹر کا دیوبجن کی کار میں ملی ہے۔“

”کاؤ یو جن...!“ گونڈا اس طرح بڑا یا جیسے ذہن پر زور دے رہا ہو۔

عمران اُسے جواب طلب نظریوں سے دیکھتا رہا۔ جوزف ہونوں پر زبان پھیرنے لگا تھا۔

شاہد شراب کی بوائے پریشان کر رہی تھی۔

”کاؤ یو جن...!“ گونڈا تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”اس نام سے کان آشنا معلوم ہوتے ہیں۔ مگر

یہ کب کی بات ہے۔“

”تمن پار گھٹنے گزرے۔“ عمران نے بدستور اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں نہیں سمجھ سکتا۔“

”میا نہیں سمجھ سکتے...؟“

”مادام نشی کا قتل... لیکن میں تمہاری باتوں پر کیسے اعتناد کرلوں۔ ہو سکتا ہے کسی چکر میں ہو۔“

”کاؤ نتر پر فون موجود ہے۔“ عمران نے کاؤ نتر کی جانب ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”اپنی تشفی کر سکتے ہو... نمبر نہ ہوں تو میں بتاؤں... شاہد براؤ راست سفیر صاحب ہی سے بات کر سکو۔“

گونڈا کچھ نہ بولا۔

جوزف نے پچھلئی کے لئے ہونٹ کھولنے ہی تھے کہ عمران نے اُسے گھوڑا دیکھا اور...

خاموش ہی رہ گیا۔

عمران جانتا تھا کہ اُن دونوں کے درمیان نوک جھوٹک شروع ہو گئی تو کام کی بات جہاں تھا۔

روہ جائے گی۔

”جلدی کرو دوست میرے پاس وقت نہیں۔“ اُس نے کلامی کی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے گونڈا سے کہا۔

”اور کیا پوچھنا چاہتے ہو۔“

”ان دونوں وہ کس سے بہت زیادہ مل رہی تھی؟“

”یہ میں ہرگز نہیں بتاؤں گا....؟“

”کیوں....؟“

”وہ میری ماں کا تھی۔ میں اُس کا باذی گارڈ تھا....!“

”آخر تم جیسا بادی گارڈ رکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی؟“

”میں اس سوال کا جواب بھی نہیں دے سکوں گا۔“

”شام کے پھر بھجھے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے۔“

”آزماد کیمبو...!“ گونڈا نے لاپرواں سے شانوں کو جنبش دی۔

”بہت ہو چکا بابا...!“ جوزف غریا۔

”تم خاموش رہو۔“ عمران نے اُسے ڈائل۔

جوزف نے ایسا بر امنہ بنایا جیسے اُسے اُنکے کسی پسندیدہ مشغلا سے باز رکھنے کی کوشش کی گئی ہو۔

”ہاں... پھر؟“ عمران نے گونڈا کو مخاطب کیا۔ ”شام تک یہی چاہتے ہو کہ تمہیں مشتبہ آدمیوں کی نہرست میں جگہ دے کر پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔“

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم کیا چاہتے ہو۔“

”اُس آدمی کا نام اور پرستہ چاہئے جس کے ساتھ وہ ان دونوں بہت زیادہ رہتی ہو۔“

”میں کیسے بتا سکوں گا۔“

”تم اُس کے باذی گارڈ تھے۔“

دفعہ گونڈا کے حلقو سے ایک دلخراش جیخ نکلی اور وہ کرسی سمیت دوسری طرف الٹ گیا۔

عمران اٹھ کر جھپٹا۔

گونڈا اُنکی پیشانی سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا۔

”جوزف...!“ عمران دروازے کی طرف بھرتا ہوا پینا۔ بڑ پنڈ کہ معاملہ جوزف کی سمجھ

میں نہیں آیا تھا لیکن وہ اُس کے پیچھے تیزی سے دوڑ گیا۔

”میں نے قسم کھائی تھی؟“

”اب میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم نے کیوں قسم کھائی تھی۔“ عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔ جوزف کچھ نہ بولا۔ وہ خالی نظروں سے خلاء میں گھورے جا رہا تھا۔ ”کیا تم اس چینی کو جانتے ہو جسکے ساتھ وہ دیکھی جاتی تھی؟“ عمران نے کچھ دیر بعد پوچھا۔ ”میں اُس کا نام نہیں جانتا۔ مونا اور پستہ قد آدمی ہے۔“ ”ہوں....!“ عمران نے طویل سانس لی۔ صدر نے کاڈیو چن کے متعلق بھی یہی بتایا تھا کہ وہ مونا اور پستہ قد ہے۔

”وہ کہاں رہتا ہے۔“

”میں یہ بھی نہیں جانتا۔“

”تم نے اُسے کہاں دیکھا تھا....؟“

”زیادہ تر رائل ہوٹل میں میں....!“

”اوہ.... تو جناب اعلیٰ پیانے کے ہولوں میں نشست و برخاست رکھتے ہیں۔“ ”ہیئت دیڑھ میرا دوست ہے؟“ جوزف جلدی سے بولا۔

”ہوں! اچھا ہے تم فلیٹ میں نہیں رہو گے۔ میں تمہیں راتا ہبھور علی والے محل میں انتار دوں گا۔“ ”مجھے کب تک دہلی رہنا پڑے گا؟“ جوزف نے تاخوش گوار لہجے میں پوچھا۔ ”اور تم اپنی یہ فوجی وردی قطعی طور پر اتنا دو گے۔“ عمران نے اُس کے سوال کو نظر انداز کر کے کہا۔

”میں نہیں سمجھ سکتا۔“ جوزف نہ اسامنہ بنا کر بڑا یا۔

”تم بھئنے کے لئے نہیں بلکہ صرف متحرک رہنے کے لئے پیدا ہوئے ہو۔“ عمران نے کہا اور پھر جوزف کے ہونٹ قطعی طور پر غیر متحرک ہو گئے۔ راتا پہلیں بھی سیکھ سر دس والوں کی کمیں گاہوں میں سے ایک تھی۔ جوزف کو وہیں چھوڑ کر رہا ان آکے بڑھ کیا۔

”ایکل ہوٹل کی کمپاؤنڈ میں گاڑی روک کر وہ یونچ اتر۔ کاؤنٹر گلر کے علاوہ اور کسی سے کافی نامناسب نہ سمجھ کر وہ سیدھا اپنی کی طرف چاہا۔“ ”میں نے جناب گلر سے ہوئی شانگلی سے پوچھا۔“ ”مسٹر کاڈیو چن کس کرے میں مقیم ہیں۔“

وہ یقینی طور پر کوئی بے آواز ریو الور ہی تھا جس نے گونڈا کا کام تمام کیا تھا۔ جیسے ہی دونوں بار سے باہر نکلے اندر سے باہر نہ کرنے چیختا شروع کر دیا۔

”پکڑو.... پکڑو.... قاتل.... قاتل.... پولیس.... قتل.... پولیس....!“

عمران نے سوچا اگر اسی حالت میں پکڑا گیا تو بڑی درگت بنے گی۔ اُس نے جوزف کا ہاتھ پکڑا اور اپنی گاڑی کی طرف دوڑنے لگا۔ غیبت یہی تھا کہ باہر نہ رہا باہر نہیں نکلا تھا۔ کاؤنٹر کے پیچے ہی کھڑا جھٹا رہا تھا۔ اگر وہ فٹ پا تھ پر نکل آیا ہو تا تو پھر اُن دونوں کا پہنچا حال ہوتا۔

کار تیزی سے دوڑتی رہی۔ جوزف مژہ کر دیکھے جا رہا تھا۔

”یا پیچھے کوئی گاڑی آرہی ہے۔“ عمران نے پوچھا۔

”نہیں بس....!“ جوزف بھرا ہی آواز میں بولا۔ ”لیکن یہ کیا ہو اب اس....!“

”بے آواز ریو الور....؟“

”تم اُس سے کیا پوچھنا چاہتے تھے۔“

”اچھا یہ تو بتاؤ....!“ عمران نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر جملہ پورا کئے بغیر کسی سوچ میں گم ہو گیا۔ جوزف منہ کھولے استفہامیہ انداز میں اُسے دیکھا رہا۔

”تو کیا وہ حق مجھ قتل کر دی گئی۔“ اُس نے کچھ دیر بعد خود ہی اُس سے سوال کیا۔

”ہاں یہ درست ہے....!“ عمران نے آہستہ سے جواب دیا۔

”اگر یہ درست ہے.... تو پھر....؟“

”تو پھر کیا؟“

”وہ ان دونوں ایک اجنبی کے ساتھ بہت زیادہ دیکھی جا رہی تھی۔“

”تم اُس کے متعلق اتنا زیادہ کیسے جانتے ہو۔“

”میں گونڈا کی تاک میں تھا اس اس لئے اُس پر بھی نظر پڑھی جاتی تھی۔ وہ اُس کا بڑی گارڈ ہی تو تھا۔“

”لیکن تم گونڈا کی تاک میں کیوں رہتے تھے۔“

”تم دونوں میں سے صرف ایک ہی زندہ ہے۔ مکٹا تھا اس....!“

”اوہ.... لیکن کیوں....؟“

”مسٹر کاؤ یوچن....“ کلرک پچھے سوچتا ہوا بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ یہاں اس نام کا کوئی آدمی مقین نہیں۔“

”اُرسے.... وہ موٹے سے .... چھوٹے قد والے چینی.... صاحب....!“

”چینی.... جی ہاں.... ایک ایسا چینی یہاں ہے.... لیکن اس کا نام کاؤ یوچن نہیں ہے۔“

”اوہ تو پھر میں نام بھول رہا ہوں شاکن...!“ عمران تھکرانہ انداز میں اپنی پیشانی رکھتا ہوا بولا۔

”ٹھہریے.... میں نام بتاتا ہوں۔“ کلرک ایک رجسٹر اٹھا کر اس کے درق اٹھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”اس کا نام فوہی ہے.... کمرہ نمبر بیاسی.... یہ تیسری منزل کی چوتھی راہداری میں ہے۔“

”شکریہ.... کب سے قیام ہے ان صاحب کا۔“

”تین ماہ سے۔“

”شکریہ....!“

”میاں انہیں فون پر مطلع کر دوں کہ کوئی صاحب آپ سے ملتا چاہتے ہیں۔“

”نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ میں ویسے ہی مل لوں گا۔“

اب عمران اور پری منزل کے زینوں کی طرف جا رہا تھا۔

تیسری منزل کی چوتھی راہداری کے کمرہ نمبر بیاسی کے سامنے پہنچ کر رکا۔ دروازہ کھلکھلایکن جواب نہ ملا۔ پھر متواتر دستک دیا رہا۔

دروازہ متعلق نہیں تھا کیونکہ کنجی باہر ہک سے لٹکی ہوئی تھی۔ پینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور احتیاط سے اندر داخل ہو کر دروازہ پھر بند کر دیا۔

ایک موٹا اور پستہ قد چینی سامنے صوفے پر بیٹھا نظر آیا۔

”شاکن تم اونچا سنتے ہو۔“ عمران نے بے آواز بلند انگریزی میں کہا۔

لیکن موٹے چینی نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔

اب عمران نے خور سے دیکھا۔ موٹا چینی جیپکائے بھیر ایک ہی سمت ہوئے جا رہا تھا۔ جسم میں خفیف سی حرکت بھی نہیں تھی۔

کوئی غیر نظری چیز تھی اس کے انداز میں۔ عمران تیزی سے اس کے قریب آیا اور جھک کر اس کی چینی میں، یعنی اپنے بیٹھنے کے لئے جگہ سے جنبش کر رکھا۔

پھر سید یعنی کھڑے ہو کر جھنڈی سانس لی۔ موٹا چینی مر پنا تھا۔ لیکن یہ کون تھا....؟ فوہی

یا کاؤ یوچن.... ہو سکتا ہے یہ دونوں نام ایک شخصیت سے متعلق ہوں.... اُس نے مڑک دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر سوچ آن کر کے کمرے کا بلب روشن کر دیا لیکن سوچ کو ہاتھ لگاتے وقت اپنی انگلی پر رومال پینینا نہیں بھولا تھا۔

جیب سے مناکس کا اسپائی کسیرہ نکال کر لاش کی کمی تصویریں مختلف زاویوں سے لیں اور لاش بند کر کے کمرے سے باہر آگیا۔

واپسی پر اُس نے دروازے کے پینڈل کو بھی رومال سے صاف کر دیا....!“  
وہ سوچ رہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ لیکن اس کے علاوہ اور کوئی فصلہ نہ کر سکا کہ کسی گنام آدمی کی طرف سے فون پر پولیس کو اطلاع دے کے رائیل ہوٹل کے کمرہ نمبر بیاسی میں ایک لاش موجود ہے؟

مگونہ جو مادام نشی کا کا باذی گارڈ تھا اس طرح مار گیا اور وہ آدمی جس کے ساتھ وہ ان دونوں بہت زیادہ دیکھی گئی تھی رائیل ہوٹل کے کمرے میں مردہ پیاسا گیا۔ ریگی بار کا بارٹنڈر غارباً یہی سمجھا تھا کہ وہی دونوں مگونہ اکو قتل کر کے بھاگے ہیں اور رائیل ہوٹل کا کاؤنٹر کلرک بھی پولیس کو اس آدمی کی کہانی ضرور سنائے گا جس نے فوہی کے متعلق نہ صرف پوچھ گئے کی تھی بلکہ اُس کے کمرے میں بھی گیا تھا۔

عمران سوچتا رہا اور کار شہر کی سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ ایک جگہ گاڑی روک کر وہ پھر اتر۔ قریب ہی پیک ٹیکن فون بو تھے تھا وہاں سے پولیس ہیٹ کوارٹر سے رابطہ قائم کر کے رائیل ہوٹل والی لاش کے متعلق اطلاع دی اور باہر نکل کر تیزی سے ایک طرف روانہ ہو گیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اُس نے جو زف کوریکی بار لے جا کر غلطی کی۔ کسی باور دی اور مسلح نیکروں تلاش کر کم از کم کیپٹن فیاض کے لئے تو آسان ہی ہو گی۔

اب اُس نی کاڑی کا رخ داش منزل کی طرف تھا۔

داش منزل پہنچ کر اُس نے سب سے پہلے بیک زیر و کے نمبر ڈاٹکل کئے اور اُسے داش منزل پہنچنے کا نہایا۔ پھر ڈارک روم میں جائے اسپائی کسیرہ سے فلم نکال لری یوپ آئی۔ اتنے میں بیک زیر و بھی پہنچ گیا۔ دونوں کافی دیر تک آن کی وارداتوں کے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ لیکن کسی خاص نتیجہ پر ن پہنچ سکے۔

چھٹا ہے بعد وہ بارہ ۲۰۱۸ء روم میں نظر آیا۔ لاش نے تصادم یا اندر ہن میں اور نہیں تھا۔ کر کے جیب میں رکھتا ہوا باہر نکل آیا۔ بیک زیر و کو پہلے ہی رخصت پر چکا تھا۔

”کیا اس کا تعلق بھی جو لیا اے واقعہ ہی سے ہے؟“ صدر نے پوچھا۔

”پتہ نہیں....!“ عمران نے کہا اور خاموشی سے ایک جانب گھورتا رہا۔

”تو پھر اب میں جاؤں....!“ صدر نے پوچھا۔

”یقیناً.... ہوٹل کے رجسٹر میں اس کا نام فوہی درج ہے۔“

صدر کو رخصت کر کے وہ پھر ڈائینگ ہال میں واپس آگیا۔ یہاں کی رونق کچھ اور بڑھ گئی تھی.... لیکن عمران نے تو بوریت ہی محسوس کی کیونکہ ہال میں داخل ہوتے ہی کیپن فیاض پر نظر پڑی تھی.... اُس نے بھی شاہد اسے دیکھ کر ہی باتھ ہلایا تھا.... وہ طوعاً کرہا اُسکی میز کی طرف بڑھا۔

”مجھے توقع تھی کہ یہیں ملاقات ہوگی۔“ فیاض بولا۔

عمران بے ولی سے سر ہلا کر اُس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

فیاض معنی خیز انداز میں اُس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا تھا۔ عمران نے بھی آنکھیں چرانے کی کوشش نہیں کی۔

پھر دیر بعد فیاض مسکرا کر بولا۔ ”میں ریگی بار کے بار شذر اور رائل ہوٹل کے کاؤنٹر گلر کے مل چکا ہوں۔“

”بڑی خوشی کی بات ہے.... لیکن یہ جملہ تھایا کسی کہانی کا طویل عنوان۔“

”جوزف کہاں ہے؟“

”میا اسے بھی بور کرو گے.... شاعری اُس کی سمجھ میں نہیں آتی۔“

”میا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم دونوں گنوٹاں سے کیوں نہ ہے۔“

”میا تم اس کی وجہ نہ جانتے ہو گے۔“

”جو میں پوچھ رہا ہوں اُس کا جواب دو۔“

”تباہ تباہ نہیں ہوں سو پر فیاض۔“

”تم پابند ہو۔“ وہ آگے جھک کر اُس کی آنکھوں میں گھورتا ہوا غریا۔ ”یہ میں ایک ذمہ دار آفسر کی حیثیت سے پوچھ رہا ہوں۔“

”میں ایک غیر ذمہ دار شہری ہونے کے علاوہ کنوار بھی ہوں۔“ عمران بخشنده سائنس لے کر بولا۔ ”تھیں اس اجنبی کی یہ ہے کہ میں کوئی بالی بچے دار آئی تو ہوں نہیں کہ تم جیسے کی لاش موجود ہے۔ معلوم کرو کہ پولس میں میاں پتیجی یہ نہیں۔“ اس آئی کے متعلق جو پچھہ بھی معلوم نہ ہوا وہ حال تھا۔ سببیت ایسی اس سے تھے کہ اس کا بوجہ... ہو گا.... تمہارا نے بارے میں ساری اطلاعات برداشت ایسیں نہ کوئے سئتے ہو۔“

”تمہیں میرے سوالات کا جواب دیتا تھا یہ سے کہ...“ میا میں تھہ مار بڑھا۔

اب فون پر صدر کے نمبر ڈائل کرنے اور اسے ٹپ ٹاپ ناٹ کلب میں آنے کو کہا۔  
شام ہو چلی تھی.... سڑکوں پر ٹریک کا اڑو حام تھا۔ ٹپ ٹاپ ناٹ کلب میں بھی خاصی رونق نظر آئی۔

پکھہ دیر بعد صدر بھی آپنچا.... عمران نے ڈائینگ ہال میں میٹھنا مناسب نہ سمجھا.... صدر کو بال روم کی طرف لیتا چلا گیا۔

”کیپن فیاض کو آپ کی تلاش ہے۔“ اُس نے عمران سے کہا۔

”ہونی ہی چاہئے....!“

”میرا خیال ہے کہ اس وقت بھی آپ کے قلیٹ میں اُس کا آدمی آپ کا منتظر ہو گا۔“

”کوئی خاص بات....!“

”ریگی بار میں کسی نے گنوٹا کو قتل کر دیا.... وہ گنوٹا.... شاہد آپ کو یاد ہو.... کر قتل ڈوہرگ کا باڈی گارہ تھا۔“

”تو پھر.... اس سلسلے میں میرا تلاش کیا معنی رکھتی ہے۔“

”بادر نذر کے بیان کے مطابق اُس کی میز پر دو اور آدمی ہیں موجود تھے۔ ان میں ایک ٹیرو تھا.... ملٹری یونیفارم میں.... اور اُس کے ہولسروں میں....“

عمران نے جملہ پورا ہونے سے قبل ہی چینی کی لاش کی تصاویر جیب سے نکال کر اُس کے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا۔ ”اسے پہچانتے ہو۔“

”نہیں....!“ صدر نے ٹھوڑی دیر تک اُن کا جائزہ لیتے رہنے کے بعد کہا۔

”تو یہ کاڈیو چین نہیں ہے؟“

”نہیں.... قطعی نہیں....!“ صدر نے خود اعتمادی کے ساتھ کہا۔



عمران ٹھوڑی دیر تک پچھے سوچتا رہا پھر بولا۔ ”رائل ہوٹل کے کمرہ نمبر بیاسی میں اس آدمی کی لاش موجود ہے۔ معلوم کرو کہ پولس میں میاں پتیجی یہ نہیں۔“ اس آئی کے متعلق جو پچھہ بھی معلوم نہ ہوا وہ حال تھا۔ سببیت ایسی اس سے تھے کہ اس کا بوجہ... ہو گا.... تمہارا نے بارے میں ساری اطلاعات برداشت ایسیں نہ کوئے سئتے ہو۔“

”پوچھو...؟“ عمران مردہ کی آواز میں بولا۔

”تم ریگی بار میں کیوں گئے تھے؟“

”کسی بار میں لوگ کیوں جاتے ہیں۔“

”تم اُس کے لئے ہرگز نہ گئے ہو گے.... میں جانتا ہوں کہ تم نہیں پتے۔“

”چھپلے ہفتے سے پینے لگا ہوں۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”تم دونوں پر ٹکوڑا کے قتل کا الزام ہے اس لئے سنجیدگی سے گفلگو کرو۔“

”کیا اُسے بھی کسی نے قتل کر دیا....؟“ عمران چوک کر بولا۔ ”خاصی اچھی ایمنگ کی تھی۔“

”ہوں....؟“ فیاض غریا۔

”تب تو معاملات گھرے معلوم ہوتے ہیں۔“

”کیسے معاملات....؟“

”وہ مادام نشی کا کابادی گارڈ تھا۔“

”کیا مطلب....؟“ فیاض اچھل پڑا۔

”ہاں پیدا ہے سوپر فیاض۔ وہ مادام نشی کا کابادی گارڈ تھا۔“

”میرے لئے بالکل نئی اطلاع ہے۔“ فیاض کسی گھری سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”تو تمہیں اس کا اعتراف ہے کہ تم اور جوزف اس سے ریگی بار میں ملے تھے۔“

عمران نے سوچا کہ وہ اُس کی شاخت کے لئے ریگی بار کے بار بندرا کو بھی طلب کر سکتا ہے اس لئے اب پچی بات کہہ دینے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔

”ہاں بھم اُس سے ملے تھے لیکن قبیل اس کے کہہ کچھ اگلنا کسی بے آواز یا الور آئی گولی اُسے ہی چاٹ گئی۔“

فیاض اُس کی آنکھوں میں گھوٹا رہا لیکن اُس کے خاموش ہو جانے پر کافی درستک اُس سے کوئی نیساوال نہیں کیا۔ عمران تھوڑے توقف کے بعد خود ہی بولا۔ ”ظاہر ہے کہ مجھے اور جوزف کو بھی بھاگنا ہی ہزا ہو گا؟ کیونکہ اُس وقت، ہاں بار بندرا۔ کسی عادہ کوئی چھو آئی نہیں تھا... اور پھر وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ بار بندرا نہیں ہی قاتل سمجھ کر شور چاٹے گا تھا۔“

”خیر... خیر... لیکن رائکل ہو گئی میں کیوں گئے تھے۔“

”کہ یہ نہیں کی تھا اس نہ۔ میں سے اسے کہی نہیں۔ کیونکہ... لیکن... شاید...“ اُنثی کا پچھلے دلوں کی موت سے پہلے تھا جس کے ساتھ بھیجی جائی تھی، جو رائکل ہو گئی میں تھیم

تھا۔ میں سمجھا کہ وہ یوں چن ہو گا۔ کیونکہ اُس کا حلیہ بھی یہی سنا تھا۔ لیکن وہ خود ہی نکلا....!“

”غالباً تم اُس کی موت کے اسباب پر بھی روشنی ڈال سکو گے۔“

”اُس کی لاش ہی سے ملاقات ہوئی تھی۔“

”میرا خیال ہے؟ اُس کی موت کیسے واقع ہوئی ہو گی؟“

”خدا جانے....!“ عمران نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ اُس کے جسم پر زخم کا نشان بھی نہیں تھا۔“

”ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ وہ دم گھٹنے کی وجہ سے مرا ہو گا۔ اب پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا انتظار ہے۔“

”اُس کے متعلق اور کیا معلومات فراہم کیں۔“ عمران نے اُبے ٹوٹنے والی نظر سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”بس اتنی ہی جتنی ہوٹل کے رجسٹر سے فراہم ہو سکتی تھیں۔“

”یعنی....!“

”وہ ہاگ کاگ سے آیا تھا۔ اُس کے پاسپورٹ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ پاسپورٹ کے علاوہ کسی دوسری قسم کے کانفڑات اُس کے سامان سے برآمد نہیں ہوئے۔“

”نشی کا کی قسویر رائیل ہوٹل والوں کو دھا کر تم اُس کے متعلق بہت کچھ معلوم کر سکتے ہو۔“

”شکریہ....!“ فیاض نے خلک لجھ میں کہا۔ ”لیکن تم اس معاملے میں کہاں سے آگوے۔“

”جو یا نافٹر وائز کی خاطر....!“ عمران نے ٹھنڈنی سانس لی۔

”لیکن میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ اس چکر میں نہ پروردہ رکھ پھٹاؤ گے....“

”اس مشورے کی وجہ....؟“

”تیر... میں جانتا ہوں کیا ضروری ہے کہ تم ہر معاملے میں ناٹک اڑا نہیں؟“ فیاض چھپھلا کر بولا۔

”میں نہ بھی ازاں تو تم میری ناٹک پکڑ کر خود ہی اس قسم کے معاملات میں اڑا دیتے ہو۔“

”ضروری نہیں ہے۔“ فیاض نے ٹھنڈنگوار لجھ میں کہا۔

”چلو تسلیم کر لیا....!“ عمران ٹھنڈنی سانس نے کر بولا۔ ”لیکن اب تو ناٹک اڑا ہی بیٹھا ہوں اس لئے واخیر تک اڑی، بے گی۔ میں یہ تم کہا یوں چن کی قیام کاہے۔“

”لیے ایسا کاہل ہے مکمل ہے۔ پہلے کی تحریکیں تھیں۔“

”چلو ٹھیک ہے۔“ عمران سر بیانہ کر رہا۔

”بیجا نہیں ہے۔“

”یہی ہوتا چاہئے تھا؟“

”میں تمہیں یہی مشورہ دوں گا کہ اس معاملے سے الگ رہو...!“ فیاض نے خلوص کا انہصار کرتے ہوئے کہا تھوڑی ذیر خاموش رہا پھر پوچھا۔ ”جو زف کہاں ہے؟“

”روپوش ہو گیا ہے۔“

”کیا مطلب....!“

”اس نے غالباً یہی سوچا ہو گا کہ کسی باور دی اور مسلح ٹیکرو کا تذکرہ سن کر تم اس کی نائگ لوگے لہذا کہیں کھک گیا۔“

”اس کا پتہ تو تمہیں بتانا ہی پڑے گا۔ میں دو چار دن اسے حوالات میں رکھنا چاہتا ہوں۔“  
”کس خوشی میں۔“

”کار کردگی تو کھانی ہی پڑے گی۔“ فیاض نے خنک لبجھ میں کہا۔  
”مجھے پڑکر بند کر دی پیارے....!“

”یہ بھی ناممکن تو نہیں ہے۔“ فیاض اسے گھورتا ہوا غریباً۔

”تھے ہے بڑی بوڑھیوں کا کہنا کہ پولیس والے کسی کے یاد نہیں ہوتے۔“

”میں تھک کہتا ہوں کہ اگر جوزف نہ ملا تو مجبوراً تمہیں ہی حرast میں لینا پڑے گا۔ ایک غیر ملکی سفارت خانے کا معاملہ ہے۔ اگر چوں میں گھنون کے اندر کوئی گرفتاری نہ ہوئی تو خود تمہارے والد صاحب کی پوزیشن بھی بڑی خراب ہو جائے گی۔“

”اگر تھیں بات ہے تو میں کسی طوائف کو پکائے دیتا ہوں۔“ عمران نے بڑے ظماع سے کہا۔  
”کیا مطلب....!“

”وہ کہہ دے گی کہ کادیوں چون سے اس کے تعلقات تھے۔ اسے کسی دوسری عورت کے ساتھ دیکھ کر اسے غصہ آگیا اس غصہ کا انہصار اس نے اپنے کسی دوسرے آشنا سے کر دیا۔ بالآخر اس آشنا نے اسے خوشنی کرنے کے لئے امام نشی کا کو قتل کر دیا۔ خاصی اچھی رہا، او تیراہ بھے جائے گی۔“  
”میں سمجھدے ہوں عمران۔“ فیاض غصے لبجھ میں بولا۔ ”تمہیں یا جوزف کو دو چار دن خوالات میں بنانے چاہئے گا۔“

”چھ تو یہی میں جو دل... اُسے تباہ کر دل...“ عمران خست ہو کر بولے۔

”میرا انحصار مشرد ہی ہے۔“ فیاض اسی غصے کی وجہ پر کہیے بغیر بولے۔

عمران اٹھ کر صدر دروازے کی طرف بڑھا۔ فیاض نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔  
کپاؤڈ میں پہنچ کر وہ اپنی گاڑی میں بیٹھا۔ انہیں اشارات کیا اور چھانک سے گزر کر سڑک پر آگیا۔ لیکن جب وہ چھانک سے گزر رہا تھا کوئی ٹھنڈی سی چیز اُس کی گردن سے آگئی ساتھ ہی کسی سرگوشی کی بھی آواز سنائی دی۔ ”اعشار یہ چار پانچ کار یو اور ہے... چپ چاپ چلتے رہو۔ مژ کر دیکھنے کی کوشش کی تو گردن میں سوراخ ہو جائے گا۔“

پھر ایک ہاتھ آگے بڑھا اور عقب نما آئینے کی پوزیشن بھی بدلتی گئی اس طرح کہ چھپل سیٹ پر بیٹھنے والے کا چہرہ اسے نظر آئکے۔ گردن پر ریو اور کی نال کا دباؤ بڑھ گیا۔  
”بائیں جانب موڑو...!“ ریو اور والے نے کہا اور عمران نے بے چون وچرا تھیل کی۔ پھر بولا۔ ”کہاں لے چلو گے۔“

”چپ چاپ چلتے رہو۔“

”اور اگر میں انکار کر دوں تو...!“

”کر کے دیکھو...!“

عمران نے طویل سافلی اور چپ چاپ اسٹیٹر کر تارہا۔  
گردن پر ریو اور کا دباؤ بدستور محسوس ہوتا رہا۔



کچھ دیر بعد وہ ایک دیران علاقے سے گزر رہے تھے۔ چھپل نشست پر بیٹھا ہوا معلوم آدمی عمران کو برادر ہدایات دیتا رہا اور گردن پر ریو اور کی نال کا دباؤ بھی کم نہیں ہوتا۔

”اب بائیں طرف کچے راستے پر موڑو...!“ چھپل نشست سے کہا گیا۔

”میں ہر بڑی شادی نہیں کروں گا۔ چاہے کچھ ہو جائے۔“ عمران نے غصیلے لبجھ میں کہا۔

”میں سمجھ گیا... ڈیڈی ڈارنگ اب ایسی حرکتوں سے مجھے راہ راست پر لانا چاہتے ہیں۔“

”بیوائی بند کرو... بائیں سوڑو...!“ گردن پر ریو اور کا دباؤ چپکھ اور بڑھ گیا۔

کار متذکرہ سمت موزنی ہی پڑی۔ کچھ دور چلنے کے بعد کچے راستے پر دو روپہ جھماڑیوں کا

علمد شروع ہو گیا۔

”روک دو...!“ فیاض چھپل نشست سے نہ اڑتے۔

تھے۔ چار آدمی نظر آئے۔ لیکن کوئی صورت جانی پہچانی نہیں تھی پھر وہ آواز کسی تھی۔ آواز سے تو ایسا ہی محسوس ہوا تھا جیسے بولنے والے کا چہرہ دیکھتے ہی وہ اُسے پہچان لے گا۔ عمران چند لمحے انہیں گھورتا رہا پھر بولا۔ ”رات کے کھانے کی کیا رہے گی۔“ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور نبیرے سے منہ بنا کر رہ گئے۔ پھر ایک سریلی سی آواز آئی۔ ”یہاں کیا ہو رہا ہے؟“ اور عمران کی آنکھوں میں بجلیاں سی کوند گئیں۔ ... بڑی خوبصورت لڑکی تھی۔ یورڈ پین تھی۔ عمران قومیت کا اندازہ نہ کر سکا۔

عمرانیں نیس سے زیادہ رہی ہو گی۔ نیلے اسکرٹ اور سفید بلاؤز میں تھی۔ اُسے دیکھتے ہی چاروں آدمی وہاں سے چلے گئے لیکن عمران نے محسوس کیا کہ دروازہ باہر سے بولٹ کر دیا ہے۔ ساخت کے اعتبار سے یہ کمرہ ایک کنڈیشنڈ معلوم ہوتا تھا۔ لڑکی خاموشی سے کھڑی اُسے دیکھتی رہی۔ چہرے پر کچھ ایسے تاثرات تھے جیسے وہ کچھ کہنا تو چاہتی ہو لیکن ہمچلپا ہٹ آٹے برہی ہو۔

عمران نے چاروں طرف دیکھ کر ٹھنڈی سانس لی اور منہ چلانے لگا۔ ”لیا تم ناراض ہو....!“ لڑکی نے دفتہ آہستہ سے پوچھا۔ ”نہیں.... بالکل نہیں۔“ عمران نے بڑے غلوص سے کہا۔ ”بھلا اس میں ناراضی کی کیا بات ہے۔“

”میں مجبور تھی۔“

”ضرور رہی ہو گی۔“

”چھ ماہ سے تمہیں دیکھ رہی تھی۔“

”بن.....“ عمران ہاتھ انٹا کر بولا۔ ”بھلا چھ ماہ میں کیا ہوتا ہے۔“ ”تم میرا مذاق اڑا رہے ہو۔“ لڑکی نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”یہ کیسے سمجھا تم نے۔“

”تم نے اس طرح لائے جانے پر حیرت نہیں ظاہر کی۔“

”عادت نہیں ہے۔ اجھ سے غلام کرنے میں بھی خاصی اتریں شائی ہوتی ہے۔“

”میں اس سے خوب مجبور تھیں۔“

”مجھے بھوک لک رہی ہے۔... رات کا کھانا بھی کہتے اسی بخوبی ہوا....!“

عمران پچھلے ہیڈ لیپس کی روشنی میں تین چار آدمیوں کو دیکھا تھا، جو تھوڑے ہی فاصلے پر راستہ روک کر گھڑے تھے۔

عمران نے گاڑی روک کر مشین بند کر دی۔ ... اور اُسے رویالور ہی کے زور سے نیچے اتار دیا گیا! کئی آدمی اُسے گھیرے کھڑے تھے! ان میں ہر ایک کے ہاتھ میں رویالور نظر آ رہا تھا۔

”میں نہیں سمجھ سکتا....!“ عمران آہستہ سے بڑا بڑا۔ اس کے لئے اندازہ کرنا دشوار تھا کہ دوسرے لمحے میں کیا ہو گا۔

”اس کی آنکھوں پر پٹی پاندھ دو۔“ کسی نے تھکمانہ لمحے میں کہا۔ فوراً ہی قیمتی کی گئی۔ عمران نے چپ چاپ پٹی بندھوائی۔ ابھی تک کچھ کر گذرنے کا خیال بھی نہیں آیا تھا۔

اب اُسے دوبارہ گاڑی میں بٹھایا گیا۔ دو آدمیوں کے درمیان پھنسا بیٹھا تھا۔ کار چل پڑی کوئی اور ڈرائیور کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد عمران نے محسوس کیا کہ گاڑی دوبارہ پختہ سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

وہ دم سادھے چپ چاپ بیٹھا رہا پتہ نہیں وہ اُس سے کیا چاہتے تھے۔ مقصد قتل کر دینا ہوتا تو ٹپ ٹپ کی کپڑوں میں بھی یہ کام بہ آسانی انجام پا سکتا۔ یقین کے ساتھ یہ بھی تو نہیں کہا جا سکتا کہ یہ لوگ حالیہ واقعات سے متعلق تھے یا کوئی پرانے دشمن۔

تھوڑی دیر بعد خود اُسے اپنی خاموش گراں گذرنے لگی اور اُس نے خوانواہ خوشی کا انتہاء کرتے ہوئے کہا۔ ”بہت دنوں سے خواہش تھی کہ کچھ دن آرام بھی کروں۔“

”ہم بھی یہی چاہتے ہیں برخوردار....!“ کسی نے جواب دیا اور عمران اس طرح چوک پڑا جیسے پہلے بھی یہ آواز سن چکا ہو۔

”شکر یہ....!“ عمران چکا۔ ... لیکن اس آواز کے متعلق ذہن پر زور دیتا رہا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ گاڑی کے انجن کی بلکل سی آواز اس وقت ایسی ہی لگ رہی تھی جیسے کال کے پردے پھٹائے دے رہی ہو۔ اُسے اپنسر بو جھل سام جھوٹا ہو رہا تھا۔ آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔ پھر خود اُسے بھی اپنے اطمینان پر جھرت ہوئے لگی۔

کچھ دیر بعد گاڑی رکی اور کسی نے اس کے باہمیں پیلو پر جو انور کیا، باہدائل آر کہا۔ ”یخچے اُتر و۔“

اس نے بے چوں و چا قیمتیں کی۔ دو آدمی اُس کے بازوں پر جو چلاتے رہتے ہو، پھر وفات کی پی سمجھتے ہیں اس نے آنکھیں پنڈھا گئیں۔ کمرے میں ایسا ہوتا ہے کہ لمبے،

”اوہ.... اچھا ٹھہر و....!“ لڑکی نے آگے بڑھ کر میز پر رکھی ہوئی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ تھوڑی  
دیر بعد دروازہ کھلا اور ایک آدمی اندر آکر موڈب کھڑا ہو گیا۔  
”کھانا لگاؤ....!“ لڑکی نے اس سے کہا اور وہ قدرے خم ہو کر دروازے کی طرف مڑ گیا۔  
”میں سب کچھ بتا دوں گی۔“ وہ عمران سے مخاطب ہو کر بولی۔ ”اور مجھے یقین ہے کہ تم مجھے  
معاف کر دو گے۔“

عمران صرف سر ہلا کر رکھ گیا۔ وہ سامنے دیوار پر تحریکی آرٹ کا ایک نمونہ دیکھ رہا تھا۔ دفعٹا  
اس کے چہرے پر مردی کی چھاگنی۔ آنکھیں بند ہونے لگیں اور پھر وہ آگے پیچھے جھوٹا ہوا  
اوہ نہ منہ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔  
”ارے.... ارے....!“ لڑکی بوکھلا کر دوڑ پڑی۔

”کیا ہے.... کیا بات ہے۔“ وہ اس کے قریب دیوار پر یقینی پوچھ رہی تھی۔  
تھوڑی دیر تک تو عمران دم سادھے پڑا رہا پھر سر اٹھا کر تھیف آواز میں بولا۔ ”وہ.... وہ  
سامنے.... والی تصویر....!“

”آ.... ہا!“ لڑکی سر اٹھا کر تصویر کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ”کیوں....؟“  
”اس کا مطلب سمجھاؤ مجھے....؟“ عمران نے روپا کی آواز میں کہا۔  
”لیکن.... مم.... میں نہیں سمجھی۔“

”ہائے....!“ عمران کر کہا۔ ”تم بھی نہیں سمجھیں! تو پھر اب کون مجھے سمجھائے گا۔“  
”تم کیسی باتیں کر رہے ہو! کہیں میں پاگل نہ ہو جاؤ۔ تصویر.... تصویر.... میں کیا بات ہے۔“  
”بات ہی سمجھ میں آگئی ہوتی تو اس حال کو کیوں پہنچتا۔“ عمران کراہ کر انٹھ بیٹھا۔  
”سچ بتاؤ.... کیا بات ہے۔“

”تحریکی آرٹ کا وہ نمونہ جو میری سمجھ میں نہ آسکے مجھ پر یہی ظلم ڈھاتا ہے.... ٹھہر واب  
دوسری طرف سے دیکھتا ہوں۔ شائد کچھ پلے پڑے۔“  
وہ تصویر کی طرف منہ کر کے سر کے مل ہزا ہو گیا۔ لڑکی قرب ہی کھڑی متعجب انداز  
میں پلکیں جھپکاتی رہی۔

”کچھ دیر بعد سید حافظہ نے بایو سان لیج میں بولا۔“ بالکل سمجھ میں نہیں آیا۔ اب کیا ہو گا۔“  
”اُف خود میں پیدا ہو۔“ لڑکی پھر یقیناً۔ اُریں ہوئیں جس۔  
”مجھے اس تصویر کا مطلب سمجھاؤ، ورنہ ستریا کے۔ وہ پڑتے تھیں میں سے مجھ پر۔“

”اوہ.... اب سمجھی... تم اس تصویر کا مضمون کا اٹانا چاہتے ہو۔ خود مجھے پسند نہیں ہے مگر میا۔“  
”میا....“ عمران بوکھلا کر دوچار قدم پیچھے نہتا ہوا بولا۔ ”کیا تمہارا میا بھی ہیں۔“  
”کیوں....؟“ لڑکی کے چہرے پر حریت کے آثار نظر آئے۔  
”اور.... اور.... میں یہاں۔“  
”ہاں کیوں؟“ لڑکی جھنجھلا گئی۔ ”پوری بات کیا کرو۔“  
”مطلوب یہ کہ.... کیا وہ مجھے یہاں دیکھ کر خفانہ ہوں گے۔“  
”یقیناً.... اگر انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ تم یہاں کس طرح لائے گے ہو۔“  
”اوہ.... تو تم ان سے کیا کہو گی۔“  
”پہنچ کہ میرے ایک دوست ہیں.... باہر سے آئے ہیں۔“  
”ہوں.... بڑی چالاک معلوم ہوتی ہو.... لیکن یہ لوگ کون تھے جو مجھے یہاں لائے ہیں۔“  
”ہمارے ملaz میں۔“  
”اگر انہوں نے تمہارے پیارا کو اطلاع دے دی تو۔“  
”نہیں وہ ایسا نہیں کریں گے.... مجھے ان پر اعتماد ہے۔“  
”ہوتا ہی چاہئے....!“ عمران اُسے نیچے سے اوپر تک گھوڑتا ہوا بولا۔  
”کیا مطلب....؟“  
”بھوک برداشت سے باہر ہو رہی ہے.... اب!“ عمران پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔  
لڑکی نے پھر گھنٹی بجائی.... لیکن اس بار دروازہ کھلے پر ایک سفید فام معمر غیر ملکی آدمی  
و کھائی دیا۔ اُس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں چند ہیائی سی معلوم ہو رہی تھیں۔ کھوپڑی انٹے کے  
تھیں۔ ”شاغر تھا۔“ جسم کی باداٹ سے خاصا توانا آدمی معلوم ہوتا تھا۔  
وہ چند لمحے دروازے میں کھڑا اس طرح نتھنے سکوڑتا رہا جیسے کچھ سو نگھنے کی کوشش کر رہا  
ہو.... پھر گرج کر بولا۔ ”یہاں کون ہے؟“  
”مم.... میں ہوں.... بیا....!“  
”صرف تم....؟“  
”ئے نہیں تو۔“ بیڑے ایک فریضہ بھیں ہیں۔ ”ئے نہیں تو۔“ فریاد میں۔  
لفظ فریاد میں پر عمران نے سینے پر ہاتھ رکھا۔ اُر پچھا ایسا منہ بنا لیا جیسے کوئی سخت ہی چیز نگئی  
کوشش کر رہا ہو۔

”ہے.... فرناٹس...!“ بوزھا خوش ہو کر بولا۔ ”ہلو مسٹر فرناٹس...! ہاؤڈیوڈو...!“  
”اوکے.... تھکنکس...!“ عمران نے خالص امریکی لمحہ میں جواب دیا۔  
”مسٹر فرناٹس مجھے افسوس ہے کہ تمہیں واضح طور پر نہیں دیکھ سکتا کیونکہ اپنی عینک  
لاہبریری میں بھول آیا ہوں۔“

”کوئی بات نہیں... میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ یہ تجربیدی پیننگ...!“  
”تمہیں پسند آئی...!“ بوزھے نے خوش ہو کر پوچھا۔  
”لڑکی اس طرح بولکھائے ہوئے انداز میں سرہلانے لگی جیسے عمران سے کہہ رہی ہو۔“ کہہ  
دیو... ہاں!“



عمران نے لڑکی کی طرف ایسی نظریوں سے دیکھا جیسے اس کا اشارہ سمجھ میں نہ آیا ہو۔ لڑکی اور  
زور سے سرہلانے لگی... آخر عمران چپک کر بولا۔ ”یقیناً... یقیناً...!“ پھر اس طرح منہ بنایا  
جیسے اس قسم کا جھوٹ اُس کی سرشت کے خلاف ہو۔

”اس میں کون سی چیز پسند آئی ہے...!“ بوزھے نے پر جوش ہو کر پوچھا۔

”چیز... چیز...!“ عمران ہکایا۔ ”کیا اس میں کوئی چیز بھی ہے۔“

”ہاں میں... کیوں؟“ بوزھے نے جرأت سے آنکھیں پھاڑ دیں...“

”بب... بات یہ ہے کہ.... سرف ایک چیز... ذرا سمجھ میں نہیں آئی۔“

”یا چیز سمجھ میں نہیں آئی.... مجھ سے پوچھو! میں ہی اس پیننگ کا خالق ہوں۔“

”اوہ آپ...!“ عمران اُسے یخچ سے اوپر تک گھوڑا ہوا بولا۔

”ہاں... ہاں... میں...“ بوزھے نے فخری انداز میں کہا۔

”آج تک کوئی ایسا مصور ہیری نظر سے نہیں گذر اتھوچ تجربی کی تصویریں بنائیں۔“ آج

ایک دیرینہ آرزو پوری ہوئی ہے... اب تابیے میں آپ کے ساتھ کیا بر تاؤ کروں۔“

”کیا مظاہر...!“

”میرے سینیں بنتے اس اثر سب اس سلسلے میں... پیر، قتل، جو بائیں، چھبے۔“

”تم نے لیا ہواں شروع مردی... مسٹر فرناٹس...!“

”گزارش یہ ہے کہ اگر دوچار ایسے مصور قتل کر دیے جاتے تو اچھا تھا۔“  
”کیوں...؟“ بوزھے نے جھلائے ہوئے لمحہ میں پوچھا۔  
”دوسروں کو عبرت ہوتی... اور میں دردسر سے پچتا۔“  
”اوہ پیلا...!“ لڑکی جلدی سے بولی۔ ”اگر ایسی تصویریں ان کی سمجھ میں نہیں آتیں تو یہ  
بیہوش ہو جاتے ہیں۔“

”بس اب تم ہی سمجھاؤ... میرے دماغ میں اتنا بوتا نہیں۔“ عمران نے کہا اور دونوں  
ہاتھوں سے سر تھامے ہوئے دیہی فرش پر اکٹوں بیٹھ گیا۔

”تو کیا یہ تصویر ان کی سمجھ میں نہیں آئی...!“ بوزھے نے لڑکی سے پوچھا۔  
”بڑی دیر تک کوش کرتے رہے پیلا... لیکن... اوہ... میں نے دیکھا تھا چکر اکر گر پڑے تھے۔“  
”یہ بات...!“ وہ منہ بنا کر بولا۔ ”اچھا... منگواؤ میری عینک لاہبریری سے۔“

لڑکی نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجا لی۔ ایک ملازم کمرے میں داخل ہوا۔  
”لیپاکی عینک لاہبریری سے لاو۔“

”عینک...!“ وہ جرأت سے آنکھیں چھاڑے اُسے گھوڑا تارہ۔  
”ہاں... عینک... جاؤ...!“ وہ باتھ ہلا کر بولی۔

”تم... عینک نہیں جانتا... یہ... یوں...!“ اُس نے انگلیوں اور انگوٹھیوں سے چلتے بنا  
کر آنکھوں کے قریب لاتے ہوئے کہا۔

”آبا... چشم... چشم...!“  
”سب بقراطاط معلوم ہوتے ہیں۔“ عمران آہستہ سے اردو میں بڑا لیا۔ وہ اب بھی اسی طرح  
ہر تھامے فرش پر اکٹوں بیٹھا تھا۔

ملازم چلا گیا اور بوزھا خلاء میں گھوڑا تاہو اگھری سانیں لیتا رہا۔  
”انھوں...! اس طرح کیوں بیٹھے ہوئے ہو۔“ لڑکی نے عمران کو مخاطب کیا۔  
”بس اسی طرح ٹھیک ہوں... اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہاں بھی تجربیدی آرٹ سے سابقہ  
پڑے گا تو ہر گز نہ آتا۔“

”اوہ نہ نہیں۔“

”اکس بھی... بورن کرو مجھے۔“

”ارے تم کیا سمجھتے ہو خود کو...!“ بوزھا غریباً۔

”میں لعنت بھیتی ہوں اس پینٹنگ پر.... میرالس چلتا تو اسے آگ میں جھوک دیتی۔“

”کیوں نہیں چتابس.... کتنی بڑی بات ہے۔ کوشش کرو۔ سب کچھ ممکن ہے۔“

”لیعنی میں اسے بچھ برباد کر دوں۔“

”یقیناً!“

”مگر پاپا!“

”ہوں گے پاپا!... اول تو میں کسی ایسے مصور کو پایا ہی تسلیم کرنے پر تیار نہیں اور اگر کر بھی لوں تو ضروری نہیں کہ فرض فرزندی میں تحریدی بوریت بھی شامل ہو۔“

”تم پہنچ نہیں کیسی باتیں کر رہے ہو۔ کیا تمہارے باپ نہیں ہیں۔“

”میرے تو ایسے باپ ہیں کہ خاندان بھر کی تحرید کر کے رکھ دئی ہے۔“

”تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں.... کیا کروں۔“ وہ اپنی ٹھوڑی ملتوی ہوئی بولی۔

”میں نے کہا تھا کہ میں بھوکا ہوں۔“ عمران غرایا۔

”اوہ.... میں خود دیکھتی ہوں۔“ دروازے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

”شب بیجیر... اب صحیح ملاقات ہو گی۔“

”کیا مطلب...!“ وہ مڑ کر مسکرائی اور بولی۔ ”خام خیال ہے تم یہاں سے نکل نہیں سکو گے۔“

عمران نے لاپرواٹی سے شانوں کو جبش دی اور درسری طرف مڑ گیا۔ دروازہ بند ہونے کی آواز بھی سن لیکن مز کردیکھنے کی زحمت گوارہ نہیں کی۔ اُس کے پہرے پر ایسا ہی اطمینان نظر آرہا تھا جسے بچھ کسی کامہان ہوا ہو۔

کچھ دیر بعد وہ کمرے میں شیلنے لگا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ تباہی میں بھی اس کی مگر انی ہو رہی ہے۔ چھٹیں حس کریں۔ رہی تھی کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے....!

دفعتا دروازہ کھلا اور لڑکی اندر واصل ہو کر بولی۔ ”چلو...!“

عمران کچھ کہے بغیر اُس کے ساتھ چل پڑا۔ طویل راہداری طے کر کے وہ ایک بڑے کمرے میں پہنچے۔ راہداری می طوالت کہہ رہی تھی کہ وہ کوئی بڑی عمارت ہے۔ نمرے کے وسط میں کھانے کی بڑی میز تھی جس کے گرد بارہ کر سیاں نظر آ رہی تھیں لیکن یہاں ان دونوں کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔

”کیا میرے اعزاز میں پہنچا اور لوگ بھی مدھ مکے گے جیس۔“ عمران نے پوچھا۔

”نہیں ہم دونوں ہی کھائیں گے.... یہ حقیقت ہے کہ تمہارے انتظار میں ابھی تک میں

”اس صدی کا سب سے بڑا قاد....!“ عمران اٹھ کر اکٹھتا ہوا بولا۔

”مجھے غصہ نہ دلاؤ۔“

”پیلا... پیلا...!“

”تم خاموش رہو۔“

اتنے میں ملازم عیک لایا۔ بوڑھاؤ سے اپنی ناک پر جماتا ہوا عمران کی طرف مڑا چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ ”صورت سے تو معقول آدمی معلوم ہوتے ہو۔ دیسی ہی ہو لیکن اگر یہی امر ممکن لمحے میں ہوتے ہو۔ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔ امریکن گدھے ہوتے ہیں۔ انہیں فون لٹیفہ سے کیا سردار کار۔ خیر اوہر آؤ...!“

”آگیا...؟“ عمران آگے بڑھتا ہوا بولا۔

”کیا چیز سمجھ میں نہیں آئی۔“

”یہ.... اس بانس پر لال رنگ کیوں چڑھایا گیا ہے....!“

”بانس....!“ بوڑھے نے حیرت سے کہا۔ ”ابے یہ تو ابدیت ہے.... اور یہ اس کے سرے پر جو سرخی دیکھ رہے ہو.... دائرے کی شکل میں بذریعہ گھری ہوئی سرخی.... یہ محبت ہے.... اور یہ یہاں دیکھو.... نقطہ.... یہ جانتے ہو.... کیا ہے....!“

”ٹھہریے....!“ عمران پینٹنگ کی طرف انگلی اٹھاتا ہوا بولا۔ ”یہ ابدیت ہے.... اور یہ محبت اور.... ہاں یہ نقطہ.... یہ کیا ہے۔“

”اکائی۔“

”چلنے اکائی سکی.... بات کیا بنی....!“

”ایک مجموعی تاثر....!“ اس نے کسی قدر غصیلے لمحے میں کہا۔

”چلنے یہ بھی سکی.... مگر اس مجموعی تاثر کو کیا کہیں۔“

”بکواس بند کرو۔“ وہ حلق پھاڑ کر دہاذا.... اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ لڑکی بے حس و حرکت کھڑی اُسے جاتے ہوئے دیکھی رہی۔ پھر کچھ دیر بعد عمران می طرف مز کر بولی۔ ”تم نے بہت بُرا کیا۔“

”اب تم بھی بُر کر گئی.... کیوں؟“ عمران آنکھیں بھاک کر بولے۔

”اوہ.... تم مجھ پر کیوں خٹا ہو رہے ہو۔“ لڑکی روپ آئی ہوئی۔

پھر کس پر نفاذ ناچاہئے.... عمران نے پھر آنکھیں بھاٹیں۔

داخل ہو رہی تھی..... لڑکی نے بھی اُسے دیکھا اور بوکھلا کر اٹھتی ہوئی بولی۔ ”لو..... مادام نشی کا۔“  
وہ مادام نشی کا ہی ہو سکتی تھی۔ عمران پہلے بھی کمی بار اُسے دیکھے چکا تھا۔ مادام نشی کا جس کی  
لاش کا ویو چن کی کار میں پائی گئی تھی۔

”مجھے افسوس ہے۔“ آنے والی عورت نے کہا۔ ”ڈر انہنگ رومن میں تمہارا انتظار کرتا چاہئے تھا۔  
لیکن وہ ایسی ہی ضروری بات ہے.... کیا ایک منٹ کے لئے الگ چل کر میری بات سن سکتی ہو۔“  
”ضرور.... ضرور....!“ لڑکی اپنی کرسی پیچھے کھکھ کر اُس کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔  
اور عمران حیرت سے مدد پھاڑے بیٹھا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کیا وہ یہکہ اپ ہو سکتا ہے؟



پھر وہ چھری کا ناپلیٹ میں رکھ گر اپنا سر سہلانے لگا۔  
نووارد عورت لڑکی سے آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہی تھی اور لڑکی کے چہرے پر حیرت کے  
آثار نظر آرہے تھے.... پھر یہکہ وہ نہ پڑی اور نووارد عورت کے انداز سے بھی ایسا ہی  
معلوم ہوا تھا جیسے اپنی کمی ہوئی با توں کارڈ عمل دیکھ کر خود بھی کافی محفوظ ہو رہی ہو۔  
عمران نے ہاتھ روک لئے تھے اور انہیں اس انداز میں گھوڑے جا رہا تھا جیسے اس نادقت  
و خل اندازی کی وجہ سے اُسے غصہ آگی ہو۔

پھر وہ عورت کچھ اسی طرح رخصت ہوئی تھی گویا جلدی میں ہو۔  
لڑکی کھانے کی میز پر واپس آگئی اور عمران نے غصیل بیجھ میں کہا۔ ”کیا وہ ڈر انہنگ رومن میں  
انتخار نہیں کر سکتی تھی۔“

”اوہ۔“ دیپاری بڑی الجھن میں بتلا ہو گئی ہے۔  
”جب تک بتلارہے گی.... مطلب یہ کہ پھر تو اس طرح آگر بوزرنہ کرے گی۔“  
”تم نہیں سمجھ سکتے۔ جانتے ہو کون تھی۔“  
”میں کیا جانوں.... ویسے اس کی سپاٹ آنکھیں اور ناک کی مخصوص بناوت اُسے مشرق  
بجید کی باشندہ ثابت کرتی ہے۔“

”تمہارا انتیال درست ہے، فلپائن کی باشندہ ہے۔“ ایک صورت۔ فلپائن کے  
سفری کی یوں.... لیکن حیرت انگیز.... انتہائی حیرت انگیز.... تم کھاتا ہیں!“

نے رات کا کھانا نہیں کھایا تھا۔“  
عمران کچھ نہ بولا۔ اُن کے میتھے ہی ایک آدمی کھانے کی مرالی لایا۔  
عمران نے اپنے آگے رکھی ہوئی پلیٹ سیدھی کی۔.... ٹرالی سے مرغ کی قاب اٹھا کر اُس  
کے سامنے پیش کی گئی۔

”میں مرغ نہیں کھاتا....!“ عمران نے بُر اسامنہ بنانے کے لئے کھا اور قاب لڑکی کی طرف بڑھا دی گئی۔  
”کیوں....؟“ تجھ بے تم مرغ نہیں کھاتے۔“ لڑکی نے ایک پیس کا نٹے ہوئے کہا۔  
”ہاں مجھے اس نامعقول کی آواز پسند نہیں ہے۔“  
”بھلا آواز کا ذائقے سے کیا تعلق۔“  
”پکھہ تجربی قسم کی حرکت ہو جاتی ہے ذہن میں۔“  
”خیر پکھہ اور لو....!“

اس بار جھینگے کی قاب اُس کے سامنے لاٹی گئی۔.... اور وہ غراٹا ہوا کھڑا ہو گیا۔  
”ارے، ارے۔ کیا بات ہے۔“ لڑکی نے بوکھلا کر کہا۔  
”کیا تم لوگ میرا مفعکہ اڑانے پر تل گئے ہو۔“  
”کیوں....؟ یہ کیسے سمجھا تم نے۔“  
”یہ نامعقول چیز.... یعنی جھینگے۔“  
”پھر کیا کھاتے ہو تم....!“ لڑکی بھی کسی قدر جھنجھلا کر بولی۔  
”کڑھی چاول....!“  
”یہ کیا چیز ہے۔“

”صاحب یہاں کڑھی چاول نہیں پکتا۔“ ملازم نے گھلھلایا کر کہا۔  
”کیا بات ہے۔“ لڑکی نے عمران سے انگریزی میں پوچھا۔  
”میں جو کچھ کھاتا ہوں وہی اُس سے پکو کر کھاؤں گا۔“  
”یوں نیا پکاتا ہے۔“ لڑکی نے ملازم سے پوچھا۔  
”میں صاحب آپ نہیں جانتیں، جو کچھ یہ کہ رہے ہیں یہاں نہیں پک سکتا اس وقت۔....  
ایک سک جیز ہے۔“  
”اس وقت تو یہیں آھاو....!“ لڑکی نے بے بسی سے کہا۔  
”ہر گز نہیں۔“ عمران نے کہا اور پھر حیرت سے من پھاڑے رہ گیا۔ ایک عورت کمرے میں،

”آہم کھاؤں گا.... لیکن....؟“  
”وہ مادام نشی کا کہلاتی ہے۔“  
”نام تو سنائے۔“  
”وہ مجھے بتانے آئی تھی کہ آج وہ قتل کر دی گئی۔“

”کیا مطلب....!“  
”ہاں اُس کی لاش کی کی گاڑی سے برآمد ہوئی ہے۔“  
”اوہ! سمجھ گیا۔“ عمران نہ پڑا۔ ”اب تم مجھے انو بناوے گی۔“

”نہیں.... حق کہتی ہوں ایسی کوئی بات نہیں.... وہ بات ہی مصلحہ خیز ہے۔“  
”خیر نہ بتاؤ۔“

”باتا تو دیا ہے.... کسی عورت کی لاش ملی ہے جسے فلپائن کے سفیر نے بھی اپنی بیوی تیم کر لیا ہے۔ یعنی مادام نشی کا کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔“  
”تو وہ تم سے کیا چاہتی ہے۔“

”پچھے بھی نہیں.... مجھے بھی اس لینے سے محظوظ کرنا چاہتی تھی۔“  
”واقعی اگر شوہر سے اس طرح پیچھا چھوٹ جائے تو اسے لطیفہ ہی کہیں گے۔“  
”اوہ.... تم اُس بیچاری کا مصلحہ اڑا رہے ہو.... رُبی بات ہے.... ذرا سوچو تو کہ.... وہ کس انجمن میں دوچار ہے۔“

”بھلا میں کیوں سوچوں؟“  
”تم نے پھر ہاتھ روک لئے کھاؤا....!“  
”بس شکریہ....!“ عمران نیکن سے ہاتھ صاف کرتا ہوا بولا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ تو کیا وہ یہاں اس لئے لایا گیا تھا کہ نشی کا کی کوئی ہمہیسہ دکھا کر خود اسے انجمن میں ڈالا جائے۔

”اچھا اب تم کافی پیو گے یا چائے۔“ لڑکی نے پوچھا۔  
”پہلے تم اپنام بتاؤ....!“ عمران نے احتفاظ انداز میں کہا۔  
”میرا نام.... اوہ.... کیا میں نے ابھی تک نہیں بتایا۔“

”عمران نے نہیں میں سر بلدا دیا۔“  
”میرا نام.... رینا ہے.... رینا نگنسن....!“  
”اچھا تو میں رینا نکسن.... مجھے یہاں کب تک ظہرنا پڑے گا۔“

”اوہ.... تو کیا تم مجھ سے اتنی جلدی آتا گئے۔“

”تمہارے ہی بھلے کو پوچھ رہا ہوں.... دراصل تم بہت اچھی ہو.... یعنی کہ بہت اچھی دوست ہو.... لہذا میں نہیں چاہتا کہ میری طرف سے کوئی بُری رائے قائم کرو۔“  
”میں نہیں سمجھی۔“

”کیا بتاؤ.... بڑی دلکھ بھری داستان ہے۔“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

”اوہ.... بتاؤ۔.... مجھے انجمن میں نہ ڈالو۔“

اتھے میں دوسرا ملازم کر رہے میں داخل ہوا۔ رینا اُس سے کافی کے لئے کہتی ہوئی پھر عمران کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”بتاؤ۔....!“ اُس نے کہا۔

”مجھ پر دورے پڑتے ہیں! ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہوں۔ اور اُسی حالت میں کبھی کتوں کی طرح بھوکتا ہوں اور کبھی بندروں کی طرح اچھل کو دچانے لگتا ہوں۔“

رینا بے اعتباری سے نہیں اور ایسی نظر وہیں سے اُسے دیکھنے لگی جیسے کوئی آکتا ہوئی ماں اپنے شریر پیچ کو دیکھتی ہے۔

”یقین کرو....!“

”ہوں....!“ وہ دوسرا طرف دیکھنے لگی۔

”تمہارے پیاسا خونخوار آدمی معلوم ہوتے ہیں۔“ عمران نے کہا۔

”تم ان کی فکر نہ کرو۔ میں انہیں ہینڈل کر سکتی ہوں۔“

عمران پھر پکھنہ بولा۔ تھوڑی دیر بعد کافی آگئی اور عمران پھر مادام نشی کا کا قصہ نکال بیٹھا۔ اور لڑکی قدر مغموم نظر آنے لگی۔

”میں نہیں سمجھ سکتی کہ اب اُس بیچاری کا کیا حشر ہو گا۔“

”اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ آخر وہ بیچاری خود کو مظلوم کیوں سمجھ رہی ہے۔ کیوں نہیں آتی منظر عام پر.... کیوں نہیں اعلان کرتی کہ اس کے متعلق بوئے ناطق نہیں میں بتتا ہوئے ہیں.... وہ کسی اور کی لاش تھی اُس کی نہیں....!“

”پچھے نہیں کیا۔ شوہر یاں ہیں۔ ورنہ جو ناقوتیں ہیں۔“

”ظاہر ہے۔“ اس نہیں ہم معمون۔ شوہر یاں ہیں۔ بتا۔ پا۔“

”یقیناً....!“ لڑکی نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”وہ بھروسے تھیں تھے۔“ اسی تھیں کہ اب بھاں

”تیری سے چلتے ہوئے قریب آگئے۔ ایک نے اس کے پھرے پر تاریخ کی روشنی ڈالی اور وہ آنکھوں پر باتھ رکھتا ہوا بولا۔ ”یہ کیا کر رہے ہو؟... میں مذاق کے مودوں نہیں ہوں۔“

”اچھا جی...!“ ان میں سے کوئی طنزیہ لمحے میں بولا۔ ”کہاں کے نواب ہو؟“

”کیا وقت ہوا ہو گا۔“ عمران نے لاپرواں سے کہا۔ ”میری گھڑی بند ہو گئی۔“

”تم ہو کون اور اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو؟“

”میں بھی ڈیوٹی پر ہوں۔“

”کہ... کہیں ڈیوٹی۔“

”فضول بکواس نہ کرو۔“ عمران نے غصیلے لمحے میں کہا۔

”تھانے لے چلو...!“ ایک نے دوسرا سے کہا۔

”کون سے تھانے کی بات کر رہے ہو؟“

”دھام پورہ...!“

اس طرح عمران معلوم کر سکا کہ وہ اس وقت دھام پورہ میں ہے۔ یہ شہر کی ایک نواحی بستی تھی اُسے یاد آیا کہ دھام پورہ کا انچارج اُس کی جان پیچان والوں میں سے ہے... لہذا اُس نے سوچا ممکن ہے وہ اس وقت ڈیوٹی ہی پر ہو اور اُسے گرم چائے کا ایک کپ مل کے جس کی ضرورت وہ بڑی شدت سے محسوس کر رہا تھا۔

”چلو تھانے ہی چلو...!“ عمران بڑا لایا۔ ”ہاں تمہیں معلوم ہو گا کہ بڑے آدمیوں سے، بد تیری کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔“

”آپ سن کون ہیں۔“

”چور ہے... چور...!“ کسی جانب سے آواز آئی۔ ”پکڑو سے!“ اور وہ آواز اُسے کچھ جانی پڑی۔ کسی طرف بڑی۔ لیکن وہ صحیح اندازہ نہ کر سکا۔

”کون بول رہا ہے۔“ ایک کا نشیل نے اوپھی آواز میں پوچھا۔

”حلی کرہا!“ ہی آواز بھر آئی۔ ”ورنہ یہ جملے کے کرنکل جائے گا۔ میں ہی آئی، میں کا آدمی ہوں۔“

اور پھر وہ دونوں کا نشیل عمران پر ثبوت پڑے۔

”بڑی گھری دوستی معلوم ہوتی ہے۔“ عمران اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا اور نہ جانے کیوں رینا چھینی ہوئے انداز میں آنکھیں چرانے لگی۔ پھر جلدی سے بولی۔ ”کافی اور لوگے۔“

”نہیں شکریہ...!“ عمران چوک کر بولا۔ چند لمحے ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر آہستہ سے کہا۔ ”باتاونا مجھے کب تک یہاں رہنا پڑے گا۔“

”اوہ...!“ لڑکی نہیں پڑی۔ ”میرا مذاق عموماً معیاری ہوتا ہے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”جب چاہوں گی تمہیں اسی طرح پکڑ بلاؤں گی۔“

”لک... کیا...!“ عمران چاروں طرف آنکھیں چھاڑتا ہوا بولا۔ سر چکرانے لگا تھا اور آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے گنجان دائرے ناق رہے تھے۔ کافی یقینی طور پر نشہ آور تھی... اُس کا سر چکراتا رہا اور وہ رہ کر آنکھیں پھیلاتا اور سکوڑتا رہا۔

پھر پہتے نہیں کیا ہوا۔... وسری بار آنکھ کھلی تو چاروں طرف گھر اندر ہاتھا... اور شدید ترین بدبو کا حساس بالا خراو لکائیوں میں تبدیل ہو گیا۔... ہتھیلیاں زمین پر نیک کرائھنے کی کوشش کی لیکن ہاتھ دھنستے چلے گئے اور سر دیوار سے نکرایا۔

پھر اچانک اُسے احساس ہوا کہ کسی بہت بڑے ذہن بن میں پڑا ہوا ہے... بخشک تمام وہ اس سے باہر آسکا۔

رات تاریک تھی لیکن کھلی فضا میں تاروں کی چھاؤں گرد و پیش کا جائزہ لینے میں مدد کر سکتی تھی۔ اُس نے خود کو شہر کی کسی گھنی آبادی میں پلایا۔ لیکن فوری طور پر اندازہ نہ کر سکا کہ وہ کہاں ہے۔

ایسی تھکن ذہن و جسم پر طاری تھی جیسے سینکروں میل بیدل چلا ہو۔ کافی دیر تک وہ ایک جگہ کھڑا گھری گھری سانسیں لیتا رہا۔ خنکی بڑھ گئی تھی۔ دفتار اُس نے پولیس کی سینی کی آواز سنی جو کہیں قریب ہی سے آئی تھی۔

اُس نے اپنے کپڑے جھاڑے اور نائی کی گردہ رست کرنے لگا۔ بیرون کی چاپ قریب آتی جا رہی تھی۔ وزنی جو توں کی دھمک دور دور تک پھیل رہی تھی۔

پھر وہ دونوں ڈیوٹی کا نشیل بھی نظر آئے جو نامبأتے ہی، میہ پتے پتے رک گئے تھے۔

”کون ہے...؟“ ایک نے گونخ دار آواز میں پوچھا۔

”علی عمران۔ ایس۔ ایس۔ ہی۔ ڈی۔ الیس۔ سی۔ آنکسن۔“

عمران حقیقتاً بوكھلا گیا۔ بھلا کا نشیبلوں پر ہاتھ کس طرح اٹھتے۔ پولیس سے ہاتھپائی کرنے کو وہ ہمیشہ سے کہنے پن سمجھتا آیا تھا۔ اور پھر خود بھی ایک ذمہ دار آفیسر تھا۔ وہ کسی نہ کسی طرح ان کے حملوں کو زد کرنے قابو میں آنے سے گریز کرتا رہا۔ ادھر ان کا جوش و خروش تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ ”شباش... نھیک ہے۔ گھیر و... گھیر و... جانے شپاۓ۔“ لبچے میں تنفس تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ نہیں بھی رہا تھا۔ ادھر اب کا نشیبلوں نے بھی شور چاٹا شروع کر دیا تھا۔ عمران کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ سورج رہا تھا کہ اگر آس پاس کے لوگ جاگ پڑے تو کیا ہو گا۔ تب تو شام کد بھاگتے راستہ نہ ملے۔ ابھی تک وہ ان کے حملوں سے بچاؤ کر رہا تھا۔ اب سوچا جدھر سینگ سائیں بھاگ نکلو۔ کا نشیبلوں کے پاس ریو اور تو ہوتے نہیں۔

اس بار اس نے انہیں جھکائی دی اور ایک تاریک گلی میں گھستا چلا گیا۔ جی چھوڑ کر بھاگ رہا تھا۔ اس کی پروادہ کے بغیر کہ انہیں میں آگے کیا ہو گا۔

دوڑتا رہا۔ اور اپنے پیچھے بھی کئی قدموں کی آوازیں سنتا رہا۔ دیے اب اسے راستہ بھی دکھائی دے رہا تھا کہ تھا کہ کوئی تھا۔ دیے اب اسے نارج روشن کر کر کھی تھی۔ لیکن وہ ان کے شور سے ضرور خائف تھا ابر پیچے جا رہے تھے ”چور... چور... پیڑو... پیڑو۔“

عمران کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ سیدھا ہی دوڑتا رہے یا، ایسی بائیں کسی گلی میں مڑ جائے۔ بعض مکانات کی کھڑکیاں کھلنے لگی تھیں۔ اس نے سوچا اب آئی پوری طرح شامت۔ بھرا ہوا مجمع تقریر سننے کے موذ میں نہیں ہوتا۔ عجین دیر میں وہ صفائی پیش کرے گا خود اس کا مغلایا ہو پکا ہو گا۔

بہر حال وہ دوڑتا رہا۔ اور پھر اچانک ایک جگہ خونکر کھائی۔ لاکھ سخنہنے کے باوجود بھی ڈھیر ہو گیا۔ نہ صرف ڈھیر ہو گیا بلکہ بائیں جانب لٹکتا چلا گیا۔ اور پھر جب زمین چھوڑی تو دم ہی انکل کر رہا گیا۔ پتہ نہیں کہن گہر انہیوں میں فن ہوتا ہے۔

لیکن جلد ہی پھر زمین سے جسم انکا۔ نامبادیاں گذاشتے جا رہے تھے۔ ان کے لئے کہہ ائی ہوئی تھی۔ محمد ان ایسی تاریخ میں بیکار رہا۔ اور شامِ نجات ہوئے۔ انہیں فریبہ ہی سنتے وہ رہتے ہوئے گزر گئے۔ اُنگے پیچھے شام کد بھجو اور لوگ بھی تھے۔ عمران نے اسی قدم میں نپاپن سنی تھیں۔

کچھ دیر بعد سننا چھا گیا پھر قریب ہی کہیں ایک کتا ہو نکلنے لگا۔ اب دوسری مصیبت۔ اس نے سوچا کیونکہ اس ایک آواز کے ساتھ ہی قریب دور سے متعدد آوازیں اور بھی ابھریں تھیں۔ اگر توں نے پچھالیا تو پھر گھر ہی تک پہنچا کر دلم لیں گے۔ بہر حال وہ کہیں کے بل اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔

گھر کے لئے کھو دے گئے تالے کی گھر اُنی چار فٹ سے زیادہ نہ رہی ہو گی۔ ایک ہی جست اُسے تالے سے باہر لے آئی اور وہ مختلف سمت میں چلنے لگا۔ اُسی جانب رخ نہیں کیا جدھر اس کا تعاقب کرنے والے گئے تھے۔

کتنا بد ستور بھوکلتے رہے۔ کچھ دور چلنے کے بعد بالآخر ان سے بھی ٹم بھیز ہو گئی۔ عمران کی مٹھیوں میں پہلے ہی سے دو پتھر دبے ہوئے تھے۔ اس نے ہاتھ گھما دیا۔ اور ایک کتا چیاوں چیاوں کرتا ہوا دوسری طرف بھاگا۔ دوسروں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ لیکن وہ اب بھی بھونکے جا رہے تھے۔ عمران نے دوسرا پتھر بھی پھینکا اور وہ دور تک دوڑتے چلنے لگے۔ ویسے وہ اب بھی آسمان سر پر اٹھائے ہوئے تھے۔

عمران بہت احتیاط اور تیزی سے راستہ طے کر رہا تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد اسے ایک جگہ بھیز نظر آئی۔ شام کد یہ کا نشیبلوں کا شور سن کر جا گے ہوئے لوگ تھے۔

عمران کو دیکھ کر ان میں سے کسی نے استفسار حال کیا اور عمران نے اسی طرح چلتے ہوئے جواب دیا۔ ”زندگی اپریون ہو گئی ہے صاحب! اروز یہی پکڑ چلتے ہیں۔ راتوں کی نیند حرام ہو گئی پتہ نہیں کون اوگ تھے کدر نکل گئے۔“ وہ اسی طرح بربادا تاہو اس بھیز سے بھی نکلا چلا گیا۔

اس بھتی سے کسی نہ کسی طرف بارہ آیا۔ اب ایک سنان سرک سامنے تھی جس پر کم از کم پانچ میل کی مسافت طے کرنے کے بعد وہ اپنی جائے قیام تک پہنچ سکتا۔

تن بے تدیر چل پڑا۔ دل میں دعا میں مانگتا جا رہا تھا کہ کوئی بھوٹی گاڑی ہی آنکھ اور وہ ذرا سیور سے شہر تک کی لافٹ کے لئے اسندعا کرے۔

چاڑا رہا۔ لیکن دیا قول نہ ہوئی۔ زہن انجھا، اتحا۔ ایک بعد، سر کی گردہ سامنے آتی تھی۔ آخر وہ اس طرح کسی نامعلوم جگہ کیوں لے جایا گیا تھا؟ کیا وہ حق مجھ تکی؟ وہ آدمی کون تھا جس نے کا نشیبلوں کو اس کے غلاف کیا تھا؟ اور ان کا مقصد کیا تھا؟

ایک ہوئی شخص اسے سے بھاٹاکیں میں حصیاں پہنچتے تھے۔ اس سے عالمات در طرف تے اس کا ذہن ہٹ جائے۔ وہ سوچندا رہا لیکن سی خاص تجھی پر نہ پہنچی۔

کچھ دیر بعد سڑک پر ہلکی سی روشنی دکھائی دی۔ عقب سے آتی ہوئی کسی گاڑی کے ہڈی پر کی روشنی تھی۔ عمران رُک کر مڑا۔ گاڑی ابھی دور تھی۔ وہ پیچھے ہٹ کر اُس کا انتظار کرنے لگا۔ ... جیسے ہی وہ قریب آئی اُس نے ہاتھ انداز کرنے کا اشارہ کیا۔

گاڑی رُک گئی اور کسی نے کھڑکی سے سر نکال کر پوچھا۔ ”کیا ہے؟“  
”شہر تک لفت چاہئے۔“ عمران بولا۔

”اوی.....!“ اگلی سیٹ سے آواز آئی۔ اور اگلی ہی سیٹ کا دروازہ بھی کھلا۔ ... عمران شکریہ ادا کر کے بیٹھتا ہوا بولا۔ ”سردی بڑھ گئی ہے۔“  
جواب میں کسی نے کچھ نہیں کہا۔ پچھلی سیٹ پر دو افراد کی موجودگی کا احساس اُسے پہلے ہی ہوا تھا۔

کار چل پڑی۔ عمران خاموش بیٹھا رہا۔ ... پھر پچھلی نشت سے سر گوشیوں کی آواز آئی۔ کوئی ہنا۔ ... آواز نہیں تھی۔ پھر بیک وقت د تینچھے سنائی دیئے۔ دونوں ہی عورتیں تھیں۔ کار تیزی سے راستے طے کرتی رہی۔ دعشاً عمران نے محسوس کیا کہ وہ شہر کی طرف نہیں جا رہے۔ ”ہم کہاں جا رہے ہیں۔“ عمران نے پوچھا۔

”ہیں جہاں جادو کی پریاں رقص کرتی ہیں۔“ پچھلی نشت سے ایک سریلی ہی آواز اپنہری۔ ”واقعی.....!“ عمران بچوں کے سے انداز میں خوش ہو کر اچھلا۔ لیکن اس ”واقعی“ کا کوئی جواب نہ ملا اور وہ سوچنے لگا کیا مجھ وہ کسی بڑے پکر میں پھنس گی ہے... اب کار ایک کچھ راستے پر چل رہی تھی۔

”میں سمجھتا تھا شام آپ لوگ شہر جا رہے ہیں۔“ عمران نے کہا۔ ”دماغ اپنا اپنا!“ ڈرائیور کرنے والے نے جواب دیا۔ ”آپ اپنے طور پر جو چاہیں سمجھنے کے لئے آزاد ہیں۔“

”مگر مجھے تو شہر جانا تھا۔“

”یقیناً ایسا ہی رہا ہو گا۔“

”پھر میں اب کیسے جاؤں گا۔“ عمران نے بچوں کے سے انداز میں کہا۔

”یہ تم خود سوچو... ہم کیا بتائیں۔“

”تم کہاں جا رہے ہو۔“

”ہم کہاں جا رہے ہیں۔“ اس نے پھر بلند آواز میں دہ لایا۔

”جہاں چاندی کی جھیل میں سونے کے کنول تیرتے ہیں۔“ پچھلی نشت سے نہیں آواز آئی۔ سونے کے نہیں پلاٹیزم کے....!“ عمران نے خوش ہو کر تصحیح کی۔ کاراب ایسے راستے پر چل رہی تھی جس کے دونوں جانب گھنی جہاڑیوں کے سلسلے تھے۔ عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور آہستہ آہستہ منہ چلانے لگا۔ ”تو پھر بولو... تمہیں کہاں اتاریں....“ کچھ دیر بعد اُس سے پوچھا گیا۔ ”اب میں نے خیال بدل دیا ہے۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”کیا مطلب....!“ ”مجھے کہیں نوکری دلوادو۔“ ”پچھلی نشت سے ایک قہقهہ بلند ہوا۔ مگر یہ ایک عورت کی آواز تھی دوسری نے شام کے قابل توجہ نہیں سمجھا تھا۔“ دفعتاً ایک جگہ کار رک گئی اور ساتھ ہی عمران نے کسی چیز کی چھپن اپنی گدی پر محسوس کی۔ ”یہ ریو اول رہے۔“ پچھلی نشت سے نہیں آواز آئی۔ ”چپ چاپ نیچے اتر جاؤ۔“ پھر پچھلی نشت سے کسی نے اتر کر اگلی سیٹ کا دروازہ کھوا اور عمران چپ چاپ نیچے اتر آیا۔ کار فرائے بھرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ کچھ راستے کی دھول اُکر عمران کے منہ پر آئی اور وہ دوہرا ہو کر کھانے لگا۔ شام کچھ کہنے کیلئے منہ کھولا تھا کہ گرد و غبار کی یلخان حلق میں اترتی چل گئی۔ اب کیا کرے.... وہ بے بُس سے چاروں طرف آنکھیں پھاڑنے لگا.... حد نظر تک جگل پھیلا ہوا تھا۔ اندرازہ نہ کسکا کہ وہ کہاں اتارا گیا ہے۔“ وہ دم بخود کھڑا دانت پر دانت جمانے کی مشق کرتا رہا۔ سر دی اتنی ہی شدید تھی۔ پھر یک یک قریب ہی سے کسی نے انگریزی میں کہا۔ ”تم یہاں تھا تو نہیں ہو۔!“ عمران اچل پڑا۔ آواز سے کان آشنا محسوس ہوئے۔ نہیں آواز تھی۔

”مجھے یقین ہے کہ میں تھا رہ ہی نہیں سکتا۔“ عمران نے لاپرواٹی سے کہا۔ وہ اُس لڑکی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی جس کے ساتھ وہ رات کے اوپرین حصے میں لکھا تھا۔ ... پھر وہ اُس کے قریب آکر ملتحیانہ انداز میں بولی۔ ”کیا تم مجھ سے خفا ہو۔“

”شامت آئی ہے جو کسی عورت سے خفا ہونے کا نیاں بھی دل میں اؤں گا۔“

”نہیں تم یقیناً خفا ہو گئے ہو گے۔ کیونکہ عادات ہی ایسے ہیں۔“

”میں نے ابھی تک حالات کے متعلق غور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی....!“

”بلو... ذیئر... ادھر دیکھو میری طرف۔“ وہ اُس کا بازو پکڑ کر بولی۔

”تمہاری ہی طرف تو دیکھ رہا ہوں۔“ عمران نے بے بس سے کہا۔ ”اندھرا ہے نا...!“ ”میں دراصل ایڈوپنگ کی شائق ہوں۔ ہر لمحہ زندگی میں نئے پن کی متلاشی رہتی ہوں۔ تمہیں کافی میں خواب آور دوادی گئی تھی۔ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ تم ہوش میں آنے پر کیا کرتے ہو... وہ کجھت وہ کاشیبل نہ جانے کہاں سے آپنے۔ خراب تو ہم یہاں ہیں۔“

پھر یک بیک وہ چونک پڑی۔ دور کسی گاڑی کے ہیڈ لیپ چک رہے تھے۔

”اوہ...!“ وہ اُس کا بازو پکڑ کر کھینچتی ہوئی بولی۔ ”چلو... شاکر یہاں آرہے ہیں۔“ اور پھر وہ اُسے جھاڑیوں میں کھینچتی لیتی چل گئی

”مری کیوں جا رہی ہو... وہ دیکھو... گاڑی ہمارے قریب تھی سے گذری جا رہی ہے...“ لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ اس میں تمہارے پیاسی ہوں۔“

”انہیں شبہ ہو گیا تھا۔ ہو سکتا ہے انہوں نے میرا تعاقب کیا ہو۔“

”تم آخر مجھ سے کیا چاہتی ہو۔ پہلے یہ بتاؤ۔“

”میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔“ لڑکی بھرائی ہوئی آواز میں بولی ”اور جو کچھ پسند کرتی ہوں اُسے ہر حال میں حاصل کر لینے کی کوشش کرتی ہوں۔“

”ہوں....!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر پوچھا۔ ”مجھے حاصل کر چکیں یا ابھی اور حاصل کرو گی۔“

لڑکی منہ دبا کر بنتے گلگ۔ عمران خاموش کھڑا رہا۔

”توہڑی دیر بعد لڑکی نے کہا۔ ”اب نکلو یہاں سے۔“

”چلو...!“ عمران کچھ راستے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا۔ عمران نے ریڈیم ڈائیل ولی گھڑی کی طرف دیکھا۔ چار نک رہے تھے۔ خنکی پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی تھی۔ کچھ راستے پر پہنچ کر وہ پھر رک گیا۔ ”میں کیا کروں۔“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”کیا بات ہے۔“ لڑکی نے اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

”صح کی چائے کے متعلق سوچ رہا ہوں۔“

”اوہ... پیش کے علاوہ کچھ اور بھی یاد رہتا ہے تمہیں۔“

”مجھے اپنے باور پری سے عشق ہے۔“

”گھٹیاں تکم اس کرو۔“

”چ کہتا ہوں.... جب کھانے کی میز پر قورے کی قاب کا ڈھکن اٹھاتا ہوں، روح تازہ ہو جاتی ہے بالکل ایسا محسوس ہوتا ہے، خوشبوؤں کے جزیرے کی کسی جھیل کے کنارے کھڑا ہوں۔“

”بہتر ہے چپ ہی رہو۔“

”اچھی بات ہے....!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی پھر آسمان کی طرف سر اٹھا کر بولا۔

”دیکھو یہ ستارے کیسے لگ رہے ہیں۔“

”یسے لگ رہے ہیں۔“ لڑکی نے پر اشتیاق بیج میں پوچھا۔

”بہت داہیات لگ رہے ہیں.... چائے کا کیا بتئے کا۔“

”بہت غصہ ور آدمی ہیں۔“

”عینک سمیت... یا بغیر عینک...!“

”لیا مطلب...!“

”بھائی تو دیتا نہیں۔ غصہ کیا کریں گے۔“

”میں اب بھی نہیں سمجھیں۔“

”صح سمجھنا۔ اندر ہیرے میں نہیں سمجھ سکوں۔“

”آہستہ بولو۔“

”بھی میں تواب نہیں چل سکتا۔“ دفتار عمران اکڑوں بیٹھتا ہوا بولا۔  
 ”اے.... اے....! وہ اسے کھینچنے لگی۔  
 ”تامکن...!“ عمران گردن جھک کر بولا۔ ”میں بھی دیکھنا پاہتا ہوں کہ تمہارے پیاس کتنے خونخوار ہیں۔“  
 ”میرے خدا میں کیا کروں۔“ وہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر بے بھی سے بولی۔  
 ”ایڈوچر...!“ عمران گنگتیا۔  
 ”لعنت ہے ایڈوچر پر.... اگر کوئی لگ آئی تو۔“  
 ”ہاتھ پر ٹوٹے بغیر ایڈوچر کا مزہ نہیں آتا۔ میں تو اکثر آنکھیں بند کر کے کنوں میں چھلانگ لگادیتا ہوں ایڈوچر کے لئے۔“  
 ”اچھا بس خاموش رہو۔“ وہ جھنجلا کر بولی۔  
 ”رر..... ریٹا....!“ عمران کراہا۔ ”اب پھر بھوک لگ آئی ہے....!“  
 دفتار قریب کے درختوں پر روشنی نظر آئی۔ عمران نے مڑ کر دیکھا ساتھ ہی ریٹا اچھل کر بھاگتی ہوئی بولی۔ ”اے بھاگو.... وہ پھر آرہے ہیں۔“  
 عمران نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ اب وہ پھر جہازیوں میں گھس رہے تھے۔ لیکن عمران نے آگے جانے سے انکار کر دیا۔ وہ اس بار کچی سڑک سے قریب ہی رہنا چاہتا تھا۔  
 کار پھر قریب آرہی تھی۔ رفتار تیز نہیں تھی۔  
 ”اوہ.... چلو....!“ وہ اسے گھستیتی ہوئی منمنائی۔  
 ”ہرگز نہیں۔“ عمران اسی جگہ جتنا ہوا بولا۔ ”میں دیکھوں گا تمہارے پیاسا کا نشانہ کیسا ہے۔“  
 ”یہیہ... مر ناہی چاہتے ہو۔“ ریٹا نے ہانپتے ہوئے کہا۔  
 ”مجھے کیسے یقین آئے.... مرے بغیر....!“  
 پھر بیسے ہی کار اُن کے قریب سے گزرنے لگی۔ عمران حلقوں پھاڑ کر چینا۔ ”بالٹ ہو کمس دیز.....!“  
 بریک چڑچڑائے تھے اور کار رک گئی تھی۔ ساتھ ہی ایک کیپکاٹی ہوئی سی آواز بھی آئی تھی۔  
 ”فرینڈز... فرینڈز...!“  
 ”بائے یہ کیا تم نے...!“ لڑکی نے غم تاک انداز میں سکاری لی۔  
 ”گولی مار دوں گا....!“ عمران آواز بدلت کر غریبا۔ ”دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے یچھے اتر آؤ۔“

”اے بس خاموش بھی رہو۔“  
 عمران ہوئے ہوئے اپنا سر سہلارہا تھا۔  
 ”تمہارے ملک میں بے وفا قیامت ہے۔“ لڑکی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔  
 ”میاپیہی بتانے کے لئے بیہاں لائی تھیں۔“  
 ”تم آخر تنے بور کیوں ہو رہے ہو، کون سی آفت آئی ہے اگر تفریغ کیلئے ادھر آئکے۔“  
 ”تفریغ کے لئے....!“ عمران نے مردہ سی آواز میں دہرایا۔  
 ”پھر کیا تمہیں بیہاں قتل کرنے لائی ہوں۔“  
 ”نہیں.... تم تو مجھے....!“  
 بات ادھوری رہ گئی کیونکہ قریب ہی سے فائز کی آواز آئی تھی۔ لڑکی اچھل پڑی۔  
 ”غصب ہو گیا۔“ وہ بوکھلائے ہوئے لجھ میں بولی۔ ”شاکد پیانا نہیں اندھیرے میں فائز گ شروع کر دی۔“  
 ”تب تو برا اچھا ہے۔“ عمران نے خوش ہو کر کہا۔ ”شاکد ادھر بھی کوئی گھوم جائے۔“  
 ”میاپک رہے ہو.... چلو بیہاں سے....“ وہ پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک جانب گھینٹے گئی۔  
 ”میں بہت تحک گیا ہوں۔“ عمران کراہا۔  
 ”چلو.... چلو....! ورنہ مجھ کوئی لگ جائے گی....!“ لڑکی نے کہا کیونکہ ابھی ابھی دوسرے فائز کی آواز بھی سنائی دی تھی۔  
 ”اس طرح پیدل پلٹے سے تو یہی بہتر ہے کہ آدمی مر ہی جائے۔“  
 ”لڑکی اسے گھستیتی رہی اور عمران بالکل اسی طرح گھستہ تراہا جیسے کسی بچے کو کسی بات پر مجبور کیا جا رہا ہو۔  
 پلٹے پلٹے یہک اس نے کہا۔ ”میں تمہارا نام بھول گیا۔“  
 ”ریٹا....!“ لڑکی ہانپتی ہوئی بولی۔ ”تم بچاؤ کی کوئی بات کیوں نہیں سوچتے۔“  
 ”سچ کر کے یا کروں گا....!“ سوت کی نواہش میں مجھے زندہ رہنے پر نجور کرتی ہے۔ ورنہ زندگی میں کیا رکھا ہے۔  
 ”اے تمہیں فلاں سو جھوڑ رہا ہے اس وقت۔“  
 نہیک اسی وقت پھر فائز کی آواز آئی اور وہ اچھل پڑے۔ ... اب تو ایسا معلوم ہو رہا تھا یہسے وہ دوڑتا ہی شروع کر دے گی۔

”میا یہاں کچھ دیر ٹھہر نے کے لئے جگہ مل جائے گی۔“  
کیوں نہیں ضرور.... ضرور....!“ کسی نے کہا اور پھر کوئی قریب آیا کھڑکی پر ہاتھ ٹک کر  
جھکا اور عمران کے چہرے کو بہت قریب سے گھورتا رہا۔  
”ارے....!“ عمران نے اُسے یک بیک پیچھے بہت کر کھینچنے شروع کرے۔ اُرے.... اُرے.... چودھریوں  
یہ تو اپنا ڈبو ہے ڈبو.... یا اللہ تیرا شکر ہے.... واپس آگیا.... یا اللہ۔“



عمران سنائے میں آگیا.... اُسے وہم بھی نہیں تھا کہ زندگی کے کسی مرحلے پر اُسے ”ڈبو“  
بھی سمجھا جاسکے گا.... کیسا ڈبو؟.... کس کا ڈبو....  
چودھریوں کا شور بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ وہ ایک ایک کر کے کھڑکی کے قریب آتے۔ اُسے  
گھورتے اور ہاں ”ڈبو“ کی معلوم پڑتا ہے!“ کافر نہ لگا کر پیچھے بہت جاتے۔  
”آپ.... یعنی.... آپ....!“ عمران اُس آدمی کی طرف دیکھ کر ہکلایا جو قریب ہی کھڑا  
اس طرح ہونٹ بھینچ رہا تھا جیسے آنسو روکنے کی کوشش کر رہا ہو۔  
”ہاں.... میرے لال.... مجھے پہچان.... میں تیرا باپ مدار بخش ہوں.... آج چو میں  
برس سے آئکھیں تیری را پر گلی تھیں....!“

پھر وہ بڑے پیار سے موڑ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ دوسرا سے چودھریوں کا شور بدستور تھا۔  
کوئی کہہ رہا تھا۔ ”ارے موڑ لایا ہے.... موڑ....!“  
”چل.... اب اتر بھی بینا۔.... تیری ماں روتے روتے اندھی ہو گئی۔“ چودھری مدار بخش  
نے عمران کے کاندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔  
”اچی.... قبلہ.... آپ کو غلط نہیں ہوئی ہے۔“ عمران نے بوکھلائے ہوئے لبھے میں کہا۔  
”وہ آپ نے ڈبو صاحب کوئی اور ہوں گے۔“  
”لو اور سنوا موابی صاحب!“ چودھری مدار بخش نے ہاتھ لگائی۔ ”اب ہم اپنے پیٹ کے  
کینے کو نہ پہچانیں گے۔“  
”وہ چار اور قریب آگئے اور چو، ہر ہی مدار بخش نے ان سے شکوہ شروع کیا۔“ یہ ایکھے دارماں  
چو میں بر س بعد شکل دکھائی ہے اور اب کہو ہے ہے میں تمہارا بینا نہیں ہوں۔“

دروازہ کھلا اور کوئی ہاتھ اٹھائے ہوئے گاڑی سے اتر آیا۔  
عمران نے جلد ہی اندازہ لگایا کہ گاڑی میں اُس ایک آدمی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔  
”اسی طرح ہاتھ اٹھائے ہوئے سیدھے چلے آؤ.... جھاڑیوں کے اندر۔“ عمران نے پھر  
تمکمانہ لبھے میں کہا۔  
”ارے یہ کیا کر رہے ہو تم....!“ رینا نے فحیلے انداز میں سر گوشی کی۔  
عمران نے کوئی جواب نہ دیا۔ ڈرائیور دونوں ہاتھ اپر اٹھائے ہوئے جھاڑیوں کی طرف بڑھ  
رہا تھا۔.... پھر جیسے ہی وہ جھاڑیوں میں داخل ہوا۔.... عمران کسی چیز کی سی پھرتی سے باہر کھک  
گیا۔ گاڑی کا انجن بند نہیں کیا گیا تھا۔ دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔

ایک ہی جست اُسے اُنگلی سیٹ پر لے گئی۔ پیر ایک سیلیٹ پر پڑا۔.... اور گاڑی فرانے بھرتی  
ہوئی آگے نکل گئی۔.... انجن کے شور کے باوجود بھی اُس نے ریٹاکی جھینیں سنی تھیں۔  
کچار استہ شیطان کی آنت نبات ہوا۔.... ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔  
عمران سوچ رہا تھا کہیں کسی معقول جگہ پیچنے سے قبل ہی پڑوں ختم نہ ہو جائے  
اکاد کا پرندوں نے آوازیں نکالنی شروع کر دی تھیں اور افون کی دھنڈا ہنوں میں سرخی کی  
جھلکیاں نظر آنے لگی تھیں.... اور انہیں جھلکیوں کے پس منظر میں اُسے کسی مسجد کے منارے  
بھی دکھائی دیئے۔

کار کی رفتار تیز ہوتی رہی اور بالآخر اُس کچے راستے کا اختتام ایک بستی پر ہوا۔.... کچے کچے  
مکانات پر مشتمل یہ بستی ملکے اندر ہیزے میں او ٹھکنی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھی۔ سنائے میں انجن  
کا شور گونٹ رہا تھا۔

مسجد سے کچھ نمازی آتے دکھائی دیئے اور عمران نے گاڑی روک دی۔

وہ سبھی لپکتے ہوئے گاڑی کے قریب آئے۔

”یہ کون سا گاؤں ہے۔“ عمران نے پوچھا۔

”رستم آباد....!“ کسی نے کہا۔ ”آپ کون ہیں۔“

”راستہ بھول گیا ہوں۔“ عمران نے ٹھہڈی سانس لی۔

”بیال بنا تھا۔“

”شاواب نگر....!“

”غلط آگئے....!“

بات بڑھ گئی اور بزرگ قسم کے چودھری نے عمران کا ہاتھ پکڑ کر نیچے کھینچ لیا۔  
”مم... میں کہتا ہوں...!“ عمران بے بس سے بولا۔

”تم کچھ نہیں کہتے... کہو بھی تو ہم نہیں سنتے...!“ قوی بیکل بوڑھا چودھری غربا۔  
”ہوں...!“ عمران کراہا۔ حقیقی بھوک کے مارے دم نکل رہا تھا اور رات بھر کی تھکن اور  
شب بیداری نے ذہن کو اس طرح پکل کر رکھ دیا کہ وہ ٹھنک کی کوئی بات سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔  
اس نے سوچا چلوای طرح کچھ دری آرام نصیب ہو جائے گا۔

اور پھر اسے کشان کشاں ایک جانب بلے جیا جانے لگا۔ کمی چودھری اسے لعنت ملامت  
کر رہے تھے۔ کچھ دور پلنے کے بعد وہ ایک نیم پختہ مکان کے سامنے رکے۔ قریب ہی جانوروں  
کے باڑے سے کوئی بھینس ڈکرائی۔

چودھری مدار بخش نے دروازے ہی پر چینخا شروع کر دیا۔ ”ارے آگیا... او نصیب کی  
مال... اپنا بو آگیا۔“

وہ اسے گھر کے اندر دھکیل لے گئے۔ اب خاصا اجلا پھیل گیا تھا۔ لیکن مکان کی دلیز  
میں اب بھی ایک میلی کچھی سی لالیں روشن تھیں  
گوبر کی بدبو اور کسی قسم کی بساندھ فضائیں رپی بسی ہوئی تھیں۔

”کون ہے... کیا ہے...!“ اندر سے کسی عورت کی بھاری بھر کم آواز آئی۔  
اور پھر عمران کو ایک ایسی بوڑھی عورت سے دوچار ہوتا پڑا جو دہاڑیں مار کر رورہی تھی اور  
اُسے گالیاں بھی دے رہی تھی۔

”اب چو میں بر س بعد تو نے سدھلی حرای... تیر انس جائے...!“  
”جی ہاں... جی ہاں... بجا ر شاد فرمایا۔“ عمران گزر گزایا۔  
”اری دیکھ تو کیسا آپ جناب کر رہا ہے... اب بس بھی کر حرامزادی۔“ چودھری نے بے  
حد خوش ہو کر فرمایا۔

اوہ ایک گوٹے میں غائب محترمہ نصیب کھڑی پھوٹ پھوٹ کر رورہی تھیں۔  
”اوہ... مردار...!“ چودھری مدار بخش نے اسے گھونسہ دکھا کر کہا۔ ”اب بس... جا  
پوچھتے پڑا، چار روپیاں ٹھوکنک لے... بھائی سے نے... جو کہا ہو گا۔“  
”باکل... باکل...!“ عمران سر بلدا آر رہا۔  
پھر کسی طرح بھیز چھٹی... اور وہاں صرف چار افراد رہ گئے۔ مسٹر ڈبہ...“

چودھری مدار بخش صہما نصیب اور مسز چودھری مدار بخش...!  
چودھری مدار بخش عمران کو تھیں آمیز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً انہوں نے اس کی  
تائی پکڑ کر جھوکا دیتے ہوئے کہا۔ ”تو تا ایسا جان پڑے ہے جیسے تحصیل اڑا ہو گیا ہو۔ کیوں ہے تا؟!  
”جی... میں کیا عرض کروں۔“ عمران نے خاسدار انداز میں کہا۔ ”جو جی چاہے سمجھ لیجھ۔“  
”یہ لے نصیب کی ماں۔“ چودھری صاحب نے قہقهہ لگایا۔ ”اُبھی سے آمدی پھپانے لگا۔  
ارے کہیں شادی وادی تو نہیں کر بیٹھا۔“

”جی نہیں.... قبلہ بھلائیں کس قابل ہوں۔“

”لے دیکھ... بالکل شریف آدمی ہو گیا ہے یہ... قبلہ.... قبلہ.... وہ...!“  
”مجھے ہوک گلی ہے جناب...!“

”لے اُبھی لے... او... نصیب مردار تو ابھی تک گنی نہیں چولے کے پاس۔“  
نصیب نصیب پیچاری سڑھ کرتی بھاگ پڑی اور عمران ٹھنڈی سانس لیکر ایک جھلکنے میں دھن گیا۔  
”ارے تیری موڑ...!“ دفعتاً چودھری مدار بخش نے چونک کر کہا۔  
”وہ... وہ تو وہیں کھڑی ہے۔“

”اور جو کوئی چرا لے جائے تو...؟“ چودھری نے آنکھیں نکالیں۔

”چلے... میں لے آتے ہیں۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔

وہ دونوں باہر آئے۔ عمران نے راستے میں اُس سے پوچھا۔ ”آپ کو کیسے پڑھا تھا کہ میں  
آرہا ہوں۔“

”اب میٹا کیا بتاؤ۔ رات خواب دیکھا تیری ماں بکھے گوروں سے جھوٹی بھرے کھڑی  
ہو... آنکھ کھلی گئی۔ فخر کی اذان ہو رہی تھی۔ مسجد جانے کے لئے باہر نکلا ہی تھا کہ داور صاحب  
مل گئے۔ شہر سے آرہے تھے اپنی موڑ میں... مجھے روک کر بولے... چودھری تمہاراڑ بُو آرہا  
ہے... اسی راستے سے آئے گا... کالی موڑ میں... وہ بہت وہ ہیں کیا کہتے ہیں اُسے ہاتھ دیکھ  
کر جو قسمت کا حال بتاتا ہے۔“

”پامت...!“

”نہیں... بے... وہ نجومی... نجومی...!“

”نہیں قبل نجوم الگ چیز ہے... اور پامسٹری الگ ہے جسے مرتبی میں ملکہ ایڈ کہتے ہیں۔“  
”بس بے لب! بڑا آیا مولیٰ بن کر... ہم تیرے باپ ہیں... ہاں بجٹ نہ لجاؤ۔“

وہ بھر اندر آئے۔ بوڑھی عورت اب بھی رورہی تھی۔ لیکن بے آواز.... کبھی کبھی کوئی سکنی فضائیں گونج اٹھتی تھی۔

”اری تو روئے جائے گی حرام خور میں کہتا ہوں اب بس کر! اومردار تو نے روٹیاں اتنا دیں یا نہیں!“ چودھری باور پھی خانے کی طرف پکا۔

بوڑھی عورت پھر عمران کے پاس کھڑی ہوئی دونوں ہونت بھپخ شائد آنسو روکنے کی کوشش کرتی رہی پھر کچھ کہنے بغیر عمران کے شانوں اور بازوں پر باتھ پھیرنے لگی۔

”میوں پر بیٹھاں کر رہی ہے اُسے۔“ چودھری نے اُسے ڈالنا اور پھر عمران کو مخاطب کر کے کہا۔ ”بیٹھو بیٹھو... ان عورتوں کو روئے کے علاوہ اور کیا آتا ہے خوشی کا موقع ہے تو روکیں گی، غمی ہوتی ہے روئے کے لئے۔“

”جی بہت اچھا جناب!“ عمران نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا اور حملکے میں غرق ہو گیا۔ عورت آنسو پوچھتی ہوئی اُس کے پاس سے ہٹ گئی۔

چودھری پھر اُس کے پاس آبیٹھا اور عمران نے اُس سے پوچھا۔ ”یہ داں صاحب کون ہیں۔“ ”بہت اچھے ہیں وہ جو نواب صاحب کی کوئی تھی نا یہاں۔ سر کارنے جنگ کے زمانے میں اُسے نواب صاحب سے خرید لیا تھا۔ اب داں صاحب نے اُسے سر کار سے خرید لیا ہے۔ کبھی شہر میں رہتے ہیں اور کبھی یہاں۔“

”تو انہوں نے خواہ مخواہ آپ کو میرے بارے میں بتانا شروع کر دیا تھا۔“

”بُس بے رہا ہی انکو کا الو... ابے میں نے خود انہیں بتایا تھا تیرے بارے میں کہ تو آئندھ بر س کی عمر میں گھر سے بھاگ کیا تھا... بیچاروں نے میرا ہاتھ دیکھ کر بتایا تھا کہ تو ایک نہ ایک دن ضرور واپس آئے گا۔“

”اور تیس واپس آگیا...!“ عمران نے مخفی سانس لے کر پوچھا۔ ”اور تو واپس آگیا... دیکھو اب کے کیسی زور دار گیارہوں کرتا ہوں۔ اناج کی کمی نہیں... دھان خوب ہوا ہے۔ کھاریاں بھری ہیں۔ بستن کا بھرنا بنیج کروں گا۔“

”تم چاہے بعد میں مجھے بھی ذبح کر دینا لیکن پہلے مجھے داں صاحب کے متعلق بتاؤ۔“ ”انہوں نے وہ کوئی کب خریدی تھی۔“

”تین چار ماہ ہے...“

”کیا وہ کوئی تھیں... وجود ہوں گے...“

”بہت اچھا جناب!“ عمران نے مردہ سی آواز میں کہا۔ اُس کے بعد وہ خاموشی سے گاڑی تک آئے۔ چودھری نے پھر بڑے پیار سے اُس کی چھت پر باتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔ ”یہ تیری ہی ہے تا...!“

عمران نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ”اور تو تحصیلدار بھی ہو گیا ہے۔“

عمران نے پھر خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ”تب تو... اب میں مجھے ذبو نہیں کہوں گا... اصلی والا نام نہیک رہے گا۔“ ”جی بہت بہتر...!“ عمران نے مخفی سانس لے کر کہا۔ ”لیکن میں اپنا اصلی والا نام بھوول گیا ہوں۔“

”ارے مجھے یاد نہیں گز کا کانے تیرا نام پیر بخش رکھا تھا۔“

”بیہ بخش...!“ عمران نے سینے پر باتھ رکھ کر اس طرح دہر لایجیسے کوئی چیز حلق میں انک گئی ہو۔ ”یاد آگیا تا...!“

”جی... لیکن یہ بیہ بخش...! اس سے اچھا تو یہی ہے آپ مجھے ذبو ہی کہیں۔ میں اسپینگ میں ہیر پھیر کر کے اُسے انگریزیاں لوں گا۔“

”بائیں ہائیں کیا مکلتا چلا جا رہا ہے... میں کچھ نہیں سمجھا...!“

”ذوب کوڈی باڑ... کرلوں گا... ذی ای... ذی باؤ... ذی باؤ... لیکن اس طرح تو میں کوئی فرانسیسی معلوم ہوں گا... خیر کوئی بات نہیں...!“

”اب موڑ لے چل یہاں سے بے فضول کی تائیں تائیں کے جا رہا ہے... نصیب نے جوار کی تازی تازی روٹیاں اتنا دلی ہوں گی اور تیری مان نے گز کمکھی تیار کر لی ہو گی۔“

”تشریف رکھئے...!“ عمران نے بچپلی نشست کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

چودھری نے بیٹھتے وقت کھیسیں نکال دیں۔

سورج ابھر آیا تھا اور گاؤں کے پچے موڑ کے گرد اکٹھا ہونے لگے تھے... عمران نے اسٹرینگ سنبھالنے سے پہلے باران بجا کر انہیں ہٹانا چاہا اور بمشکل تمام کار آگے ہڑھی اور وہ اُسے پوچھ رکھنے کے مقام کے سامنے لایا۔ پچھے تائیں جدتے اور شعر منپتہ مان کے پیچے ہی پیچھے آئے تھے چودھری نے تیچے اتر کر انہیں دھمکتا شروع کیا۔ دلی زبان سے دو چار گالیاں بھی دیں۔ لیکن پچھوں کی بھیزدہاں سے نہ ہٹی۔

”ہاں... صبح آئے تو میں...!“  
 ”چلو انھوں...! میں بھی ان کا شکر یہ ادا کرنے چاہتا ہوں۔“  
 ”ابے کچھ کھائی تو لے...!“  
 ”نہیں... جناب بس اٹھئے... نہ کھائیں گے واپسی پر...!“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔

”اب پھر کب تشریف لا کیں گے؟“ عمران نے پوچھا۔  
 ”مرضی کے مالک ہیں۔“ بوڑھے نے لاپرواں سے شانوں کو جنت دی۔  
 ”آپ کون ہیں۔“  
 ”جی...!“ وہ پھر عمران کو گھورتا ہوا بولا۔ ”اس جائیداد کا فیجر...!“  
 ”آپ کب سے اس جائیداد کے فیجر ہیں۔“  
 ”آپ...!“ وہ آنکھیں نکال کر بولا۔ ”آپ سے سروکار؟“  
 ”ارے... فیجر صاحب... یہ تحصیلہ از ہو گیا ہے... جی پیر بخش نام ہے۔ آپ  
 نہیں جانتے... یہ میرا ذوب... ذوب...!“  
 ”میں نہیں سمجھا جناب...!“ بوڑھے نے حیرت ظاہر کی۔  
 ”مطلوب یہ کہ...!“ عمران اسے ٹوٹنے والی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”مجھے حق حاصل  
 ہے کہ صاحب جائیداد لوگوں یا ان کے ملازم میں سے اس قسم کی پوچھ کچھ کر سکوں۔“  
 ”تو پھر تشریف لائیئے تا...! میرے مالک دا اور صاحب بہت فراخ دل آدمی ہیں۔“ بوڑھے  
 نے مسکرا کر کہا۔ ”انہوں نے آفسروں کی خاطر و مدارت کے لئے فند مخصوص کر رکھا ہے۔“  
 عمران دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔  
 ”اندر تشریف لے چلے جناب...!“ بوڑھے نے اس بار بڑے ادب سے کہا۔  
 چودھری مدار بخش نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔ ”جی ہاں... یہ ذوب ہے... اپنا ذوب...!  
 پراب تو پیر بخش ہی کہیں گے۔“  
 پھر اس نے بڑی فراخ دلی سے دانت نکال لئے۔  
 ”تم یہیں شہر دچودھری...!“ بوڑھے نے کہا۔  
 ”لک... کیوں؟“ اس نے منہ کھول کر عمران کی طرف دیکھا۔  
 ”ٹھیک ہے... آپ یہیں شہر یئے...!“ عمران نے بھی بوڑھے کی تائید کی۔  
 چودھری نے نہ اسماںہ بنا کر آبست آہستہ پچھ بڑی ناشد ن کر دیا۔  
 بوڑھا عمران کو ساتھ لئے ہوئے برآمدے میں آیا اور جب وہ اندر جا رہے تھے تو بوڑھے نے  
 آہستہ سے کہا۔ ”میم صاحب بھی آگئی ہیں۔“  
 ”ہم سے پہلے ہی...!“ عمران نے اگر بھر پوچھا۔  
 ”جی صاحب...!“

نواب صاحب کی حوالی قدیم وضع کی تھی ایک مضبوط اور بلند و بالا عمارت تھی جس کے گرد  
 بے ترتیب باغات کے سلسلے بکھرے ہوئے تھے۔  
 یہ عمارت اب بھی نواب صاحب کی حوالی ہی کھلا تھی حالانکہ اس کا موجودہ مالک کوئی اور  
 تھا۔ جیسے ہی عمران کی کار حوالی سے ملحفہ زمینوں کی حدود میں داخل ہوئی۔ بالکل ایسی ہی آواز  
 آئی جیسے کوئی مائیکروفون پر کہہ رہا ہو۔ ”کون ہے؟ یہ عام راست نہیں ہے... براو کرم سرخ تاروں کی  
 حدود میں داخل ہونے کی کوشش نہ کیجئے۔ اپنی گاڑی بائیں جناب سے نکال لے جائیے۔“  
 ”ابے ذوب...! سن تو کیا کہہ رہا ہے...!“ چودھری نے خوش ہو کر اکثرتے ہوئے کہا۔  
 کار عمارت کی طرف بڑھتی رہی۔ لیکن دوسری بار پچھ نہیں کہا گیا۔ پھر وہ طویل برآمدے  
 کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ ایک بوڑھا آدمی برآمدے کی سیڑھیاں طے کر کے نیچے آ رہا تھا۔  
 ”سلام فیجر صاحب...!“ چودھری نے کار کے اندر ہی سے ہٹک لگائی۔  
 ”لیا بات ہے...!“ بوڑھے نے پوچھا۔ اس نے اس کے سامنے کا جواب  
 بھی نہیں دیا تھا۔

”یہ جی... اپنا ذوب ہے تا...!“  
 بوڑھا کار کے قریب آچکا تھا۔ اس نے عمران کو گھورتے ہوئے پھر چودھری کو مخاطب کیا۔  
 ”میں نہیں سمجھا تم کیا کہہ رہے ہو۔“  
 ”یہ... یہ دا اور صاحب سے ملتا چاہتا ہے۔“  
 ”وہ تشریف نہیں رکھتے...!“  
 ”پر صحیح تو...!“  
 ”لیکن پھر چلے گئے...!“ بوڑھے نے کہا اور پھر عمران کی طرف دیکھنے لگا۔

"خیر... خیر... خیر...!" عمران سر ہلاکر بولا۔

ایک لمبی راہداری مٹے کر کے وہ ایک بڑے کمرے میں پہنچ۔

"آپ تشریف رکھئے جاتا ہے... میں ابھی حاضر ہوں۔" بوڑھے نے کہا اور باہر چلا گیا۔ عمران نہ اسامنہ بناتے ہوئے کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

کمرہ قدیم طرز کے بھاری بھر کم فرنچس سے آرستہ تھا۔ دروازوں پر نارنجی رنگ کے دیزیز پر دے لٹک رہے تھے۔ الحادویں صدی کے فرانسیسی مصور کے نمونے دیواروں کی زینت تھے۔

عمران ایک بڑی آرام کرسی میں دراز ہو گیا۔ کمرے میں کچھ ایسی بومحسوس ہو رہی تھی جیسے وہ عرصہ تک بند رہا ہو۔

اس نے لیئے ہی لیئے طویل انگرائی اور اس طرح آنکھیں بند کر لیں جیسے بہت تحک گیا ہو۔

بھوک کی وجہ سے کسی قدر نقاہت تو پہلے ہی سے محسوس کرتا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد کافنوں میں گھنٹیاں سی نج اٹھیں۔ بڑی سریلی ہنسی تھی... لیکن عمران نے آنکھیں نہیں کھولیں، کیونکہ وہ آواز تو اس کی ساعت میں زہر گھول رہی تھی۔

"بھج سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے۔" ہنسی روک کر کہا گیا۔

"اب میں مطمئن ہوں۔" عمران نے آنکھیں کھولے بغیر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا آنکھیں نہیں کھولو گے۔"

"لوریاں سننے دو مجھے۔" عمران نے مٹھنڈی سانس لی۔

"کیا بات ہے۔ کیوں فنا ہو۔" لڑکی نے قریب آئر اس کے شانے پر باتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ناشترے...!" دفعتاً عمران حلقی پھاڑ کر دہاڑا اور وہ جیخ مار کر پچھے ہٹ گئی... اب عمران نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

"اف فوہ...!" وہ سینے پر باتھ رکھ کر جھینپے ہوئے انداز میں مسکرائی۔ "تم تو ڈر اویتے ہو۔"

"میرا تو بھی چاہتا ہے کہ تمہیں ہی پھاڑ کھاؤں۔" عمران آنکھیں نکال کر بولا۔

ریٹانے اس طرح حرث سے آنکھیں پھاڑ دیں جیسے کچھ اس سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو۔ نادستی میں۔

"میں نہیں تھیں...!"

"راستہ تھا۔ سے جیسے رہا تو کہتا تھا کہ میں بھی تھے۔"

"ناشترے... اسے ناشترے کہتا تھا کہ میں نہیں تھا۔ تھاہر انتظار تھا۔"

"میا ابھی ختم نہیں ہوا انتظار...!" عمران نے بالکل ایسے ہی لمحے میں پوچھا جیسے وہ اس کی زخریدہ ہو۔

"ا بھی... ا بھی... آتا ہے ناشترے! وہ اٹھ پاؤں پچھے ہٹتے ہوئے ہوئی۔" اس کے جانے کے بعد عمران پھر نیم دراز ہو گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

کچھ جو اس کا یہی بدل چاہ رہا تھا کہ ایک آدھ کا سر پھاڑ دے۔ ہر چند کہ وہ شاذ و نادر ہی جم جھلاہٹ کا شکار ہوتا تھا۔ لیکن اس وقت تو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ فطر نا غصہ و روانی ہوا ہو۔

تو ہڑپی دیر بعد اس نے پھر ریٹاکی آواز سنی... اور آنکھیں کھول دیں۔ وہ خود ہی ناشترے کی ٹرائی دھکیلی ہوئی لائی تھی۔

"لو آگیا ناشترے بھی...!" اس نے کہا اور عمران سیدھا ہو بیٹھا۔

"ذرا... ذرا سی بات پر فنا ہو جاتے ہو۔" ریٹا نے کسی بے حد محبت گز نے والی بیوی کے سے انداز میں کہا۔

"یقیناً فنا ہونا چاہئے...!" عمران نے آنکھیں نکالیں... اور ہاتھ بڑھا کر سینندوق اٹھاتا ہوا بولا۔ "مالٹوں کا رس نہیں دکھائی دیتا... میں ناشترے میں ایک گلاس مالٹوں کا رس ضرور پیتا ہوں۔"

"ا بھی ہوا جاتا ہے۔ وہ لکھتی ہوئی باہر چل گئی۔"

"ٹھہر و... وابس آؤ...!" عمران نے آواز دی اور وہ پھر پلٹ آئی۔

"والد صاحب کا کیا ہو گا...!" عمران نے پوچھا۔

"میں انہیں دھوکا دے کر نکل آنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔"

"میں اپنے والد صاحب کی بات کر رہا تھا۔ وہ باہر تشریف رکھتے ہیں۔"

"اوہ... تو پھر...!"

"ہم سے نہیں اندر نہیں آئے دیا تھا۔"

"عقل مند معلوم ہوتا ہے...!" ریٹا بیٹھتی ہوئی بولی۔ "مالٹوں کا رس اُدھار رہا... میں بھی بہت بھوکی ہوں۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ وہ بھی پیالی میں چائے اٹھیتے گئی... اور جھلائے ہوئے لمحے میں بولی۔

"دو سینندوق تو میرے لئے بھی رہنے دو...!"

"تھاں تھاں اجات ہے نہ... بھوکیں والہ سدھیں..."

"میں بھر رہوں۔"

”میرے والد صاحب تمہارے پیاپی کی طرح آدم خور نہیں ہیں۔“

”چلو.... ناشتہ کرو.... پھر دیکھیں گے۔“

پھر وہ خاموشی سے چائے پینے رہے۔

ناشترے کے بعد عمران نے پھر وہ چھیڑ دیا۔ یعنی اس کے والد صاحب کو بھی اندر آنا چاہئے.... آخر بیٹا اس بات پر آمادہ ہو گئی کہ وہ اس کے ساتھ برآمدے تک جائے گی اور اس کے باپ کو بھی فیصلہ کر سکے گی کہ اسے حولی میں داخل ہو جانے دیا جائے یا نہیں۔

برآمدے میں پہنچ کر ہر طرف سنانا محسوس ہو۔ وہ کامل گاڑی بھی موجود نہیں تھی جس پر عمران بیہاں تک آیا تھا.... چودھری .... بھی نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔

بوڑھے شیرخ نے بتایا کہ وہ مر نے مارنے پر آمادہ تھا۔

”پھر تلاکیے....!“ عمران نے پوچھا۔

”آپ کو بھی گالیاں دے رہا تھا جتاب....!“

”بڑی خوشی ہوئی.... اور میری گاڑی۔“

”پہنچیں....!“ بوڑھے نے لابرداں سے کہا۔ ”میں برآمدے میں موجود نہیں تھا.... لیکن ٹھہریے.... ابھی ایک صاحب آپ کے لئے ایک خط دے گئے ہیں۔“

اس نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر عمران کی طرف بڑھا دیا.... نیلے رنگ کا مہکتا ہوا لفافہ تھا جس سے ایک مختصر سی تحریر برآمدہ ہوئی۔

”برخوردار!“

اگر یہ لڑکی پسند نہ ہو تو دوسری کا انتظام کیا جائے۔

دیسے یہ بہت ذہین اور فرماس بردار لڑکی ہے۔ تمہیں کسی شکایت کا موقع نہ دے گی۔

باہر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست!

عمران نے کافنڈہ تھے کہ لفافہ میں رکھتے ہوئے خندی سانس لی اور ریٹا کو اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر رکھنے لگا جیسے پہلی بار نظر آئی ہو.... وہ قطعی بے تعلق ہو کر خلاء میں گھور جا رہی تھی.... عمران نے اس کا بازو پکڑا اور پھر حولی کے اندر واپس چلا آیا۔

ریٹا کچھ کہے بغیر اس کے ساتھ چلتی رہی اور وہ پھر اس کمرے میں آئے جہاں ناشترے کیا تھا۔  
وہ دونوں خاموش کھڑے ایک دوسرے کا جائزہ لیتے رہے۔ پھر عمران نے پوچھا۔ ”تمہارا  
باس کون ہے۔“

”میرا بیس؟ لڑکی کے لمحے میں تحریر تھا۔“

عمران نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر کو جنمیش دی۔

”پہنچیں تم کیسی باتیں کر رہے ہو....!“

”کیا بیس اس خط کا انگریزی میں ترجمہ کرو۔“ عمران نے لفافہ اس کی طرف بڑھاتے  
ہوئے کہا۔

وہ تھوڑی ویری تک خط دیکھتی رہی پھر بے بسی سے بولی۔ ”مجھے مقامی زبان نہیں آتی۔“

عمران نے جیب سے فاؤنٹین پن نکال کر اُسی کا فنڈر پر مضمون کا ترجمہ کیا اور دوبارہ اس کی  
طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ”اب دیکھو....!“

وہ اُسے پڑھتے ہی آپ سے باہر ہو گئی۔ جیچ کر بولی۔ ”یہ کس نے لکھا ہے۔“

”میں نہیں جانتا.... تمہارے سامنے ہی اس بوڑھے نے یہ کہہ کر لفافہ دیا تھا کہ کوئی  
نامعلوم آدمی دے گیا ہے۔“

”میں بھی نہیں جانتی! کچھ نہیں جانتی اس بیہودگی کے متعلق.... مجھے راہ میں ایک آدمی لَا  
تھا.... جس نے بتایا کہ تم اس عمارت میں موجود ہو۔“

”مگر تم وہاں سے یہاں تک پہنچ کیے تھیں....!“

”اس آدمی نے پہنچا تھا.... گاڑی میں تھا.... تمہارے چلے آنے کے بعد میں وہاں جنگل  
میں نہارہ گئی تھی۔“

”اور تمہارے پیاپا کیا بات تھا.... گاڑی تو میں لے جھاگا تھا۔“

”میرا اوہم تھا.... وہ پیاپا نہیں تھے.... پہنچیں کوں تھا.... میں ڈر کر پھر بھاڑا یوں میں  
گھست چلی گئی تھی۔“

”یہاں پا گل ہو جاؤں....!“ عمران آنکھیں نکال رہا تھا۔

”پہنچیں تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ لڑکی سہم گئی۔“

”تم کوں میرے پچھے پڑ گئی ہو...؟“

”میں پچھے پڑ گئی ہوں... یا مصیتیں جھیلی پھر رہی ہوں تمہاری وجہ سے۔“

”ہائیں....!“ عمران حیرت سے آنکھیں چھاڑ کر رہ گیا۔

ریٹا نے اپنا منہ چھپالیا تھا اور سکیاں لینے لگی تھی۔

”یعنی کہ.... ارے واہ.... مم.... میں نے کہا....!“

انتے میں بوڑھا جا جات لے کر کمرے میں داخل ہوا۔

”باہر ہنگامہ برپا ہے جتاب....!“ اُس نے بڑے ادب سے کہا۔

”کیسا ہنگامہ....!“

”گاؤں والے اکٹھا ہو گئے ہیں.... کہہ رہے ہیں کہ آپ کو باہر لایا جائے۔“

”ہاچھا....!“ عمران کرہا۔

پھر جیسے ہی وہ دروازے کی طرف بڑھا ریٹا نے جھپٹ کر اُس کا بازو پکڑ لیا۔

”کہاں جا رہے ہو...؟“ تم اس طرح نہیں جاسکتے۔ ”وہ تقریباً روئی ہوئی یوں۔“

عمران اُسے کوئی جواب دیے بغیر چلتا رہا اور وہ اُس کا بازو پکڑے گھستی رہی۔

برآمدے میں پہنچ کر عمران بچ مجھ بولکلا گیا۔ ایک جم غیر ”ڈبو... ڈبو“ کے نفرے کا رہا۔

ریٹا عمرن کا بازو پکڑے کھڑی تھی۔

گھری خاموشی طاری تھی.... دفتہ چودھری مدار بخش نے آگے بڑھ کر غصیلے لمحے میں

پوچھا۔ ”یہ کون ہے؟“

”میری بیوی....!“ عمران نے پُر سکون لمحے میں جواب دیا۔....

”ابے تو کیا بگز کا کی نواہی...!“ چودھری جملہ پورا کئے بغیر مجمع کی طرف مڑ گیا۔... اب

وہ بھی بڑا رہے تھے۔

”اچھاے.... سید ہی طرح گھر چل.... نہیں تو....“ چودھری نے پھر عمران کی طرف

مزکر گھونسہ دکھاتے ہوئے کہا۔

عمران نے ایک جھپٹ شگاف تھوکہ لگایا اور بہادر ”یاد تر بھی اور صاحب کے بہکاتے ہیں

آگئے... میں ان کا امداد سن... یہ ان کی بُخڑتی ہے...“ تھوکہ بیٹھ جیکے ہیں تے... دادا صاحب نے

جھے سے کہا تھا کہ سی دن تھیں ایسا اوناں گا کہ زندگی بھریاں جو کے۔“

”تھت.... تو.... کیا یہ جھوٹ تھا....“ چودھری ہکلایا۔

”سو فیصدی....!“

”کیا ہیکی تمہارا باپ ہے؟“ ریٹا نے عمران سے پوچھا۔

”پچھہ دیر پہلے تھا۔ اب نہیں ہے۔“ عمران نے بائیں آنکھ دبائی۔

”پہلے تم نے کیوں نہیں بتایا تھا۔“ چودھری نے روہانی آواز میں کہا اور پھر بچ مجھ روپڑا۔

”اوہو.... یہ تو روہا ہے.... کیوں روہا ہے....!“ ریٹا نے مضر بانہ انداز میں کہا۔

”پتہ نہیں....!“ عمران نے کہا اور اندر وہی دروازے کی طرف مڑتا ہوا بولا۔ ”آؤ چلیں!“

اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کس گور کھدھنے میں آپسماں ہے، خط بھینے والا کون تھا اور اس طرح یہاں کیوں ہاٹک لایا گیا ہے۔

پچھہ دیر بعد اُس نے بوڑھے کو دھمکا تاشریع کر دیا۔

”صاحب میں پچھے نہیں جانتا۔“ بوڑھا جھلا کر بولا۔ ”مجھ سے جو پچھے کہا گیا ہے میں نے کیا اب کیا میں اپنے مالک سے بال کی کھال نکالنے بیٹھ جاتا۔ کوئی بھی ملازم ایسا نہیں کر سکتا وہ تو حکم کا بندہ ہوتا ہے۔“

”کیا کہا تھا تمہارے مالک نے....!“

”انہوں نے کہا تھا کہ کالی گاڑی میں ایک مہماں آرہے ہیں۔ شاہد چودھری مدار بخش کے ساتھ آئیں۔ اُن کی میم صاحبہ اگر ان سے پہلے پہنچ جائیں تو انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دیا۔“

”پھر ہم سے یہ کیوں کہا گیا تھا کہ یہ عامراۃ نہیں ہم اپنی کاڑی سرخ رنگ کے تاروں کے باہر سے لے جائیں۔“

”میری اطمینان کرتا چاہتا تھا کہ وہ مہماں ہی کی گاڑی ہے۔“

”لیکن میری گاڑی کہاں گئی۔“

”میں نہیں جانتا۔“

”یہاں سے اگر کوئی چیز غائب ہو جائے تو کون ذمہ دار ہو گا۔“ عمران نے غصیلے لمحے میں پوچھا۔

”ذمہ داری تو میری ہی ہے جناب ایکن میں یا اسکت ہوں۔“

”کیا اسے تلاش نہیں کر سکتے۔“

”اپنی حدود میں تمام تلاش کر چکا ہوں۔“

”یاد بڑے میاں عقل کے ناخن لو... کیا لے جانے والا اس کا فتنہ رہا ہو گا کہ تم اُسے اپنی حدود میں تلاش کرلو تو وہ اُسے لے جائے۔“

”تب بھی مجبوری ہے جناب.... دنیا لا مدد و دہ ہے۔“

”تم ایک جغرافیٰ حقیقت کی نفی کر رہے ہو....!“

”یہ بھی مجبوری ہے جناب! میں زیادہ لکھا پڑھا نہیں ہوں۔“

”چلو خیر کوئی بات نہیں.... لیکن کس وقت ملے گا۔“

”لیکن کے وقت....!“

”معقول جواب ہے۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”یہاں ستار مل سکے گا۔“

”میرے مالک کو مو سیقی سے دچکپی نہیں۔“

”انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ مہماں کا قیام کب تک رہے گا؟“ عمران نے پوچھا۔

”جی نہیں....!“

”یہاں حولی میں کوئی گاڑی موجود ہے۔“

”جی نہیں۔“

”شہر یہاں سے کتنی دور ہے۔“

”پتہ نہیں! کبھی جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔“

”کتنے دنوں سے یہاں ملازم ہو....!“

”جب سے داور صاحب اس حولی کے مالک بنے ہیں۔“

”اگر میں یہ کہوں کہ داور صاحب کو سرے سے جانتا ہی نہیں۔“

”بھلا مجھے اس سے کیا سروکار.... حکم کا بندہ ہوں۔“

”کیا تم لوگ اگر بڑی میں گفتگو نہیں کر سکتے؟“ ریٹا یوں۔

بوڑھے نے مستقر ان نظروں سے عمران کی طرف دیکھا اور عمران نے کہا۔ ”کہہ رہی ہیں کہ فضول ناکیں نہ کرو.... جا کر لیچ کا انتظام کرو۔“

”بہت بہتر جناب....!“ بوڑھے نے کہا اور کمرے سے پلا گیا۔

پکھہ دیر خاموشی رہی پھر ریٹا نے پوچھا۔ ”کیا یہ تمہارے کی عزیز کا مکان ہے۔“

”بائنکل.... اور میں غفتر یہب آسے عزیز ترین بنا کر... ۵۰۰ سو گا۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔“ عمران نے لاپرواں سے شانوں کو جنبش دی۔

انتنے میں بوڑھا پھر واپس آیا اس کے چہرے پر سراسیگی کے آثار تھے۔

”مح.... جناب غصب ہو گیا۔“

”اب کیا ہوا....!“ عمران کر لہا۔

”اس بار جناب عالی۔“ بوڑھا پہنچا ہوا بولا۔ ”وہ بہت زیادہ خوفناک ہن کر آئے ہیں۔“

”کون....!“

”گاؤں والے! کہتے ہیں کہ آپ کو فوراً حولی کے باہر لایا جائے ورنہ وہ اندر گھس پڑیں گے۔“

”چلو....!“ وہ اٹھتا ہوا بولا۔

”کیا بات ہے.... کیا ہے.... مجھے بھی بتاؤ۔“ ریٹا نے مضطرب رانہ انداز میں کہا۔

عمران نے اس سے کہا کہ وہ ویسٹھ ہرے اور وہ خود بوڑھے کے ساتھ برآمدے میں آیا۔

اس بارچھی جمع غصب تاک نظر آ رہا تھا۔.... چودھری مدار بخش نے ایک بہت وزنی تر

ہاتھوں میں سنjal رکھا تھا جسے اٹھائے ہوئے اس نے جھ کر کہا۔ ”وہو.... چلا چل سیدھی طرح۔“

”میں چل رہا ہوں۔“ عمران نے بھی بلند آواز میں ہاک لگائی۔

”تیری جورو.... ساتھ نہیں جائے گی۔“

”باکل نہیں جائے گی۔“

”تو پھر نیچے آ جا۔“

”آرہا ہوں.... لیکن ذرا ایک بار اندر تو ہو آؤں....“

”نہیں.... اب اندر نہیں جا سکتا۔ تیری جورو روک لے گی۔“

”اچھا....!“ عمران مردہ سی آواز میں بولا اور زینے طے کرتا ہوا برآمدے سے نیچے اترنے لگا۔

پھر چودھری نے اسے گھیر کر لعنت ملامت شروع کر دی۔

”چل بے۔“ مدار بخش نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے۔

انتنے میں برآمدے سے ریٹا کی آوازیں آئیں۔ ”تم کہاں جا رہے ہو.... تم کہاں جا رہے

ہو۔“ اور پھر وہ بھی ان کے پیچھے دوڑ پڑی۔

”بھاگ جاؤ.... ورنہ یہ بگ تھیں جان سے مار دیں گے۔“ گزر کا کم کی نواسی سے عائی

ہیں۔ ”عمران ہاتھ بلاتا ہوا جینما۔“

پھر، فتح قریب کی جہازیوں سے ایک فائر ہوا۔.... پھر دوسرا.... پھر تیسرا.... اور بھلکدہ پھوکی۔

”تم بات بات پر مجھے کیوں گھیٹ رہے ہو....!“  
 ”یونہی تفریحاً....!“ عمران آنکھیں کھولے بغیر بولا۔ ”لیکن تمہارے پیاس کھاں رہ گئے۔ کیا  
 انہیں تمہارے اس طرح غائب ہو جانے پر تشویش نہ ہوگی۔“  
 ”تم میری باتیں کیوں نہیں کرتے ایسا میں اس قدر دچھپی کیوں لے رہے ہو۔“  
 ”تم جیسی لڑکی پیدا کر دینا ہر ایک کے بس کاروگ نہیں۔ اس لئے میری نظر وہ میں  
 تمہارے پیاس بڑی و قوت رکھتے ہیں۔“  
 ”ہمیں....ہائی....!“ وہ حیرت سے آنکھیں چھڑا کر بولی۔ ”میں کچھ نہیں سمجھی۔“  
 ”جاواہ لفج کا انظام کرو....!“ عمران ہاتھ ہلاکر بولا۔  
 ریٹا چھوڑی دیر تک اُسے گھورتی رعنی پھر انھ کرا بر جلی گئی۔  
 عمران نے بھی آرام کری چھوڑی تھی.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ کر گذرنے کا  
 ارادہ رکھتا ہو.... دوسرے ہی لمحے میں وہ کمرے کے ایک بندرووازے کا بولٹ گرا رہا تھا....  
 دروازہ کھول کر وہ دوسرے کمرے میں آیا۔  
 یہاں ہر طرف ابتری نظر آری تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سالہاں سے بند پڑا رہا  
 ہو۔ عجیب طرح کی ناگوار بوجاروں طرف پھیلی ہوئی تھی اور پرانی وضع کے فرنچ پر گرد کی تھیں  
 نظر آری تھیں۔ ایک گوشے میں پرانے اخبارات کا ذہیر نظر آیا۔  
 آگے بڑھ کر اُس نے دوسری طرف کا دروازہ کھولا۔ سامنے ایک طویل راہداری تھی۔  
 جس میں دونوں جانب دوسرے کمروں کے دروازے نظر آرہے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی کھانا  
 ملا۔۔۔ وہ تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا۔  
 رندواری کا اختتام ایک دروازے پر ہوا۔ یہ دروازہ بھی مقفل نہیں تھا۔ بولٹ گراتے ہی  
 کھل گیا۔۔۔ سامنے ایک منحصر سا برآمدہ تھا جس کی بیڑے ہیوں کا اختتام گھنی جھاڑیوں کے ایک بے  
 ترتیب سلسلے پر ہوا تھا۔۔۔ عمران نے چاروں طرف نظر درڈائی اور چپ چاپ بیچھے اترتا چلا گیا۔  
 پھر وہ دوڑ تارہا تھا۔ ادھر اور ہر دیکھے بغیر جیسے کوئی دشت زدہ جانور چیزیاں گھر کے کسی کٹھرے  
 سے نکل کر بھاگا ہو۔ بے ترتیب باغات سے نکلتے ہی وہ گھنے جنگل میں داخل ہو چکا تھا۔  
 یہاں اُسے اپنی رفتار کم کر دینی پڑی۔ ویسے بھی اتنی دور تک دوڑنے کی وجہ سے سانس  
 پھونٹنے لگی تھی۔  
 آہستہ آہستہ ایک جانب چلنے لگا۔ رکنا تو چاہتا ہی نہیں تھا۔

”ھوڑی ہی دیر بعد عمران وہاں تھا کھڑا رہ گیا۔ کاؤں والے دوڑتے چھلے جا رہے تھے!  
 ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وہ ان جھاڑیوں کی طرف جھپٹا جہاں سے فائرنگ ہوئی تھی لیکن وہ اُسی  
 جگہ کھڑا لوگ تھا۔“  
 ”یہ کیا ہے.... یہ کیا ہو رہا ہے۔“ ریٹا سے جھنھوڑتی ہوئی بولی۔  
 ”اوی....!“ عمران چونک پڑا اور خالی خالی نظر وہ میں سے دیکھتا رہا۔  
 ”میں پوچھ رہی ہوں یہ لوگ کون تھے اور کیا چاہتے تھے۔“  
 عمران مسکرا کیا اور بولا۔ ”یہ کیوں نہیں پوچھتیں کہ ان جھاڑیوں سے فائرنگ کس نے کی تھی۔“  
 ”پوچھو؟“ لڑکی نے احتقانہ انداز میں پوچھا۔  
 عمران نے اثاثات میں سر ہلا دیا۔  
 ”واقعی یہ بات بالکل سمجھ میں نہیں آئی اور اب یہ بھی سوچ رہی ہوں وہ کون تھا جس نے  
 مجھے یہاں تک پہنچایا تھا۔“  
 ”سوچے جاؤ....!“ عمران نے لاپرواں سے شانوں کو جبٹ دی اور پتلوں کی جیبوں میں ہاتھ  
 ڈال کر برآمدے کی طرف بڑھ گیا۔  
 ریٹا بھی اُس کے ساتھ چلتی رہی انداز ہی ایسا شاخ جیسے اُسے منانے کے لئے کچھ کہنا چاہتی  
 ہو۔ لیکن الفاظ نہ مل رہے ہوں۔  
 برآمدے سے گذرتے ہوئے وہ پھر اُسی کمرے میں آپنچے۔  
 ”میں کچھ سوچتا ہاں۔“ عمران نے اپنی کپٹی پر انگلی مارتے ہوئے کہا۔  
 ”تو سوچوں۔۔۔ میں نے منع کیا ہے کیا؟“ وہ بخند کر بولی۔  
 ”میں کسی کی موجودگی میں کچھ نہیں سوچ سکتا۔“  
 ”یہ غنی بات کی ہے میں نے۔“  
 ”ابھی اور پتہ نہیں کتنا سنگی۔“ عمران نے لاپرواں سے کہا اور آرام کر کی پر نہ  
 دروازہ ہو گیا۔۔۔ ریٹا قریب ہی اسنوں پر بیٹھ گئی۔  
 ”سب سے پہن بات تو یہ سوچنے کر تھی۔۔۔ اس بیچھے کا اختتام کہاں ہو گا۔“ وہ  
 آنکھیں بند کر تاہماں بولا۔

جنگلوں میں دغل ہوتے ہی ننگل کا احساس ہوا لیکن یہ ننگل خوشنگوار تھی۔ پرندوں کی آوازیں فضائیں ارتعاش پیدا کر رہی تھیں۔

کسی مخصوص سمت کا تعین کئے بغیر وہ چلتا رہا... کسی نہ کسی طرح اس جال سے نکل جانا چاہتا تھا جو اس کے گرد پھیلایا گیا تھا۔ لیکن اب تک نہیں سمجھ سکا تھا کہ یہ چکر کیا ہے اگر کوئی شخص اُسے اپنی راہ سے ہٹانا چاہتا تھا تو بہترین طریقہ یہ ہوتا کہ اُسے بے خبری میں مار لیا جاتا۔ آخر اس کھڑاگ کی کیا ضرورت تھی؟ کیا مقصد تھا اس کا؟

گھڑی ڈیڑھ بجارتی تھی... اُس نے سوچا اب یہ دوسرا حادثہ سرزد ہو رہی ہے۔ آخر جنگلوں میں کہاں بھکلتا پھرے گا۔ اس سے بہتر تو یہی تھا کہ چھپ چھپا کر گاؤں میں پیچنے کی کوشش کرتا درگاؤں والوں کو خوبی والوں کے خلاف بھڑکا کر پھر دیکھتا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ لیکن اب....؟ وہ چلتے چلتے رک گیا۔

آس پاس کہیں کوئی پلڈنڈی بھی نہ دکھائی دی۔ وہ ایک درخت کی جڑ پر بیٹھ گیا۔ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ سوچ رہا تھا۔ ایسے حالات سے شائد ہی کبھی دوچار ہوا ہو... پتہ نہیں کس ستم ظریف سے سابقہ پڑا ہے اس بار... اُس نے ٹھنڈی سانس لی اور حسب عادت جیب میں چیزوں کا پیٹھ ٹوٹ لئے گا مگر اب وہاں کیا باقی بچا تھا۔

تحوزی دیر بعد پھر انٹھا در اندازے سے اُسی جانب چلنے لگا بعدھر سے آیا تھا۔ اب یہی سوچ رہا تھا کہ کسی طرح گاؤں تک پیچنے کی کوشش کرے ورنہ ان جنگلوں میں بھکلتا ہی رہ جائے گا۔ چلتا رہا... اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ خوبی سے کتنی دور نکل آیا ہے.... دفتار پکھ دوڑ پر ایک جگہ درختوں کی چونیوں پر دھواں سامحوں ہوا... اُس نے سوچا ممکن ہے اُسی گاؤں سے تعلق رکھنے والے کسی آدمی سے ملاقات ہو جائے کوئی لکڑہارا ہو... وہ اسی جانب چل پڑا۔

تحوزی ہی دور چلا ہو گا کہ اُسی سمت سے ایک نسوی چیخ ابھری اور کوئی عورت ہٹریائی انداز میں "پچاؤ... پچاؤ... پچھنچی رہی۔

عمران دوڑنے لگا... اور پھر اس جگہ پیچنے میں دیر نہیں لگی جہاں سے آوازیں آرہی تھیں۔ وہ آدمی نظر آئے جو ایک لاکی کو بے لبس کرنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن وہ ان کے قابو میں نہیں آ رہی تھی۔

"ابے خرد را!" عمران دھڑا... اور وہ نھٹک گئے۔ لڑکی اچھل کر دوسرا طرف جا پڑی تھی۔

"بھاگ جاؤ...." اُن میں سے ایک نے سنجالا لے کر ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ عمران نے دیکھا کہ دوسرے نے چاقو نکال لیا ہے اور اب اپنے ساتھی کو اشارہ کر رہا تھا کہ وہ لڑکی کا خیال رکھے۔

اور پھر اس نے چاقو توں کر عمران پر چھلانگ لگائی۔ عمران بے خبر تو نہیں تھا کہ مار کھا جاتا چینٹرا بدلت کر بڑی صفائی سے وار خالی دیا۔ حملہ آور غرما تباہا پلا پلا اور پوری قوت سے اُس پر ٹوٹ پڑا۔ عمران نے چاقو والا ہاتھ پکڑ لیا تھا اور اُسے موڑنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ آدمی بھی جاندار معلوم ہوتا تھا... ایسا لگتا تھا جیسے وہ عمران کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑا لینے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اسی لگھکش کے دوران ایک بار اس کا چہرہ عمران کے چہرے کے قریب آگیا اور عمران نے بے محابا سر اس کی ناک پر دے مارا۔ پھر پے در پے دو تین بار یہی حرکت کر ڈالی۔ اسے سنجھلے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ کسی دم توڑتے ہوئے ہمیسے کی طرح ذکر اتا ہوا ذہیر ہو گیا.... چاقو تو کبھی کا اُس کی گرفت سے نکل پکا تھا۔ عمران نے پھر تی سے جھک کر چاقو پر بقہرہ کر لیا۔ دوسرا آدمی جو لڑکی کی گمراہی کر رہا تھا یہ واقعہ دیکھ کر عمران پر چڑھ دوڑا۔ عمران کے لئے یہ حملہ غیر متوقع نہیں تھا۔ لہذا قبل اس کے کہ وہ قریب پہنچتا عمران نے اچھل کر اُس کے پیٹ پر ٹھوکر رسید کر دی۔ وہ شاید اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ دوسرا طرف الٹ گیا۔ پہلا آدمی تو بے حس و حرکت ہو چکا تھا دوسرے نے پھر انھنہا چاہا لیکن عمران نے موقع نہیں دیا۔ دوسرا ٹھوکر اُس کی ٹھوڑی پر پڑی اور وہ کسی نامعلوم آدمی کو گالیاں دینے لگا.... پھر وہ دوبارہ نہیں انھنہا کا اور اپنے ساتھی ہی کی طرح بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔

لڑکی قریب ہی کھڑی نہیں طرح ہانپ رہی تھی۔ اُس کی بڑی بڑی وحشت زدہ آنکھیں حلقوں سے ہلی پڑی تھیں اور ہونٹ کا بارہ رہے تھے۔

"یہ کون ہیں۔" عمران نے اُس سے پوچھا۔

"مم..... میں..... نن..... نہیں جانتی۔" اُس نے بانپتے ہوئے جواب دیا۔

"خیر... خیر... اپنی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرو اور چلتی رہو۔" عمران اسے بائیں جانب چلنے کا اشارہ کرتا ہوا بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ دھواں بھی اُسی جانب دکھائی دیا تھا۔

"یہاں ایک جھوپڑی ہے...!" لڑکی چلتے چلتے منمنا۔

"کھدھر....!"

"بس تھوڑی دور...!"

”حالات....!“ وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ ”کاش میں پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی۔“  
عمران نے مڑ کر اسے غور سے دیکھا.... خوش بخشن اور صحت مند لڑکی تھی۔ عمر زیادہ سے  
زیادہ میں سال رہی ہو گی۔ لباس بھی ناموزوں نہیں تھا۔  
”حالات....!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور لڑکی سے بولا۔ ”جوہنپرڈی کے اندر  
بیٹھو.... میں ذراً اگر دوپیش کا جائزہ لے لوں۔“  
”میں اب کسی پر بھی اعتماد نہیں کر سکتی.... آپ کون ہیں۔“  
”میں ایک احمد ہوں مجھ سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔“  
”میں خوفزدہ نہیں ہوں۔“ لڑکی اکڑ کر بولی اور داہنہا تھے سامنے لائی، جس میں کھلا ہوا چاقو  
تھا.... حملہ آوروں کا چاقو وہیں گر پڑا تھا.... اور عمران نے بعد میں اس کی طرف دھیان بھی  
نہیں دیا تھا۔ لڑکی اسے اٹھالا تھی۔  
”تو تمہارا نام زیریں ہے....!“ عمران نے چاقو پر نظر جائے ہوئے پوچھا۔  
”ہاں.... یہی ہے۔“  
”پڑھی لکھی بھی معلوم ہوتی ہو۔“  
”تمہری ڈائریکری محلہ ہوں....!“  
”بُوی خوشی ہوئی....!“  
”لیکن میں اب کیا کروں گی.... کہاں جاؤں گی....!“ وہ مضطربانہ انداز میں بڑا بڑا۔  
”تم نے ابھی بتایا تھا کہ شاداب گفر میں رہتی ہو۔“  
”نیبری کچھ میں کچھ نہیں آتا۔“  
”کچھ بتاؤ بھی تو.... اچھا کس رویے اسٹینشن پر تم اتری تھیں۔“  
”کہاں پڑا....؟“  
عمران نے اس طرح ہونٹ سکوڑے جیسے سیٹی بجانے کا ارادہ رکھتا ہو۔  
”آپ نہیں سمجھ سکتے.... میں نے جنم میں چھاگ لگادی ہے جس سے نکنا مشکل ہے۔“  
”بھتی کچھ سمجھنے دو مجھے....!“  
”ایک شخص نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ جسے میں دنیا کا رفع ترین آدمی سمجھتی تھی۔ اس نے مجھے  
محبت کا فریب دیا۔ میں ابھی طبع اس کے جاں میں بچھن گئی۔ لیکن جو دنیا شہری نہ ممکن تھی۔“  
”نا ممکن شادی نہیں بلکہ خوشحال شادی شہر زندگی بناتی ہے۔“ عمران سر بلند کر بولتا۔

اور پھر وہ اس جھوپرڈی کے قریب جا پہنچے اور وہ الاؤ بھی نظر آگیا جس کا دھواں اس نے  
درختوں کی چوٹیوں پر دیکھا تھا.... الاؤ میں شاید گلی لکھیاں ڈالی گئی تھیں جن سے اب بھی گہرا  
دھواں پھوٹ کر فضائل منتشر ہو رہا تھا۔  
”جھوپرڈی خالی تھی۔ عمران نے سوالیہ انداز میں لڑکی کی طرف دیکھا۔  
”وہ مجھے یہاں لائے تھے۔“  
”کہاں سے۔“  
”ریلوے اسٹینشن سے۔“ لڑکی نے آہستہ سے کہا اور سر جھکالیا۔  
عمران نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے ٹھنڈی سانس لی اور پھر لڑکی سے مخاطب ہوا۔  
لڑکی کے چہرے پر اب بھی سرا سیمگی کے آثار تھے۔  
”تم کون ہو....!“ عمران نے پوچھا۔  
”میں میں زیریں ہوں....!“  
”ٹھیک ہے.... لیکن ان لوگوں کے ہاتھ کیسے پڑ گئی تھیں۔“  
”میں شاداب گفر میں رہتی ہوں.... یہ لوگ....!“ اس نے جملہ پورا نہیں کیا۔  
”پہلے یہ بتاؤ کہ دوہی تھے یا اور بھی ہیں۔“  
”مجھے تو اور کوئی نہیں ملا....!“  
”شاداب گفر سے یہاں کیسے پہنچیں....!“  
”ٹولیں داستان ہے جتاب.... زبان.... نہیں کھلتی۔“  
”لیا تم جانتی ہو.... یہ علاقہ کون سا ہے.... یا پختہ سڑک یہاں سے کتنی دور ہے۔“  
”میں کچھ نہیں جانتی جتاب.... ریلوے اسٹینشن سے ہم باہر آئے تھے وہ ایک ریلوے کوارٹر  
میں مجھے لے گئے تھے۔ وہاں چائے پلاٹی تھی۔ پھر مجھے یاد نہیں کہ کس طرح اس جگل تک پہنچی تھی۔“  
”تمہارا مطلب یہ ہے کہ تمہیں چائے میں کوئی نشہ آور چیز دی گئی تھی۔“  
”بھی ہاں.... سر چکر لایا تھا.... اور پھر کچھ یاد نہیں۔“  
”آکھے اس جھوپرڈی میں کھلی تھی....؟“ عمران نے پوچھا۔  
”بھی ہاں....!“  
”تم کیسی بھولی تھیں کہ ان کے ساتھ چل آئیں....!“ عمران نے آگے بڑھ کر جھوپرڈی  
میں جھاکنکتے ہوئے پوچھا۔

”آپ نہیں سمجھے۔ ہمارے بہاں صرف خاندان ہی میں شادیاں ہوتی ہیں۔ ایک مخصوص نسل ہے، جس میں آج تک باہر کی ملاوٹ نہیں ہوئی۔“

”خیر ہاں تو پھر....!“

”ایک سال تک ہم دونوں ایک دوسرے سے ملتے رہے۔ ہماری خواہش تو یہی تھی کہ شادی کر لیں لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ شادی ہو بھی سکتی تھی لیکن میرے اعزہ میری اور اس کی زندگی دو بھر کر دیتے۔ بالآخر ہم نے طے کیا کہ شاداب گھر سے باہر چلے جائیں کہیں دور.... وہیں شادی کر کے نئی زندگی کا آغاز کریں.... ایک رات ہم نکل کھڑے ہوئے۔ ٹرین پر انہیں دونوں آدمیوں سے ملاقات ہوئی تھی جنہیں ابھی آپ نے مارا ہے۔ میرے ساتھی نے بتایا کہ وہ اس کے گھرے دوستوں میں سے ہیں اور اتفاق سے وہیں جا رہے ہیں جہاں ہم نے جانا ہے۔ پھر ہم سب گھل مل کر باتیں کرتے رہے۔ میرے ساتھی نے میرا تعارف اپنی بیوی کی حیثیت سے کرایا تھا۔ وہ دونوں بھی بھابی کہہ کر مخاطب کرتے رہے! ایک اٹیشن پر میرا ساتھی سُکریت لینے کے لئے اتراء.... اور کچھ دیر بعد گاڑی چل پڑی، میں پریشان ہونے لگی۔ ان دونوں نے کہا گھرانے کی کوئی بات نہیں وہ کسی دوسرے کپارٹمنٹ میں چلا گیا ہو گا۔ اگلے اٹیشن پر آجائے گا۔ میں خاموش ہو بیٹھی لیکن دل دھڑکنے لگا تھا۔ اگلے اٹیشن پر بھی نہ آیا۔ ان میں سے ایک آدمی اتر کر اسے پوری ٹرین میں آواز دیتا پھر۔ لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ پھر انہوں نے کہا کہ وہ یقین طور پر پہنچلے اٹیشن پر رہ گیا ہو گا.... اب بہتر یہی ہے کہ تم ہمارے ساتھ ٹکوہ آباد تک چل چلو.... ہم وہیں اٹیشن پر اس کی آمد کے منتظر ہیں گے۔ وہ دوسرا ٹرین سے وہاں ضرور پہنچ گا۔ اٹیشن پر اتر کر انہوں نے کہا کہ ہم لوگ ریلوے کوارٹر میں رہتے ہیں، اسے بھی معلوم ہے۔ وہ سیدھا وہیں آجائے گا۔“

لڑکی خاموش ہو گئی۔ عمران بھی کچھ نہ بولا۔ تحوڑی دیر بعد لڑکی نے کہا۔ ”میں اب اپنے خاندان والوں کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی.... میں کیا کروں کہاں جاؤں۔“

”عمران کچھ نہ بولا۔ لڑکی خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی.... اور عمران تو اس طرح سر جھکائے کھڑا تھا جیسے وہ خود ہی مجرم ہو۔“

”آہا.... ذرا ان کی تو خبر لوں....!“ وہ کچھ دیر بعد چونکہ کر بولا۔ ”تم یہیں ٹھہرو۔“

”نہیں میں بھی ساتھ چلوں گی۔“

”کمال ہے....!“

”مجھے ڈر لگ رہا ہے۔“  
”اگر میں ہی تمہیں پھاڑ کھاؤں تو....!“  
”میں بھی چلوں گی....!“ لڑکی بدستور اپنی بات پر اٹھی رہی۔  
”عمران چل پڑا تھا۔ وہ بھی اس کے پیچھے چلتی رہی.... اور وہ وہیں آپنچھے جہاں دادمیوں کو بیہوں چھوڑا تھا.... لیکن اب دہاں کوئی بھی نہیں تھا۔  
”اب بتاؤ....!“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔  
”میں کیا بتاؤں....!“  
”یہ کہاں بھاگ گئے۔“  
”ارے میں کیا جانوں....!“  
”بڑے حیادار تھے۔“ عمران اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ”مجھے اکیلے آدمی سے اتنا مرعوب ہوئے کہ دوبارہ حملہ کرنے کی ہمت ہی نہیں پڑی۔“  
”بھلا میں کیا بتاؤں۔“ لڑکی روہانی ہو کر بولی۔ ”میں تو آپ ہی تم رسیدہ ہوں۔“  
”اچھا تم رسیدہ صاحبہ! اب اجازت دیجئے۔“ عمران نے بڑے ادب سے جھک کر اسے سلام کیا اور ایک جانب چل پڑا۔  
”ارے.... ارے....!“ لڑکی اس کے پیچھے دوڑی۔  
”اب کیا ہے....!“ عمران رک کر مڑا۔  
”کیا میں یہاں جنگل میں تہارہ جاؤں گی۔“  
”یہ تہاری اپنی مرضی پر مخصر ہے۔“  
”میں بھی ساتھ چلوں گی۔“  
”قطح ہے....!“ عمران گردن جھک کر بولا۔ ”چاہے بقیہ زندگی اسی جنگل میں کیوں نہ بس رکونی پڑے۔“  
”آپ پڑے نہیں کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ رحم نہیں آتا آپ کو۔“  
”اچھا اس آدمی کا نام اور پڑتہ بتاؤ جس سے تمہارا تعقیب ہوا تھا۔“  
”نام پوچھ کر آپ کیا کریں گے۔“  
”ضروری ہے۔“ عمران سر بلہ کر بولا۔ ”یہ سال میرے لئے بالکل وابیات ہے۔ ایک نجومی نے بتایا تھا کہ اگر کسی لڑکی کی مدد کرنی پڑے تو اس کے فوراً بعد ہی کنویں میں چھلانگ لگا دینا ورنہ وہ

لڑکی قبر تک ساتھ جائے گی۔“  
وہ پہلے تو متیرانہ انداز میں پلکیں جھپکاتی رہی پھر بورنے لگی اس کے بعد باقاعدہ طور پر روپڑی۔

عمران نے دانت پیس کر خلاء میں تین چار بار کے ہلائے اور پھر سر پکڑ کر اکٹوں بیٹھ گیا۔  
لڑکی روپی اور سکیاں لیتی رہی..... کئی منٹ اسی طرح گذر گئے۔

”اڑے کچھ کھانے کو بھی ہے اس جھونپڑی میں یا بھوکوں مرننا پڑے گا۔“ عمران نے کسی ایسی

معمر عورت کے سے انداز میں کہا جو اپنے بچوں کی نالائقوں سے نجک آگئی ہو۔  
”ہے کیوں نہیں۔“ وہ روپی آداز میں بولی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے روتے روتے جھلا کر بولی ہو۔

”چلو...! بھوک لگی ہو تو اپنی حالت پر افسوس کرتے بھی نہیں بن پڑتا۔“

عمران اٹھ کر پھر جھونپڑی کی طرف چل پڑا.... لیکن مزکر نہیں دیکھا کہ لڑکی بھی آرہی ہے یا نہیں۔ جھونپڑی میں بیٹھ کر اس نے دو تین گھری گھری سانسیں لیں اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔  
ایک گوشے میں بھور کے پتوں کی ایک باسکٹ نظر آئی۔ اس کی طرف بڑھنے والا رہا تھا کہ لڑکی کی آداز آئی۔ ”ٹھہرو۔“

”نہیں تم جا کر روڑو... یہاں کیوں چلی آئیں۔“ عمران نے کہا اور باسکٹ اٹھا کر اس میں دیکھنے لگا۔ کافند میں لپٹنے ہوئے انڈوں کے سینڈوچ نظر آئے چائے کا ٹھرماس بھی تھا۔

”تم عجیب آدمی ہو۔“ لڑکی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”کان پک گئے ہیں بار بار یہی جملہ سنتے ہوئے۔“ عمران نے کہا اور سینڈوچ چڑ گئے لگا پھر بولا۔  
”یہ تعداد میں بارہ ہیں... میرے خیال سے تمہارے لئے صرف دو تین عدد کافی ہوں گے۔  
خوبصورت لڑکیوں کو زیادہ نہ کھانا چاہئے ورنہ جسم غیر متناسب ہو جاتا ہے۔ چھتیں، چوپیں، چھپیں  
کاریشو گزار جاتا ہے کہ نہیں۔“

”بیکار بالتم نہ کرو، پتہ نہیں میں نے کب سے کھانا نہیں کھایا۔“ لڑکی نے کہا۔ ”آج کون سا دن ہے۔“

”منگل...!“

”میرے خدا... تو پھر میں نے سنجھ کی شب میں کھانا کھایا تھا۔“

”میں آج جب سے پہلے ابھوں آئی تھک پکھو کھیا تھی نہیں۔“

”تم آخر میرا نہ ایک کیوں اڑا ہے ہو۔ مجھ سے ہمدردی ہوئی چاہتے تھیں۔“

”پہیت بھر لینے کے بعد“ عمران ایک سینڈوچ کا نصف دانتوں سے کاٹ کر منہ چلا تاہو بولا۔  
”صورت ہی سے منہوس معلوم ہوتے ہو۔“ لڑکی جل کر بولی۔  
”اس صورت میں شائد تمہیں آدھا سینڈوچ بھی نہ ملتے۔“  
لڑکی نے جھپٹ کر ایک بڑا سا پھر اٹھایا اور اسے تو نتی ہوئی بولی۔ ”چپ چاپ رکھ دوسارے سینڈوچ ورنہ سرچاڑوں گی۔“



عمران نے ذرہ برابر بھی پرواہ نہ کی۔ ایسے بے تلقی سے کھاتا رہا جیسے قریب ہی کوئی بلی کھڑی ”میاؤں“ کر رہی ہو۔  
لڑکی اسے گھورتی رہی پھر یک بیک چوک کر بولی۔ ”اوہ کیا میرا دماغ خراب ہو گیا ہے؟“  
”تم ہی سوچو جو...!“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہو بولا۔  
”مم... میں معافی چاہتی ہوں جناب!“ لڑکی کا پتی ہوئی سی آواز میں بولی۔ پے در پے غیر متوقع حادثات نے مجھے ذہنی طور پر کہیں کاہنہ رکھا۔ آپ میرے محض میں... مجھے معاف کر دیجئے۔“  
”کر دیا...!“ عمران نے نوالہ چباتے ہوئے کہا۔  
پھر لڑکی چپ چاپ ایک گوشے میں جا بیٹھی۔ چھ سینڈوچ کھا کر عمران نے بقیہ اس کی طرف بڑھا دیئے اور ٹھرماس سے چائے انٹھیں لگا۔  
”یہ بہت میں...!“ لڑکی نے آہستہ سے کہا۔ ”آپ اور مجھے۔“  
”بس شکریہ... جو باقی بچیں پھر کھالیں... پتہ نہیں پھر کب کھانا نصیب ہو۔“  
”کیوں... میں نہیں سمجھی۔“  
”تمہاری طرح میں بھی نہیں جانتا کہ کہاں ہوں۔ مجھے ایک لڑکی بھکالائی تھی۔“  
”خدا کے لئے میرا مصلحہ نہ اڑائیے۔“  
”میں فتحم لھانے کو تیار ہوں۔“

لڑکی کچھ نہ بولی۔ سر جھکائے اپنے ناخنوں کا جائزہ لیتی رہی۔  
”میں اس سے پیچھا چھرا کر اس بٹکل میں آنسو لھانے لیکن یہاں بھی۔“  
”یہاں بھی لیا...؟“

”ایک لڑکی ہی سے ملاقات ہو گئی....!  
خدا نے.... میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آتا....!“ لڑکی بیزاری سے بولی۔  
”تو تمہارا نام زرینہ ہے۔“

”جی ہاں....!“

”صرف زرینہ....!“

”باپ کا نام لکھتی ہوں زرینہ کے ساتھ۔“

”وہ بھی کوئی اچھا ہی سماں ہو گا؟“

”مجبوری.... نہ بتا سکوں گی۔“

”میں نے پوچھا کب تھا؟“ عمران نے جیرت سے کہا۔  
لڑکی پھر خاموش ہو گئی اور عمران تا تکیں پھیلاتا ہوا بولا۔ ”چھپلی رات ایک بل کے لئے بھی  
نہیں سو سکا.... لہذا اناٹا....!“

چٹائی پر چت لیٹ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

”مجھے کیا کرتا چاہئے.... مجھے کیا کرتا چاہئے۔“ لڑکی فاضل بانہ انداز میں بڑی بڑی۔  
”سمبر....!“ عمران نے خندی سانس لی۔

”میں سوچ رہی ہوں کیا پرویز نے مجھے ان لوگوں کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔“

”غلط سوچ رہی ہو....!“ عمران نے آنکھیں کھو لے بغیر جواب دیا۔

”کیوں....?“

”پیسے خرچ کرنے والے اتنی آسانی سے نہیں ملتے۔ اگر تمہارا خیال صحیح ہوتا تو وہ ہوش میں  
آنے کے بعد ادھر ضرور آتے۔“

”کون جانے... وہ آپ کو نافل دیکھ کر حملہ کریں گی۔ کہیں آسکا پاس چھپ گئے ہوں گے۔“

”اب تو چاہے جان چلی جائے کچھ دیر سوؤں کا ضرور....!“

اور پھر وہ کچھ سو گیا۔ پھر آنکھ کھلی تھی اس لڑکی کے جنمبوڑے نے پر۔

”آئیں.... ہائیں۔“ اس نے لیٹی ہی لیٹی تن کر منہ چلایا۔ اور کروٹ لے کر پوچھا۔  
”کیا بات ہے۔“

”کوئی ہے.... میں نے آوازیں سن تھیں۔“ لڑکی نے بوکھلائے ہوئے لبجھ میں کہا۔

”کہاں کون ہے؟“ عمران انٹھ بیٹھا۔

”کچھ آدمیوں کے بولنے کی آوازیں سن تھیں۔“

”آدمی ہی کی آواز تھی نا....!“

لڑکی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”اوہ نہ....!“ عمران پھر لینتا ہوا بولا۔ ”میں سمجھا تھا شیر دیر ہو گا۔“

”میں خوب سمجھتی ہوں....!“ لڑکی جنمبوڑا کر بولی۔

”جو کچھ سمجھتی ہو اُسے فی الحال دل ہی میں رکھو۔ نینڈ پوری کر لینے کے بعد سنوں گا۔“

”یاد کیا کروں....؟“ لڑکی نے اپنی بیٹھانی پر دھمک دار۔

”یہ بھی نامناسب نہیں ہے۔“ عمران نے سنجدیگی سے کہا اور کروٹ بدلت کر آنکھیں بند کر لیں۔

”میں کہتی ہوں میری بات سنو....!“ وہ اُسے دوبارہ جنمبوڑا کر جھی۔

عمران انٹھ بیٹھا۔ چند لمحے اُسے گھورتا ہاپھر بولا۔ ”کیا تم مجھے بور ہی کرنے پر حق گئی ہو۔“

”میں پوچھتی ہوں کہ میں کیا کروں؟“

ادھر عمران سوچ رہا تھا کہ اب کچھ نہ کچھ کریں گذرا چاہئے۔ جن حالات میں اس لڑکی سے  
دوچار ہوا تھا وہ بھی اسی طرف اشدارہ کر رہے تھے کہ یہ کوئی نیا جاہل ہے۔ جو اُسے الجھائے رکھنے  
کے لئے پھیلایا گیا ہے.... اگر اس میں ذرہ برابر بھی حقیقت ہوتی تو وہ دونوں ہوش میں آنے  
کے بعد غائب نہ ہو جاتے۔

عمران سوچتا رہا اور لڑکی کھاجانے والی نظر دوں سے گھوڑتی رہی۔

تو اب یہ ہونا چاہئے عمران نے سوچا اور داہنہا تھا اس زور سے اُس کے گال پر رسید کیا کہ وہ  
داہنی جانب لڑکے گئی۔

”اُرے....!“ وہ حلٹ پھاڑ کر چینی پھر دہ بارہا انٹھ ایسا رہی تھی کہ عمران نے اتنی ہی قوت سے  
چھرا یاں ہاتھ رسید کر دیا۔

اب تو وہ بُری طرح پٹکھاڑ نے گئی تھی.... اور عمران دونوں ہاتھوں سے اُسے پیٹ رہا  
تھا.... کچھ دیر تک وہ خود ہی مدافعت کی کوشش کرنی رہی پھر چینی گئی۔ ”اُرے چھاؤ.... چھاؤ  
مارے ڈالتا ہے چھاؤ.... چھاؤ....“

عمران کے ہاتھ اور تیزی سے چلنے لگے۔ دفعٹ جھوپڑی کے دروازے کی طرف سے آواز  
آئی۔ ”خبردار... چھوڑ دو اسے ورنہ گولی مار دوں گا۔“

عمران اچھل کر پچھے ہٹ گیا.... تین آدمی نظر آئے۔ ایک کے ہاتھ میں روپ اور تھا اس

نے چپ چاپ دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

لڑکی خاموش تو ہو گئی تھی لیکن کبھی کبھی سکیاں نکل ہی جاتیں اور آنسو تو تھے ہی نہیں تھے۔  
وہ عمران کو اس طرح گھوڑے جاری تھی جیسے کچا چبا جائے گی۔ دفعتاً وہ اٹھی اور عمران پر ٹوٹ پڑی۔  
عمران پہلے تو دو ہمراہ ہو گیا۔۔۔ اس کی ضربات اپنی پشت پر سہتارہا پھر یک بیک سیدھا ہوا اور  
لڑکی کو ریوال اور والے پر اچھال پھینکا۔ پھر خود بھی ان پر چھلانگ لگادی۔

چاروں زمین پر تھے اور عمران ریوال اور چھین لینے کے لئے کوشش تھا۔ ساتھ ہی اس پر بھی  
دھیان تھا کہ ان میں سے کوئی اٹھنے نہ پائے لڑکی نری طرح چڑھتی تھی کیونکہ اس پر دو آدمیوں  
کا بوجھ تھا کسی نہ کسی طرح عمران ریوال اور پر قبضہ کر لینے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ اعشار یہ چار پانچ کا  
وزنی ریوال تھا۔۔۔ ایک نے جیسے ہی اٹھنے کے لئے سراہجہاں عمران نے ریوال کا دستہ پوری قوت  
سے اس کے سر پر رسید کر دیا۔ اس کے حلق سے ایک کریبہ سی چیخ نکلی اور اس نے ہاتھ پیر ڈال  
دیئے۔۔۔ دوسرے کے ساتھ بھی اس نے یہی بر تاؤ کیا تیرے پر بھی ہاتھ اٹھایا تھا لیکن پھر کچھ  
سوچ کر رک گیا۔ دو آدمی بیہوش ہو چکے تھے۔۔۔ تیرے کی گردن پکڑ کر اٹھاتے ہوئے لڑکی  
کے لات رسید کی اور وہ چلکھاڑتی ہوئی دور جا گئی۔ پھر تیرے کو بھی دھکا دیا۔۔۔ وہ لڑکہ اتا ہوا  
پچھے ہٹ گیا۔ لیکن اس نے پھر جھپٹنے کی کوشش کی۔

”بے دریغ فائز کر دوں گا۔“ عمران نے ریوال کا رخ اس کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ لڑکی  
اور وہ دونوں کھڑے ہانپتے رہے۔

عمران چند لمحے انہیں گھوڑا پر بھر غرایا۔ ”تمہاری گاڑی کہاں ہے؟“  
کوئی پچھنچنا بولا۔

”میں چیخ کہتا ہوں تم سکھوں کی کھوپڑیں۔۔۔ سوراخ کرے پہل دوں گا۔“ عمران نے سفاکانہ  
لہجے میں لہا۔ یہ تو دیکھ ہی چکے ہو کر مجھے اس جیسی خوبصورت لڑکی پر بھی رحم نہیں آتا۔  
”کہنے کتے۔۔۔!“ لڑکی بڑی بڑی۔

عمران نے لڑکی کی طرف نوجہ دیئے بغیر پھر اس آدمی کو مخاطب کیا۔ ”کیا تم نہیں بتا گے۔“

”لگ۔۔۔ گاڑی“ وہ بکالا یا۔ ”یہاں سے دور ہے اسز کے قریباً۔“

”یہ تم کیا کر رہے ہو۔“ لڑکی نے اس کی طرف لکھی کر منھیں لہجے میں کہا۔

”وہ نیک مرد رہا۔ تم خاموش رہو۔۔۔ ورنہ دونوں کان کاٹ دوں گا۔“ عمران بولا۔ پھر مرد  
سے بولا۔ ”تم مجھے ہاں لے چلو۔۔۔ اور کون ہے تمہارے ساتھ۔۔۔“

”لک کوئی نہیں۔“ وہ ہونوں پر زبان پھیر کر بولا۔

”چلو۔۔۔!“ عمران نے ریوال سے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

کچھ دیر بعد وہ جھونپڑی سے نکل رہے تھے مرد آگے تھا اس کے پیچے لڑکی اور عمران دونوں  
کے پیچے ریوال اور سنبھالے چل رہا تھا۔

”مجھے وہیں لے چلو جہاں گاڑی ہے۔“ عمران نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ وہ کچھ نہ  
بولے۔ خاموشی سے چلتے رہے۔ لڑکی کبھی مذکور عمران کی طرف دیکھنے لگتی اور عمران کے ہونوں  
پر شرارت آمیز مسکراہٹ دیکھ کر ایسا منہ بناتی جیسے کوئی گندی سی گالی ذہن میں گونخ کر رہ گئی ہو۔  
اگلا آدمی بائیں جانب والی جھاڑیوں میں داخل ہو رہا تھا۔ یہاں ایک پتلی سی گلڈنڈی نظر  
آئی۔۔۔ دور دیہ جھاڑیاں ان کے قد سے بہت اوپنچی تھیں۔

وہ چلتے رہے۔ عمران خود ہی کسی قسم کی گھنٹوں سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تقریباً ایک یا  
ڈیڑھ میل کی مسافت طے کرنے کے بعد وہ نیتاں کم گھنے جنگل میں بیٹھنے لگے تھے۔ لیکن یہ گلڈنڈی  
کسی طرح ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔

”کیا راوے ہیں۔۔۔!“ عمران غرایا۔

”مم۔۔۔ میں شائد راستہ بھول گیا ہوں۔۔۔“ مرد نے رک کر مزتے ہوئے کہا۔ لڑکی بھی  
رک گئی۔

”کہیں میں یعنی تھیں گوئی نہ مار دوں۔“

”اب میں۔۔۔ لک۔۔۔ کیا باتاؤں۔۔۔ پھر، ہر ہی واپس چلتے ہیں۔“

”نہیں ہم یہیں ٹھہریں گے۔“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔

وہی کہیں تریب ہی سے گاڑی ایسا راث ہونے کی آواز آئی۔۔۔ اور عمران نے ہونوں پر  
انگلی رکھ کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ لیکن لڑکی کھلکھلا کر ہنس پڑی اور چیخ کر بولی۔ ”کر دو  
فائز۔۔۔ کر دو۔۔۔ کر دو۔۔۔!“

پھر ایسا محسوس ہوا جیسے چاروں طرف سے بے شمار آدمی دوڑ پڑے ہوں۔ عمران نے قریب  
کی جھاڑیوں میں چھلانگ لگائی اور انہا دھنڈھنڈا گاٹا چلا گیا۔

ذرا ہی، دیر بعد اس نے فائزوں کی آوازیں سنی۔۔۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے یو نہیں۔۔۔ مقصود  
چاروں طرف گولیاں بر سائی جاری ہوں۔



ایک بار تو وہ بال بال بچا.... گولی سر سے شاند آٹھ یا نو انج کے قابلے سے گزرنی تھی۔ وہ بے تحاشہ زمین پر گر گیا تھا اور اب سینے کے مل رینگتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اسی طرح پتہ نہیں کتنی دور نکل آیا۔ ...

کچھ دیر بعد سناتا چھا گیا لیکن وہ اسی طرح زمین سے چپکا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ اس طرح جنگل میں کہاں بھکلتا پھرے گا۔

کیسا جال تھا؟ کیوں بچھایا گیا تھا۔ وہ سوچتا اور بور ہوتا رہا۔ کیا مادام نشی کا کی لاش کا دیوبیو جن کی گاڑی میں اسی لئے ڈالی گئی تھی کہ جولیا فائز وائز کسی نہ کسی طرح اس واقعہ سے متعلق ہو جائے یادہ محن اتفاق تھا....؟ پھر اس کے بعد پے درپے دو قتل ہوئے ٹوٹا امارا گیا۔ ... جو مادام نشی کا کا باڑی گارڈ تھا؟ فوہی ختم کر دیا گیا جس کے ساتھ وہ ان دونوں بہت زیادہ دیکھی گئی تھی۔

پھر اسے وہ دوسرا چینی یاد آیا جس نے جولیا سے کا دیوبیو جن کے متعلق ٹھنگلوکی تھی اور بتایا تھا کہ وہ اس کا ملازم ہے اور چھپ کر اس کی مگرائی کرتا رہتا ہے تاکہ دوسروں کو اس کے پاگل پن سے حفاظ رکھا جاسکے۔ لیکن کا دیوبیو جن نے اس کی تروید کر دی تھی۔ وہ اسے پچانتا تک نہیں تھا.... آخر وہ چینی کون تھا....؟ کیا اسی نے نشی کا کی لاش کا دیوبیو جن کی گاڑی میں ڈالی تھی؟

پھر اسے محن اس لئے اس کیس کے سلسلے میں چھان میں کرنی پڑی تھی کہ جولیا کی پوزیشن صاف ہو سکے؟ لیکن.... وہ کیا کر سکا؟.... پتہ نہیں جولیا کا کیا حشر ہوا ہو۔ ہو سکتا ہے فیاض نے اپنی دھمکیوں کو عملی شکل بھی دے دی ہو۔

وہ سوچتا اور رینگتا رہا۔ ... یہاں نہ صرف جھکڑدار جہاڑیاں تھیں بلکہ زمین بھی ناہموار تھی۔ اس نے سوچا کب تک اس طرح رینگتا رہے گا۔

اٹھ بیٹھا.... تھوڑی دیر تک ٹھنڈوں کے مل بیٹھا رہا۔ ... پھر اٹھ بیٹھا۔ ... سورج مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ خلی بڑھنے لگی تھی۔ اس نے سوچا اگر جنگل سے نکلنے سے قبل ہی اندر چیرا پھیل گیا تو کیا ہو گا۔ لیکن تیز چل کر بھی کیا کرتا۔ ... خود کو تھکانے سے فائدہ.... ضروری نہیں تھا کہ تیز رفتاری بار آرہو تھی۔

بس تن پر تقدیر ہو گر چلتا رہا۔ ایک ٹھنڈے گذر گیا۔ پھر یہ بیک اسے کسی بھاری گاڑی کے انہج کی آواز سنائی دی اور یہ زیادہ دور بھی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ سست کا بھی اندازہ ہو گیا اور اس

نے تیزی سے دوڑنا شروع کر دیا۔

اور پھر جب اس نے جہاڑیوں کے سلسلے کے سرے پر پہنچ کر یہچ دیکھا تو تقریباً تیس چالیس فٹ یہچ سڑک دکھائی دی۔ شاند ابھی کوئی بڑی گاڑی گذری تھی۔ عمران نے فضا میں پڑول کے دھوئیں کی بو محسوں کی۔

ڈھلان اسی نہیں تھی کہ وہ با انسانی یہچ اتر سکتا۔ پھر بھی.... کوشش کرہی ڈالی۔ ایک جگہ پیر جمانے کا موقع ملا ہی تھا کہ دوسرا پیر اکھڑ گیا۔ ... اگر ایک مغضوب پودے کا تناہا تھا میں نہ آگیا ہوتا تو یہچ پختہ سڑک پر گر کرہا تھا منہ توڑ بیٹھتا۔

اب وہ پودے کو کو دونوں ہاتھوں سے تھامے خلاء میں جھوول رہا تھا۔ پیروں سے اُس دیوار نما ڈھلان کو بھی ٹوٹا جا رہا تھا۔ شاید کہیں پیر جمانے کی جگہ مل ہی جائے۔ ... اتنے میں پھر کسی گاڑی کی آواز سنائی دی۔ ... اور عمران نے شور چھانا شروع کر دیا۔

یہ ایک ٹرک تھا جس پر بڑے بڑے شہتیر لدے ہوئے تھے۔ پچھلے حصے میں بینٹھے ہوئے مزدوروں نے اسے حیرت سے دیکھا۔ ڈرائیور نے ٹرک روک دیا تھا۔ وہ سب یہچ اتر آئے۔ ... عمران چینے جا رہا تھا۔ ”اے اتارو کی طرح.... ورنہ یہچ پر کر چور چور ہو جاؤں گا۔“

”تو اس طرح لٹکنے کی کیا ضرورت تھی؟“ ڈرائیور نے یہچ سے پوچھا۔

”یہچ پہنچ کر بتاؤں گا....!“ عمران نے چیخ کر کہا۔ ”تم ٹرک قریب لاو۔ ... اور ایک شہتیر اس نا معقول ڈھلان سے نکادو۔“

”ترکیں معلوم ہوتے ہو یا...!“ ڈرائیور بھس کر بولا۔ ... اور ٹرک میں بینٹھ کر اسے یک کرتا ہوا س جگہ لایا۔ مزدوروں نے ایک شہتیر سیدھا کر کے ڈھلان سے نکادیا اور اسے ہاتھوں سے نکارے۔ ... لیکن شہتیر کا اور پری سر اعمراں کے پیروں نکل بھی نہ پہنچ سکا۔

”چھوٹا ہے.... اس سے بڑا کا لو۔ ...!“ عمران نے کہا۔

برداشتیر یہچے ہے۔ ... مشکل سے نکلے گا۔ ...!“ ایک مزدور نے کہا۔

”اور میں آسانی سے مر جاؤں گا۔ ... کیوں؟“

”اے تم تو یقاط معلوم ہوتے ہو۔“ ڈرائیور نے گھڑ کی سے سر نکال کر کہا۔ ”پھر مزدوروں سے بولا۔“ ”نکالو۔“ ”نکالو۔“

میں مت بعد کامیابی ہو سکی۔ ... دوسرا بڑا شہتیر ڈھلان سے نکایا گیا۔ ... یہ اس کی پنڈیوں تک پہنچ کا۔ ... عمران نے دونوں ٹاگمیں اس میں پھنسا کر پودے کا تنا چھوڑ دیا اور بڑے اطمینان

چاہے لیکن اس نے انکار کر دیا۔۔۔ مزدور بھی کچھ لینے پر تیار نہیں ہونے ۔۔۔!  
چھروہ ساجد نگر کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچا۔ تھوڑی ہی دیر بعد شہر کے لئے ٹرین مل گئی۔۔۔  
رات بہت سرد تھی۔ وہ احتیاطاً تیرے درجے میں بیٹھا تھا۔ جوں توں شہر پہنچا اور ریلوے اسٹیشن  
تھی سے دافش منزل کی راہی۔ عمارت سنان پڑی تھی۔ فون پر بلیک زیر دے رابطہ قائم کیا۔ اس  
نے بتایا کہ جولیا سے اس کے مکان ہی پر پوچھ گکھ کی گئی تھی۔ البتہ فیاض عمران کے فلیٹ کے چکر  
لگا رہا ہے۔ کاؤن یون اب بھی حرست میں ہے، فوہی کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں ہوا کہ وہ  
کون تھا اور کہاں سے آیا تھا۔۔۔ جو زف کے بارے میں بتایا کہ وہ عمران کی بہایت کے مطابق راتا  
پیلس ہی میں مقیم ہے۔

عمران نے سلسلہ منقطع کر کے کیمپ فیاض کے نمبر ڈائل کئے۔

”تم کہاں سے بول رہے ہو؟“ فیاض نے پوچھا۔

”یہ نہیں بتاؤں گا۔۔۔!“

”کہاں غائب ہو گئے تھے۔“

”شہر میں نہیں تھا۔“

”میں تم سے ملتا چاہتا ہوں۔“

”کیوں۔۔۔؟ کوئی خاص بات؟“

”بہت ضروری۔۔۔ دفتر آجاؤ۔۔۔ میں جا رہوں۔ میں وہیں انتظار کروں گا۔“

”کیا اس بات کا تعلق نہیں کاواںے معاملے سے ہے۔“ عمران نے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔!“ جواب ملا اور دسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

عمران ریسپورٹ کے بغیر کچھ سوچتا رہا۔ پھر ریسپورٹ کہ کر بیردنی برآمدے میں آیا۔ بہاں بھی  
تھوڑی دیر رک کر کچھ سوچتا رہا پھر آگے بڑھ گیا۔

گیراج سے موڑ کار نکالی اور فیاض کے دفتر کی طرف رو انہ ہو گیا۔ موقع تھی کہ اس سے فوہی  
کے متعلق با انسصیل معلومات حاصل ہو سکیں گی۔

کار فرائٹے بھرتی رہی۔ اس نے اور کوٹ کے کار کھڑے کر لئے تھے۔ بہت زیادہ محاط رہنا  
چاہتا تھا۔ جو لوگ اس کا انداز کر سکتے تھے سرراہ گولی بھی مار سکتے تھے۔

دیے دے دہ بخیر دعافیت ملکہ سراج رسمانی کے دفاتر تک پہنچ گیا۔ فیاض موجود تھا۔۔۔ بڑی  
خوشی ملی۔۔۔

سے پھسلتا ہوا ٹرک پر آ رہا۔۔۔  
”بہت بہت شکریہ۔۔۔!“ اس نے مزدوروں سے کہا اور ٹرک سے کوکڑ رائیور کی سیٹ کی  
طرف بڑھا۔

”اب کیا ہے۔۔۔؟“ ڈرائیور نے پوچھا۔ عمران دروازہ کھول کر اس کے برابر بیٹھ چکا تھا۔

”میاڑا رہے ہے۔۔۔!“ ڈرائیور اسے گھوڑا ہوا بولا۔

”میں ڈاکو نہیں ہوں۔۔۔!“ عمران نے بڑے پیار سے کہا۔

”وہاں اوپر کیا کر رہے تھے۔۔۔!“

”بھیڑیوں نے دوڑایا تھا۔۔۔ ٹکڑا کھیل رہا تھا۔ ساتھیوں سے پچھڑ کر راستہ بھول گیا۔ اور  
سے نیچے اترنے کی کوشش کر رہا تھا۔۔۔ تم کہاں جا رہے ہو۔“

”ساجد نگر۔۔۔!“

”بس تو پھر بجھے دیں چھوڑ دیں۔۔۔ بیہاں سے کتنی دوڑ ہو گا۔“

ڈرائیور نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے جواب دیا۔ ”تمیں میل۔“

عمران نے کوٹ کی اندر وہی جیب ٹھوٹی۔ پرس موجود تھا۔ یہو شی کے دوران میں کسی نے  
اس میں ہاتھ نہیں لگایا تھا۔۔۔ اس نے اطمینان کی سانس لی۔

کچھ دیر بعد ٹرک ڈرائیور نے کہا۔ ”اگر میرے ٹرک پر فہرست ہوتے تو کیا ہوتا۔“

”موت تو بہر حال آتی۔۔۔ لیکن بھیڑیوں سے فک جاتا۔۔۔!“ عمران نے احتمانہ انداز میں  
جواب دیا۔

”بندوں کہاں گئی۔۔۔!“

”را تغلق تھی۔۔۔ پہنچ نہیں کہاں رہ گئی بوکھلا ہٹ میں۔“

”اب کیا کرو گے۔“

”بہت زیادہ احتیاط سے زندگی بسر کروں گا۔“

وہ کچھ نہ بولا۔ ٹرک سنان سڑک پر دوڑ تارہا۔



اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی وہ ساجد نگر پہنچ گئے۔ عمران نے ٹرک ڈرائیور کو دس روپے دینے

”یعنی تو یہ بچ ہے کہ رہنا....!“ فیاض نے آنکھیں نکالیں۔  
 ”دل کے ہاتھوں مجبوری ہے سوپر فیاض....!“ عمران نے مختنڈی سانس لی۔ ”بالآخر مجھے  
 بھی کہنا ہی پڑا کہ مجنون را کلکھ عی نہیں تھا۔“  
 ”تو تم اعتراف کرتے ہو....؟“  
 ”بالکل بالکل....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔  
 ”تم نے ان لوگوں کو اپنا کوئی دوسرا نام بتایا تھا۔“  
 ”وہ بھی رینا ہی کی جدت تھی.... بڑی خوش مزاج لڑکی ہے۔“  
 ”میں کیا کر سکوں گا....!“ فیاض نے لاپرواٹی سے کہا۔  
 ”انتے دونوں کی دوستی پر خاک ڈال دو گے۔ کیوں؟“  
 ”ہاں.... اب کیا چاہتے ہو....!“ فیاض نے بوڑھے کو انگریزی میں مخاطب کیا۔  
 ”رہنا.... میری بیٹی.... میں اس کی واپسی چاہتا ہوں۔“  
 ”کیا عمر ہے....!“ فیاض نے عمران سے پوچھا۔  
 ”تابانغ نہیں ہے.... کم از کم چوبیس سال کی ہو گی۔“  
 ”اگر اس نے تمہارے پاس آنے سے انکار کر دیا تو....؟“ فیاض نے بوڑھے سے پوچھا۔  
 ”میں اسے گولی مار دوں گا۔“  
 ”جتاب والا....!“ عمران نے بڑے ادب سے فیاض کو انگریزی میں مخاطب کیا۔ ”یہ جملہ  
 نوٹ کیا جائے.... آپ ایک ذمہ دار آفیسر ہیں۔“  
 ”ہاں ہاں۔ اگر اس نے تم جیسے فراڈ کے ساتھ رہنے پر آنادگی ظاہر کی تو میں اسے یعنی طور پر  
 گولی مار دوں گا۔“  
 ”اچھا رہم دونوں سمجھوتہ کر لیں تو....!“ عمران نے نرم لمحہ میں کہا۔  
 ”کیا سمجھوتہ....!“ وہ مکاہلا کر چیخ۔ ”رہنا کی واپسی کے علاوہ اور میں کسی بات پر رضا مند  
 نہیں ہو سکتا۔“  
 ”یہ تو بڑی مصیبت ہے....!“ عمران کراہا۔  
 ”آپ کچھ کرتے کیوں نہیں....!“ بوڑھے نے جھوٹھلا کر فیاض سے کہا۔  
 ”آپ ذرا دیر باہر تشریف رکھئے....!“ فیاض نے اردو کی کوہانے کے لئے گھنٹی بجا۔  
 ”اچھا.... اچھا.... لیکن اگر میری مرضی کے خلاف کچھ ہواتو....!“ وہ فیاض کو دھمکیاں

”بہت بھوکا ہوں۔“ عمران خیف آواز میں بولا۔  
 ”یہیں ملنگاوں کچھ....؟“ فیاض نے بڑے پیدا سے پوچھا اور عمران چونک کرنے سے گھورنے لگا۔  
 لمحہ میں کوئی ایسکی چیز ضرور تھی جس نے ذہنی چیزی جھلاہٹ کی بھی ہلکی سی جھلک دکھائی دی تھی۔  
 فیاض آنکھیں چارہ نہ کر سکا۔ ہاتھ بڑھا کر گھنٹی بجا۔ اردوی اندر آیا۔ فیاض ایک سلپ پر  
 کچھ لکھ کر اس کی طرف بڑھا تاہو ایولا۔ ”کینٹین کے میجر کو دینا۔“  
 عمران اسے نظر لئے والی نظرؤں سے دیکھا رہا۔  
 ”ہوں تو تم کہاں رہے....؟“ فیاض نے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔ ”مرغا یوں کے  
 شکار پر گیا تھا۔“  
 ”لکنی ماریں....!“  
 ”یہ پوچھو کتنی نہیں ماریں.... غلیل کا دربر نہ نوٹ گیا ہوتا تو....!“  
 اتنے میں دوسرے اردوی کسی کا دو زینگ کارڈ لایا۔  
 ”بھیج دو....!“ فیاض نے لاپرواٹی سے کہا اور عمران کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لیکن دوسرے  
 ہی لمحہ میں عمران کوچھ تکنا پڑا۔  
 وہ سفید قام غیر ملکی کرے میں داخل ہو رہا تھا جسے رینا نے اپنے باپ کی حیثیت سے متعارف  
 کرایا تھا۔  
 عمران پر نظر پڑتے ہی وہ چیخنے لگا تھا۔ ”بھی تھا.... جی ہاں بھی تھا.... اُب بدبخت میری لڑکی  
 کہاں ہے.... میں تمہیں گولی مار دوں گا گندے سور....!“  
 عمران نے حصکے کے ساتھ منہ کھولا اور پھر بند کر لیا۔ فیاض اسے گھور رہا تھا۔ اس نے  
 بوڑھے سے کہا۔ ”بیٹھئے.... بیٹھئے....!“  
 ”میں آپ کا مشکور ہوں جتاب....!“ اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”بے حد شکر گذار ہوں کہ  
 آپ نے اسے ڈھونڈنے نکالا.... مگر رہنا کہاں ہے۔“  
 اب عمران اس برافروختہ بوڑھے کی بجائے فیاض کو گھوڑے جارہا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ اس  
 وقت فیاض نے محض کارروائی شناخت کے لئے اسے دہاں بلایا تھا۔ ایک طرف اسے دفتر پہنچنے کو  
 کہا اور دوسری طرف بوڑھے کو بھی.... فون کر کے یہاں طلب کر لیا۔  
 ”لیا قصد ہے....!“ فیاض نے عمران سے پوچھا۔  
 ”سمجھوتہ کر دو....!“ عمران نے جھپٹنے ہوئے انداز میں آہستہ سے کہا۔

وہتا ہوا باہر چلا گیا۔

اس کے پلے جانے کے بعد فیاض خاموشی سے عمران کو گھورتا رہا۔

”ہمے تم... تو اس طرح گھور رہے ہو جیے....؟“

”بے کار اڑنے کی کوشش نہ کرو....!“ فیاض غریب۔

”پھر بتاؤ میں کیا کروں....!“

”کیا وہ حق تھا رے ساتھ رہنے پر تیار ہے۔“

”میں اُسے گود میں اٹھا کر تو لے نہیں گی تھا۔“

”لیکن مجھے تم دونوں کو حرast میں لینا پڑے گا... اس کا فیصلہ عدالت ہی کر سکے گی کہ آئندہ کیا ہونا چاہئے۔“

”لیکن سوپر فیاض! یہ اپنے علاقے کے پولیس اسٹشن پر روپورٹ درج کرانے کی بجائے تمہارے پاس کیوں دوڑا آیا اور تم برادرast اس سلسلے میں کوئی اقدام کر سکتے ہو۔“

”وزارت خارجہ کے توسط سے یہ کیس میرے پاس آیا ہے۔ بوڑھا یہاں کا شہری نہیں... مقامی فنِ مصوری کی اسٹڈی کرنے کے لئے یہاں عارضی طور پر مقیم ہے۔“

”بھلا کس سفارت خانے کے توسط سے یہ کیس وزارت خارجہ تک پہنچا ہو گا۔“

”علوم کرلو... وہاں تو تمہارا بڑا خلی ہے....“ فیاض نے طنزی لمحہ میں کہا۔

”بہت اچھا...!“ عمران نے سعادت مندی کا اظہار کیا۔

پچھے دیر تک خاموشی رہی پھر عمران نے کہا۔ ”ظاہر ہے اس نے تمہیں میر اور کوئی نام بتایا تھا پھر تم خاص طور پر مجھے ہی کیوں طلب کر رہی۔“

”حیله بھی بتایا تھا اس نے...!“ فیاض اسے بغور دیکھتا ہوا بولا۔

”اور میر احیہ تمہیں ازبر ہے۔“

فیاض پچھہ نہ بولا۔ عمران نے کہا۔ ”ید سمجھوتہ کرا د کسی طرح۔“

”وہ کہتا ہے کہ لڑکی اس کے حوالے کر دی جائے تو بات نہیں بڑھے گی۔“

”اچھی بات ہے!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

”کیا مطلب...!“

”اُسے میرے ساتھ بھیج دو۔“

”کیا ضرانت ہے کہ تم اسے دھوکا نہیں دو گے۔“

”اچھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔“

”میں فضول باتیں سننے کے موڑ میں نہیں ہوں۔ اچھی تمہیں مزید جواب دی کرنی ہے۔“

”گھوڑا اور فوہی کے قتل کے سلسلے میں بھی تمہارا ہی جیلیہ سرفہرست ہے۔“

”جلیہ حسب ذیل بولتے ہیں....!“ عمران نے صحیح کی۔

”اچھی بات ہے.... اس پار دکھ لوں گا۔“

فیاض تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”اچھی بات ہے۔“

”گھنٹی بجاں اردوی اندر آیا... اور اس نے اس سے کہا۔ ”انپکٹر زیدی کو اندر بھیج دو....!“

”کسی گھاگ کو بھیجو... وہ تو ابھی برخوردار ہے۔“ عمران نے کہا۔

اردوی جاچکا تھا۔ فیاض لاپرواں سے کاغذات کی طرف متوجہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک جوان العمر آدمی کرے میں داخل ہوا۔

”انپکٹر ان کے ساتھ جاؤ...!“ اس نے کہا اور پھر کچھ کہتے کہتے رک کر عمران کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”تم بھی باہر ٹھہر و....!“

”بہت بہتر جناب عالی...!“ عمران نے کہا اور انھکر باہر چلا آیا۔ بوڑھا برآمدے میں موجود تھا۔ عمران کو دیکھ کر دانت پینے لگا اور پھرے ہوئے سانڈ کی طرح فوں فوں کرنے لگا۔ عمران اس کی طرف متوجہ تک نہ ہوا۔

تھوڑی دیر بعد انپکٹر زیدی کرے سے نکلا اور عمران کو گھورتا ہوا بولا۔ ”چلے...!“ پھر بوڑھے کو بتانے نگاہ کہ وہ ان کے ساتھ جا کر لڑکی کو برآمد کرنے میں مدد دے گا۔

عمران اپنی گاڑی میں جائیا۔ بوڑھا اپنی کار لایا تھا۔

”آپ بوڑھے ہی کے ساتھ تشریف رکھئے جناب...!“ عمران نے انپکٹر سے کہا۔

”نہیں...! مجھے ہدایت ملی ہے کہ آپ ہی کے ساتھ نہیں ہیں...!“

”بسم اللہ....!“

حالانکہ وہ نہیں چاہتا کہ ایسا ہو... اب اس کے ذہن میں کوئی ایکمہنت تھی پہلے تو سوچا تھا کسی طرح اس بوڑھے کو چنگل میں لے کر اس سے کچھ اگھوٹنے کی کوشش کرے گا۔ لیکن فیاض بھی احتمق تھا نہیں کہ ان دونوں کو تمہارا جانے دیتا۔ ویسے بھی معاملہ ہے اورast وزارت خارجہ کے دفتر سے اس کی تکمیل اس لئے لڑکی کی پابندیاں بل باقاعدہ ہیں۔

عمران سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔

”آپ کہاں چل رہے ہیں....!“ انپکٹر زیدی نے اس سے پوچھا۔  
”کیا بڑھے کی کار پیچے آ رہی ہے....!“ عمران جواب دینے کی وجہے خود سوال کر بیٹھا۔  
”ضرور آ رہی ہوگی.... میں نے پوچھا کہ ہمیں کہاں جاتا ہے۔“  
”شاہدارا....!“

”کیا....؟“ انپکٹر زیدی کے لمحے میں حیرت تھی۔  
”اوہ.... کیا کیپن فیاض نے نہیں بتایا۔“  
”نہیں.... میں تو سمجھتا ہیں کہیں۔“

”تب تو فیاض ہی کو غلط فہمی ہوئی ہو گی۔ ٹھیک ہے، ٹھیک ہے اُن حضرت نے بھی مجھ سے یہ نہیں پوچھتا کہ لڑکی کہاں ہے۔“

”وہیں موڑیے....!“ زیدی جھلائے ہوئے لمحے میں بولا۔ ”نہیں معلوم ہوتا چاہئے“  
”تُک میں دم ہے....!“ عمران کراہ۔ ”ماش پہلے معلوم ہوتا کہ لڑکیوں کو بھگالے جانے کے بعد کسی درگست بنتی ہے۔“

”آپ کو شرم آنی چاہئے۔“

”شرم کیا ب ت موت بھی آجائے تو مجھے بے حد خوشی ہو گی۔“  
انپکٹر زیدی اسے کھا جانے والی نظر وہ سے گھورتا رہا۔ عمران نے ٹرن لے کر گاڑی پھر اسی راستے پر لگادی جس سے آیا تھا۔ بوڑھا بھی گالیاں بکتا ہوا اپنی گاڑی موڑنے لگا۔ ایک بار ان کے برابر پیچ کر داپنی گاڑی سے دھڑا۔ ”یہ کیا ہو رہا ہے۔“

”ہم پھر آفس جارہے ہیں....!“ انپکٹر نے جواب دیا۔  
”کیوں؟“

”آپ غنوں بحث نہ کیجئے....!“  
”میرا دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے تم لوگوں نے....!“

”ہر خوبصورت لڑکی کے باپ کو تمہاری یہ طرح خبیث ہوتا چاہئے۔“ عمران بولا۔  
”مجھے آپ کی ڈھنائی پر حیرت ہے۔“ انپکٹر نے حیرت سے کہا۔

”مجھے توب کی بات پر حیرت نہیں ہوتی۔“  
”وہ محکمہ سراجِ رسانی کے وفتخار کے سامنے آ رہے... انپکٹر زیدی نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔ ”چلئے....!“

لیکن عمران لاپرواں سے سر ہلا کر بولا۔ ”آپ جلدی سے بتا کر واپس آ جائیے۔ میں بہت زیادہ بور ہو چکا ہوں۔“

”اچھی بات ہے۔“ انپکٹر زیدی نے کہا اور بڑھے کی طرف ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”میں ابھی واپس آ رہا ہوں آپ دونوں شہریے۔“

وہ کپاڑا ٹھٹ سے گذر کر عمارت میں چلا گیا۔ دفعتاً عمران نے انجن اسٹارٹ کیا اور تیزی سے گاڑی موڑ کر بھاگ لگا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ بوڑھا تعاقب میں ضرور آئے گا۔

کچھ دور چل کر گاڑی ایک ایسی سڑک پر ڈال دی جس پر ٹریک زیادہ نہیں رہتا تھا۔ گاڑی کی رفتار بندرنگ تیز ہوتی رہی۔

پھر اس نے ڈلیش بورڈ پر لگا ہوا ایک پیش سورج دبایا۔ ایک طرف ایک تختی سی سر کی اور ٹرانسیمیٹر نمایاں ہو گیا۔ وہ اس کے ذریعہ اپنے ماتحت بلیک زیر و کو متوجہ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بلیک زیر و کی آواز آئی۔

”میں اس وقت ریکشن روڈ پر مشرق کی جانب جا رہا ہوں۔ ایک سیاہ رنگ کی کار میری گاڑی کا تعاقب کر رہی ہے....!“

”میں خود آؤں....!“ بلیک زیر و نے پوچھا۔

”ہاں.... لیکن دخل اندازی کی ضرورت نہیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ اس گاڑی کے پیچھے اور کوئی تو نہیں ہے۔“

اس کی کار تیز رفتاری سے راستے پر کر رہی تھی۔ عقب نما آئینے میں کسی کار کی ہیئت لا یٹھس نظر آ رہی تھیں.... اس نے کئی بار زادی بدل کر دیکھنے کی کوشش کی کہ دوسرا کار کے پیچھے کوئی تیسری گاڑی بھی ہے یا نہیں۔ لیکن کامیاب نہ ہوئی۔

کچھ دیر بعد ٹرانسیمیٹر سے آواز آئی۔ ”بیلو... بیلو... بلیک زیر و اسمیلنگ....!“

”بیلو....!“ عمران ایکس ٹوکی مخصوص بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”میں شرق کی جانب جا رہا ہوں لیکن ابھی تک کوئی گاڑی نظر نہیں آئی سڑک سنان ہے۔“

”چلے آؤ....!“

”مجھے کیا کرتا ہوگا...!“

”تمہاری یادداشت کمزور ہو گئی ہے کیا...!“ عمران غرایا۔ ”میں نے کہا تھا کہ مجھے اطلاع دو اس کالی گاڑی کے پچھے کوئی اور گاڑی تو نہیں ہے۔“

”بہت بہتر جتاب...!“

عمران خاموش ہو گیا۔ دوسری طرف سے بھی کوئی آواز نہ آئی۔ کار تیزی سے دوڑتی رہی۔ ... پکھدی دیر بعد پھر بلیک زیر و کی آواز آئی جو کہہ رہا تھا۔ ”میں نے کالی گاڑی کو دیکھ لیا ہے اس کے پچھے کوئی دوسری گاڑی نہیں ہے۔“

”اپنی پشت پر بھی نظر رکھو...!“ عمران نے کہا۔

”دیکھ چکا ہوں!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”دور دور سک کسی دوسری گاڑی کا پتہ نہیں۔“

”اچھا باب! اس گاڑی سے قریب ہونے کی کوشش کرو۔“

پکھد دیر بعد عمران نے اپنی گاڑی کی رفتار ست کر دی۔ ... ٹھیک اسی وقت بلیک زیر و کی بھی آواز آئی۔ ”میں اس گاڑی سے آٹھ بیان گز کے فاصلے پر ہوں۔“

”بھی فاصلہ قائم رکھو...!“ عمران نے کہا۔

یہاں سڑک زیادہ چوڑی نہیں تھی لیکن عمران نے اپنی گاڑی ترچھی کر کے روک دی۔ پچھلی گاڑی بھی رک گئی اور اس سے ہارن کی آوازیں آنے لگیں۔ تیری گاڑی جو اس کے پچھے تھی وہ بھی رک گئی تھی۔

عمران اپنی گاڑی سے اتر۔ بلیک زیر و نے اسے اترتے دیکھ لیا تھا لہذا وہ بھی گاڑی سے اتر آیا۔

”یہ کیا ہے...؟“ دوسری گاڑی سے نسوائی آواز آئی۔ ”ایپنی گاڑی ہنا کو...!“

جملہ انگریزی میں کہا گیا۔ عمران گاڑی کے قریب پہنچ پکھا تھا۔ بیسے ہی یہ آواز کان میں پڑی ”ارے باب رے“ کہہ کر اچھل پڑا۔

”گاڑی آگے بڑھاو... کیا ہے... کیا مطلب!“ جھلانی ہوئی سن نسوائی آواز پھر آئی۔

عمران تیزی کے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا تھا تو کار گاڑی سے آواز آئی۔ ”ارے تم ہو۔“

گاڑی کا دروازہ کھلا اور وہ جانی پیچانی لڑکی نہ صرف نیچے اتر آئی بلکہ عمران کا بارہ بھی تھام نیا

اب وہ تیزی سے بولے جا رہی تھی۔ ”تم مجھے چھوڑ نہیں پہ سکتے۔“

بیکھر زیر و کے پیشست ہوئے قدم رکھتے تھے۔ اُن کے پیشے پوری تھی۔ ”تم خاص ہو۔“ میرے

جنہاں ساتھی کی قدر نہیں آ رہ سکتے۔ آدمی ہنر... مجھے سورکھ دے کر نکل بھوئے تھے۔ نیکن تم

”مجھ سے نہیں بھاگ سکتے.... سمجھے۔“

”تھے... تمہارے نیا کہاں گئے۔“ عمران نے پوچھا۔

”پچھلی سیٹ پر بیویوں پڑے ہیں۔“

”بے ہوش...!“

”ہاں۔ میں کیسے گوارا کر لیتی کہ وہ تمہیں پولیس کے حوالے کر دیں۔“

”تم کہاں تھیں...!“

”وہیں۔ آس پاس۔ جب میں نے دیکھا کہ تم بھاگ رہے ہو تو...؟“

بلیک زیر و کھکارا... اور بات جہاں تھا رہ گئی۔

عمران نے مخصوص انداز میں ہاتھ ہلا کے اور بلیک زیر و چپ چاپ اپنی گاڑی میں جائیا۔

”میرے گھر چلوگی۔“ عمران نے آہتہ سے کہا۔

”ضرور چلوں گی۔“

عمران نے معنی خیز انداز میں سر کو جنبش دی اور اس کی گاڑی میں جھاک کر دیکھا۔ کوئی پچھلی سیٹ پر پڑا تھا۔

وفتحا ایک نیا خیال اسکے ذہن میں ابھرا۔ ... کوئی اس طرح ایکس ٹو کو تو بے نقاپ نہیں کرنا چاہتا۔

”تو پھر چلو...!“ اس نے کہا۔

”مگر پیاپا...!“ لڑکی نے کہا۔

”کیسے بے ہوش کیا تھا نہیں...!“

”کلور و فارم سلگھا کر...!“

”چلو انہیں بھی لے چلو تھوڑے تھوڑے وقف سے کلور و فارم سلگھاتے رہیں گے۔“

عمران سے صدم سانس لے کر کہا۔ ... ساتھ ہی اُس نے مجرم جھری کی لی۔ اس وقت موڈ پچھے اس

تم کا تھا جیسے عموماً اندر ہی چال چلتے وقت ہو جایا کرتا تھا۔

”چلو بیٹھو...!“ عمران نے اُنے گاڑن کی طرف رکھ لیتے تو ہوئے کہا۔

”شہر کی طرف موڑو... میں اپنی گاڑی نکال لوں گا۔“

”تم پھر دھوک دو گے...!“

”اُنکی ختم کرو... نہ ہو، کچھ کئی شریف آدنی کھلی جاوی وجد سے خواہ کھوا رہا ہوا ہے۔“

رنیانے مڑ کر بلیک زیر و کی گاڑی کی طرف دیکھا اور جلدی سے اپنی گاڑی میں بینٹ گئی۔ عمران نے

کسی نہ کسی طرح اپنی گاڑی آگے نکالی اور کچھ دور چلنے کے بعد بیلک زیر و کو مخاطب کیا۔  
”ہیلو....! میں انہیں رانا پیلس لے جا رہا ہوں۔ سکھوں کو ہدایت کرو کہ رانا پیلس کی  
مگر انی کریں۔“

”بہت بہتر....!“ دوسری طرف سے جواب آیا۔  
اب وہ بہت تیز رفتاری سے شہر کی طرف جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد گاڑی رانا پیلس کے پھانک پر  
رکی۔ چوکیدار نے پھانک کھولا۔

یکے بعد دیگرے دو گاڑیاں پھانک میں داخل ہوئیں اور پورچ میں جا کر رک گئیں۔  
عمران نے اتر کر زینا کی گاڑی کا دروازہ کھولا۔ وہ اتری اور تھیونہ انداز میں چاروں طرف  
دیکھنے لگی۔

”بڑی شاندار عمارت ہے....!“ اُس نے کہا۔

”وقت نہ برپا کرو.... پہلے یہ دیکھو کہ بیبا کو کلوروفارم کی ضرورت تو نہیں ہے۔“  
”انہیں اندر کیسے لے جاؤ گے۔“

”ابھی ہو جاتا ہے۔“ عمران نے کہا اور کار کا ہدایت بجانے لگا۔ ایک ملازم عمارت سے باہر آیا۔  
عمران نے اس سے دوسرے ملازمین کو بھی بلاں کو کہا۔

ٹھوڑی دیر بعد بوڑھا پچھلی نشست سے اتارا جا رہا تھا۔ چار ملازم اسے ہاتھوں پر اٹھائے  
ہوئے اندر لا کے اور ڈرائیگ روم کے تین نشست والے صوفے پر ڈال دیا۔  
”بیٹھو....!“ عمران نے لڑکی سے کہا۔

وہ میٹھے گئی۔ اُس کے چہرے سے ذرہ برا بر بھی بے اطمینانی ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔

”ٹھہر و....!“ عمران چاروں طرف دیکھتا ہوا بولा۔ ”میں تم لوگوں کیلئے کھانے کا انتظام کروں!“  
”تمہارے سر پر کھانا کیوں اس بڑی طرح سوار رہتا ہے۔“

”پھر بھی....!“ عمران نے کہا اور کمرے سے باہر نکل آیا اور ایک ملازم سے کہا کہ وہ  
لا بھری میں جوزف کو بیچج دے۔

جوزف آیا اور چھوٹے ہی پوچھ بیٹھا کہ اُسے کب تک بیہاں مقید رہنا پڑے گا۔

”ہائیں تو کیا تمہیں شراب نہیں ملی....!“ عمران نے کہا۔  
”نہیں باس....!“ اس نے دردناک لمحہ میں کہا۔ ”آج بیہاں صبح سے ایک قطرو بھی نہیں  
ہے... کس سے کہوں، کس سے مانگوں۔ نائز صاحب بڑی شاندار بیہاں نہیں ہیں۔“

بیلک زیر و بیہاں اس عمارت میں طاہر صاحب کیا لاتا تھا۔ ملازمین کا خیال تھا کہ وہ راتا تھور علی  
یعنی عمران کی طرف سے کوئی مقتضم مقرر کیا گیا ہے۔

”اچھا.... ابھی مل جائے گی تم بدلی سے ایک کام کرو۔“ عمران نے کہا اور سر گوشیوں میں  
اُسے کچھ سمجھانے لگا۔ کبھی جوزف کے چہرے پر حرمت کے آثار نظر آتے اور کبھی دانت نکل  
پڑتے.... بلا خودہ سر ہلاتا ہوا کمرے میں چلا گیا۔

عمران پھر ڈرائیگ روم میں واپس آگیا۔ ریٹاخاموش بیٹھی تھی عمران کو دیکھتے ہی بولی۔

”تم خواہ مخواہ پریشان ہو ڈیزیر.... میں کھانا کھا بچکی ہوں۔“

”تھوڑا اور سہی....!“

”نہیں! میں بہت خوش ہوں کہ دوبارہ تمہیں دیکھ رہی ہوں۔“

”اس خوشی میں کب تک کھانا کھاؤ گی۔“

”ہائیں.... یہ کیا الغورت ہے.... کھانا کھانا کھانا۔ کوئی بور کر رہے ہو۔“

انتہے میں فون کی گھنٹی بیجی.... عمران نے لپک کر ریسیور اٹھایا۔ اور ماڈم ٹھیک میں میں  
بولنے لگا۔ ”ہیلو.... ہاں.... میں ہی ہوں!“ وہ انگریزی میں کسی سے مخاطب تھا۔ ”ہیلو....

ہاں.... آجاؤ.... ٹھیک ہے۔ اس بار تمہاری طبیعت خوش ہو جائے گی.... قیمت بھی زیادہ نہیں  
ہے.... کتنی دیر میں پہنچو گے.... پانچ منٹ میں۔ ٹھیک ہے.... شکریہ....!“

اس نے ریسیور کھکھ لیا اور ریٹاکی طرف دیکھ کر مسکرنے لگا۔

”کون آرہا ہے....!“ ریٹاکے پوچھا۔

”تم آرام سے بیٹھو....!“

”میں پوچھتی ہوں کون آرہا ہے۔“

”میرا ایک دوست....!“

”نہیں اسی کمرے میں ریسیو کر دے گے؟ بیبا کو کہیں اور پہنچا دو تو بہتر ہے....!“

”رہنے دو.... اسے کسی دوسرے کمرے میں ریسیو نہیں گا.... مگر دیکھو تو انہیں  
کلوروفارم کی ضرورت تو نہیں ہے۔“

”تمہارے جانے کے بعد ایک بار پھر سنگھا بچکیں ہوں۔“

”کاش بھارے ملک کی لڑکیاں بھی اسی طرح اپنے پاپوں کو کلوروفارم سنگھانے لگیں تو  
بھیروں کی مشکل آسان ہو جائے گی۔“

”تم میر امداد اڑا رہے ہو....؟“ رینا نے جلاہت کا مظاہرہ کیا۔  
اتئے میں جوزف کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے ناجیریا کے باشندوں کا سازھلا ڈھالا  
چوڑ پنک رکھا تھا اور سر پر کامڈ اگریزی میں بولا۔ ”تشریف لائیے۔ زہ نصیب...!  
جوزف رینا کو گھورتا ہوا بیٹھ گیا۔

”یہی لڑکی ہے۔“ عمران نے رینا کی طرف ہاتھ انداز کر کھا۔  
”ہوں....!“ جوزف اُسے بخوردیکھتا ہوا بولا۔ ”ہے تو اچھی خاصی۔ کیا قیمت لو گے؟“  
”صرف پانچ سوروپے.... اور ساتھ میں بوڑھامفت....!“  
”بوڑھے کو میں کیا کروں گا۔“ جوزف نے غصیلے لمحے میں کھا۔  
”بھیشت غلام رہے گا۔“

”نہیں میں مرد نہیں خریدتا۔ عورتیں خریدنا میری ہوں گی ہے۔“  
”تم لوگ کیا بکواس کر رہے ہو....!“ رینا نے بوکھلائے ہوئے لمحے میں پوچھا۔  
”میرا مقدر اچھا تھا کہ تم مفت ہاتھ آگئیں۔ بڑے اچھے پیسے بیالوں گا۔ یہ ناجیریا کی ایک  
ریاست کا ولی ہے.... لڑکیاں خرید کر لے جاتا ہے.... اس طرح لے جائے گا تمہیں کہ کسی کو  
کافلوں کاں خبر نہ ہوگی۔ تم مطمئن رہو۔ ناجیریا برا حسین ملک ہے۔“



پہلی بار عمران نے لڑکی کے چہرے پر سر اسیگی کے آثار دیکھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ  
خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی ہو۔ کبھی وہ عمران کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی بوڑھے کی طرف  
جس کے جسم میں حرکت پیدا ہو چکی تھی۔

”ست.... تم کیا بک رہے ہو....!“ لڑکی ہکلائی۔  
عمران نے اس طرف توجہ دیئے بغیر جوزف سے کہا۔ ”یا امیر.... یہ لڑکی بہت شوخ اور  
نٹ کھٹ ہے۔ آہستہ راہ پر آجائے گی۔“

جوزف نے بڑی فراغ دلی سے دانت نکال دیئے اور بولا۔ ”راہ پر لانے کے لئے ہم چڑے کا  
چاپک استعمال کرتے ہیں... اور اس برتن میں کھانے کو دیتے ہیں جس میں سکتے کھاتے ہیں۔

”ہمیں امید ہے کہ تمہاری پچھلی لڑکوں کی طرح یہ بھی جاندار ثابت ہو گی۔“  
”یقیناً.... یقیناً....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”تو پھر سودا ہو گیا....؟“  
”کیسا سودا....!“ دفتار یورڈا چھل کر بیٹھ گیا۔

”ویکھو کتنا پھر تیلا ہے۔“ عمران بولا۔ ”بہترین خدمت گارثاثابت ہو گا۔“  
”اوہ....!“ بوڑھا چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”میں کہاں ہوں۔“

پھر رینا پر نظر پڑتے ہی اس کی طرف جھپٹا۔

”اے....!“ جوزف غرایا۔ ”بچھے ہو... تم کیا کرنا چاہتے ہو۔“  
”تم کون ہو....!“ بوڑھے نے حرمت آمیز لمحے میں کہا۔

”خاموش رہو۔“ جوزف کا لہجہ بے حد ڈراماتھ۔

پھر بوڑھے نے عمران کی طرف دیکھا اور اچھل پڑا چند لمحے اُسے گھورتے رہنے کے بعد  
گھونسہ دکھا کر کھا۔ ”میں تمہیں خاک میں ملا دوں گا۔“  
”ؤیڈی....!“ رینا رہا نہیں ہو کر بولی۔ ”اس نے ہم دونوں کو اس جبشی کے ہاتھ فروخت  
کر دیا ہے۔“

”لڑکی شامت آئی ہے۔“ جوزف غرایا۔ ”ہمارے مرتبہ کا خیال رکھ....!“  
”کیا یہ بھیج کرہ رہی ہے۔“ بوڑھے نے عمران سے پوچھا۔

”بالکل....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”رینا کے پانچ سو ملے ہیں اور تم مفت دیئے جا رہے ہو۔“  
”میں پچھلے پولیس کو مطلع کر دوں گا۔“ بوڑھا دروازے کی طرف بڑھا لیکن دو طالزم  
راتستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔

”میں تم سکھوں کو جنم میں پہنچا دوں گا۔“ بوڑھا حلقوں پھاڑ کر دھاڑا اور عمران نے جوزف سے  
کہا۔ ”اس سے زیادہ نہیں بچ سکتا۔ بس یہ آواز کا آخری جنم ہے۔“

”ہم اسے اپنے گدھوں اور اونٹوں کی غرائی پر لگا میں کے۔“ جوزف نے خوش ہو کر اہما۔  
بوڑھا اور زیادہ جیختنے لگا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس پر کسی قسم کا دورہ پڑ گیا ہو۔

”اے بوڑھے شور نہ مچاؤ۔“ عمران نے تحکمان لمحے میں کہا۔ جوزف بڑی شاندار ایکنگ کر رہا  
تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس دفعے پر بہت زیادہ متغیر ہو۔ دفتار دروازے کے قریب والے  
سوچ بوڑھ پر ایک نحاس سرخ رنگ کا بلب روشن ہو گیا اور عمران نے جوزف سے کہا۔ ”آپ تینیں

تشریف رکھئے میں ابھی حاضر ہو۔ جوزف نے سرہلا کر گویا اسے جانے کی اجازت دی۔ عمران عمارت کے اس مخصوص کرے میں آیا جہاں سے لائلی پیغام رسائی ہوتی تھی۔ وہ بلب دراصل اسی لئے روشن ہوا تھا۔ ٹرانسیمیٹر پر کسی کا پیغام تھا۔

ٹرانسیمیٹر کے قریب پہنچ کر عمران نے آواز کا جنم کسی قدر بڑھایا۔ کوئی کہہ رہا تھا۔ ”بیلو... بیلو... ایکس ٹو پلینز...!“

”بیلو... ایکس ٹو اسپینگ...!“ عمران نے ایکس ٹو کی مخصوص آواز میں کہا۔

”حالات بہتر ہیں... عمارت کی گمراہی نہیں ہو رہی۔“

”اس کے باوجود تم گمراہی جاری رکھو گے۔“ عمران نے کہا۔

”بہت بہتر جناب۔“

عمران پھر ڈرائیور دم میں واپس آگیا۔ بوڑھادونوں ہاتھوں سے سر تھاے فرش پر اکڑوں بیٹھا اور جوزف کہہ رہا تھا۔ ”تم کیسے گنوار ہو۔ قاعدے سے بیٹھو! یہ یورپ والے ہوتے ہی ہیں جنگی...!“

”اور تم جبھی خبیث...!“ بوڑھا چھل کر بولا۔ ”تم خود کو مہذب سمجھنے لگے ہو۔“

”ہم ہمیشہ سے مہذب رہے ہیں۔“ جوزف نے تن کر کہا۔ ”فلکسیمیر کو لکھنا کس نے سکھایا تھا جیشوں نے...!“

”تم جھوٹے ہو... کبواس کر رہے ہو۔“ بوڑھا مکاتاں کر بولا۔

رینا خاموش تھی اور اس کے چہرے پر اب بیزاری کے آثار نظر آرہے تھے۔ اس نے عمران کی طرف دیکھا اور نہ اسامنہ بنائے ہوئے دوسرا طرف دیکھنے لگی۔

جوزف نے عمران سے کہا۔ ”میں اس بد تیز بوڑھے کو نہیں لوں گا۔ لڑکی کو لے جا رہا ہوں۔“

”دونوں جائیں گے...!“ عمران سرہلا کر بولا۔ ”صرف بوڑھا میرے کس کام کا... اسے کون خریدے گا... لڑکی کے ساتھ تو کوئی بھی لے جائے گا۔“

”اے اے... تم کیا کر رہے ہو...“ بوڑھے نے دانت پیس کر عمران سے کہا۔

”میرا پیشہ یہی ہے بوڑھے آدمی... خواتینوں غصہ نہ کرو۔“

”اے تمہارا داماغ خراب ہو گیا۔“ بوڑھا طلق پھاڑ کر چینا اور اسے کھانیاں آنے لگیں۔

”کیوں پریشان کر رہے ہو۔“ رینا منمننا تی۔

”لیا یہ اس طرح بولتی ہے۔“ جوزف نے غصیل آواز میں پوچھا۔

”یہ ہر طرح بول سکتی ہے۔“ عمران نے کہا۔ ”جی خوش ہو جائے گا۔“

پھر عمران نے کسی نہ کسی طرح جوزف کو اس امر پر آمادہ کیا کہ وہ بوڑھے کو بھی اپنے ساتھ لے جائے۔ ”مگر لے کیے جاؤ گے۔“ عمران نے تشویش کن لمحے میں کہا۔

”کہیں یہ راستے میں شور نہ مچا دیں۔“

”اے یہ پہلو کر کے لے جاؤں گا۔“ جوزف نے اپنے لبادے کے اندر سے ایک ہانپہ ڈریک سرخ نکالتے ہوئے کہا جس میں کوئی سیال مادہ بھرا ہوا تھا۔

”نہیں نہیں...!“ رینا چینختے گئی۔ بوڑھا بھی بُری طرح شور چاہا تھا۔

”تو تم نہیں چاہتیں کہ میں تمہیں اس جبھی کے ہاتھ فروخت کروں۔“ عمران نے پوچھا۔

”نہیں نہیں۔“

”اچھا تو پھر بتاؤ کہ کس نے تمہیں میرے پیچھے لگایا ہے۔ اگر تم نے حق تباہیا تو میں اپنے ارادے سے باز آ جاؤں گا۔“

رینا بوڑھے کی طرف دیکھنے لگی اور بوڑھے نے آنکھیں نکالیں۔ ”دفعہ عمران غرمیا۔“ اے تم اپا مند دیوار کی طرف پھیڑ لو۔“

”نہیں پھیڑوں گا...!“ بوڑھے نے کلکھنے انداز میں کہا۔

عمران نے گھنٹی کا بن دیا دو دلائل اور ملازم اندر آئے۔ عمران نے ان سے کہا۔ ”بوڑھے کو دوسرے کمرے میں لے جاؤ۔“

ملازم اسے دھکے دیتے ہوئے کمرے سے نکال لے گئے۔ رینا کا چہرہ دھواں ہوا۔ اس نے عمران کی طرف دیکھا اور نہ اسامنہ بنائے ہوئے دوسرا طرف دیکھنے لگی۔

”بولو...! میرے پاس وقت کم ہے۔“ عمران نے گھری پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

”میں نے اسے آج تک نہیں دیکھا۔“ رینا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”پھر اس کے لئے کام کیسے کرتی ہو۔“

”بس ہمیں احکامات مل جاتے ہیں۔ کافی بڑی تجوہ ملتی ہے۔“

”تجوہ کس طرح ملتی ہے۔“

”اپنے چیف کے ذریعے...!“

”اوه... تو وہ چیف کہاں ہے۔“

”تم بتاؤ.... وہ اسکلکر کون ہے....!“ عمران نے پوچھا۔  
 ”پتہ نہیں تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ یہ لڑکی پاگل ہے.... کیا اس نے تمہیں کوئی حرمت  
 انگیز کہانی سنائی ہے۔ جاگتے میں بھی خواب دیکھتی رہتی ہے۔“  
 ”بوزٹھے.... میں بہت بے رحم ہوں۔“ عمران غریباً۔  
 ”ہوا کرو.... مجھے کیا؟“ بوزٹھے نے لاپرواٹی سے شانوں کو جنبش دی۔  
 ”اس کی ہڈیاں توڑ دو....!“ عمران نے جوزف سے کہا اور جوزف نے اپنالبادہ اتار کر ایک  
 طرف اچھال دیا۔ پھر بڑھ کر بوزٹھے کی کمر کو تھام لیا اور اُسے سر سے اوپر اٹھاتا ہوا بول۔  
 ”کدھر پتوں بس....!“  
 بوزٹھا حلٹ پھاڑنے لگا.... عمران جواب میں کچھ کہنے لی والا تھا کہ سوچ بورڈ پر سرخ رنگ کا  
 بلب پھر روشن ہو گیا۔ اس نے جوزف سے کہا۔ ”ابھی ٹھہر اور اس کرے کی طرف روانہ ہو گیا  
 جہاں ٹرانسیمیٹر تھا۔



اس بار اسے کوڈرڈ میں بلیک زرید کا پیغام ملا جس نے کہا تھا۔ ”اس وقت چھانک کے قریب ایک  
 دبلا پتلا اور لمبا آدمی دیکھا جا رہا ہے.... ہو سکتا ہے... ہمارے پیغامات کی اور نے بھی سنے  
 ہوں... آپ نے گاڑی سے اپنے پیغامات میں عمارت کا نام بھی لیا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے...؟“  
 عمران نے سوچا کیا کہ ان کا تعاقب نہیں کیا تھا پھر یہاں چھانک پر کسی کی موجودگی اسی پر  
 دلالت ہو سکتی ہے کہ ان کے پیغامات کی اور نے نہیں تھے.... اور یہ ناممکن بھی نہیں تھا۔ اس  
 نے کوڈرڈ میں بلیک زرید سے کہا کہ اس آدمی کی گلگرانی اس طرح کی جائے کہ اُسے اُس کا شہر  
 نہ ہو سکے۔

وہ پھر ڈرائیور ٹینر بری طرح کا پر رہی تھی۔  
 دھمکیاں دے رہا تھا اور ٹینر بری طرح کا پر رہی تھی۔

”کیا تم زبان نہیں کھولو گے۔“ عمران نے بوزٹھے سے کہا۔  
 ”میں نہیں جانتا کہ اس نامعقول لڑکی سے تم سے یا کہہ دیتے۔“  
 عمران نے جو کچھ رینا سے معلوم کیا تھا درہ رانے لگا۔ بوزٹھا تسلیخ آمیز مسکرات کے ساتھ

”یہ نہیں جانتی۔ دیے کسی ہوٹل میں مقام ہے۔ چینی ہے اور فونی کہلاتا ہے۔“  
 ”فوہی....!“ عمران کی بھنوں سکر نگنس اور اس نے اس سے فونی کا حلیہ بیان کیا جو مادام  
 نشی کا کے ساتھ دیکھا گیا تھا۔

”ہاں یہ اُسی شخص کا حلیہ ہو سکتا ہے۔“ رینا نے کہا۔  
 ”دادو کون ہے....؟“ عمران نے پوچھا۔  
 ”میں نہیں جانتی....!“

”اُس دبیکی کو بھی میں تم کیسے پہنچی تھیں....!“  
 ”ہمارے آدمیوں میں سے ایک نے پہنچا گیا تھا۔“  
 ”کیا یہ بوزٹھا آدمی تمہارا باپ ہے۔“

”نہیں یہ میری ہی طرح ملازم ہے۔ لیکن وہ بھی شاندہنہ بتا سکے کہ ہمارا باس کون ہے۔“  
 ”مادام نشی کا کا کیا حصہ تھا۔“  
 ”میں کسی مادام نشی کا کو نہیں جانتی تھی جو کچھ مجھے سکھایا گیا تھا میں نے دھرا دیا تھا۔“  
 ”کیا خیال ہے۔ وہ عورت جسے تم نے مادام نشی کا کے نام سے متعارف کر لیا تھا مجھ نشی کا ہی  
 تھی یا اس پر نشی کا کامیک اپ تھا۔“

”میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکوں گی۔“  
 ”کیا تمہیں علم ہے کہ فونی قتل کر دیا گیا۔“  
 ”قتل.... فونی....!“ اس نے جیرت اور خوف کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”نہیں میں نہیں جانتی۔“  
 ”یہ اسی دن کی بات ہے جب تم مجھے لے بھائی تھیں۔“  
 ”اوہ میرے خدا یہ قتل و خون کیوں....؟“  
 ”کیوں کیا تمہیں کسی بھلائی کی امید تھی۔“

”میں کچھ نہیں جانتی؟“ وہ اپنی پیشانی مسلی ہوئی۔ گھنٹی گھنٹی سی آواز میں بوی۔ ”میں تو یہ  
 بھجتی تھی کہ میں ایک میں لا اقوای اسکلکر کی طازگہ ہوں۔“  
 ”اوہ ہو....!“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔  
 ”میں کسی کی بھی شاندہنہ کر سکوں گی۔ مجھ سے کہا گیا تھا کہ تمہیں الجھائے رکھوں۔“  
 عمران نے پھر گھنٹی بجائی اور ایک ملازم مسرے میں آیا۔ ... عمران نے اس سے کہا کہ بوزٹھے  
 کو اندر لائے کچھ دیر بعد بوزٹھا آیا اور رینا کو خون خوار نظر وہی سے گھوڑا تارہ رہا۔

خنارہ اور عمران کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ ”میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ کوئی بھی ہوئی داستان ہوگی۔ جاسوسی نادلیں پڑھ پڑھ کر اس نے اپنا دماغ خراب کر لیا ہے۔“

”تمہارے مکان میں میں نے ایک ایسی عورت دیکھی تھی جس کی کچھ دیر قبل لاش مل تھی۔“  
”کیا ب تم خوب دیکھنے لگے.....! اس رات تمہاری موجودگی میں وہاں کوئی عورت نہیں آئی تھی۔ میرے یہاں کوئی بھی نہیں آئی۔“

”ان دونوں کو لے جاؤ۔“ عمران نے جوزف سے کہا۔ جوزف دانت نکال کر بوڑھے کی طرف بچپنلا رہانا نے روہانی آواز میں پوچھا۔ ”ہماں لے جاؤ گے۔“  
بوڑھااب مر نے مارنے پر آمادہ ہو گیا۔ جوزف نے بدقت اُسے قابو میں کیا اور وہ دونوں رہانا پلیس کے ایک تہہ خانے میں پہنچا دیے گئے۔

”خوڑی دیر بعد عمران نے بلیک زیر و کوڑا نس میٹر کے ذریعہ مخاطب کر کے کوڈ وڑ میں پوچھا۔ ”اب کیا کیفیت ہے۔“

”وہ دبلا پلا آدمی عمارت کے آس پاس منڈلا رہا ہے۔“

”ٹھیک ہے اس پر نظر رکھو۔ جہاں جائے تعاقب کرو۔ اگر کسی عمارت میں داخل ہو تو عمارت کی بھی مگر انی کی جائے بہر حال وہ کسی طرح بھی نظر سے او جمل نہ ہونے پائے۔“

”اوے کے چیف.....!“ دوسری طرف سے کہا گیا۔

عمران نے ٹرانس میٹر کے پاس سے ہٹ کر ایک الماری کھولی۔۔۔ یہاں کئی شولڈر ہو لش رکھے ہوئے تھے۔ ایک ہو لش سے روپور نکال کر اس نے جائزہ لیا اور دوبارہ ہو لش میں رکھ کر کوٹ اتارا اور ہو لش کے اسڑیپ شانے پر ڈال کر کوٹ پھر پہن لیا۔ ہو لش اس کی بائیں بغل کے نیچے چھپ کر رہ گیا تھا۔

کیپشن فیاض کے شکاری کتوں سے بھی مذہبیہ ہو جانے کے امکانات تھے اس لئے وہ بہت زیادہ محاط رہنا چاہتا تھا۔ اگر انپکٹر زیدی کو جل دے کر نکل نہ آیا ہوتا تو خیر کوئی بات نہ تھی۔ اس تو فیاض نے شاید سارے تھانوں کو بھی باخبر کر دیا ہو۔ پتہ نہیں یہ بات تج بھی تھی یا نہیں کہ اس بوڑھے کا کیس وزارت خارجہ کی وساطت سے اس تک پہنچا تھا۔

بہر حال روانگی سے پہلے عمران نے فون پر کیپشن فیاض کے نمبر ڈائل کیے۔ دوسری طرف فیاض ہی نے کال ریسیو کی تھی اور عمران کی آواز سن کر بھر کے اخراج تھا۔

”کیپشن فیاض!“ عمران نے ماذھ بھیں میں کہا۔ ”میری یہ نصیحت غور سے سنو! ایسے موقع پر

ہمیشہ مجھ سے دور رہنے کی کوشش کیا کر دیجہ مجھ پر کسی لڑکی کے اغوا کا لزام عائد کیا جا رہا ہو۔“

”تم کہاں سے بول رہے ہو۔ بہتر ہے کہ مجھ سے ملو..... ورنہ....!“

”بہر کہتا ہوں کہ اس معاملے میں خاموشی اختیار کرو.....!“ عمران نے کہا۔

”بوڑھا کہاں ہے؟“

”میں نے تمہارے کسی سوال کا جواب دینے کے لئے فون نہیں کیا....!“

”سن تو کسی.....!“

”کہو..... میرے پاس وقت کم ہے۔“ عمران نے کہا۔

”فونی کا کوئی ہاصل باطر ریکارڈ نہیں مل سکا۔“

”نئی کا کے متعلق بھی کچھ معلوم ہو سکا۔“

”بس اسی قدر کہ وہ فونی کے ساتھ ان دونوں بہت زیادہ دیکھی گئی تھی۔“

”میرے لئے پرانی اطلاع ہے۔“ عمران نے کہا اور سلسلہ متعلق کر دیا۔

اب وہ باہر جا رہا تھا۔۔۔ چالک پر رک کر اس نے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ جس مشتبہ آدمی کے متعلق ٹرانس میٹر پر معلوم ہوا تھا کہیں نہ کھائی دیا۔

وہ چند لمحے و پیش کھڑا ادھر اور ڈھنپنی میں رہے اس بارہہ اس خیال کے تحت باہر نہیں نکلا تھا کہ خیال رکھتا تھا کہ اس کا چھوڑ دشمن ہی میں رہے اس بارہہ اس خیال کے تحت باہر نہیں نکلا تھا کہ خاموشی سے چھپ چھپا کر کام نکالے گا بلکہ وہ تو اپنے نادیدہ حریقوں اور کیپشن فیاض دونوں کے لئے چلتی ہے۔ کچھ دور چلنے کے بعد یہکہ یہکہ دسڑک چھوڑ کر ایک گلی میں داخل ہو گیا۔۔۔ اور یہ گلی اسے رانپلیس کے عقبی پارک تک لے آئی۔

ہاردن طرف سناتا تھا۔ عمران درختوں کے ایک جنین کے درمیان رک گیا۔ نظر عمارت کی عقبی دیواروں پر تھی۔

دفعتا تاروں کی چھاؤں میں ایک تحرک سایہ دکھائی دیا جو بڑی اعتیاق سے عمارت کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں عمران زمین پر تھا۔۔۔ اور پھر وہ بھی کہیوں کے مل کھلکھلتا ہوا عمارت کی طرف بڑھتا رہا تھا۔

اس طرح کچھ دو۔ ہی پہنچا ہم گاہ کر دفعتا قیامت نوٹی۔ ایسا محسوس ہے ایک پوری فوج نے اس پر چھاپہ مارا ہو۔۔۔ کوشش یہی کی گئی تھی کہ وہ ہاتھ پھر بھی نہ ہلا سکے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں ایک آدمی کے حلقو سے کریہہ سی چیز نکلی اور وہ اچھل کر دوڑ جا گرا۔ دوسرے شاہد اپنے

”زیادہ باتیں نہ کرو۔“ عمران ہاتھ انٹا کر بولا۔ ”تھکان بڑھ جائے گی۔“

پھر اس نے ایک ملازم سے شراب لانے کو کہا۔ اس دوران میں وہ اس سے اس کی طبیعت کے متعلق ہی استفسار کرتا رہا۔ ... شراب آئی اور اس آدمی کی طرف بڑھا دی گئی اور عمران اُس سے بے تعلق سا نظر آنے لگا۔ گلاس خالی کر کے اُس نے چند حیائی ہوئی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں کہاں ہوں۔“

”ان لوگوں کے درمیان تو ہرگز نہیں ہو سکتے جن کے ساتھ یہاں تک آئے تھے۔“

”اوہ....! اُس کی آنکھوں سے پھر خوف جھانکنے لگا۔“

عمران خاموشی سے اس کے چہرے پر نظر جائے رہا۔

”پھر اب میرا کیا ہو گا؟“ اس نے بوکھلائے ہوئے لبجھ میں پوچھا۔

”شادی ہو پہنچی ہے؟“

”نہیں....!“

”اگر پسند کرو تو شادی کرو ادی جائے۔“

اس کی نہیں سے بھی خوف متربع تھا۔ ... عمران اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ”میں وہی آدمی ہوں جسے تم لوگ گھیرے رکھنے کی کوشش کرتے ہو۔“

وہ اچھل پڑا۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے جسم میں رعشہ پڑ گیا ہو۔

”مم.... میں مجبور تھا.... جو کچھ کہا جاتا ہے کرنا پڑتا ہے۔“

”کون کہتا ہے....؟“

”ہمیں دوستی ایک آدمی سے احکامات ملتے ہیں۔“

”محجے کیوں گھیرا جا رہا ہے۔“

”رنگ کل نوبجے تک آپ کو الجھائے رکھا جائے گا۔“

”کیوں....؟“

”وہ چاہتے ہیں کہ کوئی آدمی کل نوبجے والے جہاز سے روانہ ہو جائے اور آپ اس تک نہ پہنچ سکیں.... اس کے بعد آپ کی طرف سے قطعی طور پر توجہ ہٹالی جائے گی۔“

سامنگی کی جیجن کر ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ بس پھر اسے ان کی گرفت سے نکل جانے کا موقع مل گیا۔ اس کے بعد وہ بھوکے بھیڑیے کی طرح ان پر نوتا ہے تو پھر شاید ہی کوئی ایسا بچا ہو جس نے جسم کے کیا نہ کسی حصے پر گہری چوٹ بنہ کھائی ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بھاگ نکلے اور پھر عمران زمین سے چپک کر رہا گیا۔ ان حملہ آوروں کا انداز بھی ایسا ہی تھا جیسے اُسے پکڑ لے جانا چاہئے ہوں....! آخر کیوں؟ عمران وہی کے لئے ریختا ہوا سوچ رہا تھا۔ ... کوئی نامعلوم گروہ اسے اس کی صوروفیات سے باز رکھنا چاہتا تھا.... آخر کیوں؟

وہ اب بھی مطمئن نہیں تھا۔ شولڈر ہولٹر سے روایا اور نکال کر دہ انڈھیرے میں آنکھیں چھاڑتا رہا۔ اُسے اپنے ماتحت یاد آئے جنہوں نے عقبی پارک کی طرف آنے کی زحمت گوارہ نہیں کی تھی۔ اس نے سوچا بعض وقت یہ لوگ بھی گدھے ہو کر رہ جاتے ہیں اسے وہ حملہ آور یاد آیا جو جیچ کر دور جا گرا تھا۔ اس نے سوچا وہ یقین طور پر بیہوش ہو گیا ہو گا۔

پھر اب کیا کیا جائے۔ اسے یہاں سے لے جانے کے لئے یقینی طور پر اٹھنا پڑے گا۔ پہلے تو اس نے بھی کوشش کی کہ لیئے ہی لیئے اُسے بھی اپنی پشت پر لادے لیکن ممکن نہ ہوا۔ کیونکہ داہناباڑو نبڑی طرح دکھ رہا تھا۔ کچھ دیر قبل کی جدوجہد میں غالباً چوٹ آئی تھی۔

بالآخر اسے اٹھنا ہی پڑا۔ کسی نہ کسی طرح بیہوش آدمی کو پشت پر لاد کر عمارت کے عقبی حصے کی طرف چل پڑا۔

کچھ دیر بعد وہ پھر رانا چلیس کے ڈرائیور کروم میں نظر آیا۔ بیہوش آدمی صوفے پر پڑا ہوا تھا اور ابھی تک اُسے ہوش نہیں آیا تھا۔ عمران اس کے چہرے پر نظر جائے رہا۔ وہ صورت سے مہذب معلوم ہو تا تھا۔ خدو خال کی ہناؤت کے اعتبار سے رحم دل بھی ہو سکتا تھا۔ عمر تیس اور چالیس کے درمیان رہی ہو گی۔

رانا چلیس کے ایک ملازم نے جو فی الواقعیت ایک سند یافتہ ڈاکٹر تھا اسے کسی قسم کا انگلشن دیا اور پچھہ دیر بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ سہے ہوئے انداز میں چاروں طرف نظر دوڑانے کی کوشش میں اور پھر انہوں نے بیٹھا۔

عمران خاموشی سے اس کے چہرے پر نظر جائے رہا۔ بڑی دیر تک کمرے کی فضا پر بوجھل سا سکوت طاری رہا۔ پھر عمران نے اسکے کھلارنے کی آواز سنی اسکی آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔

”کیا تم ایک پیگ لینا پسند کرو گے؟“ عمران نے بڑے نرم لبجھ میں پوچھا۔

”اوہ.... نج.... جی ہاں.... م..... مگر....!“



عمران اسے گھوڑا تراہا... وہ خاموش ہو کر ہوتھوں پر زبان پھیر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا "لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ آدمی ہے کون۔"

"تو بے صبح... کل نوبجے صبح...!" عمران بڑبڑا تاہو افون کی طرف بڑھا... ایئر پورٹ کی انگوڑی کے نمبر ڈائیکل کے اور صبح نوبجے والی فلاٹ کے متعلق پوچھا جواب میں کہا گیا کہ فلاٹ لندن کے لئے ہے۔ رسیور رکھ کر وہ پھر اس آدمی کی طرف مڑا۔

"تم کہاں رہتے ہو۔"

"اگر آپ میرے بارے میں تفصیل معلوم کئے بغیر چھوڑ دیتے تو اچھا تھا۔"

"چلو میں تمہارے متعلق تم سے کچھ نہ پوچھوں گا... لیکن اتنا تو یہی دو کہ ان لوگوں کے لئے کب سے کام کر رہے ہوں۔"

"زیادہ دن نہیں ہوئے چیزوں کے لئے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔"

"مثال کے طور پر...؟"

"آپ اپنا ہی معاملہ لے لجھے...!"

"تو تم صرف میرے لئے ملازم رکھ کر گئے تھے۔"

"بھی نہیں! پہلے دوسرے کام کر تارہا ہوں۔"

"مثلاً...!"

"میرے ذمہ زیادہ تر لوگوں کی مگر انی کا کام ہے۔"

"کس قسم کے لوگوں کی مگر انی۔"

"مجھے صرف ان کی نقل و حرکت کی روپورنگ کرنی ہوتی ہے۔ میں یہ جانے کی کوشش ہی نہیں کرتا کہ وہ کون ہیں۔"

عمران تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "اس کے علاوہ اور کیا کرتے ہو۔"

"ایک چھوٹی سی دوکان کا مالک ہوں۔"

"کیا بیچتے ہو...!"

"سیشنری...!"

"ان لوگوں سے یہی ملاقات ہو گئی تھی۔"

"یہ نہ پوچھئے...!"

"اچھی بات ہے....!" عمران نے سعادت مندانہ انداز میں کہا اور انھوں کراس کر کے میں آیا جہاں تا نسمیر تھا۔ کچھ دیر بعد بیک زیرو سے رابطہ قائم ہو سکا جس نے بتایا کہ خاور اور صدر اُس دلبے پتلے آدمی کا تعاقب کر رہے ہیں۔

"اُسے جہنم میں جھوکو...!" عمران نے کوڑ ورڈ میں کہا۔ "کل صبح نوبجے والی فلاٹ کے مسافروں کی نہ صرف لست مہیا کرو بلکہ ان کے متعلق معلومات بھی فراہم کرو۔ اس کام کے لئے صرف دو گھنٹے کا وقت دیا جا سکتا ہے۔"

وہ پھر ڈرائیورگ روم میں واپس آیا۔ قیدی مضطرب نظر آ رہا تھا۔ عمران اُس کے سامنے والی کرسی پر خاموشی سے بیٹھ گیا۔

"پھر جتاب میرے لئے کیا حکم ہے۔" اس نے پوچھا۔

"کیا تم میں سے ہر ایک کو میرے گھیرے جانے کی وجہ کا علم ہے؟"

"چھ نہیں۔"

"تمہیں کیسے علم ہوا تھا؟"

"داور نے ایک بوڑھے یورپین کو وجہ ہتائی تھی میں موجود تھا۔ داور سمجھتا ہے کہ میں انگریزی سے تابلد ہوں۔ میں ظاہر بھی یہی کرتا ہوں....؟"

"کیوں ظاہر کرتے ہو....!"

"شائد اسی طرح معلوم کر سکوں کہ یہ لوگ کون ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟"

"تم نہیں جانتے؟"

"نہیں جناب۔"

"بھی ان کا ساتھ چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟"

"وہ پیسے جو معمولی محنت سے ہاتھ آئیں کیسے چھوڑے جا سکتے ہیں۔"

"خصوصاً اس وقت کی محنت تو معمولی سے بھی کترین تھی....!" عمران نے مسکرا کر کہا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ....!"

"اکثر بے خودی میں ایسا بھی ہو جاتا ہے....!" عمران نے احتجانہ انداز میں کہا۔

"میں یہ بھی نہیں جانتا کہ آپ کون ہیں.... اور وہ کیوں نہیں چاہتے کہ آپ کسی آدمی سے نہ مل سکیں۔"

عمران نے ایک ملازم سے جوزف کو بلوایا اور اس سے کہا کہ اسے بھی دیں پہنچادے جہاں وہ دونوں قیدی ہیں۔

”رحم کبھی جتاب.... میں عرض کر رہا ہوں.... سننے تو.... میری بھی سن لیجئے۔“ وہ کہتا رہا اور جوزف اسے دھکے دیتا ہوا ذرا انگر ردم سے نکال لے گیا۔

عمران تھوڑی دیر تک خاموش بیخارا پھر ذرا نسیم دالے کرے میں آیا۔... بلیک زیر دے رابطہ قائم کرتا چاہا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ کچھ دیر مزید انتظار کے بعد وہ اس کرے سے نکل کر بیر ونی برآمدے میں آیا۔

یہاں جوزف تھا کھڑا انہیں میں گھور رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ اس طرح آنکھیں بیچ لیتا جیسے وہ گرد و غبار کے ریلے کی زد پر آگئی ہوں۔

”یہ کیا ہو رہا ہے شب تار کے بچے....!“ عمران نے پوچھا اور جوزف اس طرح اچھل پڑا جیسے کسی نے سر پر لٹھ رسید کر دیا ہو۔ پھر وہ کھیانے انداز میں ہنس کر بولا۔ ”کچھ نہیں باس جب آنکھیں بند کرنا ہوں تو ایسا لگتا ہے جیسے کئی بو تلیں ایک پتین سایا کرنا چاہی ہوں۔“

”کیا اب تم جھوٹ بھی بولنے لگے ہو....!“ عمران نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

”تم کہہ رہے تھے کہ تمہیں شراب نہیں ملی۔ یہاں ہے ہی نہیں۔ ابھی میں نے تیرے قیدی کے لئے برائی ملگوائی تھی.... راشد لایا تھا۔“

”اوہ راشد....!“ جوزف مٹھیاں بھیجن کر غرایا۔ ”وہ گدھے کا پچ.... مجھے پچ سمجھتا ہے۔“

”کیوں....؟“

”میں نے ماگی تھی کہنے لਾ صرف طبی ضروریات کے لئے تھوڑی سی پڑی ہے۔ پینے کے لئے نہ مل سکے گی۔ جوزف کے لئے بھی تو وہ طبی ضرورت ہی ہے۔“

”ابھی ان بد بختوں نے اتنی طب نہیں پڑھی۔“

”پھر میں کیا کروں جاں....!“

”ٹھرا چلے گی....!“ عمران نے پوچھا۔

”میں وہاں تارس کے مقابلے میں اسے گرے ڈالی کہتا ہوں... ضرور چلے گی جاں....!“

”ابھی مل گوئے دیتا ہوں۔ اچھا ہی بتاؤ تیرے۔ قیدی کی کوہ کیچھ عمران کی کیا کیفیت ہوئی تھی۔“

”میرا خیال ہے جاں وہ بھی پیتے ہیں۔ ابھی تھوڑی سی پلا دو سب کچھ اگل دین گے۔“

”اندر جاؤ۔ تمہے خانے کے راستے کی نگرانی خود کرو گے.... سمجھے۔“

”نگران میں تو منی کا ذہر ہو رہا ہوں بس۔ پھر وہ کے بغیر گاڑی نہیں چلتی۔“

”کہہ چکا ہوں ابھی ملگوادوں کا۔“ عمران غرایا۔ ”اندر جاؤ۔“

استے میں ایک ملازم نے اطلاع دی کہ ذرا انگر روم کے سوچ بورڈ پر سرخ بلب روشن ہو گیا ہے۔ عمران تیزی سے ٹرانس میٹرو والے کرے کی طرف آیا۔

دوسری طرف سے بلیک زیر دے درپے ”ہیلو“ کہے جا رہا تھا۔... عمران کے جواب پر کوڈ ورڈ میں بولا۔

”وہ تعاقب کرنے والوں کو جھکائی دے کر لاپتہ ہو گیا۔“

”کوئی اچھی خبر بھی نہ ادا۔“ عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”مسافروں کی لست حاصل کر لی گئی ہے۔ تھوڑی دیر بعد آپ کو ان کے متعلق رپورٹ بھی مل جائے گی۔“

عمران کچھ دیر دیں کھڑا خیالات میں گم رہا۔... پھر باہر آکر جوزف کو طلب کیا۔

”تیرے قیدی کو لاوے....!“ اُس نے اس سے کہا۔

”باس تمن ہی تو ہیں ہر قیدی تیرا ہو سکتا ہے۔“

”اچھا....!“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔ ”اب مجھے منطق پڑھائے گا۔“

”کیا کروں جاں ابھی تک نہیں ملی....!“ وہ جماں لے کر بولا۔ ”تم خود ہی بتاؤ میں آدمیوں کی طرح کیسے سوچ سکتا ہوں۔“

”اُس قیدی کو لاوے ہے بعد میں لے گئے تھے۔“

”میں تمہے خانے میں نہیں جاؤں گا۔“ جوزف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”یہاں...؟“ عمران نے آنکھیں نکالیں۔

”میری طرف دیکھ کر مسکراتی ہے....؟“

”اچھا تو پھر...!“

”تو گویا یہ کوئی بات ہی نہیں ہے۔“ جوزف روہاں ہو کر بولا۔

”اچھا تو ہی بتا کیا خاص بات ہے میری سمجھ میں تو نہیں آتا۔“

”کوئی حورت تمہیں دیکھ کر مسکراتے تو تم کیسی سمجھو گے جاں....!“

”خود کو سکندر اعظم سمجھنے لگوں گا۔“

”میں مجبور ہوں بس۔!“ جوزف نے غصیلی آواز میں کہا۔  
”تو اس کی طرف دیکھتا ہی کیوں ہے۔“

”کیوں نہ دیکھوں۔ کیا اس کتیا کی پنچ سے ڈرتا ہوں۔“

”جوزف... اُسے یہاں لاو۔... ورنہ تیر اپنے اتوڑوں گا۔“ عمران مکاتاں کر بولا۔

”زبردستی کی بات دوسرا ہے۔“ جوزف بڑا ہاتا ہوا چلا گیا۔

”پھر دیر بعد وہ تیر سے قیدی کو دھکیتا ہوا دہان لایا۔ شانک سارا غصہ اسی پر انتارا تھا کیونکہ وہ بے حد سہما ہوا نظر آ رہا تھا۔

”تم نے پہچانا اس بوڑھے کو دی ہے تا جس سے داور نے میرے متعلق گفتگو کی تھی۔“  
عمران نے پوچھا۔

”جج... جی ہاں دعی ہے۔“

”اور وہ کبھی تم سے اچھی طرح واقف ہے۔“

”میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ مجھے دیکھ کر اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوا تھا۔ بالکل اجنبیوں کے سے انداز میں دیکھا تھا میری طرف...!“  
”اس لڑکی کو جانتے ہو۔“

”جی نہیں...!“

”تو یہ بوڑھا... داور سے واقف ہے۔“

”جی ہاں... میرا خیال ہے کہ داور اسے سب کچھ بتا دیتا ہے۔“  
دفعتہ فون کی گھٹنی بھی اور عمران نے رسیور اخالیا۔ دوسرا طرف سے خادر بول رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ”جولیا غائب ہے... پڑوسیوں کا بیان ہے کہ اُسے زبردستی لے جایا گیا ہے۔“

”تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں...!“ عمران نے جواب دیا۔

”میں نہیں جانتا مجھے ایکس ٹو سے بھی ہدایت ملی تھی کہ اس نمبر پر رنگ کر کے آپکو اطلاع دوں۔“

”مل گئی اطلاع...!“ عمران نے ٹرما سامنہ بنا کر کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ لیکن اس کی پیشانی پر غنیمیں ابھر آئی تھیں۔

”وہ سوچ رہا تھا۔ یہ بھی اسی لئے ہوا ہے کہ میں اس عمارت سے باہر قدم نکالوں اس حملے کی ہاتھی کے بعد انہوں نے یہ قدم اٹھایا۔

”اُسے لے جاؤ...!“ عمران نے جوزف سے کہا اور وہ پھر اس قیدی کو دھکیتا ہوا باہر نکال لے گیا۔ اس بار عمران بھی دروازے تک آیا اور جوزف کو دوبارہ مخاطب کر کے کہا۔ ”اب کے اس بوڑھے کو لاتا۔“

فون کی گھٹنی پھر بھی اور دوسرا طرف سے بلیک زیر و کی آواز آئی۔ ”جو لیا آپ سے گفتگو کرنا چاہتی ہے... اس نے ایکس ٹو کے نمبر پر رنگ کیا تھا میں نے اسے رانا پبلیس کا نمبر دے دیا ہے۔“  
”کیا تم نے اس سے بھیت ایکس ٹو گفتگو کی تھی۔“

”جی ہاں وہ دراصل آپ کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ میرا مطلب ہے عمران کی بھیت سے میں نے بتا دیا کہ آپ کس نمبر پر مل سکتے گے۔“

عمران نے اچھا کہہ کر ڈسکٹ کر دیا۔ جوزف بوڑھے کا ہاتھ پکڑے گھینٹتا ہوا اور انہیں روم کی طرف لارہا تھا۔

اندر پہنچتے ہی بوڑھا چیختے لگا۔ ”یہ کیا ہو رہا ہے... کیوں ہو رہا ہے۔ کیا اس ملک میں شریفوں کی عزت محفوظ نہیں ہے۔“

”شریفوں کی عزت تو بے حد محفوظ ہے۔ تم صرف اپنی بات کرو۔“

”کیا مطلب....؟“

”داور کہاں مل سکتے گا؟“

”کوئں داور... میں نہیں جانتا کہ تم کس کی بات کر رہے ہو۔“

فون کی گھٹنی بھی... اور عمران نے بڑھ کر رسیور اخالیا۔ ”ہیلو۔“

دوسرا طرف سے جولیا کی آواز آئی۔ ”عمران مجھے چند تا معلوم لوگ پکڑ لائے ہیں۔“

”بڑے خوش قسمت ہیں۔“ عمران چک کر بولا۔ ”اب وہ نامعلوم نہ رہیں گے۔ غاصی

شہرت ہو گی اس حادثے کی۔“

”سنجدگی سے گفتگو کرو۔“

”ہوں؟ کیا کہنا چاہتی ہو۔“



”تم نے ان کے دو آدمی پکڑ لئے ہیں۔ میری رہائی ان کی رہائی پر مختصر ہے۔“  
”اگر تمہیں رہائی نصیب نہ ہوگی تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔“  
”میں کہہ رہی ہوں سمجھی گی سے گفتگو کرو۔ جو لیا کی آواز غصیل تھی۔  
”ان سے کہو کہ وہ چار دن تمہیں رہانہ کریں....!“  
”کیا بک رہے ہو....!“

”یہی مناسب ہے۔ میں نے جن آدمیوں کو پکڑا ہے کام کے معلوم ہوتے ہیں۔ ایک لڑکی بھی ہے۔“

”اوہ.... میری بات کیوں نہیں سنتے۔“

”تموڑی دیر بعد پھر رنگ کرتا۔“ عمران نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔  
اب وہ پھر بوزھے کی طرف متوجہ ہوا۔

”مجھے کیوں گھیر اجاتا ہے۔“

”تم پہ نہیں کیسی اوث پناغ باتم پوچھ رہے ہو۔ میں کیا جواب دے سکتا ہوں۔“  
”بوزھے میں تمہارا لگا گھونٹ دوں گا۔“

”پولیس پولیس....!“ وہ خوفزدہ انداز میں پیچنے لگا۔

”ایک نہیں چلتے گی۔ میں دیکھوں گا کہ تمہارے آدمی تمہیں یہاں سے کیسے نکل لے جلتے ہیں۔“  
”میرے آدمی۔ میرے آدمی۔ اگر کوئی ہمدرد ہوتا تو تم ایسی حرکت کر سکتے۔ آخر  
چاہیے کیا ہو۔ میں اپنی لڑکی سے دستبردار ہو ہا پسند نہیں کروں گا۔ اس کی شادی بھی کسی ہم قومی  
سے ہوگی۔“

”تم سن رہے ہو۔ بھوتوں کے دیوتا....؟“ عمران نے جوڑ سے پوچھا۔  
”ہاں باس....!“

”یہ اپنی لڑکی کی شادی کسی ہم قوم سے کرے گا۔“

”ہو کیا جھی بات ہے باس۔“

”پھر تیر اکیا ہو گا۔“

”بب.... بس....!“ اس نے حرمت سے منہ کھول دیا۔  
”میں نے فصلہ کر لیا ہے۔“  
”کس بات کا بس....!“

125

”کہ تجھے بھی اس کا ہم قوم بنا کر رکھ دوں....!“  
”ہرگز نہیں باس۔ میں اسے پسند نہیں کروں گا کہ کسی یورپین کو منہ لگاؤ۔ یہ کچے سور  
ہوتے ہیں۔“  
”عورت صرف عورت ہوتی ہے۔ نہ وہ یورپین ہے نہ ایشیائی نہ افریقی نہ امریکی.... نہ  
گوردا سپوری۔“  
”میا دا قی....!“ جوڑ سے حرمت سے پوچھا۔

”اور کیا....؟“  
جوڑ نے اسی طرح تحریر انداز میں بوزھے کی طرف ہاتھ اٹھا کر پوچھا۔ ”یہ عورت ہے؟“  
”تم لوگ میرا مصلحتی ادارے ہے ہو....!“ بوزھا پر ٹھیک کر چکا۔  
”جوڑ اسے اٹھا کر ٹھیک دو اور اس وقت تک مارتے رہو جب تک کہ بالکل مرنے جائے۔“  
جوڑ نے دانت نکال دیے اور آسمان سینتا ہوا اسکی طرف بڑھنے لگا اور بوزھا پیچھے ہنسا ہوا  
بوکھلانے ہوئے لبھے میں کہنے لگا۔ ”دیکھو.... دیکھو.... اچھا نہ ہو گا.... اگر مجھے ہاتھ بھی  
لکھا.... پیچھے ہو.... پیچھے ہو....!“  
لیکن جوڑ نے بلا خراس کی گردن پکڑ دی۔ اور اسے گرا کر چھاتی پر چڑھ بیٹھا۔  
پھلوں کی جیب سے چاقو نکلا۔ اور اس کے کھلنے کی کڑکاہٹ کر کے میں گونج کر رہ گئی۔  
”نہیں نہیں....!“ بوزھا پہنچا اندماز میں پیچا۔  
”پہلے دونوں کان کاٹ دو۔“ عمران نے ہاں کاٹ لگا۔  
”ٹھہر دو.... ٹھہر دو....!“ بوزھا گھٹھیا نے لگا۔ ”مجھے مت مارو.... میں بتا دوں گا تم جو کچھ  
پوچھو گے۔“

”اب کچھ نہیں ہو سکتا۔“ جوڑ غرایا۔  
”اڑے بچاؤ.... بچاؤ....!“  
جوڑ نے چاقو کی نوک گردن پر رکھ دی تھی۔  
”اڑے بتا دوں گا.... بتا دوں گا....!“ وہ بُری طرح بلبانے لگا تھا۔  
”جوڑ چھوڑ دے....!“ عمران نے کہا۔  
”مشکل ہے باس۔ اب میرے سر پر خون سوار ہو چکا ہے.... شکار کے لئے چھوڑا ہوا باز  
شکار کئے بغیر واپس نہیں آتا۔“

”اے خدا کے لئے مجھے بچاؤ...!“ بوڑھا طلق پھاڑ کر چینا۔

عمران نے جوزف کی گردن دبوچی اور اسے اس پر سے اٹھا دی۔

”بب... باب...!“

”یکچھ ہوئے...!“ عمران نے اسے دروازے کی طرف دھکیتے ہوئے کہا۔

بوڑھا انھیں بیٹھا تھا اور دونوں ہاتھوں سے کر دبائے کراہ رہا تھا۔ عمران اس کی طرف مژک خاموشی سے دیکھتا رہا ہے ہی بوڑھے نے سر اٹھایا اس نے پوچھا۔ ”کل نوبجے والی فلاٹ کے بارے میں کچھ بتاؤ۔“

”سب کچھ... اے سب کچھ بتاؤں گا... پانی... طلق میں کاٹنے پڑے گئے ہیں۔“

”پانی...!“ عمران نے جوزف سے کہا۔

”اے نہیں... اس کے ہاتھ کا پانی ہر گز نہ پیوں گا۔ زہر ڈال دے گا۔“

”باسترڈ...!“ جوزف غریباً۔ ”ویسے ہی تیری گردن مردڑ سکتا ہوں... سفید مور۔“

”کسی اور سے پانی لانے کو کہو۔“ عمران نے کہا۔

بوڑھا دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا رہا۔ کچھ دیر بعد پانی کا گاس آیا جسے وہ ایک ہی سانس میں خالی کر گیا۔ پھر کچھ دیر بعد تھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”پوچھو... کیا پوچھنا چاہتے ہو۔“

”نوبجے والی فلاٹ کے بارے میں بتاؤ۔“

”کربی فوستر نامی کوئی آدمی ہے... ہم سے کہا گیا تھا کہ تمہیں اسی وقت تک الجھائے رکھا جائے جب تک وہ یہاں سے چلانے جائے۔ مقصد کا علم کسی کو بھی نہیں۔“

”داور کہاں مل سکے گا۔“

”میں نہیں جانتا کوئی بھی نہ جانتا ہو گا۔“

”تم اس کے لئے کیا کرتے ہو؟“

”حقیقی کام...!“

”کیا مطلب...?“

”آج کل مغل آرٹ پر ریسرچ کر رہا ہوں۔“

”بول!“ عمران اُسے گھوڑا تاہو بولتا۔ ”اے یہ لڑکا۔“

”تجھے مد دیتی ہے۔ میری بڑی نہیں ہے۔“

”لیکن تم نے داور کا آلہ کار بننا کیوں پسند کیا؟ میرا خیال ہے کہ تم اپنے ملک کے ہائی کیشن

کے توسط سے یہاں آئے تھے۔“

”داور میرا دوست ہے۔“

”کتنی پرانی دوستی ہے۔“

”بہت پرانی...!“

”کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ تمہارا ہم قوم ہے؟“

”ہونہہ... وہ چیزی ہے۔ دنیا کی کئی زبانوں پر اس طرح قادر ہے کہ الٰہ زبان کا دھوکا ہوتا ہے۔ اگر وہ تمہاری زبان بولنا شروع کرے تو تم قسمی یہی سمجھو گے کہ وہ تمہارے ہی ملک کا باشندہ ہے۔ چیزیں خدو خالی تمہیں محض اتفاق معلوم ہوں گے۔“

”اس کا ذریعہ معاش کیا ہے۔“

”میں نے کبھی جاننے کی کوشش نہیں کی۔ ضرورت بھی کیا ہے... ویسے وہ ایک علم دوست آدمی ہے فنکاروں کی ہر طرح مدد کرتا ہے۔ اس مالی امداد ہی کی بنا پر میں اپنا کام چلا رہا ہوں۔“

”لیکن اس کی جائے رہائش سے واقف نہیں ہو۔“

”نہیں۔“

”اس کربی فوستر کے متعلق بھی کچھ بتاؤ۔“

”میرے لئے صرف یہ ایک نام ہے... میں اس کی شخصیت سے واقف نہیں ہوں۔ اس کا پتہ بھی نہیں جانتا۔“

عمران تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر کچھ کہنے لی والا تھا کہ نون کی تھنی بھی... اس نے رسیسور اٹھایا۔ دوسرا طرف سے پھر جولیا کی آواز آئی۔ ”عمران یہ لوگ تعدد کی دھمکی دے رہے ہیں۔“

”کون لوگ...؟“

”جنہوں نے مجھے...!“

”اچھا چھا! نہیک ہے۔ لیکن اس تباہی کی صورت کیا ہو گی۔“

”وہ چاہتے ہیں کہ تم ان کے قیدیوں کو ایک بیانی ہوئی جگہ پر بچا دو۔ میں بھی تم کو ہیں مل جاؤں گی۔“

”مولیاں ملوکیاں تھے اچار ڈالوں گا۔ ان سے جگہ کے متعلق پوچھ کر مجھے بتاؤ... اور سنو اگر اس فون کا نمبر بھی مجھے بتا سکو تو؟“

رینا اسے رحم طلب نظر وہ سے دیکھ رہی تھی۔  
 ”ہام... اب تم بتاؤ۔“ عمران اس کی طرف مڑا۔  
 ”مم... میں کچھ نہیں جانتی۔“ وہ ہکلائی۔  
 ”اس کی بینی ہو...؟“  
 ”سک... سیکریٹری...!“ لڑکی روہا نہیں آواز میں بولی۔ اس نے مجھ سے جو کچھ کہا تھا  
 کرتی رہی تھی۔“  
 ”مقصد...؟“  
 ”یقین کرو... مجھے مقصد نہیں معلوم ہو سکا۔ میں کچھ نہیں جانتی۔“  
 ”تمہارے ذمہ کون سے کام ہیں۔“  
 ”تحقیقی کاموں میں مدد دیتا۔“  
 ”اور کیسا آدمی ہے... اس کا حلیہ بتاؤ۔“  
 ”میں نے کبھی دیکھا نہیں صرف نام سنتی ہوں۔“  
 ”کیا وہ حقیقتاً چیز ہے۔“  
 ”نہیں میں اس کی قومیت کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتی۔“  
 ”پہلے تو تم نے کچھ اس قسم کا یاد دیا تھا جیسے داور سے اچھی طرح واقف ہو۔“  
 ”صرف اس حد تک کہ وہ بوڑھے کا دوست ہے... اور بوڑھا اکثر اس کا تذکرہ کرتا رہتا  
 ہے۔ اُسی نے مجھ سے بتایا تھا کہ یہ داور کا کام ہے۔“  
 ”تمہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ مجھے الجھائے رکھنا چاہتا ہے۔“  
 ”نہیں... یقین کرو... میں تمہیں کس طرح یقین دلوں۔“  
 ”جوزف اسے واپس لے جاؤ۔“  
 ”نہیں مجھے چھوڑو... جانے دو... خدا کے لئے۔“ وہ روپڑی۔  
 ”ابھی نہیں...!“ عمران نے تنگ لبھے میں کہا۔ ”جوزف اسے لے جاؤ۔“  
 اس کے جانے کے بعد عمران اپنی پیشانی تپھتھا تاہو اینٹھے گیا۔  
 کچھ ہی بعد فون کی گھنٹی بیجی۔ عمران نے یہ سمع، اخیری، ورنی طرف سے سندھ بے باہم  
 ”آپ کا نیاں دوست ہے۔ وہ پانچوں آدمی اب بھی دوست ہے۔ آس پوس موجود ہیں۔“  
 ”ٹھیک ہے... اسے دہاں سے کسی طرح نکال انتاب۔“

”ہولہ آن کرو...!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ عمران ریسیور کاں سے لگائے پلکشیں  
 چپکاتا رہے۔ دھناؤس نے جولیا کی جیجن سی... اور سلسلہ دوسری طرف سے منقطع ہو گیا۔ عمران  
 نے ٹھنڈی سائلس لے کر ریسیور کریٹیل پر رکھ دیا۔



اُسے یقین تھا کہ اس کی ہدایت پر جولیا نے جمک کر فون کا نمبر دیکھنے کی کوشش کی ہو گی اور  
 کسی نے اس کی گردان دبوچ کر پچھے کھینچ لیا ہو گا۔ یہ جیجن کچھ اسی قسم کی تھی۔ اس نے بوڑھے غیر ملکی  
 کی طرف دیکھا جو دونوں ہاتھوں سے سر تھامے فرش پر اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔  
 ”اُسے لے جاؤ...!“ عمران نے جوزف سے کہا۔ ”اب لڑکی کو لاو۔“

جوزف اُسے کسی بھیڑ یا بکری کی طرح کرے سے ہاک لے گیا اور تھوڑی دیر بعد لڑکی  
 سمیت دوبارہ اندر داخل ہو۔ لڑکی نے چھوٹے ہی عمران پر بر سنا شروع کر دیا۔ خوب خوب جیجن  
 اور عمران اس طرح سر جھکائے ستارہا جیسے کوئی زن مرید شہر خونخوار قسم کی یوں کی حضور میں  
 ”سر تسلیم خم ہے“ کی تفسیر بن کر رہ گیا۔

دھناؤن کی گھنٹی پھر بیجی۔ عمران نے ریسیور انھالیا۔ دوسری طرف صدر تھا۔ اس نے کہا کہ  
 اُس کے پاس نوبجے والی فلاٹ کے مسافروں کی فہرست اور ان کے پتے موجود ہیں۔  
 ”تم صرف کربنی فوستر کے متعلق بتاؤ...!“ عمران نے کہا۔

”کربنی فوستر... جی ہاں اُس کا نام موجود ہے.... بر ازیل کے سفارتخانے کا پریس اتاشی  
 ہے.... وہ بر ازیل واپس جا رہا ہے.... خیال کیا جاتا ہے کہ وہ زبردستی سمجھا جا رہا ہے۔ لیکن اس  
 میں ہماری حکومت کا ہاتھ نہیں یہ زبردستی سفارتخانے ہی کی طرف سے کی جا رہی ہے۔“  
 ”کہاں رہتا ہے۔“ عمران نے پوچھا۔

”سفارت خانے ہی سے ملحقہ ایک عمارت میں۔“  
 ”میرا خیال ہے کہ کچھ نامعلوم آدمی اس عمارت کی گمراہی کر رہے ہوں گے۔“  
 ”آس پاس پانچ آدمی نظر آئے تھے۔ لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اُس کے  
 گمراہ ہی ہوں گے۔“

”دوبارہ چھان میں کر کے تصدیق کر سکتے ہو... یہی کرو اور مجھے اطلاع دو۔“

"میں نہیں سمجھا...!"

"تو بچے والی فلاٹ سے زوائد ہو جانے کی بجائے اسے ہمارے قبضے میں ہونا چاہئے۔"

"کوئی تمہیر ہے آپ کے ذہن میں۔"

"ہے...!" عمران نے کہا۔ "تم سب اس عمارت کے آس پاس میرے منتظر ہو... اور جیسے ہی میری طرف سے کوئی صوتی اشارہ ملے ان پانچوں کو الجھا لو پھر میں سب دیکھ لوں گا۔"

"اشارے کی نوعیت...؟"

"ریڈیو کار سے ہوڑ بجاوں گا۔"

"لیکن ان پانچوں کو الجھایا کیسے جائے گا...!"

"اب سب کچھ میں ہی بتاؤں؟"

"خیر میں دیکھوں گا کہ کیا کر سکتا ہوں... آپ کتنی دیر میں پہنچ رہے ہیں؟"

دفعتا عمران کو جو لیا یاد آئی اور اس نے جلدی سے کہا۔ "ٹھہر و... آدمی گھنے بعد مجھے پھر رنگ کرنا۔ تب بتاؤں گا۔"

وہ سوچ رہا تھا کہ اس سے پہلے جو لیا تھا آئی چاہئے۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ جھنجلا کر اسے ختم ہی کر دیں۔ لیکن جو لیا کی رہائی کا انحصار ان دونوں قیدیوں کی رہائی پر تھا اور ان کی رہائی کے بعد اس پر اسرار آدمی داور کو یقینی طور پر علم ہو جائے گا کہ کربی فوستر کا راز فاش ہو چکا ہے۔ لہذا اس پر ہاتھ ڈالنا بھی مشکل ہو جائے گا۔

پھر کیا کیا جائے۔ وہ سوچتا ہا اور پھر اب وہ جو لیا کی رہائی کے متعلق ان سے کس طرح رابطہ قائم کرے گا۔

اس نے سوچا کیوں نہ بوڑھے کو بلا یا جلایا جائے۔ آخر نے بھی تو کبھی نہ کبھی خود ہی داور سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت پیش آئی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی ایسے میل فون نمبر سے واقف ہو۔ بوڑھے کو طلب کرنے کے لئے جوزف کو بلوانے جاتی رہا تھا کہ ایک نئے خیال نے ذہن میں سر ابھارا۔ ہو سکتا ہے بوڑھا اسے کوئی فون نمبر بتا دیا۔ لیکن اسے انتہا کرنا خطرے سے خالی نہ ہو گا کیونکہ بوڑھا جب اسے داور کے فون نمبر بتا سکتا ہے تو پھر یہ بھی بتا سکتا ہے کہ اس کھیر الگھاری کا مقصد کیا تھا۔ ہو سکتا ہے جو یہ کو پہنچ لے جانے کا مقصد یہی ہو اور معلوم نہ چاہتا ہو کہ بوڑھے نے گرفتاری کے بعد کچھ گل تھیں یا۔

لیکن پھر کیا آتی جائے۔ اگر جو لیا کی رہائی سے پہلے کربی فوستر کے سلطے میں آپھی کیا کیا تو ہو یہ

کی زندگی یقینی طور پر خطرے میں پڑ جائے گی۔

وہ انھ کر ٹرانسیسٹر والے کمرے میں آیا اور یہیک زیر دے رابطہ قائم کر کے اسے ہدایت دی کہ کربی فوستر والی عمارت کی نگرانی اس وقت تک جاری رکھی جائے جب تک وہ ایمپورٹ کی طرف نہ روانہ ہو جائے۔ اس نے اسے بتایا کہ وہ اس سلسلے میں صدر سے رابطہ قائم کر سکتا ہے۔

وہ پھر گھری سوچ میں ڈوب گیا۔ ایک ہی کارڈ تھا تھے میں... اور وہ تباہ ہا غیر ملکی۔

اس بار عمران خود ہی تھہ خانے میں آیا۔ رینا ھشوں میں سرد یہ بیٹھی تھی بوزھا ایک آرام کر کی پر لینا او نگہ رہا تھا اور تیر اقیدی شہل رہا تھا۔ عمران کو دیکھ کر رک گیا لیکن کچھ بولا نہیں۔ لڑکی کھڑی ہو گئی۔ بوزھا بدستور اونگھتار ہا۔

"تھیں مجھ پر رحم نہیں آتا۔" رینا نے روہانی آواز میں کہا۔

"میں نابالغ لا کیوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتا...!"

"میں بالغ ہوں.... خدا کی قسم بالغ ہوں۔" رینا نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"پھر بھی تم سے کیا بات کی جائے... والدین کا پتہ بتاؤ۔"

وہ رونے لگی۔ بوڑھا اس کے رونے کی آواز سن کر بھی نہ اخھا لانکہ انداز سے لگتا تھا کہ وہ جاگ ہی رہا ہے۔ عمران نے اس کا شانہ پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے کہا۔ "یہ رات سونے کے لئے نہیں ہے۔"

بوڑھا جھلانے ہوئے انداز میں اٹھ بیٹھا اور طلق چھاڑ کر دھاڑ۔ "مارڈا لو... مجھے مارڈا لو۔"

"نہیں پیدا رہے۔" عمران اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "میں تو تھیں تل کر کھاؤ گا۔ فی الحال۔"

تم میرے ساتھ چلو۔ ہو سکتا ہے یہ سلسلہ تمہاری رہائی پر ختم ہو...!"

"میرا کیا ہو گا...!" تیر اقیدی جلدی سے بولا۔

"مدد ایک دن یہیں آرام کرو گے۔"

"میں... میں... تھا بیساں نہیں رہوں گا۔"

"یہ بھی تو ہے۔" عمران نے رینا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہر گز نہیں۔ یہ نیزی یہو کی بد دعائیں ہیں، جنہوں نے اس حال کو پہنچایا ہے۔ مجھے اسی دوسرا جگہ رکھئے۔"

ومر ان کوئی جواب دیئے بغیر بوڑھے کو کھینچتا ہوا تھہ خانے میں تک آیا۔

"چھوڑ دو... میں چل رہا ہوں۔" بوڑھا بانپتا ہوا بولا۔

وہ اسے ڈرائیورگ روم میں لایا۔  
”اب بتاؤ!“ عمران اسے صوفے میں دھکیتا ہوا بولا۔ ”محبی اس عمارت کا پتہ چاہئے جہاں داور کے مٹے کے امکانات ہوں۔“

”میں نہیں جانتا۔ پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔“

”تم غلط کہتے ہو۔“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”وہ جھبٹی بہت خونخوار ہے۔ تم نے دیکھا تھا کہ کس طرح خود مجھ سے الجھپڑا تھا جب میں نے تمہیں اسکے پنجے سے رہائی دلوائی تھی۔“

”نہیں..... نہیں!“ بوڑھا خوفزدہ نظر وہ سے چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”نہیں اسے مت بلاو۔..... وہ جنم کا فرشتہ ہے۔“

”تو پھر بتاؤ مجھے! تمہاری حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔ حالانکہ تم نے ایک غیر قانونی کام میں اسے مدد دی تھی لیکن پھر بھی میں تمہیں بچانے کی کوشش کروں گا۔“

”تم کون ہو۔..... کیا تمہارا تعلق پولیس سے ہے۔“

”یہی سمجھ لو۔..... یہ ایک قتل کا معاملہ ہے۔“

”قتل....!“ بوڑھا چھل پڑا۔

”ہاں تمہیں یاد ہے یا نہیں۔ اس رات تمہارے ہاں کوئی مادام نشی کا آئی تھی۔“

”مادام نشی کا..... ہاں آئی تو تھی..... میں نہیں جانتا کون تھی۔ وہ بھی داوری کے ترتیب دیئے ہوئے ذرا سے کی ایک او اکارہ تھی۔“

”اسی دوپہر کو اس عورت کی لاش ایک آدمی کی گاڑی میں پائی گئی تھی۔“

”اسی کی لاش۔“ وہ پھر اچھل پڑا۔ آنکھیں جیرت سے پھیل گئی تھیں۔ چند لمحے وہ سکتے کے سے عالم میں رہا پھر ہونت ہلے اور مدھم ہی آواز سنائی دی۔ ”نہیں..... میں اس کے لئے ہرگز تباہ نہیں.... میں بتا دوں گا..... داور نے مجھے دھوکا دیا۔ نہیں نہیں۔ میں ایک باعزت آدمی ہوں۔“

عمران نے طویل سانس لی۔



پھر بوڑھا خاموش ہو گیا۔ لیکن اس کی پیشانی میں سلو نہیں اور بجنوؤں کا تیکھا پن کہہ رہا تھا جیسے وہ غصے کی آگ میں جھلسنا جا رہا ہو۔

کچھ دیر بعد اُس نے سر اٹھا کر کہا۔ ”شاکر دہ تمہیں فلٹیتھ اسٹریٹ کی گیارہویں عمارت میں مل جائے۔“

”شاید یا پیغیں کے ساتھ۔“

”اکثر وہ اس عمارت کا حوالہ دیتا رہا ہے۔ خود میں وہاں کبھی نہیں گیا۔“

”اچھا دیکھو۔ تم اپنی سیکریٹری کو نہیں بتاؤ گے کہ تم مجھے کچھ بتا پچھے ہو۔“

بوڑھا کچھ نہ بولا۔ اُس کے ہونٹ بھنپنے ہوئے تھے اور آنکھیں غیر متحرک سی ہو کر رہ گئی تھیں۔ کچھ دیر بعد وہ بڑا لیا۔ ”مجھے یہ بھی بتا دینا چاہئے۔ قطعی طور پر بتا دینا چاہئے بہت ضروری ہے۔“

”ہاں..... ہاں کہو..... کیا کہنا چاہئے ہو۔“

”وہ لڑکی ریٹا داور کے متعلق مجھ سے زیادہ جانتی ہے کیونکہ اکثر اُس کے ساتھ باہر جاتی رہی ہے اور میری دانست میں ان دونوں کے تعلقات غیر معمولی ہیں یہ سب کتیا میں ایسی ہی ہوتی ہیں۔“

”بے شک بے شک.....!“ عمران سر ہلاکر سمجھ دی گئی سے بولا۔

”اُس کے باپ کارول ادا کرنے میں میرا لکھجہ خون ہو گیا.....!“

”ہونا چاہئے..... ہونا چاہئے۔“

”اچھا تو پھر میں کس راستے سے باہر جاؤں؟“

”فی الحال یہیں آرام کرو تو بہتر ہے۔“

بوڑھا مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ ... عمران نے رسیور اٹھایا۔

”بیلوو....!“

”بیلوو....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”کون عمران۔ میں جو لیا ہوں تم کیا کر رہے ہو۔“

”میں بتاؤں کیا کر رہا ہوں..... ویسے تم ان لوگوں سے کہہ سکتی ہو کہ مجھے تمہاری رہائی کے

سلسلے میں ساری شر احتکاط مظہور ہیں..... بتا دلے کے لئے کس جگہ کا تھیں کیا جائے۔“

”اوہ..... شکر یہ۔ میں بہت پریشان ہوں عمران....!“

”جلدی کرو.....!“ عمران نے کہا۔

”میں ابھی بات کر کے دوبارہ فون کروں گی۔“

دوسری طرف سے سلسہ منقطع ہو جانے کے بعد عمران بوڑھے سے بولا۔ ”تم دونوں

جلدی رہا ہو جاؤ گے۔“

پھر اُس نے اُسے بتایا کہ رہائی کی میاد تباہ لے پر ہوئی۔

"اور دیکھو وست تم ان سے مہنگا کہ تم نے مجھے ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا ورنہ زندہ نہ رہ سکو گے۔"

"میں تو یہی کہوں گا۔ لیکن وہ... ریٹا... تم کنی بار مجھے سے تھاں میں گفتگو کر چکے ہو۔" "اس کی فکر مت کرو تم اپنی بات پر اڑے رہنا۔"

بوزھا پچھتے بولا۔ اس کی آنکھیں بدستور گھری سوچ میں ڈوبی رہیں۔

"اوہ یہ تو کہنا ہی بیکار ہے کہ کسی تیرے قیدی کے متعلق انہیں نہ بتانا۔ کیونکہ وہ تو جانی ہی ہے۔" عمران نے کہلہا۔

بوزھا پھر بھی خاموش رہا۔ کچھ دیر بعد فون کی گھنٹی پھر بجی۔ عمران نے رسیور اخالیا دوسرا طرف سے جو لیا کی آواز آئی۔ "بیلو عمران... اچھا، کھو! فلٹیتھ اسٹریٹ کی گیارہویں عمارت میں۔ میں وہاں تھا ہوں گی تم ان کے آدمیوں کو وہاں پہنچا کر دیں سے مجھے لے جائیں گے... کہا گیا ہے کہ اگر اس سلسلے میں کوئی شرارت ہوئی تو ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچے گا۔" "فکرنا کرو...!" عمران نے کہا اور سلسلہ مقطع کر دیا۔

پھر اس نے بوزھے کو بتایا کہ یہ تادلہ اس کی بتائی ہوئی عمارت میں ہو گا۔

"پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے۔" بوزھا بڑیا۔ "کس مصیبت میں پھنس گیا۔"

عمران نے جوزف کو طلب کیا اور اسے الگ لے جا کر سمجھانے لا کہ اسے اس سلسلے میں کیا کرتا ہے۔

تو ہوڑی دیر بعد ایک اسٹینشن ویگن رانا پیلس کے پھونک سے پھونک سے باہر آئی ہے خود عمران ذرا بیو کر رہا تھا۔ لیکن اس وقت شائد ہی کوئی اسے عمران کی حیثیت سے پہچان سکتا۔ جسم پر ذرا بیو، ول کی س خاکی وردی تھی اور چہرہ پلاسٹک میک اپ کی وجہ سے خاصاً ذرا اوتا بن گیا تھا۔

بچھی نشتوں پر بوزھا، ریٹا، تیسرا قیدی اور جوزف تھے۔ چلنے سے پہلے جوزف کو چوتھائی بوئل گئی تھی۔ اس لئے وہ بہت زیادہ چاق و چوبنڈ نظر آ رہا تھا۔

عمران نے ہارن دیا اور دفعتاں ایک کمرے کی کھڑکیاں روشن ہو گئیں۔

ایک دروازہ کھلا اور کوئی کھانتا کھارتا ہوا گازی تک آیا۔ پھر ایک نارچ روشن ہوئی اور رہنی کا ارزہ گازی کے اندر پچکا نہیں اگا۔

"ٹھیک ہے...!" بھر انہیں آواز میں کہا گیا۔ "اندر آؤں۔"

نارچ کی روشنی میں جائزہ لینے والا عمارت میں، انخل ہو گیا۔ لیکن دروازہ کھلا دی رہا۔

جوزف کے علاوہ اور کسی کو نہیں معلوم تھا کہ عمران ہی انہیں بیان تک لا لایا ہے۔

جوزف ان سکھوں کو عمارت کے اندر ہاتک لے گیا۔ ذرا ہی سی دیر بعد سامنے سے عمران کے پھرے پر نارچ کی روشنی پڑی اور وہ چند ھیا کر کسی گھنی سے آدمی کے سے انداز میں گندی گندی گالیاں بنکے لگا۔ پھر اس طرح جلدی سے نیچے اترنے کی کوشش کی جیسے روشنی ڈالنے والے کا قیمہ ہی تو کر کے رکھ دے گا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں روشنی غائب ہو گئی۔

کچھ دیر بعد جوزف جو لیا سمیت برآمد ہوا۔ اور وہ دونوں چپ چاپ گازی میں بیٹھ گئے۔ عمران نے ایک سلیمانی پر دباؤڈا اور گازی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

وہ سیدھے رانا پیلس میں آئے۔ جو لیا کا چہرہ کملایا ہوا تھا۔ اس نے جوزف سے پوچھا۔ "عمران کہاں ہے۔"

"پتہ نہیں...!" جوزف نے لاپرواٹی سے شانوں کو جنبش دی۔ عمران بحیثیت ذرا بیو قریب ہی کھڑا تھا۔

"لیکن اتنا جانتا ہوں...!" جوزف کچھ دیر بعد بولا۔ "تم باس سے پوچھئے بغیر اس عمارت سے باہر نہیں نکلو گی۔"

"وہ کہاں ہے؟" جو لیا نے مضطربانہ انداز میں پھر پوچھا۔ "میں نہیں جانتا۔"

عمران محسوس کر رہا تھا کہ جو لیا کچھ بتانے کے لئے بے چین ہے۔ "مجھے نہیں آنے لگی ہے۔" جو لیا نے کہا۔ "وہ جب بھی آئے اسے بتا دینا کہ ان لوگوں میں وہ دبلا پتلا چھینی تھا۔ جس نے کافی یو جن کا مسئلہ کذا از آنے کی کوشش کی تھی۔"

" بتا دوں گا...!" جوزف نے کہا اور بھاڑ سامنے پھیلا کر جماں لیتے گا۔ پھر بوبیا امداد چلی گئی۔ اور وہ دونوں دیس کھڑے رہے۔

"غائب تھے سن ہی لیا ہو گا بس!" جوزف نے کہا اور پھر جماں لی۔ شاند اس کا ناشہ اٹھ رہا تھا۔ "بُوں...!" عمران نے کہا اور دوسری طرف انہیں میں گھوڑنے لگا۔

اب کریبی فوٹ کامنڈے سامنے تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ جوزف کو ہوشیار رہنے کی بدایت کرتا ہوا آمد۔ آیا۔ ترا نسخیں کے ذریعے

ٹھیک ہے۔ اب تھے قائم۔ "لیں سر...!" ذرا نی طرف سے آواز آئی۔ "عمارت کی کھڑکی جاری ہے۔ وہاں سر۔

نامعلوم آدمی بھی موجود ہیں جو پہلے سے گمراہی کر رہے تھے۔

”برازیل کے سفارت خانے کے ڈرائیوروں کی لست مہیا کر کے چھان میں کرو کہ ان میں سے کون اسے ایئرپورٹ لے جائے گا؟ اور یہ بھی معلوم کرو کہ مسافر کے ساتھ گاڑی میں اور کون ہو گا.... جلدی کرو۔“

”اوکے چیف....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”اور ڈائینڈ آں....!“ عمران نے کہا اور سوچ آف کر دیا۔

جولیا شاکرچی سوگنی تھی درند کی نہ کسی جگہ یقین طور پر ملاقات ہوتی۔

وہ پھر ڈرائینگ روم میں آبیٹھا۔ اب اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں تھا کہ وہ بلکہ زیر و کے جواب کا منتظر کرتا رہے۔

گھری ڈھانی بھاری تھی۔ اس نے طویل اگرائی لی اور صوفے کی پشت سے نکل گیا اور پھر انتہائی کوشش کے باوجود بھی اپنے اوکھتے ہوئے ذہن پر قابو نہ پاس کا۔ پلکیں نیند کے دبادے جھکتیں گیں.... اور وہ بے خبر سو گیا۔

دوبارہ آنکھ کسی کے آواز دینے پر کھلی تھی۔ بڑا کراٹھ بیٹھا۔ سامنے بلکہ زیر و نظر آیا۔

”کیا وقت ہوا ہے....!“ عمران نے بوکھلا کر پوچھا۔

”چار بجے ہیں۔“

”اوہ.... ہوں.... لیکن تم یہاں کیسے؟“

”بڑی دیر تک پکارتا رہا۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو آنا ہی پڑا۔“

”کسی اور کو بھیج سکتے تھے۔ تمہیں داش منزل ہی میں موجود رہنا چاہئے تھا۔ ہو سکتا ہے کہ گمراہی کرنے والے کسی اشد ضرورت کے تحت تم سے رابطہ قائم کرنا چاہیں۔“

”غلبلی ہوئی چیف....!“

”خیر کوئی بات نہیں اہاں اب بتاؤ کیا کر آئے ہو۔“

”کربی فورٹ کے پاس اس کی گاڑی ہے خدا، ڈرائیور کرتا ہے۔“

”اور وہ اسے ایئرپورٹ پر کسی بھکاری کے حوالے کر کے خود یہاں سے واپس چلا جائے گا۔“

”ڈرائیور بھی ہے۔ ہو سکتا ہے کل وہی اسے لے جائے۔“

”یقین طور پر وہی سے جو گا۔ یا اس سے ساتھ جائے گا۔ خیر... ڈرائیور کے متعلق یہ معلوم کیا... مختصر بتاؤ.... وقت آم ہے۔“

”وہ بھی اسی عمارت کی کمپاؤنڈ میں سرو نہیں کوارٹر میں رہتا ہے۔“  
”اس وقت کہاں ہے؟“

”یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ کہاں ہو گا....؟“

”یہ بہت ضروری ہے!“ عمران پچھے سوچتا ہوا بولا۔ ”خیر... اب تم داش منزل واپس جاؤ۔“  
”بہت بہتر جتاب....!“ وہ اٹھتا ہوا بولا۔ ”ڈرائیور کا نام جعفر ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اس وقت کمپیز بار میں ہو.... آسافی پہچانا جائے گا.... بائیں کان کی لوکنی ہوئی ہے۔“

”اور سردی بھی خاصی ہے۔ اگر اس نے کانوں پر مفرپیٹ رکھا ہو تو....!“

”شراب سے کان گرم ہو جاتے ہیں....!“

”مجھے تجربہ نہیں.... خیر اب تم دفع ہو جاؤ.... میں دیکھوں گا۔“

بلیک زیر و چلا گیا۔ عمران تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر اٹھا۔ گیراج سے شیور لٹ نکالی اور ڈرائیور ہی کے ٹلنے میں کمپیز بار کی طرف روانہ ہو گیا۔ کم قیمت اور گھنیا شراب کے لئے یہ خاص طور پر مشہور تھا اور یہاں نچلے طبقے کے لوگ ہی نظر آتے تھے۔

باد میں داخل ہو کر اس نے چاروں طرف نظر دوڑا۔... تمن میزوں کے علاوہ اور ساری میزوں غالی تھیں۔ پہلی ہی نظر میں عمران کو یقین ہو گیا کہ جسکی تلاش میں آیا تھا وہ یہاں موجود ہے۔



کان کی کٹی ہوئی لوپر نگاہ ٹھہری رہی۔ وہ نشے میں تھا لیکن عمران کو اپنی طرف اس طرح متوجہ دیکھ کر خود بھی اُسے گھومنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد عمران کی آنکھوں میں ایک تحریر آمیز چمک ہی پیدا ہوئی۔ ہونٹ مسکراہٹ کے سے انداز میں تھوڑے سے سکھلے اور وہ تیری سے اس کی میزوں کی طرف جھپٹا۔

میزوں دونوں ہاتھ ٹھیک کر جھکتا ہوا آہستہ سے بولا۔ ”تم جعفر ہی ہونا۔“

”ہاں.... ہاں.... یوں؟“

”نہیں پہچانا مجھے!“ عمران اس کے سامنے والی کرنسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

”اوں.... ہوں....“ جعفر نے لفٹ میں سر کو جنیش دی۔

”ارے، امیار.... میں شفیقیں ہوں.... شفیق الحسن....!“

”چیچی...!“ عمران نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ”میرا دل کڑھ رہا ہے بیچارے کیلئے۔“  
”بچہ ہے سالا... عورتوں کے معاملے میں بالکل بچہ ہے۔“ جعفر نے بنس کر کہا۔ ”کئی بار  
ایسا ہوا ہے تلاش میں نکلا ہوں کوئی نہیں ملی ہے۔ واپس آکر بتایا ہے اور وہ کسی ایسے بچے کی طرح  
پھر پھوٹ کر رویا ہے جو کھلونے کے انتظار میں رات گئے تک جاتا رہا ہو، لیکن پیاس خالی ہاتھ  
واپس آئے ہوں۔“

”یار، اقی دل کڑھ رہا ہے۔“ عمران نے بھرا آئی ہوئی آواز میں کہا۔ ”اچھا تو پھر کروں انتظام۔“  
”اوہ... اگر کر سکو تو اچھا ہے۔“  
”تم تینیں نہ ہو... میں ذرا فون کر کے معلوم کروں۔ وہ گھر پر موجود بھی ہے یا نہیں۔“  
”کون...؟“

”ایک یورپین لڑکی ہے۔ زیادہ بڑے آدمیوں سے بنس کرتی ہے۔“  
”خود وہ کیوں بھائی صاحب... شکریہ شکریہ۔“  
عمران اٹھ کر باہر آیا اور سوچنے لگا کہ آس پاس کوئی میلی فون بو تھہ بھی ہے یا نہیں۔ پھر  
گاڑی میں بیٹھ کر اگلے چوراہے تک آیا۔ میلی فون بو تھہ یہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔  
فون پر جوزف کو طلب کر کے جولیا سے متعلق چند بدایات دیں اور کہا کہ وہ اسے پکیزی بار  
تک پہنچا کر واپس چلا جائے۔

کچھ دیر بعد پکیزی بار میں واپس آکر اس نے جعفر کو اطلاع دی کہ کام ہو گیا ہے وہ جلد ہی  
وہاں پہنچ جائے گی۔

”یار تم بڑے پیارے آدمی ہو! میں بڑا بد نصیب ہوں کہ اب تک تمہیں نہیں بچپان سکا۔“  
”کوئی بات نہیں۔ میں تو تمہیں بچانتا ہوں۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔ ”اچھی بات ہے میں باہر  
اس کا انتظار کروں...!“

”میں بھی چلوں...؟“  
”نہیں تم بیٹھو...!“

عمران باہر آگیا۔ آدھے گھنٹے تک جولیا کا انتظار کرتا پڑا۔  
وہ آئی اور جب اسے مقصد معلوم ہوا تو چراغ پا ہو گئی۔ ہری مشکل سے قابو میں آئی۔ عم ان  
نے اسے سمجھایا کہ اپنے ساتھ جو غوف لائی ہے اسے شراب میں ڈال کر فوٹر کو پلانا ہو گا۔ وہ  
نیوٹ ہو جائے گا بقیہ معاملات وہ خود کیلئے گا۔

ایسا محسوس ہوا جیسے وہ یادداشت پر زور دے رہا ہو۔ پھر مایوس انداز میں سر بلانے لگا۔ آنحضرت  
بولہ۔ ”ہاں... ہاں... یاد نہیں پڑتا کہاں تم سے ملاقات ہوئی تھی بیٹھو... بیٹھو... منگاؤں...!“  
”نہیں میں اتنی رات گئے نہیں پیتا... لو سگریت پیٹو...!“ عمران نے اسے بلکہ اینڈ  
ہبانت کی اسپیشل پیٹنگ والے سگریت پیٹ کئے۔  
”آج کل کہاں ہو...!“ جعفر نے سگریٹس کو گھورتے ہوئے متجمہ انداز میں پوچھا۔  
”خاص سفیر کا ذرا بخوبی ہوں...!“  
”کس سفارت خانے میں...!“  
” سعودی عرب...!“  
”تب تو شراب نہ ملتی ہو گی۔“  
”لا حول ولا قوة بلکہ استغفار اللہ...!“ عمران نے کہا اور جعفر ہنسنے لگا پھر عمران نے پوچھا۔  
”تم کہاں ہو۔“

”برازیل کے سفارت خانے میں! پر لس اٹاٹی کا ذرا بخوبی ہوں...!“  
”اوہو۔ تب تو تمہارے مزے ہوں گے۔ تم بھی سفارت ہی میں ہو۔ کیا ہے تمہارا باس...!“  
”حرامی نمبر ون...!“ جعفر نے باس میں آنکھ دبا کر کہا۔ ”سالے کے لئے ہر رات نئی لڑکی  
تلاش کرنی پڑتی ہے۔“

”تم کرتے ہو...!“  
”ہاں... تبھی تو اپنے بھی عیش ہیں...!“ وہ مختنڈی سانس لے کر بولا۔ ”مگر اب دیکھو  
نوكری رہتی ہے یاد ہنکے کھانے پڑتے ہیں۔“

”کیوں... کیوں...؟“  
”میں واپس جا رہا ہے اپنے ملک۔ اب بھی واپس نہ آئے گا۔“  
”کیوں...؟“

”لہ اپنے؟ ابی پن کی، جسے اس غیر کو معلوم ہو کیا تھا۔ یہ نی بہ نامی ہو رہی تھی۔“  
”وہ پچھا، یہ ناموں سے بھاپھر بے ساختہ نہیں پڑا...“ بختا بہد بہ ناموں ہوا تو عمران نے اس  
ٹھنڈنے کی وجہ پوچھی تھی۔  
”ن شام نہ ہو، بہت اس تھا۔ مجھ سے بہ کہ آنحضرت پر اتنی انتظام...“ میں نے جو پڑا  
اور اس وقت سے اب تک یہاں بیٹھ جھک مار رہا ہوں۔“

ہدایات کے مطابق جو لیا میک اپ میں آئی تھی۔ جعفر نے اسے دیکھا اور اچھل پڑا۔

”تو پھر لے جاؤ۔“ اس نے عمران سے پوچھا۔

”مکال کر دیا یا۔ میرے بغیر وہ کہاں جائے گی۔ مجھے بہر حال ساتھ چنان پڑے گا اور میں یہ اسے واپس لے جاؤں گا۔“

جعفر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا ہا پھر بولا۔ ”چلو خیر کوئی بات نہیں۔“

اپنی شیور لٹ تو عمران نے پہلے ہی جوزف کے حوالے کردی تھی کیونکہ یہاں کربی فوسر کی گازی موجود تھی۔ وہ تینوں کربی کی کوئی کی طرف روانہ ہو گئے۔

جولیا پچھلی سیٹ پر تھی....!

جعفر نے عمران سے پوچھا۔ ”اردو جانتی ہے۔“  
”نہیں....!“

”یار۔ کیوں نہ ہم بھی۔!“ جعفر نے کہا۔ ”مجھے بہت پسند آئی ہے۔“

”بعد کی باتیں میں۔ پہلے تو اپنے باس کو خوش کرنے کی سوچو۔“

”وہ سالا تو ہمیشہ خوش ہوتا ہی رہتا ہے۔“

”پھر بھی فی الحال خاموش ہی رہو۔“

کوئی کے پھانک پر پہنچ کر جعفر نے ہارن دیا۔ اندر سے کسی نے پھانک کھولا اور گازی کپاونڈ میں داخل ہو گئی۔

برآمدے میں روشنی تھی لیکن یہ برآمدہ ایسے رخ پر تھا کہ سڑک سے نہیں نظر آ سکتا تھا۔

برآمدے میں ایک سفید فام آدمی دکھائی دیا جو بڑی بے چینی سے گازی کی طرف پکا تھا۔ اوہیز عمر کا ایک وجہہ آدمی تھا۔ بال کھنسی اور گوش گھسیریا اے تھے۔ جعفر گازی سے اتر کر اسے الگ لے گیا اور آہستہ آہستہ کچھ کہنے لگا۔

اور عمران نے جو لیا سے کہا۔ ”جب وہ ہیہوش ہو جائے تو ایک گلاں ذرا بیور کیلئے ہنالانا۔“

”پہ نہیں تم کیا تر۔ تو پھر ہے ہو۔ جو یا مندا۔“

مرمان کچھ نہ بولا۔ جو لیا نے کربی فوسر کو اندر جات دیکھا۔ جعفر ان کی طرف آ رہا تھا۔

”ٹھیک ہے...!“ جعفر نے عمران سے کہا۔ ”اب یہ اس عورت کی بوسیاری پر منسہے کے وہ اس سے نہ تائینجھ لیتی ہے۔“

”اتا تو اینجھ ہی لے گی کہ جیسیں ہمارا معقول کیشن مل سکے۔“

”یہی مطلب تھا۔“ جعفر اس کے شانے پر ہاتھ مار کر ہنسا۔

”اور ہم دونوں کہاں بیٹھیں گے... میں قریب ہی رہنا چاہتا ہوں۔ اگر ایسا نہ ہو تو آئندہ وہ میرے ساتھ کہیں نہ جائے گی۔“

”ارے برابر ہی کے کمرے میں بیٹھ لیں گے....!“ جعفر بولا۔

پھر وہ دونوں ایک کمرے میں آبیٹھے.... دونوں ہی خاموش تھے۔ احتفانہ انداز میں ایک دوسرے کی شکل دیکھتے رہے۔

کلاک کی تک نک سنا تھے میں گونج رہی تھی.... دونوں کی نظریں ملتیں اور جعفر کھیانے انداز میں دانت نکال کر دوسری طرف دیکھنے لگتا۔ کچھ دیر بعد جو لیا کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھوں میں دو گلاس تھے۔ ایک اس نے جعفر کی طرف بڑھا دیا اور دوسرے عمران کی طرف۔ عمران نے خاموشی سے گلاس لے لیا۔ جب واپس چل گئی تو جعفر نے کہا۔ ”ایسی تو آج تک نہیں آئی تھی جس نے میرا خیال بھی رکھا ہوا۔“

”بیوہ دوست یہ سالا ہمیشہ عمدہ قسم کی شرائیں رکھتا ہے۔“

ومران گلاس ہاتھ میں لئے بیخا رہا اور جعفر چکیاں لینے لگا۔ لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے اپنے پچھلے کارنے سے بھی دہراتا جا رہا تھا۔

ومران نے اپنا گلاس کری کے پہلو میں فرش پر رکھ دیا۔ جعفر کی زبان کی لڑکھڑاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ عمران کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا یہی وہ سارے معاملات سے لا تعلق ہو۔

اب جعفر نے گلاس خالی کر کے رکھ دیا تھا اور آنکھیں بند کئے آگے پچھے جھوٹیں رہا تھا۔ پھر یہد یہد آنکھیں پھاڑ چھاڑ کر کہنے لگا۔ ”ہائیں... اتنی گھری نیند... اچھا یا... تو پھر چلتے دلت چلتے گا...“

وہ کرسی سے فرش پر پھل آیا۔ اور عمران نے پھر اس سے سراہاتے نہیں دیکھا۔ اس نے سر کو خفیہ سی جبیش دی اور خود اٹھ گیا۔

دوسرے کمرے کے دروازے کے شیشے سے جھانک کر دیکھا۔... وہاں کربی فوسر سونے پر لینا نظر آیا۔... جو لیا دو رکھری اسے گھوڑا رہی تھی۔ عمران نے دروازے پر بلکل سی سنت کی اور جو لیا کوچو نکتے دیکھا۔ وہ تینی کی سے دروازے آئی طرف آئی۔

”وہ ہیہوش ہو گیا ہے۔“ اس نے دروازے کھونتے ہوئے سر کوٹھی کی۔

”برآمدے کی روشنی گل کر آؤ۔“ عمران نے کہا۔

جو لیا نکلی چلی گئی۔ عمران نے اندر آ کر کربی فوستر کو بلا جایا۔ لیکن وہ گہری نیند سور با تھار پھر وہ اُسے پینچھے پر لاد کر خود بھی باہر آیا۔ جو لیانے اس کے اشارے پر پیر ونی کمرے میں بھی انہیں اکر دیا تھا۔

کربی فوستر کی گاڑی برآمدے کے سامنے ہی کھڑی تھی۔ عمران نے اُسے پچھلی نشست پر ڈال دیا۔ جو لیا اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ عمران ایک بار پھر اندر آیا کیونکہ کنجی دشیش بورڈ پر نہیں دکھائی دی تھی۔ جعفر کی جیبوں کی تلاشی لینے پر کنجی بھی مل گئی۔ کچھ دیر بعد وہ گاڑی کو اسارت کر کے پھانک کی طرف لے جا رہا تھا۔ پوکیدار نے پھانک کھول دیا اور گاڑی باہر نکل چلی گئی۔

عمران کی ہدایت کے مطابق جو لیار است بھر دیکھتی آئی تھی کہ تعاقب تو نہیں کیا جا رہا۔ جب اطمینان ہو گیا کہ ایسا نہیں ہے تو عمران نے گاڑی کا درخداںش منزل کی طرف موڑ دیا۔ وہ جانتا تھا کہ راتا پہلیں مجرموں کی نظر وہ میں آچکا ہے لہذا اس واقعہ کا علم ہوتے ہی وہ اپنی پوری قوت سے راتا پہلیں پر دھاوا بول دیں گے۔

کچھ دیر بعد بیووش کربی فوستر داش منزل کے ساؤنڈ پروف کرے میں نظر آیا۔ ابھی تک بیووش تھا۔

”یہ کون ہے؟“ جو لیانے پوچھا۔

”کوئی بہت ہی اہم آدمی...!“

”کس سلسلے میں...!“

”نشی کا کا قتل اتنی جلدی بول گئیں۔“

”اوہ... تو یہ سب کچھ...!“

”ہوں... لیکن پہلے یہ بتاؤ وہ لوگ تمہیں کس طرح لے گئے تھے۔“

”ریو اور دکھا کر... گاڑی میں بھایا تھا لیکن پھر گاڑی میں بیٹھتے ہی میں نے چینشا رو ع کر دیا۔“

”تعجب ہے کہ تمہارے پڑوسیوں نے بھی مدد نہ کی۔“

”ہو سکتا ہے انہوں نے چیخیں سنی ہوں لیکن معاملے کی نویت نہ سمجھ سکے ہوں۔“

”حالانکہ پڑوسیوں ہی نے صدر کو اس کی اطلاع دی تھی...!“

”آخر یہ لوگ وون ہیں کیا چاہتے ہیں۔“

”جلد ہیں معلوم ہو جائیکا۔ میں خود بھی نہیں جانتا کہ یہ لوگ وون ہیں اور یہاں چاہتے ہیں۔“

”اوہ... دیکھو شائد... ہوش میں آرہا ہے...!“ جو لیا نہیں کہا۔

”تم باہر چل جاؤ...!“ عمران نے سوچتے ہوئے کہا۔ ”نہیں بھرو۔ تم نے اچھا کیا کہ ابھی تک اسی میک اپ میں ہو...!“ جو لیا نے اُسے استفہامیہ انداز میں دیکھا۔

”میں اس الماری کے پیچھے چھپنے جا رہا ہوں تم تیکن رک کر اسکے ہوش میں آنے کا منتظر کرو۔“ جو لیا پچھہ ہو گئی۔ عمران الماری کے پیچھے چھپ گیا۔

تو ہوزئی دیر بعد کربی فوستر کے حلق سے لا یعنی سی آہازیں نکلیں پھر وہ کراہتا ہوا انھوں بھیجا۔ تھوڑی دیر تک اس طرح آنکھیں چھاڑتا رہا ہیسے انہیں ہرے میں کچھ دیکھ لینے کی کوشش کر رہا ہو.... پھر دونوں ہاتھ آنکھوں پر آئے جنبیں وہ بوکھلاتے ہوئے انداز میں ملنے لگا۔ جو لیا خاموش ہیٹھی رہی۔ اب وہ اُسے آنکھیں چھاڑ پھاڑ کر کچھ رہا تھا جو لیا نہ کچھ بولی اور نہ اپنی جگہ سے حرکت کی۔

”تم... تم... لیکن میں... میں کہاں ہوں۔“ وہ چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ جو لیا پچھہ ہو گئی۔ وہ صوفے سے انھوں گیا اور جو لیا کو فضیل نظر وہ سے گھوڑتا ہوا غریبا۔

” بتاؤنا... میں کہاں ہوں۔“

”میں کیا بتاؤں؟“ جو لیا نے بھی جملہ کا مظاہرہ کیا۔ ”تمہاری شراب میں پڑے نہیں کیا تھا۔ پیتے ہی نیند آگئی... آنکھ کھلی تو یہاں...!“ وہ چاروں طرف نظر دوزاتی ہوئی خاموش ہو گئی۔ وہ دروازے کی طرف چھپتا اور بینڈل پر زور آزمائی کرنے لگا لیکن کامیاب نہ ہوئی۔

” بتاؤ...!“ وہ جو لیا کی طرف مز کر چینا۔ ”ورنہ میں تمہیں گولی مار دوں گا...!“ ”ارے نہیں... نہیں... ایسا نہ کرنا۔“ عمران بوکھلاتے ہوئے انداز میں الماری کے پیچھے سے لکھتا ہوا بولا۔

وہ چند لمحے عمران کو گھوڑتا رہا پھر بولا۔ ”تم کون ہو۔“ ”مجھ کو غیر صورتی کہتے ہیں۔“ عمران نے بڑے ادب سے کہا۔ ”یہ نری میری سر پرست ہے۔“

” یہاں مجھے کون لایا ہے؟“

” یہی خادم...!“

” کیوں؟“

” مادام نشی کا...!“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا نسلکرا ہے۔ ایسا معلوم ہوا ہیسے رہی۔

کربی نے اُسے گھور کر دیکھا لیکن پچھے بولا نہیں۔  
”اب یہی کرنا پڑے گا۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”تم باہر چلی جاؤ...!“  
جو لیا اٹھ کر جانے لگی اس کے ساتھ ہی کربی بھی دروازے کی طرف چھپتا۔ لیکن دوسرے  
تھی لمحے میں عمران نے اس کی گردون دیوچ لی۔.... وہ کسی زخمی سانپ کی طرح پلٹایا اور بات ہے  
کہ حملہ کرنے کی حرست دل ہی میں رہ گئی ہو۔ کیونکہ عمران کا ایک ہی گھونسہ اسے کمرے کے  
دوسرے سرے پر لے گیا تھا۔

جو لیا باہر نکل گئی۔.... خود کار دروازہ دوبارہ مغلل ہو چکا تھا۔ کربی اس بارہ حشائشہ انداز میں  
عمران پر چھپتا۔.... دونوں گھٹھے ہوئے فرش پر ڈھیر ہو گئے۔

”تم نشی کا کے قتل کے بارے میں کیا جانتے ہو۔“ عمران نے اس کی ناک کو پوری قوت سے  
دباتے ہوئے پوچھا اور وہ کسی زخمی ہٹپنے کی طرح ڈکرانے لگا۔ ناک پر دباؤ بتدریج بڑھتا ہی رہا۔  
”باتا ہوں... بتا ہوں...!“ بلا آخروہ چھپتا۔

ناک پر دباؤ کم ہو گیا۔.... لیکن وہ عمران کی گرفت ہی میں رہا۔  
کربی فوستر خاموش ہو گیا تھا اور اس کا سینہ کسی لوہا کی دھونکی کی طرح پھول پچک رہا تھا۔  
پھر عمران اسے چھوڑ کر ہٹ گیا لیکن وہ اسی طرح چت لیٹا ہوا چھپت کو گھورتا رہا۔ تھوڑی  
دیر بعد اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھر کر کہا۔ ”مجھے شراب دو۔ برائذی۔“

”مل جائے گی۔“ عمران نے کہا اور گھریلو فون کا سونچ دبا کر ماڈ تھہ پیس میں کسی کو مخاطب  
کیا۔ ”برائذی۔.... ہائی بال۔ جو لیا لائے گی۔“

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور جو لیا گلاس لئے ہوئے اندر داخل ہوئی۔  
کربی اسے ہموکی نظر وہن سے دیکھتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ گلاس لئے کر دیں گھونٹ لئے اور پھر ایک  
شیطانی سی مسکراہٹ اسکے ہونٹوں پر پھیل گئی۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر جو لیا بیٹرف دیکھے جا رہا تھا۔  
وفتحا اس نے عمران سے کہا۔ ”تم باہر چلے جاؤ۔.... میں اسے بتا دوں گا۔“

”اچھا“ عمران نے خوش ہو کر کہا۔ ”مگر مجھے یہ میری خالہ ہے اس طرح تمہاری دادی ہوئی۔“  
جو لیا عمران کو نہ ابھلا کہتی ہوئی کمرے سے چلی گئی۔

”اب تو ہرگز نہیں بتاؤں گا۔“ کربی نے منصیتے لمحے میں کہا۔  
”مت بتاؤ۔“ عمران نے لاپرواں سے شانوں کو جبیش دی۔ ”جہاں تمہارا منتظر نہیں کرے گا۔“  
پھر عمران کے ساتھ ہی اس نے بھی کمرے سے باہر نکلا چاہا۔.... لیکن عمران جو پہلے ہی سے

فوستر کے جسم میں جھکتا سا گا ہو۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کیا۔ پھر لمحے اس کی حالت غیر رہی پھر  
سنگھالا لے کر بولا۔ ”پچھے نہیں تم کیا بک رہے ہو۔“

”مادام نشی کا کا قاتل کون ہے۔“ عمران بدستور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا میکھ کارا  
”مم... میں پچھے نہیں جانتا۔“

”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ رات کا اندر ہیر اتھارے گناہوں کو چھپا لیتا ہے۔“  
”پچھے نہیں تم کیا کہہ رہے ہو؟“

”تم اس کے قتل کے بارے میں کیا جانتے ہو؟“  
”مم... میں پچھے نہیں جانتا۔“

پھر دفتار کی فوستر کا چہہ سرخ ہو گیا اور اس نے بے تباشہ عمران پر چھلانگ لگائی۔  
عمران نے اُسے ہاتھوں پر روک کر نائگ ماری اور وہ اپنے دہنے پہلو کے بل بحمد سے گر پڑا۔  
پھر وہ تیزی سے جھکا اور اس کا کالر پکڑ کر اٹھاتے ہوئے تھوڑی پر ایک گھونسہ رسید کر دیا۔ کربی  
سامنے والی دیوار سے جاٹکرایا۔ اور دیوار سے نکا ہوا ہانپتا رہ گیا۔ ویسے وہ اب بھی عمران کو  
خونخوار نظر وہن سے گھوڑے جا رہا تھا۔

”آؤ...!“ عمران نے اُسے دوبارہ لکارا۔  
لیکن وہ اسی طرح دیوار سے نکا ہانپتا رہا۔

”تم کون ہو۔ وہ کچھ دیر بعد غرایا۔“ اور میں تمہیں کیوں بتاؤں؟“  
”ن بتاؤ۔!“ عمران نے لاپرواں سے شانوں کو جبیش دی۔ ”اس کی ااش تو پولیس کو مل گئی۔  
تھی۔ لیکن تمہاری نہیں بول کا بھی سراغ نہ ملے گا۔“

”تم ایسا نہیں کر سکتے۔ میں کمزور نہیں ہوں؟“  
”تو آؤ۔ پھر...?“

لیکن وہ اپنی جگہ سے بلا بھی نہیں۔ عمران تھوڑی دیر تک اُس گھورتا رہا پھر بولا۔ ”اچھا یہی  
بتا دو کہ اچھا تھا تم واپس کیوں جا رہے ہو۔“

”تم کیوں معلوم کرتا چاہتے ہو۔“  
”لیکھو۔!“ عمران باتھو اٹھ کر بولا۔ ”وقت نہ منائع کر دو۔“

”میں پچھے نہیں جانتا۔“  
”اگر کہ ذمہ کر دو۔.... نہیں بتائے گا۔“ جو لیا بول پڑی۔

میں چیز چیز کہہ رہا تھا۔ آگے مت بڑھو۔ آگے مت بڑھو۔

وہ رک گیا۔ دفعتاً کسی نے اُسے پیچھے سے دھکا دیا اور وہ سنپلٹن کی کوشش کے باوجود بھی منہ کے بل نیچے چلا آیا۔ پھر ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی چیز جسم سے لپٹ گئی ہو۔ پھر وہ اسی چیز میں لپٹا ہوا گھسنے لگا۔ شاید یہ جال تھا۔ گھسنے تھا۔ حتیٰ کہ برآمدے کے زینوں پر بھی اسی طرح گھسنے پڑا اور اگر اندازے کی ذرا سی بھی غلطی ہوتی ہوئی تو کسی زینے سے ٹکر کر اُس کا سر پاٹ پاش پاٹ ہو گیا ہوتا۔

پھر ڈرائیور دم کی روشنی ہی میں وہ دیکھ سکا کہ اس جال کو کمی گھنیتے ہوئے اندر لائے تھے۔

”اسے اٹھاؤ۔“ ایک جانی پچانی سی آواز کانوں میں گونجی جسے وہ اس دوران میں ایک آدھ بار پہلے بھی سن چکا تھا۔

انہوں نے اُسے نکال کر سیدھا کھڑا کر دیا اور عمران اس طرح پلکیں جھپکانے لگائیں سوتے سے جاگا ہو۔ اور پھر اس کے ذہن کو جھٹکا سالاگا۔ سامنے ایک جانی پچانی سی صورت نظر آئی۔ یہ ایک دبلا پلا لمبا سا چینی تھا۔

عمران نے بوکھلا کر اپنی آنکھیں ملیں اور اس طرح اسے گھورنے لگا جیسے بصارت پر یقین نہ ہو۔

”میا میں خواب دیکھ رہا ہوں۔“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”تم بھوت ہو۔“

چینی شرار特 آمیز انداز میں مسکرا لیکن کچھ بولا نہیں۔

”بولو۔۔۔ تم بولنے کیوں نہیں۔۔۔!“ عمران نے پھر کہا۔

”تم غلط نہیں سمجھے تھجھے۔“ چینی نے مسکرا کر کہد۔ سنگ ہی آسٹن سے مر جانے کیلئے پیدا نہیں ہو۔

”بڑی خوشی ہوئی۔۔۔!“ عمران مصافحو کرنے کے لئے چھپنا۔

”خبر دار جہاں ہو وہیں ٹھہر و۔۔۔!“ سنگ کے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا۔ اس کے ہاتھ میں اعشار یہ چار پانچ کاریوں اور تھا۔

”کیوں چچا۔۔۔!“ عمران نے شکایت آمیز لمحے میں کہا۔ ”اب اتنے دنوں بعد ملے ہو تو کیا بغل گیر بھی نہ ہونے دو گے۔“

”ہو سکتا ہے تم اصلاً حریم نہ ہو لیکن معنوی اعتبار سے میں تمہیں خود سے کم حریم نہیں سمجھتا۔“

”میں تمہیں دیکھ کر خوش بھی ہوں اور مجھے بھی۔“ عمران نے کہا۔

”ہاں عام طور پر میکن سمجھا جاتا ہے کہ میں تاریک وادی۔ میں شعبوں میں بھروسہ ہو گیا تھا۔

ٹل تاریک وادی کی داستان جا سوئی دنیا کے شماروں ”خوبی گولے“ اور ”زمین کے باہل“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

حکاٹ ٹھاؤ سے دھکا دے کر خود باہر نکل گیا۔ خود کار دروازہ بند ہو چکا تھا۔ عمران نے اُسے باہر سے مقفل کر دیا۔

آپریشن روم میں کمی خبریں اس کی منتظر تھیں۔۔۔ خود کار آلات نے انہیں سلوال نڈے فیٹ پر محفوظ کر لیا تھا۔

سوچ آن کرتے ہی نیپ ریکارڈر سے بلکہ زیر دی کی آواز آئی۔ ”جواب نہیں ملتا۔ چیف آپ کہاں ہیں۔۔۔ رانا پیلس پر نامعلوم آدمیوں نے دھاوا بول دیا ہے۔“

پھر صدر کی آواز سنائی دی۔ ”ہم عمارت کی ٹکرائی کر رہے ہیں۔۔۔ ابھی ایک کار اندر گئی تھی کچھ دیر بعد پھر واپس گئی۔۔۔ اس میں ایک لڑکی تھی۔

عمران نے سوچ آف کر دیا۔ وہ ابھی تک ڈرائیور ہی کے میک اپ میں تھا۔ جو لیا کوئی نہیں ٹھہر نے کی بدایت دیتا ہوا وہ باہر آگیا۔۔۔ گیراج سے موڑ سائیکل نکالی اور رانا پیلس کی طرف روانہ ہو گیا۔

رانا پیلس پر دھاواے کا ہی مطلب تھا کہ انہیں کربی فوستر کے انگوکا علم ہو چکا ہے۔

◆

چاروں طرف سنا تھا۔ ہوا میں اجائے کی مہک محسوس ہو رہی تھی۔ ہو سکتا ہے دوسروں کے لئے اجائے کی مہک مٹھکے خیز رہی ہو۔۔۔ لیکن عمران ذ حلقتی ہوئی رات کی ہوا میں اجائے کی مہک محسوس کرنے لگتا تھا۔

رانا پیلس سکوت اور ملکے اندھیرے میں لپٹا کھڑا تھا۔ چھانک پر موڑ سائیکل روک کر عمران نے پے در پے کئی بار بارن بجا لیکن چھانک نہ کھلا۔

موڑ سائیکل کھڑی کر کے وہ چھانک کی طرف بڑھا اور قریب پہنچ کر چند منٹ دم سادھے کھڑا رہا پھر چھانک کو دھکا دیا جو پہ آسانی کھلتا چلا گیا۔

کپاؤ نڈ میں سنا تھا۔۔۔ لیکن عمارت کی کھڑکیوں کے شیشے روشن نظر آرہے تھے۔۔۔

آگے بڑھتا چلا گیا۔

آخر پوچید کہاں غائب ہے گے۔۔۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا یہ دھاوا ایسا ہی تھا کہ انہوں نے خون سے بھی دربغ نہ کیا۔ کیسا نجیب سنا تھا ہے؟ اور پھر اس کی پھنسی حس بیدار ہو گئی۔ نونی داہم

”کیا وہ اس پر قتل کا الزام عائد کر رہے ہیں۔“  
 ”میں نہیں جانتا۔ لیکن پولیس اسے بھی پریشان کر رہی ہے۔“  
 ”میں کیا کر سکتا تھا۔ جب کہ وہ خود ہی اس کھیل میں آکو دی تھی۔“  
 ”کس کھیل میں...!“  
 ”میں کاؤ یو چون کی گاڑی میں لاش رکھنا چاہتا تھا۔“  
 ”کیوں رکھنا چاہتے تھے؟“  
 ”تمہیں اس سے کیا سر دکاری۔ میں پوچھ رہا تھا کہ بی فوستر کہاں ہے؟“  
 ”کیا میں کسی کربی فوستر کو جانتا ہوں۔“  
 ”عمران میں بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔“  
 ”مجھے سوچنے دو....!“ عمران خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچنے کی اینٹگ کرتا رہا  
 پھر بولا۔  
 ”ارے یہاں کے لوگوں کا کیا ہاتا۔“  
 ”سب خریت سے ہیں۔ صرف وہ نیگر و بہت مشکل سے قابو میں آیا تھا۔“  
 ”وہ کہاں ہیں۔“  
 ”تہہ خانے میں....!“  
 ”اوہ تو اس بوڑھے نے تمہیں سب کچھ بتا دیا۔“  
 ” حتیٰ کہ یہ بھی کہ وہ تمہیں کربی فوستر کے متعلق بھی بتا چکا ہے۔“  
 ”ہوں....!“ عمران نے طویل سانس لی اور اس کی آنکھوں میں دیکھا رہا۔  
 ”میں ابھی تک کھلا تراہا ہوں، لیکن اب تشدید پر اتر آؤں گا سمجھے۔“ سنگ ہی نے غصیلی آواز  
 لے کر پڑا۔  
 عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا تا رہا۔  
 ”بیاڑ کربی کہاں ہے۔“ اس نے پھر سخت لمحے میں پوچھا۔  
 ”ہو سکتا ہے؟“  
 ”کیا ہو سکتا ہے؟“  
 ”یہیں بکھو میں کربی کا پتہ بتا دوں۔“  
 ”جلدی سرو و وقت کم ہے۔“ سنگ ہی گھری کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

لیکن کے معلوم کہ اس آگ اگلتے ہوئے غار میں چھلانگ لگاتے وقت میری جسم پر فائر پروف  
 لباس تھا اور چہرے پر گیس ماسک۔“  
 ”اوہ! سمجھا تو اب تم زیرولینڈ کے لئے کام کر رہے ہو۔“  
 ”میں صرف اپنے لئے کام کرنے کا قائل ہوں۔“ وہ باسیں آنکھ دبا کر بولا۔  
 ”ظاہر ہے کہ تم انہیں لوگوں کے بھے چڑھے ہو گے۔“  
 ”پھر اس سے کیا۔ ایک بہت بڑا دھوکا ہی میری تخلیق کا باعث بنا تھا۔ دھوکا میری سر شست  
 میں ہے۔ میں کسی کو بھی نہایت آسانی سے دھوکا دے سکتا ہوں۔“  
 ”زیرولینڈ کہاں ہے۔“  
 جواب میں سنگ ہی نے جو کچھ بھی کہا اس سے اس کی ماں کی روح ضرور شرمندہ ہوئی ہو گی  
 اور عمران ہنس کر بولا تھا۔ ”تا ممکن۔“  
 ”کوئاں بند کرو۔ کربی فوستر کہاں ہے۔“  
 ”وہ بھی وہیں ہو گا جہاں زیرولینڈ ہے۔“ عمران نے مسکرا کر کہا۔  
 ”میں تمہاری بیٹیاں اڑا دوں گا سمجھے۔“  
 ”بہت دونوں سے مجھے جانتے ہو؟“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ سنگ ہی اسے  
 گھورتا رہا۔... پھر اپنے آدمیوں سے بولا۔ ”تم لوگ باہر جاؤ۔“  
 لیکن وہ جس نے روپا اور سنبھال رکھا تھا وہیں جمارا ہے۔  
 ”تم بھی جاؤ....!“ سنگ ہی نے اس سے کہا۔  
 اس کے جانے کے بعد اس نے عمران سے کہا۔ ”مینھے جاؤ۔“  
 ”بھلایا کیسے ممکن تھا کہ چچا کھڑا رہے اور بھتیجا بیٹھ جائے۔“  
 سنگ ہی چچا اور بھتیجے دونوں کو گالیاں دیتا ہوا بینیٹھ گیا۔  
 عمران استفہا میں انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔  
 ”تم ابھی تک اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے۔“ سنگ ہی نے کہا۔ ”ہر معاملے میں نائج  
 اڑانے سے تمہیں کیا فائدہ؟“  
 ”میری ایک دوست بھی نہیں ہو گئی ہے، اس معاملے میں....!“  
 ”وہ سوچیں لڑکی....؟“  
 ”ہاں....!“

اگر دھکلنے والے ذرا بھی چوکے تو پٹک کر چڑھا کھائے گا۔ انہوں نے اس کے ہاتھ پشت پر باندھ رکھے تھے۔

عمران نے اس سے بے تکی پاتک شروع کر دیں اور وہ آنکھیں چڑھے اُسے دیکھتا رہا۔  
دفعتائیں گے ہی بولا۔ ”کیا تمہیں توقع ہے کہ کوئی تمہاری مدد کے لئے یہاں پہنچ سکے گا۔“

”نبیں انکل سنگ...!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”میں اسے یاد کرنے کی کوشش کر رہا  
تھا کہ ہر آدمی اپنا جوڑا لے کر پیدا نہیں ہوتا۔“

دفعتائیں گے فائز کی آوازیں آئیں اور کسی نے مانیکروں فون پر جھج کر کہا۔ ”عمارت گھیرے  
میں لی جا چکی ہے۔ اگر کسی نے بھی کوئی غلط قدم اٹھایا تو جسم چھلنی ہو کر رہ جائے گا۔“



سنگ ہی عمران کی طرف دیکھ کر مسکرا یا اور بولا۔ ”اچھا تو وہ تمہارا ہی کوئی آدمی تھا۔ میں  
تمہاری صلاحیتوں کا قائل ہوں سمجھتے... لیکن....!“  
”لیکن کیا...!“

”کچھ نہیں۔“ سنگ ہی نے لاپرواٹی سے شانوں کو جبیش دی پھر بولا۔ ”ٹھیک ہے انہوں نے  
عladat گھر لی ہے لیکن اس وقت تک عladat میں داخل نہ ہو سکیں گے جب تک کہ میں نہ چاہوں۔“  
اس نے اپنے آدمی کے ہاتھ سے رو اور لیتے ہوئے داخلے کے دروازے کی طرف دیکھا پھر  
عمران سے بولا۔ ”تم بھی اسی طرح ختم کئے جاسکتے تھے جیسے فویں اور نشی کا کابذی گارڈ موت کی  
آغوش میں جاسوئے تھے۔“

”مجھے اعتراض ہے کہ وہ بیچارے کیوں مارے گے۔“

”ان کے ذریعہ تم کربی فوسر تک جا پہنچتے۔“ سنگ ہی متکرانہ لمحے میں بولا۔ ”ریٹا کی حماقت  
سے کھیل گز گیا۔ ابے صرف تمہاری اس کمین گاہ کا پتہ لگانا چاہئے تھا جہاں تم نے پناہ لی تھی...  
تمہارے ساتھ وہاں جانا نہیں چاہئے تھا... میں پھر کہتا ہوں لے کر بی فوسر و میرے ہوا  
کر دو درجنہ پچھتا گے۔“

باہر سے کسی نے مانیکروں فون پر کہا۔ ”اپنے یو الورز میں پر؛ ال، و۔“

”کون ہے یا؟“ سنگ ہی نے پیشانی پر بل؛ ال کر کہا۔ ”لیا اس کا داماغ خراب ہو گیا ہے۔“

”لیکن اس سے پہلے ناممکن ہے، جب تک کہ میں اپنی دوست کی پوزیشن صاف نہ کر دوں۔“  
”کاؤ یو چن کے علاوہ اور کوئی اس کا مدد دار نہیں ظہرایا جا سکتا۔“

”اس کے باوجود بھی کہ کربی میری گرفت میں آگیا ہے۔“ عمران اُسے گھورتا ہوا بولا۔  
”کیا وہ تمہیں کچھ بتا چکا ہے۔“

”میں اس سلسلے میں کسی قسم کی گفتگو پسند نہیں کرتا۔“ دفعتاً عمران کا لمحہ بھی ٹا خوٹگوار ہو گیا۔  
”اچھی بات ہے اب مجھے وہی کرنا پڑے گا جس سے ابھی تک احتراز کرتا رہا ہوں۔“

”اچھا تو کیا تم یہاں سے نکل سکو گے۔“  
”تمہیں بھی ساتھ لے جاؤں گا سمجھتے۔“ سنگ ہی نے زہریلے لمحے میں کہا۔

انتہے میں باہر سے دھینگا مشتی کی آواز آئی اور تھوڑی ہی در بعد وہ لوگ بلیک زیرو کو بھی کشاں کشاں اندر لائے۔ شاکر وہ دریافت حال کے لئے اندر آیا تھا۔  
”ابھی اور کتنے ہیں....؟“ سنگ ہی نے مضختہ انداز میں پوچھا۔

”عمران بلیک زیرو کو گھورتا رہا۔“  
”کیوں تم کون ہو۔“ اُس نے اس سے پوچھا۔ ”اتی رات گئے یہاں کیوں آئے تھے؟“

”جی مجھے زمرد خان چوکیدار کو اطلاع دینی تھی کہ اس کی بیوی کی حالت بہت خراب ہے۔“  
بلیک زیرو نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ”میں چور نہیں ہوں.... زمرد خان کو بلوائیے.... وہ مجھے پہچان  
لے گا۔ میں اس کا پڑ دی ہوں۔“

”اچھا ہم اُسے اطلاع دے دیں گے۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔ ”وہ ایک ضروری کام سے باہر  
گیا ہے۔“

”بہت بہتر جناب۔“ بلیک زیرو نے سہی ہوئے انداز میں کہا۔

”سنگ ہی اپنے آدمیوں سے بولا۔ ”جانے دو....!“

بلیک زیرو چلا گیا۔ عمران اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ باہر نکل کر کیا کرے گا۔

”اب اسے باندھ لے چلو۔“ سنگ ہی نے عمران کی طرف اشارہ کر کے اپنے آدمیوں سے آہن۔

”اس کی ضرورت نہیں میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔“ عمران بولا۔ ”لیکن اس سے پہلے میں  
اپنے بیگر و ملازم سے تکچھ کہنا چاہتا ہوں۔“

”اُسے لے آؤ۔“ سنگ ہی نے اپنے آدمیوں میں ایک کو مخاطب کیا۔

پھر تھوڑی در بعد جو زف اُسی طرح دھکیلا جاتا ہو اندر لایا گیا جیسے وہ کوئی زخمی بھیز رہا۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم کربلی فوستر سے کچھ معلوم نہ کر سکو گے۔ میرا دعویٰ ہے۔“  
”لیانا معلوم کر سکوں گا....؟“

”کومت....!“ سنگ ہی نے بزرگانہ انداز میں چھپھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ ایسا معلوم ہوا رہا تھا  
جیسے اسے عمارت کے گھرے جانے کی ذرہ برا بر بھی پرواہ نہ ہو۔

دفتار پوری عمارت کی روشنی تاhabit ہو گئی اور باہر سے ماں سکر و فون چینچ لگا۔ ”خبردار... خبردار!“  
 عمران جہاں تھا مسامد ہے بیٹھا رہ گیا... کمرہ تاریکی اور سکوت میں ڈوبا رہا تھا۔ عمران اچھی

طرح جانتا تھا کہ سنگ اور اس کے ساتھی نکل گئے ہوں گے۔ دفتار روشنی غائب ہو جانے کا مطلب  
تھا کہ پہلے ہی سے اس کا کوئی آدمی میں سوچ کے قریب موجود رہا ہوگا۔ کم منٹ گذر گئے۔

ماں سکر و فون سے باہر سے دھمکیاں سنائی دیتی رہیں لیکن کمرے میں زندگی کے آثار مفتوح تھے۔  
 عمران نے جوزف کو آواز دی۔ .... بھرائی ہوئی آواز میں جواب بھی مل گیا۔ لیکن کوئی

تیری آواز نہ سنائی دی۔ ماں سکر و فون سے اب بھی دھمکیاں نشر ہو رہی تھیں۔ .... عمران سمجھ گیا  
کہ بلیک زیر وہ تھا ہے؟ اور اپنی ریڈیو کار کامائیک استعمال کر رہا ہے۔

عمران اٹھا اور ٹوٹا ہوا داخلے کے دروازے سک ک آیا۔ .... وہ سوچ رہا تھا کہ کچھ بھی ہو بلیک  
زیر وہ نے عقل مندی سے کام لیا ہے۔ ....؟ سنگ اور اس کے ساتھی کسی بڑے غطرے کے  
 مقابلے میں پڑ کر بھاگ نکلے تھے۔

برآمدے میں پیچ کروہ پھر رک گیا۔ باہر کافی اجالا تھا۔ لیکن اتنا زیادہ بھی نہیں کہ مہندی کی  
باڑھوں کی اوٹ میں چھپ چھپا کر چلنے والے واضح طور پر نظر آئتے۔

ایک بار ماں سکر و فون خاموش ہوا ہی تھا کہ عمران نے چیخ کر کہا۔ ”اب ختم بھی کرو یہ حماقت۔“  
”کیوں کیا ہو....؟“ ماں سکر و فون سے آواز آئی۔

”یہاں آؤ....!“ عمران نے بلند آواز میں کہا۔  
بلیک زیر وہ کی ریڈیو کار فرانے بھرتی ہوئی پورچ میں آرکی۔

”وہ نکل گئے۔“ عمران نے کہہ جا کر میں سوچ ہوئے تھے۔ اتنا کوئی آدمی پہلے سے دہان سوبہود تھا۔  
بلیک زیر و گازی سے اتر کر عمارت میں داخل ہو گیا اور تھوڑی دیر بعد کھڑکیوں میں روشنی  
نظر آنے لگی۔

عمران اندر گیا۔ جوزف فرش پر اونڈھا پڑا اونٹ پیس رہا تھا۔ بلیک زیر وہ نے اس کے ساتھ  
کھولے اور وہ غریبات ہوا لٹھ میختا۔ باس انہوں نے سب خوبیں میختے سے حمد کیا تھا۔“

”کوئی بات نہیں۔“ عمران نے کہا۔ ”اب جا کر سو جاؤ۔“  
”وہ کون تھے باس مجھے بتاؤ۔“  
”میں کہہ رہا ہوں سو جاؤ جا کر۔“

جوزف چپ چاپ چلا گیا۔ .... عمران خاموش کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ دفتار فون کی گھنٹی بجی اور اس  
نے رسیور اٹھایا۔ .... اس کی ”ہیلو“ پر دوسرا طرف سے آواز آئی۔ ”مظلوم چپا۔....“  
”تمہارے وہ آدمی جو کربلی فوستر کے بنگلے کی گمراہی کر رہے تھے چار دیواری کے ساتھ بے  
ہوش پڑے پائے جائیں گے۔“

عمران نے کچھ کہنا چاہا لیکن دوسرا طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔  
”کربلی فوستر کے بنگلے کی چار دیواری کے قریب وہ گدھے بیہوش پڑے ہیں۔“ عمران نے  
بلیک زیر وہ سے کہا۔ ”انہیں دیکھو۔“  
”اوہ.... تبھی تو.... جواب نہیں ملا تھا۔“ بلیک زیر وہ نے سر ہلا کر کہا۔ ”میں نے ان میں سے  
کسی کو متوجہ کر لیکی کو شش کی تھی... اگر ایک بھی مل گیا ہو تا تو اس وقت حالات دوسرے ہوتے۔“  
”بجا رشاد فرمایا۔....!“ عمران کے لمحے میں طنز تھا۔

بلیک زیر وہ کے چلے جانے کے بعد بھی وہ خیالات میں ڈوبا رہا۔ .... سنگ ہی؟ اس نے طویل  
سانس لی۔ .... میک اپ میں ہونے کے باوجود بھی عمران اس کی عقابی نظر وہ سے نہیں چھپ سکا۔  
پھر اب کیا ہو گا۔ کوئی نہیں جانتا کہ سنگ ہی نہ صرف زندہ ہے بلکہ یہاں موجود بھی ہے۔  
اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ نھیک ہے یہاں اس کی موجودگی راز ہی رہتی چاہئے.... ورنہ خواہ مخواہ  
ہر اس پھیلے گا اور وہ تو تھا ہی اس قسم کا آدمی۔ .... ہر اس پھیلنا کر اطمینان سے شکار کھیلتا اس کا  
محبوب مشغله تھا۔ لیکن اب وہ کہاں مل سکے گا۔

اب اس عمارت سے نکلے ہوئے ہر آدمی کی گمراہی کی جائے گی۔ ہو سکتا ہے اس وقت بھی  
بلیک زیر وہ کا تعاقب کیا گیا ہو۔ اس کے سارے آدمی سنگ ہی کی نظر وہ میں آچکے ہیں پھر داش  
منزل تک پہنچنے کی کیا صورت ہو گی۔ وہ نہیں پاپتا تھا کہ داش منزل بھی ان کی نظر وہ میں  
آجائے.... وہ تیزی سے اس کمرے کی طرف بڑھا جاں نہ سیمیز تھا۔  
نہ سیمیز پر بلیک زیر وہ کو متوجہ کیا جس کا میں بلیک زیر وہ یہاں سے گیا تھا نہ سیمیز بھی رکھتی تھی۔  
”لیکھو....!“ اس نے اسے کوڈ رہا میں منطبق کیا۔ ”انہیں داش منزل کی طرف نہ جائے  
رہنا اور تم بھی مت جانا۔ ان سے کہنا کہ وہ اپنی قیام کا ہوں پر جائیں اور تم سیدھے تینیں چیزیں پیے

آنا۔ اور اینڈ آل...!

تہہ خانے میں دوسرے ملازمین بھی جکڑے پڑے تھے۔ جنہیں ایک ایک کر کے جوزف رہا کر رہا تھا۔ ان کے بیانات کے مطابق وہ بھی بے خبری میں مارے گئے تھے۔

عمران انہیں تسلیاں دیتا ہوا پھر ڈر انہنگ رومن میں آبیٹھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ کربی فوستر نک سر طرح پہنچے۔ یقیناً وہ کوئی ایسی بات جانتا تھا جو نشی کا کے قتل پر پوری طرح روشنی ڈال سکتی۔

اس نے فون پر دانش منزل کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف سے جولیا کی آواز آئی اور عمران نے ماٹھ پیس میں کہا۔ ”تم دانش منزل ہی میں ٹھہرنا۔ کھیل بگو گیا ہے۔ میں فی الحال دانش منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ کیا تم کربی فوستر سے نشی کا کے قتل کے متعلق پچھے نہیں معلوم کر سکو گی۔“ ”وہ درندہ ہے۔ میں ساٹھ پروف کرے میں تھا ہرگز نہیں جاؤں گی۔“

”مناسب ہی ہے کہ اب تم کسی شریف آدمی کا گھر بساو۔“ عمران نے ناخوش گوار بجے میں کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

تحوڑی دیر بعد مشرقي اپنے میں چمکیلی سرخیاں لہرانے لگیں۔ اور اجالا پھیل گیا۔۔۔ عمران مضطرب باندہ انداز میں ٹہل رہا تھا۔

کچھ دیر بعد بیک زیر و کمرے میں داخل ہوا اور اس نے اطلاع دی کہ بے ہوش ماتحت اپنے گھروں کو جا چکے ہیں۔

”ان کے سروں پر زخم ہیں۔“ بیک زیر و نے کہا۔ ”بے خبری میں حملہ کر کے بیہوش کئے گئے تھے۔ وہ مختلف جگہوں سے عمارت کی گمراہی کر رہے تھے اس لئے ایک دوسرے کے شرے واقف نہ ہو سکے۔“

”لیکن اب میں جو حشر کروں گا ان کا اس سے وہ بخوبی واقف ہو جائیں گے۔“ عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔ بیک زیر و کچھ نہ بولا۔

عمران تھوڑی دیر تک کچھ سوچا رہا پھر بولا۔ ”یران سے پھوٹی سیاہ دین نکالو اور اسے پورا میں روک کر یہاں داپس آؤ۔“

اُسکے جانے کے بعد عمران نے جوزف کو با کر ایک ہاتھیا اُنے کو کہا۔ وہ تھیا تو ایسا لیکن اُس کے سلسلے میں دوسرا حکم منے سے قطعی طور پر انکار کر دیا۔ عمران اس سے کہہ رہا تھا کہ ”ادا سے تھیے میں خونس کر اُس کا منہ رسمی سے باندھ دے اور تھیلے کو دین میں رکھ کے بعد اس کا منہ گھول دے۔“

بشكل تمام تیار ہوا۔۔۔ چونکہ نشے میں نہیں تھا اسلئے بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ وین کا پچھلا دروازہ بند کر کے وہ بڑا تباہا عمارت میں واپس چلا گیا۔ عمران نے لیئے ہی لیئے بلیک زیر و سے کہا۔ ”کسی طرف بھی چل پڑو۔۔۔ اور اس حصے کا شیڈ بھی گراو۔۔۔!“ بلیک زیر و نے شیڈ گرا دیا اور گاڑی فرائے بھرتی ہوئی کپاٹ نہ سے باہر نکل گئی عمران تھیلے سے باہر نکل چکا تھا پچھلے دروازے کے قفل کے سوراخ سے داہنی آنکھ جا گئی۔ اجالا پھیل گیا تھا لیکن ابھی کر نہیں نہیں پھوٹی تھیں۔ سڑکوں پر ٹرینک کی زیادتی بھی نہیں تھی۔ غالباً بلیک زیر و اس بھاگ دوڑ کا مقصد سمجھ گیا تھا اس لئے گاڑی زیادہ تر ایسی ہی سڑکوں پر دوڑ رہی تھی جن پر ٹرینک کی زیادتی نہیں رہتی۔ کئی بار تو اس نے بالکل سنان گلوں میں گاڑی موڑی تھی اور عمران کا اندازہ قطعی درست نکلا تھا۔ ایک موڑ سائکلنگ رابر ان کا تعاقب کرتی رہی تھی۔ عمران نے مڑ کر ڈرائیور کی سیٹ کی طرف والا شیڈ تھوڑا سا اٹھایا اور بلیک زیر و سے بولا۔ ”اب گاڑی دیرانے کی طرف نکال لے چلو۔۔۔!“



موڑ سائکلنگ برابر تعاقب کرتی رہی۔ عمران کو یقین ہو گیا تھا کہ اس موڑ سائکلنگ کے علاوہ اور کوئی دوسری گاڑی ان کا تعاقب نہیں کر رہی ہے۔ وین شہری آبادی سے بہت دور نکل آئی تھی اور اب دھوپ بھی چھٹیے لگی تھی۔ دفعتاً عمران نے مڑ کر بلیک زیر و سے کہا۔ ”اب گاڑی روک کر یہ نیچے اتر و اور اس طرح بونٹ اٹھا کر جھک پڑو جیسے انجن میں کوئی خرابی واقع ہو گئی ہو۔“

بلیک زیر و نے بغیر حل و جلت تمیل کی۔

دوسرے ہی لمحے میں موڑ سائکلنگ بھی نہیک اسی کے پاس آ کر رک گئی۔ ”کیا میں کوئی مدد کر سکتا ہوں۔“ موڑ سائکلنگ سوار نے بلیک زیر و سے کہا۔ یہ ایسہ نیہہ نوجوان تھا۔۔۔ صورت اچھی تھی اور اس نے شکاریوں کا سالاباس پہن رکھا تھا۔ کاندھے سے ایک دونالی بندوق بھی نک رہی تھی۔

”آپ یہاں کہاں سیلیں گے۔۔۔؟“ بلیک زیر و نے مایوسانہ لہجے میں پوچھا۔ ”شانکہ کچھ کر سکوں۔۔۔ ریڈ یو ملکنگ ہوں۔“

"اوہ.... شکریہ....!" بلکہ زیر و خوش ہو کر بولا۔

اتی دیر میں عمران پچھلا دروازہ کھول کر دوین سے نیچے اتر چکا تھا۔  
پھر موڑ سائیکل سوار کی کن پٹی پر ایک ایسا ہی جھاتلا ہاتھ پڑا کہ وہ کسی قسم کی آواز نکالے  
بغیر ذہیر ہو گیا۔ بلکہ زیر و نے اُسے دوبارہ اٹھتے نہیں دیکھا۔  
وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

پھر ان دونوں نے اُسے اٹھا کر دوین کے پچھلے حصے میں ڈال دیا۔ عمران نے بلکہ زیر و سے کہا  
کہ وہ اُسے رانا چیلس لے جائے اور خود اس کی موڑ سائیکل سنپھال لی۔ پڑوں کی پوزیشن معلوم  
کر لینے کے بعد وہ داش منزل کی طرف چل پڑا۔ ایسے راستے اختیار کئے کہ کسی سے نہ بھیز  
ہو جانے کے امکانات نہ رہیں۔ ویسے وہاب بھی موڑ ڈائیور ہی کے میک اپ میں تھا۔

داش منزل پہنچ کر معلوم ہوا کہ جولیا بے خبر سورہ ہی ہے۔۔۔ وہ ساؤنڈ پروف کمرے میں آیا  
کربی فوستر بھی بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ عمران کو دیکھ کر کسی خونخوار درندے کی طرح اسکی طرف جھپٹا۔  
عمران نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کے بنائے اور اُسکے سینے پر سید کردیے وہ لڑکھڑا ہوا چیچھے ہٹا۔

"ہوش میں آؤ دوست....!" اُس نے زہریلے لمحے میں کہا۔ "اگر تم نے اب بھی زبان نہ  
کھوئی تو ہم تمہیں اس طرح پالنے سے رہے۔۔۔ تمہیں چھوڑ بھی نہ سکیں گے۔ تم سے پچھا  
چھڑانے کا بس یہی طریقہ ہو گا کہ ختم کر کے بیہم دفن کر دیں۔"

کربی فوستر خاموشی سے ہانپتا اور اُسے گھورتا رہا۔

"جلدی کرو.... وقت کم ہے؟"

"تم کیا جانتا چاہتے ہو؟"

"بھی کہ تم نشی کا کے قتل کے بارے میں کیا جانتے ہو۔"

"تم کون ہو اور کیوں جانتا چاہتے ہو۔"

"اپنی حکومت کا نمائندہ جو حکومت کی نیک نای برقرار رکھنے کے لئے کام کرتا ہے...."

"نشی کا کو خود اُس کے شوہر آزمیں سینے میری موجودگی میں قتل کیا تھا۔"

"تمہاری موجودگی میں۔"

"ہاں....!" وہ آنکھیں بند کر کے مسکرا لیا۔ "دنیا کی ہر صیمن عورت پر میرا حق ہے۔۔۔  
دوسرے مجھ سے یہ یہ حق چھین لیتے چاہتے ہیں۔۔۔ ہم دونوں اُس، وقت تک بھی تھے۔ وہ کسی پھر سے  
ہوئے خبیث کی طرف کمرے میں ھس آیا تھا۔۔۔ اس کے ساتھ پچھو آدمی اور بھی تھے۔۔۔ اس

نے بڑی بے دردی سے اپنی بیوی نشی کا کوڈنگ کر دیا تھا۔۔۔ میں سمجھا تھا شائد میرا بھی یہی حشر  
ہو گا۔ شائد مجھے اس نے قتل نہیں کیا گیا تھا کہ کچھ لوگ جانتے تھے کہ میں اس وقت کہاں ہوں۔  
خود میرا سفیر جانتا تھا۔ کیونکہ میرے ہی تو سطہ سے وہ اس تک بھی بچنچے والی تھی۔ آہ! کیا عورت  
تھی۔ کتنی رحم دل۔۔۔ اُس نے کبھی کسی خارش زدہ کتنے کا بھی دل نہیں توڑا۔ ہاں تو پھر میں اُسی  
کے آدمیوں کی مگر انی میں گھر پہنچا دیا گیا۔ مجھے دھمکی دی گئی کہ اگر میں نے گھر سے باہر قدم نکالا  
تو میں قتل کر دیا جاؤں گا۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد مجھے اپنے سفیر کا پیغام بھی ملا کہ میں خود کو اپنی  
کوئی تک محدود کر لوں۔۔۔ دوسرے دن باقاعدہ طور پر مجھے اپنے سفارت خانے سے اطلاع مل  
گئی کہ مجھے یہاں سے واپس جانا ہے۔۔۔ اُف فو۔۔۔ کیا عورت تھی۔ میں ساری زندگی اس کے  
لئے مغموم رہوں گا۔ سپر دلگی میں کتنی مانتا ہوتی تھی۔"

"ایسے کچھ اور لوگوں کے نام بھی بتا سکو گے جو اس سے قریب تھے؟" عمران بولا۔

"ہاں کتنی آدمیوں کو جانتا ہوں۔۔۔ میرا خیال ہے کہ ان میں سے ایک آدمی پولیس کی  
حراست میں بھی ہے جس کی کار میں اُس کی لاش پائی گئی تھی۔"  
"کاؤ یو چن۔۔۔؟" عمران نے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ وہ بے ہنگم چینی۔۔۔ تم خود سوچو کیا وہ اس قبل ہے کہ نشی کا جیسی کلپرڈ عورت اُسے  
لفٹ دیتی۔۔۔ لیکن اس نے اسے بھی مایوس نہیں کیا تھا۔۔۔ اوہ۔۔۔ اوہ۔۔۔ عجیب عورت تھی۔  
حد ہو گئی کہ اُس کے چاہنے والوں نے کبھی ایک دوسرے کی رقبات محسوس نہیں کی۔۔۔ لاش  
کاؤ یو چن کی کاڑی میں ڈلوادی گئی تاکہ وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ قتل کا مجرم گرا ناتاجاۓ۔"

عمران نے اُس سے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کا بیان وزارت خارجہ کے  
کسکر پڑے یا۔۔۔ ایسیں کے سفارت خانے کے کسی ذمہ دار آفسر کے سامنے ریکارڈ کیا جانا چاہئے۔۔۔  
کربی فوستر کو شراب میں پھر بیوی کی دوادی گئی۔ عمران جانتا تھا کہ ہوش و حواس میں وہ  
دشواریاں پیدا کرے گا۔

بے ہوشی ہی کی حالت میں وہ اُسے سر سلطان کے دفتر تک لے گیا۔ فون پر پبلے ہی انہیں  
اطلاع دے چکا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ بر ایسیں کے سفارت خانے سے جسے مناسب سمجھیں  
بلوائیں۔۔۔ مہاں سفارت خانے لے دو ذمہ دار آفسر نظر آئے۔۔۔ کربی فوستر نے ہوش میں  
آنے کے بعد بنگامہ برپا کرنا چاہا لیکن اُس کے سفارت خانے کے آفسر جو بے حد سنجیدہ نظر  
آرہے تھے مانع ہوئے اور اُسے اپنا بیان باقاعدہ طور پر ریکارڈ کرنا پڑا۔ اس کے بعد عمران نے اس

اس سے پہنچا آسان کام نہ ہو گا۔۔۔ اور پھر اب یہ نکراوہ بھی حیثیت کا ہو گا۔ وہ اپنے ماتحتوں سے بھی مدد لے سکے گا یا نہیں۔ اس نے لاپرواں سے شانوں کو جنبش دی اور سوچنے لگا کہ سر سلطان کے دم نکل آئے تو کیسی رہے۔

وہ راتاں چیلیں آیا۔ یہاں بلیک زیر و اس موڑ سائیکل سوار سمیت موجود تھا عمران نے موڑ سائیکل اسکے حوالے کی اور اسکی غضب ناکی کو نظر انداز کر کے بائیں آنکھ دباتا ہوا بولا۔ ”شوق سے پولیس اسٹیشن پر پورٹ درج کرو۔ میرا نام علی عمران ایم ایس۔ سی۔ ذی۔ ایس۔ سی۔ آسکن ہے۔“ وہ اسے دھمکیاں دیتا ہوا چلا گیا۔۔۔ پھر کچھ دیر بعد فون کی گھنٹی بجی عمران نے ریسیور اٹھایا اور دوسرا طرف سے آواز آئی۔ ”اب بہت محتاط ہو کر گھر سے قدم باہر نکالنا۔۔۔؟“

اس کی آواز بے حد خوفناک تھی۔ دوسرا طرف سے سلسلہ منقطع ہو جانے کے بعد ہی عمران نے ریسیور کھا اور سامنے والی دیوار کو آنکھ مار کر مسکرانے لگا۔

تیرے دن۔۔۔ اخبارات میں ایک خبر تھی جسکے مطابق کاؤنیو جن بے گناہ ثابت ہوا تھا۔ کسی نے اسے پھنسانے کی کوشش کی تھی۔ ملک کے بہترین سراغ رساں بڑی سرگرمی سے قاتل کی ٹلاش میں تھے۔ سرکاری طور پر توقع ظاہر کی گئی تھی کہ غفریب وہ کامیاب ہو جائیں گے۔ عمران نے خبر پڑھ کر مسکراتے ہوئے جو لیا کو آنکھ ماری تھی اور جو لیا پیپر ویٹ اٹھا کر اُس پر چڑھ دوڑی تھی۔

اور پھر کچھ دیر بعد جو لیا نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔ ”تم آج کل اتنے محتاط کیوں نظر آتے ہو۔“ ”مقدرات۔۔۔!“ عمران مٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”ایک بہت ہی خطرناک آدمی سے نکراوہ ہو گیا ہے۔“

”وہ کون ہے؟ تم بتاتے کیوں نہیں؟“

”جو نک۔۔۔!“

”کیا مطلب۔۔۔!“

”آسے قریب سے جانے والے ان نام سے یاد کرتے ہیں۔“ عمران بولا۔ ”وہ تھری بڑے سے بڑے جرم کا مر تکب ہو جاتا ہے اور اس طرز شہر کی سڑکوں پر آزادانہ پھرتا ہے جیسے اسے کسی کی بھی پر وادن ہو۔“

”یہاں ایسا کوئی آدمی موجود ہے۔۔۔؟“

عمران نے کچھ سوچنے ہوئے سر کو اثبات میں جنبش دی۔۔۔ تھوڑی دیر خاموس رہا پھر بولا۔

سے ان لوگوں کے متعلق پوچھا جو قتل کے سلسلے میں نشی کا کے شوہر کے معاون بنے تھے اور اس نتیجے پر پہنچا کر سنگ ہی جائے واردات پر موجود تھا۔ لیکن اس نے گفتگو میں ایک بار بھی سنگ ہی کا نام نہیں لیا۔ وہ یہاں اس کی موجودگی کا علم فی الحال اپنی ہی ذات تک محدود رکھنا چاہتا تھا۔

ضروری کارروائی کے بعد کربنی فوستر کو اپنے آدمیوں کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی گئی۔ اب عمران اور سر سلطان کمرے میں تھا تھے۔

”تم نے بڑا کام کیا؟“ انہوں نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”مگر بڑی دشواریاں ہیں۔ یہ واقعہ منظر عام پر نہیں لایا جاسکے گا۔“

”میں سمجھتا ہوں۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”لہذا اب اسے بھول جاؤ۔“

”اُس کی رہائی کی بھی تدبیر ہو جائے گی اور بظاہر ہماری حکومت اصل قاتل کا پڑھ لگانے میں ناکام ہو جائے گی۔“

ٹھیک اُسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ سر سلطان نے ریسیور اٹھایا اور پیشانی پر شکنیں ڈالے سنتے رہے کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا جیسے خود بھی کچھ کہنا چاہتے ہوں لیکن پھر جلدی سے سر ہلاتے ہوئے ”ہاں ہاں“ کرنے لگتے۔ آخر کار وہ ریسیور کھ کر عمران کی طرف ہڑے۔

”تم نے دیکھا۔ یہ نشی کا کا قاتل بول رہا تھا۔ اسے معلوم ہو چکا ہے کہ کربنی فوستر یہاں تھا۔۔۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اس معاملے کی پلیسی نہ کی جائے۔ بہت ہی رازدارانہ طور پر اس کی حکومت کو اطلاع دی جائے ورنہ اگر اُس کے ملک میں اصل قاتل کی پلیسی ہو گئی تو ہو سکتا ہے کہ حکومت ہی بدلت جائے۔۔۔ کیا سمجھے اس کی حکومت بھی اصل قاتل کا نام ظاہر نہ ہونے دے گی۔۔۔ نشی کا اپنے ملک میں بہت مشہور تھی۔ بے حد مقبول۔ تم اس کی مقبولیت کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔“

”مجھے ضرورت بھی کیا ہے تصور کرنے کی۔“ عمران نے لاپرواں سے شانوں کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ ”میں جانتا ہوں کہ حکومتوں سے سرزد ہونے والے جرام جرام نہیں حکمت عملی لہلاتے ہیں۔ جرم تو صرف وہ ہے جو انفرادی حیثیت سے کیا جائے؟“ پھر وہ انکھ گیا۔

سر سلطان نے کہا۔ ”میں ہو۔۔۔ میں ہو۔۔۔!“

”نہیں شکر یہ امداد خراب ہو گیا ہے۔“

وہ باہر آیا۔۔۔ لیکن سوچ رہا تھا کہ اب راولنی میں تھری جرام ہو جائے گی۔ یہ قصد تو کسی نہیں تھا۔ طرح نعم ہوا لیکن سنگ ہی۔

”وہ مجھے بہت آسانی سے قتل کر سکتا تھا لیکن میرے احساس بے بسی سے محفوظ ہونے کے لئے ایسا نہیں کیا؟“

”اوہ.... پھر کیا ہوا۔“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔ ”وہ کامیاب کب ہوا تھا.... تم کتنی آسانی سے کربی فوٹر کو نکال لائے تھے۔“

”ہوں.... مگر کیا ہوا....؟ لا حاصل.... وہ ہمارے کس کام آیا.....؟“  
”میں یقین نہیں کر سکتی؟ میرا دعویٰ ہے کہ کوئی چیز چھپائی گئی ہے.... مجھے یقین ہے کہ کربی فوٹر نے اصل قاتل پر روشنی ڈالی تھی۔“

”اور یہ اخبارات جھک مار رہے ہیں؟ کیوں؟“ وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

”ایک سفارت خانے کا مفہولہ تھا۔“ جو لیانے بے اعتباری کے لیج میں کہا۔

”اڑے تو میرے کان کیوں چاڑ رہی ہو۔ پوچھواؤ پنے چیف سے۔ میں تو کمیش ایجنس ہوں۔“

”خیر یہی بتا د کیا اُس دن کا دیو چمن دیدہ دانتہ میرے پیچھے لگا تھا۔“

”نہیں! وہ تمہارے نام تک سے واقف نہیں تھا.... اسی دوران میں.... انہیں اس کی گاڑی میں لاش رکھ دیئے کا موقع مل گیا تھا اور وہ دوسرا چینی یاد ہے نا تمہیں... کیا خیال ہے اسکے متعلق۔“

”اتمال بنا چکنی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔“

”جوک....!“

”اوہ تو کیا وہی تھا....؟“ جو لیانے حرمت سے کہا۔

”ہوں.... وہی!“

”تم اُسے کب سے جانتے ہو۔“

”بہت دونوں سے... یہاں اُس کی موجودگی کسی بہت بڑے ہنگامے کا پیش خیمہ بھی بن سکتی ہے۔“

”پھر اب تم کیا کرو گے۔“

”اردو ادب کا کوئی نامور نقاد ہن کر جا سو سی ناہل نویسوں کو گالیاں دتا پھر وال گا۔“

”چل پڑا چرخہ....!“ جو لیا برا اسمانہ بنا کر بولی۔

” عمران چو نگم کا پیکٹ پھاڑ رہا تھا۔

﴿نَخْتَمَ شِدَّ﴾

## عمران سیریز نمبر 36

# زہریلی تصویر

ابن صفائی

دوسراضخیم ناول

ادھر کچھ خطوط کے ذریعے خکایت موصول ہوئی ہے کہ میری کتابوں میں  
کتابت کی غلطیوں کی طرف دھیان نہیں دیا جاتا۔ عرض ہے کہ عطف و اضافت  
کی غلطیاں اکثر بقدر دیکھنے کے باوجود بھی رہ جاتی ہیں۔ ویسے پوری پوری کوشش  
کی جاتی ہے کہ ایسا نہ ہونے پائے.... پھر جناب کاتب حضرات توہاٹھ سے لکھتے  
ہیں دماغ سے نہیں اور یہ بھی اچھا ہی ہے کہ دماغ نہیں استغفار کرتے.... اگر  
کبھی دماغ بھی استعمال کر جاتے ہیں تو پھر مصنف کے لئے ملک الموت ہی ثابت  
ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ عرض ہے.... کسی اچھے لکھنے والے نے  
شہرہ آفاق مصور پکا سو پر ایک مضمون کی سرخی بھی ”پکا سو“ ہی رکھی.... کاتب  
صاحب لکھتے وقت چونکے سرخی کو آنکھیں پھاڑ کر گھورا۔ پھر مستکارے اور سر ہلا کر  
زیریں بولے ”اچھا لکھنا بھول گئے.....!“

لہذا انہوں نے از راہ چشم پوشی ایڈیٹر سے بھی کچھ نہ کہا اور سرخی جمادی  
”پکا سو....!“

پھر پورے مضمون میں جہاں بھی ”پکا سو“ کا نام آیا ”ر“ کا اضافہ کرتے چلے  
گئے....! پروف ریڈر عموماً فرض کر لیتے ہیں کہ کاتب نے سب ٹھیک ہی لکھا  
ہوا گا۔ بھلا لفظ کے لئے عقل کی کیا ضرورت.... لہذا رسالے میں ”پکا سو“ پر  
ایک مبسوط مقالہ شائع ہو گیا۔ اب ایڈیٹر صاحب اپنی میز پر سر کے بل کھڑے یہ  
سوچتے رہ گئے کہ آئندہ پڑھے لکھے لوگوں کو کیسے مند دکھائیں گے۔

اکثر کتابت کی غلطیاں لطیفہ بھی بن جاتی ہیں۔ ایک بڑے مشہور ماہنامہ  
کے غلط نامے میں ایک جگہ یہ تحریر نظر آئی ”صفحہ فلام“ کے پہلے کالم کی فلام سطر  
میں جینیس کی بجائے جینیس (Genius) پڑھا جائے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے جینیس کی جگہ جینیس لکھ گئے تھے۔ قبل کاتب صاحب!  
ہو سکتا ہے کہ کوئی جینیس صورتی اعتبار سے جینیس سے بھی بدتر ہو نہیں اس کے

## پیشہ رسم

”جوک کی واپسی“ کے بعد ”زہریلی تصویر“ ملاحظہ فرمائیے.... اور مجھے  
مطلع ہیجئے کہ عمران اور سنگ ہی کے مابین خاطر خواہ ”مجاولہ“ ہوا ہے یا نہیں۔ اب  
اُسے کیا کہئے کہ سنگ ہی کو عمران کے اندازے کے برخلاف پہلے ہی ہوش آگیا  
تھا.... خیر جانے دیجئے.... پھر سی.... انہیں جس چیز کی تلاش تھی مل  
گئی.... لیکن بھلا کس کا ہوا؟ یہ کہانی بتائے گی۔ سنگ ہی نے تو وہاں بھی چوٹ  
دینے کی کوشش کی تھی۔

اگر آپ اس کہانی کو نامکمل کہیں تو یہ زیادتی ہو گی۔ قصہ شروع ہوا تھا  
پروفیسر کی موت سے.... اور اسی کے گرد کہانی گھوستی رہتی۔ وہ کیوں قتل لیا گیا  
تھا کس نے قتل کیا تھا؟ ان دونوں باتوں کا جواب آپ کو اس کہانی میں مل جائے  
گا۔ ”ربیں انجمن یہاں کاں“ کی بات تو اس کے متعلق تفصیلات ”یہاں کوں کی تلاش“  
میں ملاحظہ فرمائیے گا۔ ساجدہ کا گرد اس میں اور زیادہ ابھر کر سامنے آئے گا۔

انعال و اقوال پر ”مہینیانہ پن“ کا شہر بھی نہیں کیا جاسکتا۔ پھر بھلا بتائے...  
کاتب صاحب کو جیسیں پر بھیں کادھوکہ کیوں کر ہوا۔

بس جناب یہ حضرات صرف ہاتھ سے لکھیں تب بھی مصیبت اور خدا  
خواستہ دماغ لڑا بیٹھیں تو پکا سو جیسے مصور کی مٹی پلید کر دیں لہذا اکثر سوچتا ہوں  
کہ کہیں کاتب کا دماغ اللہ میاں کا کوئی تجیری کارنامہ تو نہیں۔ آپ بھی اس پر  
غور فرمائیے اور اس کتاب میں بھی کہیں کتابت کی کوئی غلطی نظر آجائے تو اس  
کے علاوہ اور کچھ نہ سوچنے گا کہ ہمارے کاتب صاحب بھی.... وہ.... یعنی  
کہ.... خمر....

## ابن صفحہ

۱۹۶۶ / جنوری ۲۹

استاد محبوب زرالے عالم جان کو آگئے تھے۔ گھنٹی بجائے بغیر فلیٹ میں داخل ہوتے!  
”السلام علیکم“ کا دھماکہ ہوتا... اور وہ باری باری سے اس انداز میں حاضرین سے مصافی  
کرتے جیسے قرض معسود وصول کر رہے ہوں۔

عمران جیسا آدمی بھی ان کے مصافنوں سے بور ہو گیا تھا۔ حاضرین میں سے کسی کو بھی نہ  
بخشش طوعاً کرنا ہو زوف کو بھی مصافی کرنا پڑتا۔ ویسے وہ کمی بار عمران سے کہہ چکا تھا۔ ”باس اگر کہو  
تو کسی دن اسے اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دوں۔“

سلیمان البتہ انہیں ہاتھوں ہاتھ لیتا تھا۔ اکثر کہتا مجھے بھی شاعر بناؤ... اور استاد گروں اکڑا  
کر کہتے ”میاں یہ ساہری ہے... سکھائی نہیں جاتی... ایک چیز ہوتی ہے تجھیں صرف ادیفون  
(اویپوں) لو نصیب ہوتی ہے۔ ساہری نہ سکھی جائتی ہے اور نہ ہی سکھائی جائتی ہے۔“

آج بھی وہ اسی انداز میں آدمیکے تھے۔ جو یا۔ صدر۔ جوزف اور سلیمان سمجھی نشست کے  
کمرے میں کسی اتفاق کے تحت اکٹھا تھے۔  
استاد نے سب سے مصافی یہ لیکن جو نیاں طرف متوجہ ہوئے۔ تم ان نے باہم آنکھ دبا

کر آہتے سے کہا۔ ”اور ان سے؟“  
”ارے... ہی ہی ہی!“ استاد نے سکھوں سے جولیا کی طرف دیکھتے ہوئے دانت نکال دیئے۔ پھر سنجل کر بولے۔ ” عمران صاحب... غصب ہو گیا؟“  
”خیریت...!“

” اردو کے بہت بڑے ادیب حضرت گلام آشیانوی کا انتقال ہو گیا۔“  
” بڑی خوشی ہوئی۔“

” ارے ایسا نہ کہئے۔ بہت بڑی خدمت کی ہے اردو کی... اب اخبارات میر ایمان بھی مانگ رہے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا بیان دوں...!“

” صدر نے اسے گور کر دیکھا اور اسامنہ بناتے ہوئے دوسرا طرف دیکھنے لگا۔  
” بیان....!“ عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”میں کو شش کروں؟“

” ارے وادا!... ضرور ضرور... میر ادماغ آج کل بالکل تھس ہو کر رہ گیا ہے۔“  
” اچھا تو سنو... بلکہ سن کر زبانی یاد بھی کر لو... مر حوم اردو کے بہت بڑے ادیب تھے... آپ نے اردو ادب میں ایک قسم کا ذیری فارم کھول رکھا تھا۔ لہذا منگی پھر خالص مکھ فروخت کرتے رہے... حکومت کو چاہئے کہ مر حوم کے پسمند گان کی اچھی طرح خبر لے۔“

” پسمند گان کیا...؟“ استاد نے ناک بھوں پر زور دیتے ہوئے پوچھا۔  
” پسمند گان... یعنی پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ۔“ عمران بولا۔

” اچھا چھا سمجھ گیا... فارسائیں اسے پسمند نکیاں کہتے ہیں۔“  
” ہو جائے اسی بات پر فارسی میں کچھ...؟“ عمران نے کہا۔

” کیا ہم لوگ چلے جائیں؟“ صدر نے اسامنہ بن کر بولا۔  
لیکن عمران اس کی طرف توجہ دیئے بغیر استاد سے مخاطب رہا۔ ”ہاں... گلبدنی کے بعد کیا کہا تھا استاد...!“

” گلبدنی... فارسائیں... جب سے جوش صاحب نے میری گلبدنی پر اُن ہے... میں اسی چیزیں فارسائیں کہنے لگا ہوں... مالم ہے جوش صاحب کا قصہ... بڑی زور دار جھپڑ ہوئی تھی۔ لگے چینچٹ پلانے... میں نے کہا جوش صاحب میں باختا پائی میں آپ سے نہیں جیت سکوں گا۔ عینی بحث تیکھ۔“

” صدر پر ہنسی کا درودہ پڑ گیا۔ لیکن عمران کی صحیدگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا تھا۔“

” ہاں... ہاں۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اب شروع ہو جاؤ۔“  
استاد نے کھا کر چھت کی طرف منہ اٹھایا اور ناک بھوں پر زور دینے لگے۔ پھر عمران سے بولے۔ ” ملاحچہ فرمائیے۔“

وزرث زنانچ چرخم چرغاز عازبوں  
فریاد زنان موگن مکھیم گون گون  
گون گون چے کثار باندھم چوں چوں  
فلبدنی... فلبدنی... فلبدنی... فلبدنی...“

” اتنے میں کسی نے باہر سے گھٹنی بجائی اور سلیمان دروازے کی طرف چھپا۔  
” گلبدنی“ جہاں تھاں رہ گئی۔ استاد نے دوسرا بند عطا کرنے کی کوشش شروع ہی کی تھی کہ جوزف ہاتھ اٹھا کر غرایا۔ ” باس...!“  
استاد نے سہم کر عمران کی طرف دیکھا لیکن وہ سلیمان کا لایا ہوا وزینگ کارڈ دیکھ رہا تھا۔ دفعٹا وہ سر اٹھا کر سلیمان سے بولا۔ ” میں نہیں جانتا یہ کون آدمی ہے؟“  
” تو پھر اس میں میرا کیا قصور...؟“ سلیمان نے تیوری چڑھا کر کہا۔  
” کیوں نہ میں اس سے بالکن ہی سے مل کر رخصت کر دوں...!“  
” میں ساتھ چلوں؟“ استاد نے بہت سنجیدہ ہو کر پوچھا۔

” تم آگے چلو...!“ عمران سر ہلا کر بولا۔  
استاد مجید ان انداز میں اٹھے اور جھپٹ کر دروازے تک پہنچے۔ مٹھیا گھما کر دروازہ کھولا اور پھر احمدوں کی طرح منہ کھول کر کھڑے ہو گئے۔  
عمران جہاں تھا وہیں رہا... دفعٹا استاد نے دروازہ بند کیا اور پلٹ آئے ان کے چہرے پر بیڑت کے اثرات تھے۔

” ارے... وہ تو... وہ تو لیئے ہوئے ہیں۔“ انہوں نے رک رک کر کہا۔  
” ہاں لیئے ہوئے ہیں۔“ عمران نے پوچھا۔

” فرش پر...!“

” جوزف... دیکھو...!“ عمران نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔  
جوزف نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور وہ بھی استاد ہی سے انداز میں ہزار بہا۔

”اوہ... کیا ہے؟“ عمران نے غصیلے لبجے میں پوچھا۔

جوزف مزکر بولا۔ ”میرا خیال ہے بس کہ یہ مرچکا ہے۔“

”میا کو اس ہے۔“ عمران خود بھی آگے بڑھا۔ سنگ ہی سے ٹکراؤ کے بعد سے وہ بہت زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔ دروازے کے سامنے ہی ایک آدمی چت پڑا نظر آیا۔... لباس سے خاصے رکھ رکھاً والا معلوم ہوتا تھا۔ عمر چالیس سے زیادہ نر رہی ہو گی.... عمران دروازے ہی میں کھڑا دیکھتا رہا۔... دیسے ایک ہی نظر میں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ مرچکا ہے۔

”کوئی اُس وقت تک باہر نہیں لٹک لے گا جب تک کہ پولیس نہ آجائے۔“ اس نے مزکر کہا۔ وہ سمجھی اُس کے قریب کھڑے تھے۔

”مگر... کیوں...!“ استاد ہکلائے۔

”وہ مرچکا ہے۔“

”ارے باپ رے اب کیا ہو گا۔“ استاد بد حواس ہو گئے۔

”سلیمان! ان لوگوں کے لئے کافی بناو۔“ عمران نے فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ فون پر کیپشن فیاض کے نمبر ڈائل کے۔ دوسرا طرف سے جلد ہی جواب ملا۔

”عمران۔“ اُس نے ماذ ٹھپیں میں کہا۔ ”میرے فلیٹ کی بالکنی میں ایک لاش تمہاری منتظر ہے۔ حلقے کے تھانے میں بھی فون کر رہا ہوں۔ ضرورت سمجھو تو آ جاؤ۔... نہیں پیارے مذاق نہیں کر رہا... او کے۔“

اُس نے سلسہ منقطع کر کے حلقے کے تھانے کے نمبر ڈائل کے اور وہاں بھی اس لاش کی اطلاع دے کر اس طرح مطمئن نظر آنے لگا تھا جیسے کسی درخت میں لگے ہوئے چھلوں کے پہ جانے کی اطلاع دی ہو۔

”کیا تم اسے نہیں جانتے۔“ جو لیانے آگے بڑھ کر پوچھا۔

”میرے لئے قطعی ابھی تھا۔“ عمران نے جواب دیا۔... اور جیب سے جیو گم کا پیکٹ نکال کر پھاڑنے لگا۔

”عم... عمران صاحب...“ استاد تھوک نگل کر بولے۔ ”مجھے توجانے ہی دیجئے۔“

”عربا نہیں سناؤ گے؟“

”اے آیا۔ خدا کے نئے مجھے جانے دیجئے۔... تھانے والے بھنگ بیٹھا تھا ہیں۔“

”یہ تو اور اچھی بات ہے اتم انہیں مطمئن کر سوئے کہ میں ایک شریف آدمی ہوں۔“

”نہیں جانتے دیجئے۔... خدا کے لئے۔“ استاد روہانے ہو گئے۔

”اچھا تو وہی سناؤ۔ کیا تھا۔ لفون کو تھکے کے نیچے سمیت کر سو گئے۔“

”اس کے وزینگ کارڈ پر اُس کا پتہ تو ہو گا تھا۔“ جو لیانے پوچھا۔

عمران نے وزینگ کارڈ اُس کی طرف بڑھا دیا۔

اس نے ہبہ آواز بلند وزینگ کارڈ کی تحریر پڑھی۔

”کے۔ ایچ۔ راشد۔ ماہر ارضیات، ۲۳ عالیگیر روڈ...!“

اتھے میں حلقے کے تھانے کا انپکٹر چند کا نشیلوں سمیت وہاں بیٹھ گیا۔ عمران نے اُسے بتایا کہ وہ محکمہ سراج غرسانی کے سپر نئڈنڈ نٹ کو بھی مطلع کر چکا ہے اگر وہ مناسب سمجھے تو اُس کے آنے سے قبل کوئی کارروائی نہ کرے۔

”اُبھی ان کا فون آیا تھا۔“ انپکٹر بولا۔ ”اب میں آپ کے فون پر انہیں اطلاع دوں گا کہ جسیکہ اسکے بعد اُس نے کا نشیلوں کو حکم دیا کہ وہ کسی کو بالکنی میں نہ آنے دیں اور پھر فون پر کیپشن فیاض کو لاش کے متعلق اطلاع دی۔“

”وہ آرہے ہیں۔“ اُس نے رسیور رکھتے ہوئے عمران سے کہا۔

”سلیمان...!“ عمران نے ہاں لگائی۔ ”ابے کیا تو نے کافی کی کاشت شروع کر دی ہے۔ اور بدجنت اتنی دیر۔“

سلیمان نے باورچی خانے ہی سے چیخ کر کچھ کہا تھا۔ مفہوم کسی کی بھی سمجھے میں نہ آسکا۔ کیپشن فیاض نے وہاں بیٹھنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔

کچھ دیر تک وہ لاش کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر عمران کی طرف جواب طلب نظر دیں سے دیکھ کر دوسرے مرے میں چلنے کا اشارہ کیا۔

عمران نے اُسے بتایا کہ انہوں نے لاش کیسے دیکھی تھی۔

”تو یہ تمہارے لئے قطعی، جنسی تھا۔“ فیاض نے پوچھا۔

”بالک...!“

”سلیمان کو بلاو...“ تمہارے بیان کے مطابق اُس نے اُسے زندہ دیکھا تھا...؟“

عمران نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے سلیمان کو آواز دی۔

وہ کافی کافذہ تھا۔ ہوئے دوڑا چلا آیا۔

”اُس نے تم سے کیا کہا تھا۔“ فیاض نے پوچھا۔

”بی کچھ بھی نہیں۔ بس کارڈ دے دیا تھا۔“

”یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کس سے ملنا چاہتا تھا۔“

”بی نہیں...!“

”کیوں...?“

”میں باور پی ہوں جناب...!“ سلیمان نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔ ”ان کاموں کے لئے الگ چپر اسی رکھنا چاہئے۔“

”نہایت معقول جواب ہے۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا اور تحریر آمیز نظر وں سے سلیمان کی طرف دیکھنے لگا۔

”کیا وہ صورت سے بیمار معلوم ہوتا تھا...!“ فیاض غرایا۔

سلیمان نے بُرا سامنہ بنا لیا اور جواب دینے کی بجائے عمران کو گھومنے لگا۔

”میں جانتا ہوں کہ اس نامعقول نے اس پر غور نہ کیا ہو گا۔“ عمران بولا۔ ”بولے گا بھی کہجت تو یہی کہے گا کہ بادر پی کبھی ابھی ڈاکٹر نہیں بن سکتے... ویسے ڈیز فیاض! یہ ہارت فلیور کا کیس معلوم ہوتا ہے۔“

”جوزف کو بلاؤ...!“ فیاض نے ناخوشنگوار لمحے میں کہا۔

”کافی کریم یادو دھ والی چلے گی؟“ سلیمان نے عمران سے پوچھا۔

”کریم...!“ عمران نے کہا اور جوزف کو آواز دی۔ سلیمان چلا گیا۔

جوزف آیا اور ”امینش“ ہو گیا۔

فیاض چند لمحے اسے گھور تارہ پھر پوچھا۔ ”کیا وہ اس وقت تڑپ رہا تھا جب تم نے اسے دیکھا تھا۔“

”مرچکا تھا...?“

”ہلا جلا کر دیکھا تھا۔“

”نہیں...!“

”پھر کیسے اندازہ ہوا کہ وہ مرچکا ہے۔“

”لیں ہو گیا تھا۔ میں اس منسلک پر بحث نہیں آر سکتا۔“

”پہلے اسے آہاں دیکھا تھا۔“

”کہیں بھی نہیں۔“

”بھگڑے کو کتنے دن گزرے۔“

”کیا بھگڑا...!“ جوزف نے پوچھا۔ اب وہ کیپن فیاض کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

”تم لوگوں سے اس کا بھگڑا کب ہوا تھا...?“

”میں کہتا ہوں ناکہ میرے لئے وہ اجنبی تھا۔“

پھر فیاض نے اسے بھی رخصت کر دیا۔ جو لیا اور صدر سے پوچھ چکھ شروع کی! اس کے بعد استاد کی باری آئی جو اس دوران میں طرح طرح کے پوز بنا کر خود کو ”اویف“ ثابت کرتے رہے تھے۔

”آپ کون ہیں۔“ فیاض نے انہیں مخاطب کیا۔

”مم.... میں ہوں...!“

”کیا مطلب...?“

”یہ بہت بڑے شاعر ہیں۔“ عمران بول پڑا۔ ”محبوب زرالے عالم... پنے بیچتے ہیں۔“

”میا آپ اس مرلنے والے کو پہچانے ہیں۔“

”بی نہیں۔“

”بالکل....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”بھلامرد کی لاش کیوں پہچانے لگے۔ عورت ہوتی تو توڑ سے کہتے ہاں.... میں جانتا ہوں۔ فلاں جگہ رہتی تھی اس سے پہلے فلاں فلاں جگہ بھی رہ پچکی پہرے اگئی بار مجھ سے پنے لے کر کھا پچکی ہے....!“

”اے کیا عمران بھائی۔“ استاد نے دانت نکال دیے۔ پھر موقع کی نزاکت کا احساس کر کے سخن سے ہونٹ بیچتے ہوئے کیپن فیاض کی طرف دیکھا۔

کچھ دیر بعد فیاض لاش کا جائزہ لے رہا تھا.... جیبوں سے کچھ کاغذات برآمد ہوئے۔ ایک جھوٹی ہی؛ اے ہی ملی جسے وہ الٹ پلٹ کر دیکھتا ہے۔ دفعتاً اس کی آنکھیں ایک صفحے پر جم سی گئیں۔ عمران بغور اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا.... اس نے محسوس کیا کہ فیاض نے اس میں کوئی خاص جیز دیکھی ہے۔

اب فیاض ڈائری کو جیب میں ڈالتا ہوا عمران کو بھیب نظر وں سے گھور رہا تھا۔ عمران منتظر رہا کہ وہ کچھ بولے لیکن فیاض اس سے مخاطب ہوئے بغیر ان فونوگرافروں کی طرف متوجہ ہو گیا جو لاش کی تصویریں لے رہے تھے۔

سلیمان نے کافی کی ترے میز پر رکھ دی تھی۔ وہ بوگ جو دہاں پہلے سے موجود تھے کافی پی پہنچا۔ عمران نے پولیس آفیسروں کو مدعاون نہیں کیا۔

”کن و جوہات کی بناء پر وہ جملہ پورا نہ کر سکا۔ غالباً وہ اپنی موت کے ذمہ دار کی نشاندہی کرتا چاہتا تھا۔“

”یہ کوئی ایسی دور کی بات نہیں ہے جو میری سمجھ میں نہ آتی۔“

”بالکل بالکل...!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”تمہاری عقل کو بڑے سے بڑا گدھا بھی نہیں پہنچ سکتا۔“

”بکواس مت کرو۔ مجھے افسوس ہے کہ آج ایک ناگوار فرض انجام دینا پڑے گا۔“

”بیوی کی پٹائی کرو گے۔“ عمران نے بڑے بھولے پن سے پوچھا۔

”نہیں تمہیں بند کروں گا۔ تاکہ وہ حمانت کے لئے سامنے آئے جس کے لئے تم نے اتنی گھنیا حرکت کی ہے۔“

”یعنی ملاقات کے بغیر ہی اُسے مر جانے دیا۔ کیوں....؟“

فیاض کچھ نہ بولا۔ اُس کا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا تھا اور آنکھیں وڈ شیلد پر تھیں۔

”ہم اُس کے وزینگ کارڈ والے پتہ پر چل رہے ہیں۔“ اُس نے کچھ دیر بعد کہا۔

”اردو کی ناگ مٹ توڑا کرو۔“

”حوالات میں دیکھوں گا کہ تم کتنا زندہ دل اور با خوصلہ آدمی ہو....!“

”پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ملنے سے پہلے ہی مجھے بند کراوے گے؟“ عمران نے دردناک لمحے میں پوچھا اور فیاض نے اُسے خونخوار نظروں سے دیکھنے کے لئے گردن گھمائی۔

”سامنے دیکھو! دیزیر سامنے۔ ورنہ گاڑی اگر کسی جنت نگاہ سے نکرائی تو....!“

”میں ایسا ہی نہیں ہوں۔“ فیاض غرایا۔

”چست لباس والی لڑکوں کو میں جنت نگاہ کہتا ہوں.... ٹیڈی واہیات لفظ ہے۔“

”تم بے کنجی کہوں کر کے یہ جتنا چاہتے ہو کہ تمہیں اپنے خراب حالات کی ذرہ برابر بھی

پڑا۔ نہیں اچھی طرح سمجھ لو کہ اگر میں نہ پہنچ گیا ہوتا تو علقوں کے تھانے کا انچارج تمہیں ہر حال

میں تھانے لے جاتا۔“

”اسی لئے میں نے اُس نامعقول کو کافی نہیں پلاٹی تھی۔“

”کیا تم سنجیدگی سے گفتگو نہیں کر دے گے۔“

”سوپر فیاض... تم غلط راستے پر جا رہے ہو۔ گاڑی مڈ اسٹریمیں ہاتھ والی سڑک پر چلو۔“

”اوہ... تمہیں اُس کا پتہ زبانی یا...“ فیاض نے ٹکرایا تھے میں کہا۔

”مجھ سے ہی تو ملنے آیا تھا۔“ عمران نے پہ سرست لمحے میں کہا۔

کچھ دیر بعد لاش انھوادی گئی۔ فیاض کرے میں آبیٹا۔

”میا آپ کافی پینا پسند فرمائیں گے کپتان صاحب۔“ عمران نے بڑے ادب سے پوچھا۔

”نہیں...!“ فیاض نے جھلکا تھا کامظاڑہ کیلے چند لمحے عمران کو گھوڑا تارہ پھر بولا۔

”تم کسی طرح بھی مجھے یقین نہ دلا سکو گے کہ تم اُسے پہلے سے نہیں جانتے تھے۔“

”یہ تو بڑی نبی بات ہوئی کپتان صاحب! پھر... ایسی صورت میں آپ کیا کریں گے۔“

”مناسب یہی ہے کہ پچھی بات بتا دو۔“ اُس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”بلکہ بہتر یہ ہو گا کہ میرے ساتھ چلو۔“

”میں تیار ہوں کپتان صاحب۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔

استاد نے جلدی سے کہا۔ ”اگر عتیق بھائی کی طرف سے گزرنا ہو تو مجھے بھی لیتے چلے۔“

”نہیں اُدھر نہیں جائیں گے۔“ عمران نے کہا اور فیاض کو چلنے کا اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

کچھ دیر بعد فیاض کی گاڑی ٹریک کی بھیڑ میں راستے بنا رہی تھی۔ عمران اگلی ہی سیٹ پر تھا۔

فیاض نے جیب سے مرنے والے کی ڈائری نکالی اور عمران کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”اے دیکھو۔

یہ اس کی ڈائری ہے۔ آج کی تاریخ نکالو....!“

عمران اُس کی ورق گردانی کرتا رہا پھر آج کی تاریخ کے اندر اراج پر نظر ٹھہری۔ لکھا تھا۔

”آج میں اپنے دشمن سے ملنے جا رہوں۔ جو بے حد بد اسرار ہے۔ تو قع نہیں کہ زندہ واپس

آؤں۔ لیکن پھر بھی اُس سے دو دو باتیں توکرنی ہیں۔ اگر میں مر جاؤں تو....“

آگے کچھ بھی نہیں لکھا تھا۔ عمران نے اُسے پڑھا اور لختی سانس لے کر دوبارہ ڈائری

کی ورق گردانی کرنے لگا۔



عمران اُس تحریر کو کئی بارہ نظر ٹھہر لیکھ کر سر کھجاتا ہوا فیاض سے بولا۔ ”آخر آگے کی لکھنا

چاہتا تھا اور کیوں نہ لکھ سکا؟“

”تم اعتراف کیوں نہیں کر لیتے کہ اُسے پہلے سے جانتے تھے۔“

”میں پر فیاض ایسے تحریر بہت اتھر ہے۔“ عمران اُس کی بات تو نظر نہداز کرتے بولا۔

”ایام مطلب...!“

"خواہ خواہ الجھائے رکھنے سے کیا فائدہ۔ تم بتا کیوں نہیں دیتے۔"

"چلو... چلو... اُس کے گھر بھی ہو آئیں۔ پھر کچھ بتا سکیں گے۔"

عامگیر روز پہنچ کر ۲۳ نمبر کی کوٹھی میں دشواری پیش نہیں آئی۔ لیکن وہ سب سے الگ تھلک تھی۔ دوسری عمارتوں سے تقریباً دین فرلاگ کے فاصلے پر درمیانی جگہ پر بے ترتیب باغات پھیلے ہوئے تھے.... گاڑی کوٹھی کی کپاؤڈ کے چھانک پر رکی جو بند تھا۔ عمارت پر انی اور مر مت طلب تھی ایسا معلوم ہوتا ہے سالہ باسال سے دیواروں پر سفیدی بھی نہ کی گئی ہو۔ فیاض نے گاڑی سے اتر کر چھانک کو دھکایا... وہ اندر سے مقفل نہیں تھا۔ کھلتا چلا گیا۔ اندر چاروں طرف دیرانی نظر آئی۔ بے ترتیب روئیدگی نے کپاؤڈ کو جنگل بنا رکھا تھا۔ عمران گاڑی ہی میں بیجا ہوا تھا۔ فیاض نے مزکر اسے اتنے کا اشارہ کیا۔

وہ ایک ناموار روشن سے گزرتے ہوئے پورچ تک آئے۔ چند لمحے وہاں رک کر ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہے پھر فیاض نے برآمدے میں جا کر کال تبل کا بن دیا۔ اندر سے گھٹنی کی آواز آئی۔ آدھے منٹ کے انتدار کے بعد بھی دروازہ نہ کھلا۔

"میرا خیال ہے کہ اندر کوئی نہیں ہے۔" عمران نے کہا۔

فیاض نے دروازے پر دباؤ دالا۔ لیکن وہ اندر سے بند تھا۔

"یہ کیسے ممکن ہے جب کہ دروازہ اندر ہی سے بند ہے۔"

عمران خاموش کھڑا دھر ادھر نظر دوڑتا رہا۔ پھر دفتاً بولا۔ "وہ کیکھو! ایک پیش سوچ اور بھی تو ہے۔ ممکن ہے تم نے غلط بین دیا ہو۔"

"میرا تم نے گھٹنی کی آواز نہیں سنی تھی۔" فیاض نے جھنچلا کر کہا۔

"پھر بھی اُسے آزمادیکھنے میں کیا حرج ہے۔" عمران نے کہا اور پیش بین پر انگلی رکھ دی۔ لیکن اس بار گھٹنی کی آواز نہ آئی۔

"کیوں خواہ خواہ علیمندی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔" فیاض بڑا بیال۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اندر سے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اندر کا بولٹ آواز کے ساتھ گراور دروازہ کھل گیا۔

سامنے ایک دھشت زدہ سا بوزھا نظر آیا۔ جو انہیں استھامیہ نظر وں سے دیکھ رہا تھا۔

عمران نے اس کے اس طرح دیکھنے کے لداہ میں کوئی خاص بات محسوس کی۔

"سیارا شد صاحب تینیں رہتے ہیں۔ ماہر ارضیات۔" فیاض نے اس سے پوچھا۔

لیکن وہ جواب دینے کی بجائے انہیں جیران آنکھوں سے دیکھتا رہا۔

"میرا تم نے سا نہیں؟" فیاض نے جھنچلا کر کہا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "پولیس کپتان نہیں آئے۔ گونگے کو بھی بولنے پر مجبور کر دو گے۔"

"میرا مطلب....؟"

"صورت ہی سے گونگا معلوم ہوتا ہے۔ غالباً اسی کے لئے دوسرا پیش سوچ لگایا گیا ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ اس کے سلسلے کا انتظام کسی گھٹنی پر نہ ہوا ہوگا۔"

"کیوں....؟"

"اس بنے کہ وہ آواز نہیں سن سکتا....!"

"پھر....؟"

"میری دانست میں وہ کوئی رنگین بلب ہو گا۔ ہو سکتا ہے اس کمرے میں جہاں یہ رہتا ہو گا۔"

"اوہ نہ... کہاں کے قصے چھیڑ دیے۔" فیاض بڑا تھا ہو ابوڑھ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"تم نے ابھی تک جواب نہیں دیا۔" اس نے اوپھی آواز میں کہا۔

اور جواب میں جو کچھ سنادہ عمران کے خیال کی تقدیم کرتا تھا۔... بوڑھ کے حلق سے بے ہنگم سی آوازیں نکلی تھیں اور اس نے کچھ اس انداز میں ہاتھ ہلانے تھے جیسے جانتا چاہتا ہو کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔

عمران نے آنکھوں پر انگلیوں اور انگوٹھوں کی مدد سے چشمہ سا بنا لیا اور پھر ہاتھ کی جنبش سے استفار کیا کہ چشمے والا کہاں ہے۔

اس کے فلیٹ کی بالکنی میں پائی جانے والی لالاش کی آنکھوں پر پیشہ بھی تھا۔

بوڑھ سے نہ ہاتھ کی جنبش سے لا علیٰ کا اظہار کرتے ہوئے جنمکے کے ساتھ دروازہ بند کر دیا۔ فیاض جھلا کر دروازے پر ہاتھ مارنے ہی والا تھا کہ عمران اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ اس کے علاوہ اس گھر میں اور کوئی نہیں رہتا ہو۔" اگر وہ یہاں تباہی لئے پیش سوچ کی ضرورت نہ ہوتی۔

فیاض کچھ دیر خاموش کھڑا سوچتا رہا پھر پورچ کی طرف مرتا ہوا بولا۔ "اگر وہ یہاں تباہی رہتا تھا تو سریع وارثت انکو اتنا پڑے گا۔ میرا خیال ہے کہ میں قریب نی کی کسی مدارست سے فون کر سکوں گا۔"

"اچھی بات ہے.... جاؤ کو شش کرو۔ میں یہیں ملوں گا۔"

”علوم ہو ہی جائے گا۔“ فیاض نے بیزاری سے کہا۔  
عمران پھانک کی طرف دیکھنے لگا جو کھلا ہی ہوا تھا۔... پورچ تک صاف دکھائی دے رہا تھا۔  
توہڑی دیر بعد فیاض نے کہا۔ ”تمہیں بھی ضد ہی ہو جاتی ہے۔... آخر کار ساری باتیں  
سامنے آہی جاتی ہیں۔ لیکن تم مجھے تاریکی ہی میں رکھنے کی کوشش کرتے ہو۔“  
”پچھے سیکھنے کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں۔“ عمران کا الجھہ مریبانہ تھا۔  
”تم اتنے مغزور کیوں ہو گئے ہو۔“  
”اور تم آج اس قدر زندگی بوجی میں کیوں گفتگو کر رہے ہو۔“  
فیاض نے اسے گھوڑ کر دیکھا اور ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلاگا نے گا۔  
تقریباً ایک گھنٹے بعد وہاں ایک پولیس دین پہنچی جس میں فیاض کا ایک ماحفظ ایکٹر اور تین  
باؤ دی کا نشیل موجود تھے۔ وہ سب اتر کر برآمدے میں آئے۔ اس پیش سوچ کا بیٹن دبادیا گیا جس  
کے دبانے پر بوڑھے نے دروازہ کھولا تھا۔

توہڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ اسی بوڑھے کا چہرہ نظر آیا لیکن اس بارہہ خوفزدہ نظر آرہا تھا۔  
شاید باؤ دی پولیس والوں کو دیکھ کر بد حواس ہو گیا تھا۔ فیاض نے اشاروں سے اسے سمجھایا کہ وہ  
مکان کی تلاشی لیتا چاہتا ہے۔ بوڑھا ایک طرف ہٹ گیا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں احتیاج تھا۔  
دروازے سے وہ ایک طویل رابہداری میں داخل ہوئے جسکے دونوں اطراف میں کمرے تھے۔  
ایک ایک کمرے کو دیکھا جانے لگا۔... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ہفتوں صاف نہ کئے جاتے  
رہے ہوں۔ ہر چیز پر گرد کی تمہیں نظر آئیں۔

بالآخر وہ ایک بڑے کمرے میں پہنچ جہاں بے شمار چھوٹے چھوٹے اسنول نظر آئے جن پر  
چونک قسم کے پتھروں کے نمونے رکھے ہوئے تھے۔  
اور پھر ایک ایسی چیز بھی نظر آئی جس پر فیاض اور عمران دونوں ہی تحریر رہ گئے۔ یہ عمران کی  
ایک قد آدم تصویر تھی۔... آئیں پینٹنگ۔... اور اس کے قریب ہی اسنول پر کسی قسم کے پتھر  
کے نمونے کی بجائے ایک پھٹا پر انداز جو تار کھا ہوا تھا۔

”آج ساری محنت وصول ہو گئی۔“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔  
فیاض اسے عجیب نظر وہ سے گھوڑ رہا تھا۔  
”یا مطلب ہے اس کا؟“ اس نے تصویر کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔  
”صاف ظاہر ہے۔“

”ہرگز نہیں۔... تم میرے ساتھ چلو گے۔“  
”چلے گپتان صاحب۔...!“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”آج صحیح آنکھ کھلتے ہی اخبار پر  
نظر پڑی تھی۔... اور پڑی بھی کہاں تھی۔... جہاں فلم اشارہ ہکن بای کی تصویر تھی۔“  
پھر وہ گاڑی میں آبیٹھے اور فیاض ٹیلی فون کے کھبوں پر نظر ڈالتا ہوا اسٹریگ کر رہا تھا۔ آخر  
ایک عمارت کے سامنے اس نے گاڑی روکی اور خود نیچے اتر کر پھانک کی طرف بڑھ گیا۔  
عمران نے جیب سے چیو گم نکالی اور اسے آہستہ آہستہ کچلتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔  
ڈائری کی تحریر اس کے ذہن میں گونج رہی تھی۔  
کچھ دیر بعد فیاض واپس آیا اور گاڑی میں بیٹھ کر اس کا رخ پھر ماہر ارضیات کی کوئی کی  
طرف موڑ دیا۔  
”میں بے حد بورہ ہوں گپتان صاحب۔“ عمران بولا۔  
”خاموش بیٹھ رہو۔“

”خاموشی کے علاوہ اور چارہ ہی کیا ہے۔ اگر کوئی شریف آدمی ہوتا تو دو چار گالیاں ہی دے  
کر پچھا چھڑ لیتا۔“  
”ہوں۔...!“ فیاض غرایا۔ اور یہ توباؤ کہ اس کے دہاں پہنچنے سے کتنی دیر پہلے تم اپنے فلیٹ  
میں پہنچ چکے۔“

”میں صحیح سے فلیٹ ہی میں رہا ہوں گپتان صاحب۔“  
”میں تسلیم نہیں کر سکتا۔“  
”تمہاری مرضی۔...!“  
گاڑی پھر اس سال خورده عمارت کے سامنے رک گئی۔ لیکن اس بارہہ گاڑی سے نہیں اترے تھے۔  
فیاض سگریٹ سلاگا رہا تھا اور عمران انکھیوں سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔ جب وہ سگریٹ سلاگا چکا  
تو اس نے پوچھا۔ ”یا اس عمارت کے لوگ اس شخص سے واقف تھے۔“  
”کس عمارت کے لوگ۔...؟“

”جہاں سے تم نے فون کیا تھا۔“  
”ہاں۔... لیکن بس جانتے ہی کی حد تک جانتے تھے۔ بہر حال یہ بات انہوں نے یقین۔  
ساتھ تباہی ہے کہ وہ اس گونگے ملازم کے ساتھ تباہیہاں رہتا تھا۔“  
”ہوں۔...!“ عمران پچھے سوچ رہا تھا۔ توہڑی دیر بعد اس نے پوچھا۔ ”ذریعہ معاش کیا تھا؟“

اوڑاں بھی مل گئے جو غالباً پھر توڑنے کے کام آتے رہے ہوں گے۔  
انپکٹر نے ان میں سے کچھ اوزار مختب کئے۔

”آسے ضائع نہ کروزینا۔“ فیاض نے کہا۔

”کسی زمانے میں پرو سپلائیگ میری ہالی رہی ہے۔“ انپکٹر نے کہا اور اس پھر کو توڑنے کے لئے کوئی مناسب سی جگہ جلاش کرنے لگا۔

عمران اور فیاض پھر دوسرا چیزوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ فیاض ایک میز کی دراز گھول کر اس میں سے کافی نات نکال رہا تھا اور عمران پر نظر ڈالتا ہوا انہیں ایک طرف رکھتا جا رہا تھا کہ دفعہ ایک زور دار دھماکہ ہوا۔۔۔ اور کریہہ سی جیجھ سنائی دی۔ دونوں ہی بوکھلا کر مڑے۔ انپکٹر فرش پر ڈاٹرپ رہا تھا اس کا چہرہ لہو لہان تھا۔

کمرے میں دھو میں کا ایک کثیف بادل اپنا جنم بڑھا رہا تھا۔



فیاض مفترض بانہ انداز میں زخمی کی طرف چھپا۔ لیکن عمران وہیں کھڑا رہا۔ معمولی اعصاب کا آدمی تو بوکھلا کرنے جانے کس حال کو پہنچ گیا ہوتا۔ پھر توڑنے کا مشورہ آسی نے تودیا تھا۔  
دفعہ فیاض ہاتھ اٹھا کر چینا۔ ”فون کرو۔۔۔ ایجو یعنیں کے لئے۔۔۔“

انہوں نے لا بھری ہی میں فون دیکھا تھا۔ عمران لا بھری ہی میں آیا اور سول ہسپتال کے نمبر ڈائل کئے۔۔۔ پھر مز کردیکھا ایک کاشٹیل اس کے پیچھے پیچھے تی آیا تھا۔۔۔ اور دروازے پر اس طرح جم گیا تھا جیسے خدشہ ہو کہ عمران نکل جا گے گا۔

عمران نے محدثی سانس لے کر دوسرا طرف سے بولنے والے کو محمد سراج رسالی کی طرف سے پیغام پہنچایا اور کوئی کاپٹے تاکر سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب وہ لا بھری ہی کے دسٹ میں کھڑا سوچ رہا تھا کہ آسے کیا کرنا چاہئے۔  
دفعہ وہ کتابوں کی الماری کی طرف مڑا۔۔۔ پھر شاید کوئی کتاب نکالنے کے لئے ہاتھ بڑھایا

ہی تھا کہ کاشٹیل نے کھکار کر کہا۔ ”نہیں جتاب! آپ کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگا سکیں گے۔“

”اوہ۔۔۔ شکریہ۔۔۔ میں بھول گیا۔“ عمران مڑا۔۔۔ مسکرایا اور سیدھا کاشٹیل کی طرف چلا آیا۔

”آدمی تو معقول معلوم ہوتے ہو۔۔۔ اس نے کہا۔

”بوڑھے کو بلااؤ۔۔۔!“ فیاض نے ایک کاشٹیل سے کہا۔ وہ باہر چلا گیا اور فیاض عمران کو گھورتا رہا۔

کچھ بعد بوڑھا کرے میں داخل ہوا۔۔۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ فیاض نے تصویر اور جوتے کی طرف اشارہ کر کے معلوم کرنا چاہا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔

بوڑھے نے لا علمی ظاہر کی اور ہاتھ کے اشاروں سے جو کچھ سمجھانے کی کوشش کی اس کا مفہوم بھی ہو سکتا تھا کہ وہ اس کمرے میں بھی نہیں آیا۔ فیاض نے عمران کو اس کے سامنے کر کے پوچھا کہ وہ وہاں پہلے بھی بھی آیا تھا۔ بوڑھا بھی تصویر کی طرف دیکھتا تھا اور بھی عمران کی طرف۔۔۔ بالآخر اس نے فتحی میں سر ہلا کر غالباً بھی ظاہر کیا تھا کہ وہ وہاں بھی نہیں آیا۔

فیاض کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ آخر کچھ دیر بعد بولا۔ ”ایسی دشمنی کہ تصویر پر جوتے مار کر تیکن حاصل کی جائے۔“

”میں بھی یہی سوچ رہا تھا پکستان صاحب۔“

”اب کیا جواب ہے تمہارے پاس۔“

”میری دانست میں تو پہلے تم پوری طرح تلاشی لے لو۔۔۔ پھر کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کرنا۔“

”مشورے کا شکریہ۔“ فیاض نے زہریلے لمحے میں کہا اور پھر کمرے کی دوسرا چیزوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

عمران بھی ادھر ادھر نظر ڈالتا پھر رہا تھا۔ دفعہ ایک سووں کے قریب رک گیا۔ جس پر جہانوں کی شکل کا ایک نیلگوں پھر رکھا ہوا تھا۔

”سوپر فیاض“ دفعہ عمران نے اوپنی آواز میں کہا۔ ”آسے دیکھو۔۔۔!“

فیاض تیری سے اس کی طرف آیا۔

”اس کے اندر سے ہیرے بھی برآمد ہو سکتے ہیں۔“ عمران نے پھر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”ہوں تو پھر۔۔۔!“

”کچھ بھی نہیں۔۔۔ میں نے لہا تمہاری معلومات میں ٹھوڑا سا اضافہ ہو جائے۔“

فیاض پھر کو اٹھا کر ہاتھ پر تونے لگا تھا۔ قریب ہڈے ہوئے انپکٹر نے کہا۔

”توڑ کر، یکیں جتاب! میر اخیال ہے عمران صاحب نے کسی حد تک نہیں کہا ہے۔“

”پڑھے لکھ آدمی معلوم ہوتے ہو۔“ عمران خوش ہو گر بولا۔

فیاض نے وہ پھر انپکٹر کی طرف بڑھا دیا اور وہ اسے ہاتھ پر تول رہا تھا۔ اسی کمرے میں ایسے

”ہو سکتا ہے کہ تم یہاں بھی نہ آئے ہو۔ باہر ملاقاتیں ہوتی رہی ہوں۔“  
 ”غالباً تم اس بورھے آدمی کے متعلق گفتگو کر رہے ہو۔“ عمران نے طنزیہ لمحے میں کہا۔  
 ”ہاں.... ہاں.... تو پھر...!“  
 ”کچھ نہیں.... باہر کی ملاقاتوں کے تذکرے پر کچھ شبہ ہوا تھا....!“ عمران چاروں طرف دیکھتا ہوا پر واٹی سے بولا۔  
 فیاض اسے گھورتا ہوا کمرے سے چلا گیا؟ غالباً وہ اپنے مجھے کے ماہرین کو فون کرنے کے لئے گیا تھا۔  
 کاشیبل دروازے پر آجئے... عمران جیب سے چیو گلمن کا پیکٹ کال رہا تھا۔  
 تھوڑی دیر بعد فیاض پھر واپس آگئی اور عمران نے اس سے کہا کہ وہ بھی ایک کال کرنا چاہتا ہے۔  
 ”کسے کی جائے گی...!“ فیاض نے بے رنجی سے پوچھا۔  
 ”پچھلے ہفتے والی محبوہ کو...!“  
 ”نہیں تمہیں اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔“  
 ”فیاض...!“  
 ”میں مجبور ہوں۔“  
 ”خیر....!“ عمران مخفی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ ویسے موقع کا منتظر رہا اور آہستہ آہستہ کھلتا ہوا دروازے تک پہنچ گیا۔  
 پھر اسے لاہبری یہی تک پہنچنے سے کون روک سکتا۔ تیزی سے لاہبری میں داخل ہو کر دروازہ بوٹ کر دیا.... ساتھ ہی فیاض کی جیج بھی سنی۔ ”دوسرا طرف جاؤ۔ نکل کر جانے نہ پائے۔“ پھر دوڑتے ہوئے بھاری قد موس کی آوازیں سنیں۔  
 عمران جانتا تھا کہ لاہبری میں نکاسی کا دروازہ بھی موجود ہے جو غالباً عقبی پارک میں کھلتا ہو گا۔ لیکن اس سے کیا سر دکارا۔  
 ”دیہ ہافون کی طرف گیا بلیک زیر کے نمبر ۸ انکل کئے اور ماڈ تھے پیس میں بولا۔“ عمران اسپلینگ۔ سر سلطان سے کہو میرے لئے نہانت قبل از گرفتاری کی ضرورت ہے۔ دلالوں کے سلسلے میں مجھ پر کسی قسم کا شبہ کیا جا رہا ہے۔ یہ کام آہ، ہے گھنٹے کے آندہ ہونا چاہئے۔ نہانت نامہ وہ اپنے اسٹینو سے بھجوائیں۔ پڑھتے ہے نمبر ۳۲ نامیہ رہا۔ جلدی اسے۔“  
 سلسلہ منقطع رکے وہ دروازے کے قریب آیا جس پر شاید زور صرف کیا جا رہا تھا۔

کاشیبل اٹینش ہو کر سامنے دیکھا رہا۔ خاصاً مسحکہ خیز لگ رہا تھا۔  
 ”میں باہر جانا چاہتا ہوں....!“ عمران نے آہستہ سے کہا۔  
 ”آپ عمارت سے باہر نہیں جا سکتیں گے۔“  
 ”پکتان صاحب نے کیا فرمایا ہے۔“  
 ”بھی کہ آپ کو باہر نہ جانے دیا جائے۔“  
 ”معقول بات ہے۔ اچھی بات ہے تو پھر ہم دیں واپس چلتے ہیں....“  
 عمران لاہبری سے نکل کر پھر اسی کمرے میں آیا جہاں رُخی کو چھوڑا تھا۔ یہاں قبرستان کا سانسناٹاری تھا۔  
 رُخی بے حس و حرکت نظر آیا۔ فیاض جو اس کے قریب ہی کھڑا تھا جبکہ کمرے کے عمران کے قریب آیا اور کوٹ کا کالر پکڑ کر جھکتا دیتا ہوا بولا۔ ”وہ مر گیا.... مر گیا۔“  
 ”اَنَّا لِلَّهِ وَ اِنَا لِلَّهِ رَاجِحُوْنَ....!“  
 ”بیٹا.... تم نے یہ حرکت کیوں کی تھی۔“ فیاض نے کالر کو دوبارہ جھکتا دیا اور عمران اس کا ہاتھ پکڑ کر پوری قوت سے دباتا ہوا بولا۔ ”ہوش میں رہو....“  
 کالر پر فیاض کی گرفت ذہنی پڑ گئی اور عمران نے بے آسانی اس کا ہاتھ ہنادیا۔ اب وہ بھی بے حد سنبھیڈہ نظر آرہا تھا۔  
 ”تم اس کی موت کے ذمہ دار ہو۔“ فیاض چیخا۔  
 ”بالکل احقانہ خیال ہے۔ میں نے اس پتھر کے سلسلے میں صرف اپنا خیال ظاہر کیا تھا۔ اس سے یہ ہر گز نہیں کہا تھا کہ وہ اسے توڑتا ہی شروع کر دے اور پھر یہ تو سوچو کہ تم اسے کبواس سمجھتے تھے لیکن وہ سنبھیڈہ تھا۔ اس نے خود بھی کہا تھا کہ وہ پر و سپلنگ کا تحریر رکھتا ہے.... اس نے پتھر کی بیت سے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ کیا ہے.... ورنہ شاید وہ بھی تمہاری ہی طرح اسے کبواس سمجھتا۔“  
 ”لیکن اس کے اندر آتش کیسے مادہ تھا....؟“ فیاض غریباً۔  
 ”پتھر میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں؟“ عمران نے لاپرواٹی سے شانوں کو جنش دی۔  
 ”یہاں تمہاری تصویر کا کیا مطلب ہے؟“  
 ”میں نہیں جانتا۔“  
 ”تم غلط کہتے ہو کہ وہ تمہارے نئے اچھی تھا۔“  
 ”گونگے نوکر سے تقدیق کر چکے ہو۔“

”پکتان صاحب۔“ عمران نے مغموم لمحے میں کہا۔ ”میں کہیں بھاگا نہیں ہوں۔ وارنٹ کے بغیر تم مجھے گرفتار نہ کر سکو گے۔ اگر میں نے سلیمان کو اطلاع دے دی کہ شاید میں رات کا کھانا گھر پر نہ کھا سکوں تو اس میں کون سی مصیبت آگئی۔“

”دروازہ ہکلو۔۔۔ ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔“ فیاض باہر سے غریباً۔

”یہ لو۔۔۔!“ عمران نے بولتے گرا دیا اور اگر پھر تی سے ایک طرف بہت نہ گیا ہوتا تو وہ دونوں کا نشیل اسی پر آگرتے جو باہر سے دروازے پر زور آزمائی کرتے ہے تھے۔

دونوں ایک دوسرے پر ڈھیر ہو گئے تھے۔۔۔ اگر فیاض موجود نہ ہوتا تو وہ اس ”جادئے“ کے بعد عمران کی بڑیاں ہی توڑ دینے کی کوشش کرتے۔۔۔ بہر حال وہ اسے خونخوار نظروں سے گھوڑتے ہوئے اٹھ گئے۔

”تم نے کس کو فون کیا تھا۔“

”سلیمان کو۔۔۔!“ عمران باعیسی آنکھ دبا کر بولا۔ ”لیکن تم یقین نہ کرنا۔۔۔ اچھا۔“

”گمرے میں واپس چلو۔۔۔!“ وہ لاش والے کمرے کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔

”میں نے انکار کب کیا ہے۔“ پکتان صاحب۔ ”عمران نے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ یہاں آکر اس نے ایک اسٹول سے پتھر اٹھا کر فرش پر ڈال دیا اور خود اس پر بیٹھ کر اوپر نکھنے لگا۔ فیاض نے مزید کچھ نہیں کہا۔۔۔ تھوڑی دیر بعد ایک ہو یںس گاڑی پہنچ گئی۔ لیکن اُسے واپس کر دیا گیا۔ فیاض اپنے مجھے کے آدمیوں کا منتظر تھا۔

زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ وہ آگئے۔ ٹکنیکی کارروائیاں شروع ہو گئیں۔۔۔ دھماکے کے ساتھ پہنچنے والے پتھر کے چھوٹے چھوٹے مکوئے جمع کئے گئے۔ لاش کی تصویریں لی گئیں۔۔۔ اور دوسری تفصیلات لکھی جاتی رہیں۔

عمران کا نشیلوں کے لئے اجنبی رہا ہوا گا لیکن فیاض کے مجھے والوں کے لئے نہیں تھا اور یہاں اُس کی موجودگی بھی اُن کے لئے باعث حیرت نہیں تھی۔ کیونکہ قریب قریب سمجھی جانتے تھے کہ بعض انجھاوے فیاض نو عمران ہی کے پاس لے جاتے ہیں۔

جب ساری کارروائیاں ختم ہو چکیں تو عمران نے اُبھے۔ ”پکتان صاحب پچھے میرے کہنے سے بھی ہو جائے۔“

”یا مطلب۔۔۔!“

”میری تصویر کے فریم پر انگلیوں کے نشانات کی تلاش اس مرض کے لئے مفید ثابت

ہو گی۔۔۔ اور اُس اسٹول پر بھی جس پر جو تار کھا ہوا ہے۔“  
اُس کے مجھے کے لوگ اب تصویر اور جو تے کی طرف متوجہ ہوئے پھر حرمت سے عمران کو دیکھنے لگے۔

”اُبھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔  
فیاض تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر تصویر کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔  
”ٹھیک ہے۔“

فریم اور اسٹول پر پاؤ ڈر چھڑک کر تصویریں لی گئیں۔  
عمران سوچ رہا تھا۔ ابھی تک سر سلطان کا اسٹینو نہیں آیا۔۔۔ اگر یہاں سے سیدھے ملکہ سراغِ رسانی کے دفاتر تک جاتا پڑا تو بڑی دشواری کا سامنا ہو گا۔ لہذا فیاض کو کچھ دیر تک اور الجھائے رکھنا چاہئے۔

”اوہ۔۔۔ اُس گوگلے کو تو قطعی طور پر نظر انداز کر دیا گیا۔“ اُس نے فیاض سے کہا۔  
”کیوں؟ اُس کے لئے کیا کرتا ہے۔“

”میرا دعویٰ ہے کہ وہ گوگل نہیں ہے۔“

”پچھے دیر پہلے تم ہی تو تھے جس نے اُس کے گوگلے ہونے کے امکانات کی طرف اشارہ کیا تھا؟“  
”ڈھونگ معلوم ہوتا ہے۔ ذرا اُسے پھر بلواد۔“

فیاض نے ایک کا نشیل کو اشارہ کیا۔۔۔ اور خود پھر عمران کو گھور نے لگا۔ عمران کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ تھی۔

گوگل یہاں پھر لایا گیا۔ عمران نے فیاض سے کہا۔ ”ذرا ایک محبد شیشہ تو دینا۔۔۔“ ماتحتوں میں سے ایک نے محبد شیشہ اُس کی طرف بڑھایا ہے لے کر وہ گوگلے کے قریب آیا اور اشارے سے کہا کہ وہ اپنی زبان باہر نکالے۔۔۔

تھوڑی دیر تک محبد شیشہ کی مدد سے اُس کی زبان کا جائزہ لیتا رہا پھر اُسی سے بولا۔ ”اے جاؤ۔ کیوں الو بناتے ہو۔ اچھا سیکی بتکو ڈکہ کہ کس عمر میں گوگلے ہوئے تھے۔“

وہ کسی ہونق کی طرح منہ اٹھائے کھڑا رہا۔

”ویکھو ہوست۔۔۔!“ اُس نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”یہ کمپیوٹر فیاض ہیں  
گھر ہوں اُبھی ریکٹے پر مجھوں کر دیتے ہیں۔۔۔ تم تو خیر ہو۔“  
”یہاں کو اس شروع کر دی۔۔۔!“ فیاض نہ اسامنہ بنا کر بولا۔

”پوری چویش سمجھا رہا ہوں....!“

”وقت بر باد کر رہے ہو ہمارا....!“

”لوگوں نے زندگیان دراز ثابت ہوتے ہیں اس چکر میں۔ تم وقت کی بات کر رہے ہو۔ بے زبان لوگ عموماً بے حد زبان دراز ثابت ہوتے ہیں.... ایک صاحبہ کی شادی سے قبل سنا تھا کہ بہت بے زبان واقع ہوئی ہیں لیکن ان کے شوہر کا یہ عالم ہے کہ کافیوں میں روئی ٹھونے پھرتے ہیں۔“

”فضل باتیں مت کرو۔ تم ہمارے ساتھ چل رہے ہو۔“

”تمہارے ساتھ نہیں تو کیا پیش جاؤں گا۔ یہاں نیکی بھی نہ ملتے گی۔“

”میرے دفتر چل رہے ہو تم....!“

”کوئی مفہوم نہیں وہاں تو نیکیاں مل جاتی ہیں۔“

فیاض نے کچھ کہے بغیر بوڑھے کو اشاروں سے سمجھانا شروع کیا کہ اس کا مالک مرچکا ہے.... بورڈھا تھوڑی دیر تک متغیر انداز میں پلکیں جھکا تارہ پھر دیاں مار مار کر رونے لگا۔

فیاض نے نیتوں کا نشیلوں سے کہا تا تو فتیکہ دوسرے کا نشیبل وہاں نہ پہنچیں انہیں وہیں دھمکھتا پڑے گا۔ کسی کو بھی اندر نہ آنے دیں اور بوڑھے پر بھی نظر رکھیں۔

عمران سوچ دی رہا تھا اب جاتا ہی پڑے گاؤں کے دفتر تک۔ خیر دیکھا جائے گا۔

وہ برآمدے تک آئے۔ پھر زینے طے کر کے پورچ میں پہنچے ہی تھے کہ ایک کار کیا وہ میں داخل ہوئی۔ سر سلطان کی گاڑی تھی۔ عمران پیچانتا تھا.... پھر سر سلطان کے اشینو کی شکل بھی دکھانی دی۔ وہ خود ہی ڈرایو کر رہا تھا۔

اس نے گاڑی سے اتر کر رہا تھا نامہ عمران کو تمہاتے ہوئے کہا۔ ”صاحب نے کہا ہے ادھر ہی لانا....!“

عمران نے خانست نامہ فیاض کی طرف بڑھا دیا۔ فیاض نے اس پر نظر ڈالتے ہی اتنی تختی سے دانت پہنچنے کے جزوں کی وردیدیں تک ابھر آئیں۔

”ہوں تو اسی لئے فون کیا تھا۔“ وہ عمران کو گھر، ہاؤس ہوں۔ پندر لمحے گھوڑا تارہ پھر شانوں کے لاپرواں سے جبیش دے کر بولा۔ ”خیر....!“

اور دوسرا طرف مزگیا۔

”لیکن میں چھوٹا ہے تباہ، سے ان ساتھ۔“ ”مران منیر ایا۔“

”صاحب نے....!“ سر سلطان کا اشینو جلد پورانہ کرکے کیوں نہ عمران جلدی سے ہاتھ انہماز

بولا تھا۔

”ہاں... ہاں.... ٹھیک ہے۔ میں کچھ دیر بعد وہیں پہنچوں گا۔“

سر سلطان کا اشینو چلا گیا۔

اور عمران فیاض کی گاڑی میں آبیٹھا.... فیاض خاموش تھا۔ بھنوں تی ہوئی تھیں اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اسٹریٹر گک سنبھال کر اُس نے گاڑی سڑک پر ڈال دی۔

عمران نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”پوٹ مارٹ ہونے سے پہلے ہی لاش کی انگلیوں کے نشانات حاصل کرنا ملتا ہے.... اور گوئے کی انگلیوں کے نشانات بھی۔ فائدے میں رہو گے اور اگر اسی طرح کسی محبوباؤں کی طرح ایشٹھے رہے تو مستقبل تاریک ہو جائے گا.... سمجھے جان پدر۔“

”بکوہ مرت کرو....!“ فیاض غریباً۔

”فارسی میں مینڈک کو کیا کہتے ہیں؟“

فیاض نے گاڑی روک دی اور جملائے ہوئے لجھ میں بولا۔ ”آڑو۔ اُتر جاؤ۔ نیچے۔“

”اس عمر میں فارسی کے نام پر غصہ آنا ہی چاہئے۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔

اتھے میں قریب سے ایک موگ پھلی والا گزر اور عمران نے ہاتھ باہر نکال کر ہائک لگائی۔ ”اے چھٹاںک بھر موگ پھلی تو دیتے جاتا۔“

”تم نہیں اترے گے؟“ فیاض آپ سے ساہر ہو گیا۔

”ایک چھٹاںک انہیں بھی دینا....!“ عمران نے اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر کہا۔

موگ پھلی والا قریب آکر ترازو و سنبھالنے لگا۔ اُسی وقت فیاض نے انجن اسٹارت کیا اور گاڑی رائیں سے آگے بڑھ گئی۔

جو کچھ اُس کے مند میں آرہا تھا کہ جارہا تھا اور عمران اس طرح خاموش تھا جیسے کچھ بھی کوئی بہت بڑا جرم رہیا ہو.... آخر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”وہ موگ پھلی والا نہیں اس سے زیادہ گندی گندی گالیاں دے رہا ہو گا۔.... لہذا میرابولنا کی ریکار ہے.... اللہ صبر کریں یاون کے ساتھ ہے۔“

”خاسوش رہو۔“ فیاض حلقت کے میں چیخا اور اسے کھانس آئے گل۔

”جان من.... اشینو گک پر دھیان رکھو....!“ عمران جلدی سے بولا۔

”خانست ہو جانے کے باوجود بھی میں تمہیں یوں نہیں کہتے تک بند رکھ سلتا ہوں سمجھے۔“

فیاض خانیسوں پر قابو پئے۔ بعد بولا۔

”کو شش کرو....!“ عمران نے کہا اور چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔

”مجھے بیٹل اتار دو۔“

فیاض نے گازی روک دی اور جب وہ دروازہ کھول کر اترنے لگا تو بولا۔ ”خناقت اپنی جگہ پر لیکن میں تمہیں وارنگ دیتا ہوں کہ اس کیس کے سلسلے میں تمہیں ہر وقت ہیڈ کوارٹر طلب کیا جاسکتا ہے البتہ اپنے فلیٹ تک ہی مدد و رہنا۔“

”لکھ کر بھیج دینا.....!“ عمران نے لاپرواٹی سے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ بے دھیانی میں کسی سے نکر لیا..... نظر اٹھائی تو ایک سمجھیم شیم آدمی کو گھورتے پیا اور کوئی چیز باسیں پہلو میں چھپتی محسوس کی۔

فیاض کی گازی آگے بڑھ گئی۔ قد آور آدمی نے کہا۔ ”یہ ریوال ہے۔“

”اچھا!“ عمران خوش ہو کر بولا۔ ”میں نے آج تک نہیں دیکھا ذرا دکھانا تو.....!“ پہلو میں چھپنے والی چیز کا دباؤ بڑھ گیا اور وہ آدمی بولا۔ ”چپ چاپ میرے ساتھ چلتے رہو۔“



اب عمران کو خیال آیا کہ ایک موڑ سائکل برابر فیاض کی کار کے پیچھے نظر آتی رہی تھی۔

”لگی میں مڑ چلو.....!“ وہ آدمی آہستہ سے بولا۔

عمران سوکھا سہا ہوا ساوس کے احکامات کی قیمت کرتا رہا..... بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ذر کے مارے جان نکل رہی ہو۔

”تیز چلو.....!“ وہ پھر آہستہ سے غایا اور ساتھ ہی ریوال کی نال کا دباؤ بھی پچھے اور بڑھ گیا۔

اس کی رفتاد کے ساتھ ہی عمران کی رفتار بھی تیز ہو گئی۔ وہ دوسری یتلی سی گلی میں مڑے۔ حد نظر تک سنان تھی۔ دفعتاً عمران لڑکھڑایا..... لڑکھڑایا کیا اس ایک قدم پیچھے ہو کر چھلتی لگائی تھی اور یہ اتنی تیزی سے ہوا کہ وہ آدمی اسے لڑکھڑاہٹتی ہی سمجھا۔ لیکن عمران کی نالگ اپنا کام کر گئی تھی۔ اچھل کر منہ کے بل ڈھیر ہو گیا..... تیک نہیں بلکہ اب اس کا وزنی ریوال بھی عمران کے ہاتھ میں تھا..... اور اس کے دستے کو زمین سے ایک فٹ اونچے انٹھے ہوئے سر پر اس طرح مار رہا تھا جیسے کوئی لوہار نہائی پر گھمن چلاتا ہے۔

پھر شاید اسے کرایہ اور پیچنے کا بھی ہوش نہیں رہا تھا۔ پیشانی زمین سے ٹگی تو پھر نہ انٹھے۔

عمران نے بڑی پھر تی سے اسے سیدھا کیا اور جنمہ تلاشی لینے لگا۔ صرف تین چار وزینگ

کارڈ نکلے جو ایک ہی نام کے تھے۔ اس نے کھڑے ہو کر جلدی سے سنان سڑک کا جائزہ لیا اور بیب سے قلم نکال کر ایک وزینگ کارڈ کی پشت پر لکھنے لگا۔

”پچھا کے لئے بھیجیج کا تحفہ..... پچھلی بار لا علمی میں مارا گیا تھا۔“

پھر صرف وہی کارڈ اُس کے کوٹ کی اندر ورنی جیب میں احتیاط سے رکھ دیا اور بقیہ کارڈ اپنی جیب میں ڈالتا ہوا تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ گلی کے اختتام پر پیچ کر اُس نے ایک بار سڑک دیکھا۔ وہ اب بھی اُسی طرح بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔

سامنے کشادہ سڑک تھی اُس نے ایک نیکی رکوائی اور ڈرائیور کو پیغام بانے کی بجائے کہا۔ ”سید ہے چلو.....!“

کچھ دیر بعد اُس نے اسے رکنے کو کہا اور بولا۔ ”میں ذرا سامنے والے بو تھے سے ایک کال کروں گا۔ انتظار کرو۔“

نیکی سے اتر کر وہ ٹیلی فون بو تھے میں آیا اور دروازہ بند کر کے چھپنے چڑھا دی۔ فون پر سکھ ڈال کر بلیک زیر و کے نمبر ڈائل کئے اور دوسری طرف سے جواب ملنے پر ماٹھ پیس میں بولا۔

”ایکس نو.....!“ اور پھر اپنے تازہ شکار کی جیب سے نکالے ہوئے وزینگ کارڈ پر نظر جا کر بولا۔ ”ایک روڑ پر کیفے تھری اسٹار ہے جس کے اوپر والے فلیٹ پر کوئی پی ایچ درانی رہتا ہے.... فلیٹ کی نگرانی کرو اور اس پی ایچ درانی پر نظر رکھو۔ اس کی تصوری بھی حاصل کر سکو تو بہتر ہے۔“

سلسلہ منقطع کرنے کے بعد اُس نے سوچا کہ اُس بے ہوش آدمی کے لئے بھی کچھ کرنا چاہئے۔ فون کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن پھر رک گیا۔ ضروری نہیں کہ وہ اب بھی دیں پڑا ہوا ملے۔ ہو سکتا ہے اسے ہوش آگیا ہو اُس پر کسی راجگیر کی نظر پڑی ہو اور اُس نے بحالت بے ہوشی اُسے کسی سپیتال میں بہچا دیا ہو۔

وہ بو تھے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ چند لمحوں بعد پھر نیکی میں تھا اور نیکی نامعلوم منزل کی طرف اڑی جا رہی تھی۔

اُس نے سوچا سر سلطان کو بھی نیتاتے چلو۔ فی الحال وہ ایک بھی معاملہ تھا لیکن پھر بھی اکر سر سلطان کے علم میں آ جاتا تو چاہی ہوتا۔ اُس نے ڈرائیور کو سر سلطان کے آفس کا پتہ بتایا اور نیکی کچھ دی، چل کر دوسری سڑک پر مڑ گئی۔

سر سلطان اپنے گمراہے میں تھا تھے، اس نے عمران کو اُن تک پہنچنے میں دیرہ گئی۔ ”کیا قصہ تھا۔“ سر سلطان نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”مکبل....!“ عمران نے ٹھنڈی سائنس لی۔ ”اگر میں مکبل کو چھوڑ بھی دوں تو مکبل مجھے کہاں چھوڑتا ہے۔“

اور پھر اُس نے داستان شروع کر دی۔ ... سر سلطان بغور شستہ رہے عمران کے خاموش ہوتے ہی بولے۔

”یہ سارے حالات تو یہی ثابت کرتے ہیں کہ اُس کے وہ تم قم ہی ہو سکتے تھے۔“

”ظاہر ہے کہ یہ سارا ست اُپ یہی ثابت کرنے کے لئے تھا۔“ عمران نے کہا۔ ”ویسے صرف ایک چیز اُجھمن میں ڈالے ہوئے ہے.... ڈائری والاجبل نا محلہ کیوں رہ گیا تھا۔“

”تم ہمیشہ غیر ضروری چیزوں کے پیچے لٹھ لئے گھومتے ہو۔“ سر سلطان نے کسی قدر جھنجلہٹ کے ساتھ کہا۔ ”تم پر دو آدمیوں کی جانیں لینے کا الزام عائد ہو رہا ہے اور انپکڑ کی موت تو پڑی دشواری میں جتنا کر دے گی۔“

”ہوں.... اُوں! اپنی گردن بچا ہی فی الحال پہلا مقصد ہے۔ آپ صرف اتنا کیجیے کہ فیاض سے معلومات حاصل ہو سکیں....!“

”لیکن معلومات....؟“

”فریم اور جوتے والے اشمول پر پائے جانے والے انگلیوں کے نشانات کے متعلق۔“

”میں نہیں سمجھتا۔“

”میں نے فیاض سے کہا تھا کہ لاش اور گونگے ملازم کی انگلیوں کے نشانات لے کر ان کا فریم اور اشمول پر پائے جانے والے نشانات سے موازنہ کیا جائے۔ لیکن وہ مجھے اُس کے نتیجے سے ہرگز آگاہ نہیں کرے گا۔“

”میں دیکھوں گا۔“ سر سلطان کچھ سوچتے ہوئے بولے۔ تھوڑی دیر خاموش رہے پھر عمران کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کیا اس دوران میں کسی سے دشمنی مولے بیٹھے ہو۔“

”دشمنی.... جی ہاں.... سلسلہ مادام نشی کا دا لے کیس سے شروع ہوا ہے؟“

”لیا مطلب....!“

”وہ جس نے مادام نشی کا کی لاش کا ڈی چین کی گاڑی میں ڈالی تھی اور مجھے کنی دنوں تک مخفی اس لئے چکر دیتا رہا تھا کہ قتل کے متعلق شہادت نہ پہنچ سکوں۔“ وہ جس نے چین کی شہادت دیجئی تھی تو وہ شش دی تھی...!“

”لیا کبواس کرنے لگے....!“ سر سلطان نے ناخوشنگوار بیجے میں کہا۔

”مراد ہے سُنگ ہی....!“

”بیکار دماغ چاؤ....!“

”میں نے محض اس خیال سے اُس کا نام نہیں لیا تھا کہ سرا ایمگی پھیلے گی۔ دیے آپ یقین کیجئے کہ وہ بھیں موجود ہے اور اُسی نے نشی کا کی لاش کا دیکھ بھن کی کار میں ڈالی تھی۔“

”مگر اُس کے متعلق تو اطلاعات تھیں کہ وہ مر چکا ہے۔“

”جی ہاں تھیں۔ لیکن غلط ثابت ہوئی۔ میرا اُس سے برادر است نکراوہ ہو چکا ہے۔“

”اگر تم صحیح کہہ رہے ہو تو....!“ سر سلطان کچھ کہتے کہتے رک گئے۔

”میں اُس کے طریق کا رہے بخوبی واقف ہوں۔“ عمران بولا۔

”اگر یہ حقیقت ہے تو تم سے زبردست غلطی سرزد ہوئی ہے....!“

”میں سمجھتا ہوں.... آپ یہی کہنا چاہتے ہیں کہ مجھے باقاعدہ طور پر اُس کی روپورث کرنی چاہئے تھی۔“

”بانکل....!“

”لیکن میں ایسا نہیں کر سکا۔ میں جانتا ہوں کہ سرا ایمگی پھیلا کر شکار کھلینا اُس کا محظوظہ ہے۔“

”پھر.... پھر اب تم کیا کرو گے۔“ سر سلطان نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

”فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا....؟ سُنگ کے متعلق اندازہ کرنا و دشوار ہے کہ اُس کا اگلا قدم کیا ہو گا۔ اس وقت اس نے کوشش کی تھی کہ میری ضمانت کر دے۔“

”وہ کیسے....?“

”کہر ان نے جیسی اُس آدمی کے متعلق بتایا جس نے اُسے روی الور کے زور سے اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کی تھی۔“

”او، تم اُسے وہیں چھوڑ آئے۔“ سر سلطان نے جیزت سے کہا۔

”میں سُنگ کا مقابلہ اُسی کی سطح سے کرنا چاہتا ہوں....!“

”بچپن کی باتیں مت کرو۔ تم نے کسی جاوسی ناول کے کرداری حرکت کی ہے۔“

”سب پڑتا ہے۔“ عمران سر بلائے بولا۔

”تم مجھ سے گفتگو کر رہے ہو....!“ سر سلطان کا لہجہ مریانہ دھونکس کا غماز تھا۔

”براؤ کرم فیاض والا معاملہ ذہن میں رکھئے گا۔“ عمران انھتا ہوا بولا۔

تقریباً اس یا پندرہ منٹ بعد اس نے ایک نیکی رکوائی اور اپنے فلیٹ کی طرف روانہ ہو گیا... شام ہو رہی تھی... سارا دن بھاگ دوڑ میں گزرا تھا اور بڑی شدت سے گرما گرم کافی کے ایک کپ کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔

فلیٹ میں جولیا اور صدر موجود تھے... ایسے حالات میں عمران فلیٹ سے رخصت ہوا تھا کہ وہ بعد کے حالات معلوم کے بغیر دہان سے جانی نہیں سکتے تھے۔

”کیا رہا....؟“ جولیا نے چھوٹے ہی پوچھا۔

”بہت کچھ....!“ عمران آرام کر لی میں ذہیر ہوتا ہوا بولا۔ پھر ہٹک لگائی۔

”ابے سلیمان.... کافی۔“

”کیا قصہ تھا باس....!“ جوزف قریب آکر بولا۔ وہ بہت زیادہ سمجھیدہ نظر آ رہا تھا۔

”تمہیں پھر بتاؤں گا... باہر ٹھہر دو... مطلب یہ کہ تمہیں اب سمجھی گی سے باذی گارڈ کے فرائض انجام دینے ہوں گے۔“

”میں سمجھ گیا باس....!“ جوزف نے ایڑیاں بجائیں اور باہر نکل گیا۔

عمران نے آہستہ آہستہ انہیں بتایا کہ اس پر کیا گزری تھی۔

”اور تم اس آدمی کو وہیں لگی میں چھوڑ آئے....!“ جولیا نے حیرت سے کہا۔

”پھر کیا کرتا.... متنبی کر لیتا اے....!“

”اس کے ذریعے تم اصل سازشی نک پہنچ سکتے تھے۔“

”اوہ بڑی بھول ہوئی۔“ عمران پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”یہ سامنے کی بات تو میری سمجھ ہی میں نہیں آئی تھی۔“

صدر بننے لگا... اور جولیا چڑھ گئی۔

”اہیں عقینہ بنانے سے کیا فائدہ....!“ صدر بولا۔

”بکھر اس بڑی طرح گردن پھنسے گی کہ سب بھول جاؤ گے۔“ جولیا نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

مران پچھنے بولا۔ تھوڑی دیر بعد سلیمان نے کافی میز پر لگادی۔

”تم جاؤ....!“ عمران نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”یہ محترمہ جانتی ہیں کہ کافی کے بنائی جاتی ہے۔“

جو لیا تھوڑی بہت اڑا، سمجھ لیتی تھی اٹھتی ہوئی صدر سے بولی۔ ”تم چل رہے ہو یا بیٹھو گے۔“

”بہت ہے تم جاؤ... میں آج عمران صاحب تو تباہ نہیں پھوڑ سکتا۔“

”کافی....!“ عمران نے میز کی طرف ہاتھ انداز کر کہا۔

”بیٹھو.... بیٹھو....!“ سر سلطان مضطربانہ انداز میں ہاتھ ہلا کر بولے۔ ”تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے.... سگ ہی بین الاقوامی سازشوں کی علامت ہے۔ میں پھر کہوں گا کہ تم نے اچھا نہیں کیا۔“

”تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ غافل رہا ہوں۔“ عمران بیٹھتا ہوا بولا۔ ”میری رپورٹ میں آپ کو داور کا ایک آدمی بھی نظر آیا ہوگا۔ یہ سگ ہی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ فی الحال اس کے ایک ٹھکانے سے میں واقع ہوں جسے اب وہ خیر باد کہہ چکا ہے۔“

”سوال تو یہ ہے کہ ہمارے ملک میں اس کی موجودگی کا یہاں تک مقصود ہو سکتا ہے...“ عمران...“ عمران... تم غلطی کر رہے ہو... اگر وہ زندہ ہے تو ساری دنیا کو اس کا علم ہونا چاہئے۔“

”عنقریب ہو جائے گا۔ بہت جلد....!“

”تم مجھے الجھنوں میں متلا کر رہے ہو....!“

”میں پھر عرض کروں گا کہ ان معاملات کو مجھ پر چھوڑ دیجئے۔“ اس وقت یہاں میرزا اور آپ کے علاوہ اور کوئی اس کی موجودگی کا علم نہیں رکھتا۔“

”یہ نہ رہے.... بہت نہ رہا....?“

”اچھا چلے... آپ ساری دنیا کو اس کے زندہ ہونے کا ثبوت کس طرح بھی پہنچائیں گے۔“

”اوہ....!“ وہ بے بس سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔

”نہیں ازوانے سے کیا فائدہ۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”قبل اس کے کہ وہ پوری طرح گرفت میں نہ آجائے... ہمیں اس کا نام ہی نہ لینا چاہئے۔“

”ہوں.... اوں....!“ سر سلطان نے طویل سانس لی۔ ”جبیا مناسب سمجھو کرو.... لیکن تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ موجودہ حالات کا تعلق اسی کی ذات سے ہو گا۔“

”اس قسم کے شعبدے دوسرے کے بس کاروگ نہیں۔“

”میں انپٹر کی موت کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ تمہاری پوزیشن آکروڈ ہو گئی ہے۔“

”اللہ مسبب الاسباب ہے۔“ عمران پھر اٹھتا ہوا بولا۔ ”اچھا باب اجازت دیجئے۔“

سر سلطان نے مصافی کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”میں لمحہ سرائغ رسائل سے... ایضاً قائم کھوں گا۔ تم مطمئن ہو۔“

باہر آکر عمران نیکی کا منتظر ہے۔ حالانکہ کئی نیکیاں سامنے سے گزرنگیں... اس بارہ وہ کسی جاں میں چھپنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

”اکثر میں نے بھی حالات کی ان ستم ظریفیوں پر غور کیا ہے، لیکن کسی خاص تجھے پر نہیں پہنچ سکا۔“

”پھر اب کیا رادہ ہے؟“

”فی الحال صبر کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں۔“ عمران نے طویل سانس لے کر کہا۔  
”آپ کی قد آدم تصویر اور پھٹے پرانے جوتے کے تصور ہی سے بھی آتی ہے۔ کسی ایسے ہی آدمی کی حرکت معلوم ہوتی ہے جو آپ سے بہت زیادہ جلا ہوا ہو۔“

عمران کچھ نہ بولا۔ دفعتاً فون کی گھنٹی بجی... اُس نے ہاتھ بڑھا کر ریسور اٹھایا وسری طرف سے سر سلطان کی آواز آئی۔

”تم گھر پر موجود ہو عمران۔“

”بھی ہاں!...!“

”فیاض کی رپورٹ کے مطابق فریم اور اسٹول پر واضح قسم کے نشانات ملے ہیں۔ لیکن وہ مر نے والے یا گونگے ملازم کی انگلیوں کے نشانات سے مماٹت نہیں رکھتے۔“

”مجھے یقین تھا کہ ایسا ہی ہو گا۔“ عمران نے تھنڈی سانس لی۔

”لیکن دھاکے کے ساتھ پہنچنے والے پھر کے مکروں کا کیمیاوی تجزیہ انہیں پھر نہیں ثابت کر سکا۔ وہ مکروں بعض کیمیکلز سے تیار کیا گیا تھا۔ بہت جناتا رہو! خصوصیت سے اس کا خیال رکھو کہ تمہاری خفانت دینے والے کو کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔“ سر سلطان نے اُس کے جواب کا انتظار کئے بغیر دسری طرف سے سلسہ منقطع کر دیا تھا۔



ریسور رکھ کر عمران آرام کر سی کی پشت سے لک گیا... صدر استفہامیہ انداز میں اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”کیا میں کسی کام نہ آسکوں گا۔“ اُس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”میں ایک ماہ کی چھٹی لیتے کا رادہ کر رہا تھا۔ اگر یہ چھٹیاں آپ کے کام آئیں تو مجھے خوشی ہو گی۔“

”تم نے یہ یہیے سمجھا یا کہ پچھلی میں نہ جائے اُم۔“ عمران نے اُس نے انہوں میں لیختے ہوئے پوچھا۔

”شکریہ...!“ جو لیا کا بجہ تھا۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ صدر اٹھ کر کافی بنانے کا تھا اُس نے کہا۔ ”انپٹر والا حادثہ آپ کے لئے الجھن کا باعث بن سکتا ہے۔“

”میری پیدائش کا حادثہ آج تک میرے لئے الجھن کا باعث بنا ہوا ہے۔“ عمران نے لاپرواں سے شانوں کو جہش دی... اور ہاتھ بڑھا کر فون پر بلیک زیر کے نمبر ڈائل کئے اور دوسرا طرف سے جواب ملنے پر ماٹھ پیس میں بولا۔ ”ہیلو... کیا رہا۔“

”فلیٹ کی نگرانی جاری ہے۔“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔ ”چھ بجے ایک لمبا تر ٹھاکری فلیٹ میں داخل ہوا ہے۔ زخمی معلوم ہوتا ہے۔ سر پر پیاس بند ہی ہوئی ہیں اور کپڑوں پر خون کے دھبے بھی دیکھے گئے ہیں۔“

”فلیٹ پر نیم پلیٹ بھی ہے یا نہیں۔“

”بھی ہاں۔ نیم پلیٹ پر پی۔ اسکے درانی تحریر ہے۔“

”گذ... اُسے کسی وقت بھی نظر سے او جھل نہ ہونے دیا جائے۔“ ریسور رکھ کر عمران نے صدر کی طرف دیکھے بغیر کافی کی پیالی اٹھائی اور ہلکی چلکی لے کر پھر رکھ دی۔

”کون تھا...!“ صدر نے پوچھا۔

”ہے ایک آدمی جو اکثر میرے لئے کام کرتا رہتا ہے۔“ عمران نے لاپرواں سے کہا۔

”ہمارے لائک کوئی خدمت...!“ صدر مکرایا۔

”شکریہ۔ یہ فی الحال میرا بخی معاملہ ہے۔ تم لوگ سر کاری آدمی ہو۔ تمہارا چیف شاید اسے پسند نہ کرے۔“

”ہمارا چیف...!“ صدر نے طویل سانس لی۔ ”آپ اُس کیلئے کیا کچھ نہیں کرتے رہتے۔“

”مفت تو نہیں کرتا۔ موقول رقم ملتی ہے۔“

”بہر حال آپ بُری طرح پھنس گئے ہیں...!“

”عرصہ سے کسی خاص قسم کی تقریبی کا موقع نہیں ملا تھا... وقت اچھا گزرے گا۔“

”لیکن ایک بات آج تک میرے کی کچھ میں نہ آئی۔“

”کون تی بات...!“

”یہی کہ عام طور پر آپ کے بخی معاملات آخر کار سکرٹ سروس ہی کے کیس میں جاتے ہیں۔“

”تین سال سے میں نے کوئی چھٹی نہیں لی۔“  
”ہوں...!“ عمران اونچھنے لگتا۔

وفٹا جوزف نے کمرے میں آکر ایزیاں بجا میں اور ایک دزینگ کارڈ عمران کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”کہو تو اپن کردوں بس۔“  
”نہیں آنے دو...!“ عمران نے کارڈ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا جس پر ”امیم ساجد انپکٹر  
سی۔ آئی۔ بی۔“ تحریر تھا۔

تحوڑی دیر بعد ایک طویل قامت اور معمولی جسامت رکھنے والا آدمی کمرے میں داخل ہوا۔  
کاسن سرکی پتوں اور گرم چیک کے کوت میں مبوس تھا عمر چالیس اور پچاس کے درمیان رہنی  
ہوگی...!“ ہاتھ میں آفس بیگ تھا۔

عمران کے کہنے سے پہلے ہی اُسے عقابی نظروں سے گھورتا ہوا سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

”علی عمران...!“ اُس نے آہستہ سے کہا۔  
”فرمایے...!“ عمران نے ایسے انداز میں پوچھا جیسے اب بھی اوپنگھے ہی رہا ہو۔ صورت اُس  
کے لئے نئی تھی۔ شاید حال ہی میں کسی دوسرا جگہ بے آیا تھا۔

”آپ ہیں جیں...!“

”اُن سے پوچھ لججے...!“ عمران نے صدر کی طرف انگلی انھا کر کہا۔  
”اوہ ٹھیک ہے...!“ مجھے یقین ہے۔ ”انپکٹ خشک ہی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔  
”میں انپکٹ اور ماہر ارضیات کی اموات کے سلسلے میں تفتیش کر رہا ہوں...!“  
”اوہ...!“ عمران نے بوکھلاتے ہوئے انداز میں مصافنے کے لئے ہاتھ بڑھاتے  
ہوئے کہا۔ مصافنے ہوا...! لیکن وفتا انپکٹ کے چہرے پر غفت کے آثار نظر آنے لگے۔

”آپ ماہر ارضیات کو کب سے جانتے تھے۔“

”اُس کی موت کے بعد ت...!“  
”لیکن اس قسم کے شوابد موجود ہیں کہ آپ، دونوں نہ صرف ایک دوسرے سے واقع تھے  
بلکہ آپکی میں خط و کتابت بھی رکھتے تھے۔“

”وہ اُسی نزدیکی نامہ عائد ہوگا۔ جلد اُسی نامہ ارضیات سے خط و کتابت رکھتے ہیا فائدہ ہے۔“

”عمران صاحب سنجیدگی سے ٹھکلو سمجھے...!“

”تجو دلانے کا شکریہ...!“ میں اب بالکل سنجیدہ ہوں فرمائیں۔“

”انپکٹ سعدی سے کب سے جان پہچان تھی۔“

”کون انپکٹ سعدی...!“

”وہی جو آپ کی ترغیب پر دھا کے کاشکار ہو گیا تھا۔“

”آپ مجھے دشوار یوں میں بتلا کر رہے ہیں انپکٹ۔“ عمران محمدی سانس لے کر بولا۔

”کیا مطلب....?“

”اتفاقاً موت کے بعد ہی اُس سے جان پہچان ہوئی تھی۔“

”آپ اُس پتھر کی نوعیت سے واقع تھے۔“

”اُسی حد تک کہ اُس سے ہیرے برآمد ہوتے۔“

”میں تعلیم نہیں کر سکتا۔“

”ظاہر ہے؟“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”آپ اس پر مجبور تو نہیں ہیں۔“

”فضل باتیں ہیں آپ اُس کی اصلیت سے واقع تھے۔“

”چلنے تعلیم... فرض کے لیتے ہیں... لیکن یہ تو فرمائیے... آپ یہ پہنچ دیکھ رہے ہیں؟“

”ہوں پھر...!“

”میں کہتا ہوں کہ اگر یہ تو زاجائے تو اس میں سے ہیرہ بھوٹی کے بچے برآمد ہوں گے... تو  
پھر کیا آپ اسے توڑنے بیٹھ جائیں گے۔“

وہ کچھ بولے بغیر اسے گھورتا رہا...! عمران چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔

”اس پتھر کے متعلق اُس کا بھی وہی خیال تھا جو میں نے ظاہر کیا تھا...؟“

”قطعاً...!“ انپکٹ نے کسی قدر جوش کے ساتھ کہا۔ ”وہ اسی لئے دہان رکھا گیا تھا کہ وہ  
ہماری کامیابی کے لئے اگھا...!“

”مخصوص قسم کا پتھر دیکھ کر اُس کا متوجہ ہو جانا لیکن تھا...؟“

”نمط... توجہ تو میں نے دلائی تھی۔“ عمران ہاتھ انھا کر بولا۔ ”تاکہ میرے گردن باقاعدہ  
طور پر پھنس جائے۔“

انپکٹ پتھر نہ بولا۔ لا جواب ساہو کر رہا گیا تھا اور پہنچ ایسے آثار تھے جیسے کچھ میں نہ  
کہا جائے۔

آپ رہو کر وہ اس پتھر کا نامہ بخوبی کھلا کر لے رہا تھا۔ ”ماہر ارضیات نے وہ تھیں تے  
پتھر دیر بعد کھلا کر اس نے آواز میں زور پیدا کرتے ہوئے کہا۔“

”پتھر دیر بعد کھلا کر اس نے آواز میں زور پیدا کرتے ہوئے کہا۔“

”پتھر دیر بعد کھلا کر اس نے آواز میں زور پیدا کرتے ہوئے کہا۔“

”پتھر دیر بعد کھلا کر اس نے آواز میں زور پیدا کرتے ہوئے کہا۔“

”پتھر دیر بعد کھلا کر اس نے آواز میں زور پیدا کرتے ہوئے کہا۔“

گا... اور نہیں۔ ناتا۔“  
انپکٹر غصے سے بھرا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ صدر نے قبچہ لگایا اور عمران آنکھ مار کر مسکرانے لگا۔

”برخوردار ان لفافوں پر آپ کی انگلیوں کے نشأت حاصل کرنے آئے تھے۔“ صدر بولا۔

”دیکھتے جاؤ۔“ عمران نے کہا اور آرام کر کی پشت گاہ سے ملے جائی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔

”بیلو...!“ اُس نے رسیور اٹھا کر ماڈ تھہ پیس میں کہا۔

”کون ہے؟“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”کس کی تلاش ہے؟“

”اوہ.... عمران....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”بھتیجے کا تختہ چپا کے لئے موصول ہوا.... اور اب اپنے اس آدمی کو ایک روڑ کی گلی نمبر چار سے اٹھا لو جو اس تختے کی گمراہی کر رہا تھا.... اُس کے ساتھ بھی وہی بر تاؤ ہوا ہے جو تم نے تختے کے ساتھ کیا تھا۔ دیے میں تم سے بے حد خوش ہوں کہ تم نے یہاں میری موجودگی کا چرچا نہیں کیا۔“

”تو تم نئی کاوالے کیس کا بدلتے رہے ہو۔“

”ہرگز نہیں۔ بدلتے برابر والوں سے لیا جاتا ہے.... اور بچوں کی گوشائی کی جاتی ہے۔ لیکن فی الحال اس کا بھی ارادہ نہیں تھا.... بس تم خواہ مخواہ بیچ میں آکو دے۔“

”مجھے جریت ہے کہ میں آکو دے....؟“ عمران نے ٹیلیکس جپکا میں۔

”پتہ نہیں وہ تمہارے پاس کیوں گیا تھا....؟“

”شوق سے آتا مگر سوال یہ ہے کہ مر کیوں گیا....؟“

”میں نے سوچا موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اور وہ مر اور اُوہر میں نے اس کے مکان میں چھ ایسی چیزیں رہوادیں جو تمہیں ال جھا کسکیں۔“

”کیا تمہیں یقین تھا کہ وہ پتھر تو زدھی جائے گا...!“

”بھتیجے میں اس پتھر کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔“

”لیکن اتنی جلدی میں ہی تقد آدم تصور یہاں سے ہی بڑھنے شروع۔“

”بچا کے لئے کچھ بھی ہے ممکن نہیں بھتیجے۔ اور ہاں یہ بھی سنہ۔ تم اس فون کا نامہ نہیں کر کرے بھیجیں۔“ اس نے پاٹھے۔ ”یہ نہیں ہے۔ ایک بیٹی یہیں نہیں، تھی۔“

”عمران پچھہ کہنا چاہتا تھا کہ دوسری طرف سے سدلہ منتقطع ہو کیا۔“

”یقین کیا جا سکتا ہے۔“ عمران نے جریت سے دہرایا پھر مسکرا کر بولا۔ ”یعنی ابھی یقین کیا نہیں گیا۔ بھلا کس نامہ پر وہ میرے خطوط ہو سکتے ہیں۔“

”خود.... دیکھ لجھے....!“ اُس نے اپنی ڈائری سے چند لفافے نکال کر میز پر ڈال دیئے عمران نے ہاتھ لگائے بغیر لفافوں پر نظر ڈالی۔ اور میز کی دراز کھنچ کر اُس میں کچھ نہیں لگا۔

انپکٹر ساجد اُسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے کوئی شکار کو دیکھتا ہے جو خود بخدا س کی زد پر آ رہا ہو۔

عمران نے میز کی دراز سے ربراکے دستانے نکالے اور انہیں ہاتھوں میں پہنچنے لگا۔ ”دفعہ انپکٹر ساجد کی آنکھیں دھنڈا گئیں۔ صدر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

دستانے پہنچنے کے بعد عمران نے لفافوں کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے اب انپکٹر ساجد کو اس معاملے سے ذرہ برابر بھی دلچسپی نہ رہ گئی ہو۔ اس کے چہرے پر بیزاری کے آثار تھے۔

عمران نے ایک لفافہ اٹھا کر اُس سے خط نکالا۔ اگریزی میں ناچ پ کیا ہوا مضمون تھا۔ ”پروفیسر راشد! میں آخری بار تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ اگر تم نے وہ نقشہ تین دن کے اندر اندر میرے ہوائے کر دیا تو ہجھتو گے۔

میں ایسے لوگوں کو زندہ دیکھنا پسند نہیں کرتا جو میری خواہشات کی راہ میں دیوار بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اے۔ آئی۔“

” بلاشبہ....!“ عمران سر اٹھا کر بولا۔ ”اے۔ آئی سے مراد علی عمر ان ہی ہو سکتی ہے۔“

انپکٹر ساجد اُس کی آنکھوں میں دیکھا رہا۔ ”لیکن....!“ عمران نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”یہ خط ناچ پ کیا ہوا ہے.... کہیں بھی قلم کی تحریر نہیں ہے۔ پھر آپ کیسے ثابت کر سکیں گے کہ یہ میں نے اسے بھیجے ہوں گے۔“

”میرے نام ساجد بے کچھے جتاب۔“ ”دفعہ اُس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”یاد دانی کا شکر یہ۔“ عمران آہستہ سے بولا۔ ”اب آپ جا سکتے ہیں۔ کیونکہ تھوڑی دیر بدیاں مشاعرہ شروع ہو جائے گا۔“

انپکٹر ساجد لفافے سیلہ ہوا غیرہ۔ ”بعض لوگ اپنے متعلق نہیں نہیں میں بتتا ہوتے جس نہیں کہاں گا۔“

”لیکن فیاض کے اہم میں میری تصوری بھی موجود ہے۔ آپ، انوں سر جوڑ کر، بھتیجے، جسے

صدر اسے گھور رہا تھا۔ عمران نے رسیور رکھ کر طویل سانس لی اور صدر سے بولا۔ ”خواہ مخواہ اپنے ذہن کو مت تھا۔“

”کون آپ سے نشی کا دالے کیس کا بدالے رہا ہے۔“

”کچھ نہیں! مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔“ عمران نے کہا اور پھر فون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ بلکہ زیر و کے نمبر ڈائل کئے۔ جواب ملنے پر ماٹھ پیس میں بولا۔

”ایک روڈ والے کی نگرانی کون کر رہا تھا۔...؟“

”تو نوری...!“ دوسرا طرف سے بلکہ زیر و کی آواز آئی۔

”میا صرف وہی...!“

”جی ہاں۔“

”وہ اس وقت ایک روڈ کی گلی نمبر ۲ میں بے ہوش پڑا ہوا ملے گا۔۔۔ دیکھو اگر وہ بھی تک وہیں ہو تو کسی ڈیوبن کا نشیل کو اس طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرو۔ تمہارے کسی آدمی کو سامنے آنے کی ضرورت نہیں۔ اُسے بذریعہ پولیس ہی بستال پہنچانا چاہئے۔“

”میں سمجھ گیا۔۔۔ ایسا ہی ہو گا۔“

”اوورائینڈ آں!“ عمران نے کہا اور رسیور رکھ دیا۔

صدر کچھ دیر تک عمران کو گھور تارہ پھر بولا۔ ”آپ نے مجھے الجھن میں مبتلا کر دیا ہے۔“

”کافی پیو گے...!“

”خیر نہیں بتانا چاہتے تو جانے دیجئے؟“ صدر نے مختنی سانس لے کر کہا۔

”سلیمان کافی...!“ عمران نے ہاتک اکائی۔

”سلیمان باغدی...!“ باور چی خان سے جواب ملا۔

”اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“ عمران نے مختنی سانس لی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”اُس عمارت میں کوئی ایسا چور دروازہ بھی ہے جس سے دن بازے بھی داخلہ اس طریقہ ممکن ہے کہ کسی کو کافی کافی خبر نہ ہو۔۔۔!“

”ہو سکتا ہے...?“

”میں یہ اس بناء پر کہہتا ہوں۔۔۔ مجھے پہنچوانے کے لئے جو سماں وباں پہنچایا گیا تھا،۔۔۔“

”آپ تو یقین ہے؟“

”قطیعی طور پر...!“

صدر کچھ نہ بولا۔ عمران بھی کچھ سوچنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔

”مجھے اپنے طور پر بھی اُس عمارت کی علاشی لینی پڑے گی۔ لیکن میں خود یہ کام نہیں کرنا چاہتا۔۔۔ کیا تم اس کیس میں میری آنکھیں بن سکو گے۔ جان د جگہ بننے کو نہیں کہہ رہا۔“

”مجھے کیا کرنا پڑے گا۔“

”آج رات کو چور دروازہ علاش کرو۔“

”آپ ساتھ نہ ہوں گے۔“

”نہیں۔۔۔ مجھ پر زدہ طرفہ دار ہو رہے ہیں۔ فیاض کی حرکت تو تم ابھی دیکھے ہو۔“

”انہائی درجے کا احتیاط فراموش آدمی نہ ہے۔۔۔ مجھے ایسی امید نہ ہی۔“ صدر نے کہا۔

”استثنیٰ ڈائریکٹر پہنچنے کی فکر میں ہے۔“

بھربات آگے نہیں بڑھی تھی۔

دس بجے رات کو عمران نے صدر کے طبقے میں کسی قدر تبدیلی کی۔۔۔ اور عقینی زینوں سے

اُسے عمارت کی پشت پر اتار دیا۔۔۔ صدر کا چہرہ اور کوٹ کے اٹھے ہوئے کالرا اور فلت ہیٹ کے

چکے ہوئے گوشے میں چھپ گیا تھا۔

عمران کی ہدایت کے مطابق وہ چند لمحے سڑک پر رکا اور پھر ایک جانب چل پڑا۔

گلی کے تاریک حصوں سے دو آدمی نکل کر اُس کے پیچھے لگ گئے تھے۔ عمران نے طویل

سانس لی۔ وہ جانتا تھا کہ عمارت کی نگرانی ہو رہی ہو گئی اور نگرانی کرنے والوں میں فیاض کے آدمی

بھی ہوں گے اور سنگ ہی کے بھی۔

جب میدان صاف ہو گیا تو وہ بھی گلی میں نظر آیا۔۔۔ کچھ دور چلنے کے بعد مڑ کر دیکھا۔ دور

دور تھا۔۔۔ پڑھنے نہیں تھا۔

صدر کو اُس نے سمجھا دیا تھا کہ وہ بارہ بجے سے قبل عمارت میں داخل ہونے لی کو شش نہ

کر رہا تھا۔۔۔ یہ صدر کو رات تک روکے رکھنے کا قصہ صرف یہ تھا کہ وہ نگرانی کرنے والوں کے

تعاقب سے بچا رہا تھا۔۔۔ اسکیم کامیاب ہوئی تھی اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ صدر کو یہیں حالات سے

دوچار ہونے کے امکانات ہو سکتے ہیں۔ فیاض کے آدمیوں کے ہتھے جڑھ گیا تو وہ اُسے بند ہی

گرا دیں۔۔۔ البتہ سنکھی اُسے نیچے اکھم کر کھو رکھنے والا ہے۔۔۔ سوتا تھا۔

وہ خیالات میں الجھا ہوا انش منزل تک آیا۔۔۔ یہاں سے ایک موئر سائکل کھاں اور خو۔۔۔ بھیں

عالمیروڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔ شانے سے لگے ہوئے سفری بیک میں چھوٹا سا میکر و فون تھا۔ ویسا ہی جیسا ٹریک کنٹرول کے کام میں آتا ہے۔

عالمیروڈ پر پہنچ کر اس نے رفتار تیز کر دی اور ماہر ارضیات کی کوئی ٹھیک بھی پیچھے چھوڑتا ہوا نکلا چلا گیا۔ موڑ سائکل واٹر کوں انجن والی اور بے آواز تھی۔ پکھ دو رجاء کے بعد اس نے موڑ سائکل روکی اور اسے وہیں سرک کے کنارے چھوڑ کر خود پیدل واپس ہوا۔

کوئی ٹھیک کی پشت پر دیرانہ تھا۔ اس نے ایک بجد رک کر تھیلے سے مایکر و فون نکلا اور اسے بیٹری سے اٹچ کر کے ایکس ٹوکی بھرائی ہوئی آواز میں چینا۔ ”واپس جاؤ۔ کسی کے مشورے پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں۔ فوراً واپس جاؤ۔“



دو تین بار جلدی جلدی اس نے بھی جملے دہرانے اور مایکر و فون کو پھر تھیلے میں رکھ لیا۔ ٹھیک اسی وقت اس نے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں بھی سنیں اور خود بڑی احتیاط سے نشیب میں اترنا چلا گیا۔

موڑ سائکل وہیں چھوڑ دی تھی۔ اگر کسی کے ہاتھ بھی آجائی تو کوئی خاص بات نہ تھی۔ کیونکہ سیکٹ سردوں والے اپنی گاڑیوں میں مختلف موقع پر مختلف نمبر استعمال کرتے تھے۔ وہ ابھی مٹھے زمین تک نہیں پہنچا تھا کہ دفعتاً کوئی اس پر آکو دا۔ صرف اگر ابلکہ اس سیت نشیب میں لڑھکتا چلا گیا۔

عمران نے گرتے گرتے کوشش کی تھی کہ حملہ آور کے دونوں ہاتھ اس کی گرفت میں آجائیں ایسا ہوا بھی۔ لیکن بوکھلاہست میں عمران کی گرفت ڈھیل پڑ گئی۔ کیونکہ وہ کسی مرد کا نہم نہیں تھا۔

وہ لڑھتے ہوئے مٹھے زمین پر پہنچے۔ تمدن آور نے انھوں کو جھانا چاہا لیکن اس سے بال عمران لئی گرفت میں آگئے۔

”اوو... اوو...“ وہ راواہ بھیں اور عمران سے باڑا پر ٹھوٹھے مانے گئیں۔

”بس... بس... شباباں ابھی نبچے خدا نہیں یا کرتے۔“ عمران آہستہ سے بولا لیکن اس

کے بال نہیں چھوڑے۔

”تت... تم... کون ہو...!“ اس نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

”پولیس...!“ عمران آہستہ سے غریا۔

اور پھر اس نے ایسا محسوس کیا جیسے حملہ آور نے ہاتھ پیر ڈال دیئے ہوں۔ لیکن عمران اب بھی اس کے بال مٹھی میں جکڑا ہوئے تھا۔

”پکھ دیر بعد وہ منمنائی۔“ خدا کیلئے مجھے جانے دو۔ چوری کی نیت نہیں تھی شرط کا معاملہ تھا۔“

”اچھا خاموش رہو...!“ عمران نے خخت لجھے میں کہا۔

”مگر اب کیا ہوگا...؟“ وہ مضطربانہ انداز میں بولی۔

”میں کہتا ہوں... خاموش رہو۔“

دونوں زمین پر پڑے ہوئے تھے۔

”مجھے اٹھنے تو دو...!“ وہ پھر منمنائی۔

”کیا مجھے تمہارا گلائی گھوٹنا پڑے گا۔ خاموش رہو۔“

وہ پھر نہیں بولی۔ عمران خاموش پر امتحن قسم کی آوازیں سنتا رہا۔

تموڑی دیر بعد فضا میں سرچ لائسٹ کی شعاعیں دکھائی دیں۔

ومر ان نے سوچا اب گئی ہاتھ سے موڑ سائکل بھی۔ ایسے میں پولیس کے علاوہ اور کون سرچ لائسٹ استعمال کرے گا۔

وہ دم سادھے ڈارا ہد پکھ دیر بعد سرچ لائسٹ کی شعاعیں غائب ہو گئیں وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ لوگ شیب کی طرف آنے کی بہت نہیں کریں گے۔ پھر بھی وہ محظاٹ رہنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ نہیں تھا۔

”جس کے بال اس نے پکڑ رکھے تھے۔ اس کا کیا لیا جائے...؟“ وہ سوچتا رہا۔

اوہ وہ بلا تواب اس طرح خاموش پڑی تھی جیسے گہری نیند سو رہی ہو۔

ومر ان نے اس کے بالوں پر گرفت مضمoot کر کے جھوکا، یا، وہ پھر کرائی۔

”مطلوب یہ کہ سون جانا۔“ وہ آہستہ سے بولا۔

”چھوڑو... مجھے چھوڑو...!“ یہ بیک وہ زور آزماں پر آمدہ نظر ہے تکمیل۔

”سرے بال انکھوں کو مٹھی میں آبائیں گے۔“ ”غم ان غایا۔“

”میں شور چاہوں کی۔“

”تب پھر شاید گائیں گھوٹنا پڑے۔“

دفعتاً وپر سے آوازیں آئیں۔ کنی لوگ بیک وقت بول رہے تھے۔ عمران سمجھ گیا کہ موز سائیکل ان کے ہاتھ لگ گئی ہے۔ اب کچھ تجھ نہیں کہ ان میں سے کوئی اور بھی آنکھ سرچ لائے تو تھی ہی ان کے پاس۔ اُس نے چاروں طرف نظر دوڑا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر تار کی کچھ زیادہ گبری معلوم ہوئی۔ غالباً یہ کسی قسم کی جهازیاں تھیں۔

”چلو... ہٹکو... اُدھر چلو!“ عمران نے جهازیوں کی طرف اشارہ کر کے آہستہ سے کہا۔

”کیوں...؟“

”کیا تم آوازیں نہیں سن رہیں... وہ ادھر ہی آرہے ہیں۔“

”کون...؟“

”پولیس...!“

”اور تم کون ہو...؟“

”احمقوں کا ہمدرد... چلو جلدی کرو۔“

”ہرگز نہیں... پولیس کے ہاتھوں میں پڑنا گوارا ہے... مگر تم؟“

”اجانے میں مجھے دلکھ کرنہال ہو جاؤ گی... شاباش ہٹکو...!“

دفعتاً وہ انھ کر پھرتی سے جھکا اور اسے دونوں ہاتھوں سے اٹھالیا۔ اب وہ جھکا ہوا جهازیوں کی طرف دوڑ رہا تھا اور وہ عورت اُس کی گرفت سے نکل جانے کے لئے مچل رہی تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں وہ شور چاہیے وائل دھمکی کو عملی شکل نہ دے سکی۔

جهازیوں کی پشت پر پہنچ کر عمران نے اسے کسی وزنی بو جھ کی طرح زمین پر ٹھیک دیا۔

”درندے... مردوو...!“ وہ روپا نہیں آواز میں بولی۔

”میں عورتوں کی بات کا بُرا نہیں مانتا۔“ عمران نے خندنی سانس لی۔

”تم کون ہو...!“

”یہک سوال میں تم سے بھی کر سکتا ہوں۔“

”میں کیوں بتاؤ۔“

”یہک جواب میرا بھی ہو سکتا ہے۔ چیزوں کی پیش رہوں...!“

”تجھے جانے دو...!“

”عورت، مجھے بخیں نہیں جانے والے گا۔ چہ بے ساری رات تینیں اُڑ رہے جائے۔“

”آجھی بات ہے... تو یہ دو...!“

”لاو...!“ عمران نے پھرتی سے اُس کے ہاتھ سے پستول جھپٹ لیا۔ اسے یقین تھا کہ وہ غیر مسلح نہ ہوگی۔ جیسے ہی اُس نے پستول کی جھلک دیکھی تیزی سے ہاتھ مارا اور دوسرا سے ہی لمحے میں پستول اُسکے ہاتھ میں تھا اور ساتھ میں اُسکے بال پھر اُس کی مٹھی میں جکڑ کر رہے تھے۔

”اعشار یہ دوپائچ کے کھلونے مجھے پسند ہیں۔“ عمران نہیں کہا۔ ”میرے ذخیرے میں چوبیسوں کا اضافہ ہوا۔“

وہ کچھ نہ بولی حالانکہ بالوں پر عمران کی گرفت میں بتدریج خفت آتی جا رہی تھی۔ اُس نے پستول کوٹ کی اندر ورنی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ”یہ بہت نرمی بات ہے کہ تمہیں چیزوں کی پسند نہیں۔“

”تم کیا چاہتے ہو۔“

”ایڈو پچر...!“

”اوہ... تو یہ کہو کوک... تم ہماری تنظیم کی کسی شاخ سے تعلق رکھتے ہو۔“

”بہت دری میں سمجھی...!“ عمران نے طنزیہ لمحے میں کہا۔

”بال چھوڑو میرے...!“

”یہ لو...!“

وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اور چند لمحے بعد بولی۔ ”میرا پستول...!“

ومرمان نے جیب میں ہاتھ ڈالے ہی ڈالے پستول خالی کر دیا اور پھر بولا۔ ”اب پستول پر قبضہ

کر لینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہ لو...!“

”ایڈو پچر اور تنظیم... یہ دو الفاظ اس اپاکٹ تبدیلی کا باعث بنے تھے اور عمران انہیں کے متعلق سوچ رہا تھا۔“

”لڑکی... اس کے ہاتھ سے پستول لے لیا اور بولی۔ ”آپ س شاخ سے ملن رکھتے ہیں۔“

”شاخ آہو سے..... بلکہ چیخ شاخہ۔ سمجھ لو۔“

”نہیں بتانا چاہتے۔“

”چیزوں کی پیٹ...!“ عمران نے چیزوں کی پیٹ اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

اس بارہ اُس نے چپ چاپ پیٹ کے لیا اور بولی۔ ”ہم کب تک یہاں بیٹھے ہیں گے

اس آواز سے سراہیں بکار رہیں۔ درجے میں تو اُس تجدید سے بیٹھ بیٹھ تھی۔“

”ہاں... وہ آواز۔“

”آپ کس لئے آئے تھے۔“  
 ”متعدد معاملات تھے۔“  
 ”خیر.... ہو گا.... میں یہاں سے زیادہ دور نہیں رہتی۔“  
 ”اعطا ہمیں کچھ دیر اور یہیں رکنا چاہئے.... چھپے ہوئے لوگ بھی حرکت میں آگئے ہیں۔“  
 ”میں نہیں سمجھی۔“  
 ”کچھ تو باور دی ہیں جو کلے عام پہرہ دے رہے تھے اور کچھ سی۔ آئی۔ ذی وائل۔ جو ادھر  
 اور ہر چھپ کر عمارت کی ٹنگری کر رہے تھے۔ اچھا ہی ہوا کہ تم نے اندر گھنے کی کوشش نہیں کی۔“  
 ”میں سچ کرتی ہوں۔ اس اچانک آواز نے بوکھلا دیا تھا.... ورنہ میں اس طرح اندر پہنچن کر  
 کی۔ آئی۔ ذی بھی جھک مار کر رہ جاتی۔“  
 ”چور دروازہ....!“  
 ”ہاں میرے علاوہ اور کسی کو اس کا علم نہیں۔“  
 عمران کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب ماہر ارضیات کے متعلق بھی کچھ معلوم ہو سکے۔  
 تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”تم یہیں تھہرو میں دیکھوں کہ  
 اب سڑک کی پوزیشن کیا ہے۔“  
 ”میں تھہرا یہاں نہیں رکوں گی۔“  
 ”خیر.... چلو....!“ عمران نے مختندی سانس لی۔  
 ”وہ دونوں بھکلے بھکلے چڑھائی پر چڑھنے لگے۔ کچھ دور چلنے کے بعد عمران نے اسے پیچھے سی  
 روک دیا اور خود سینے کے بل کھلکھلتا ہوا پر پیچی گیا۔  
 ”پیچ دوسرے سامنے ایک دھبہ سا نظر آ رہا تھا.... تھوڑی دیر آنکھیں پھاڑتے رہنے کے بعد وہ  
 اندازہ کر کا کہ موڑسا نیکل اب بھی وہیں موجود ہے جہاں اس نے چھوڑی تھی۔  
 ”وہ پیچ چاپ بلٹ پڑا۔...  
 ”کیا بات ہے....!“ اس نے پوچھا۔  
 ”چال... وابس چلو....!“  
 ”وہ اس کا باتھ کچھ نشیب میں اترتا چلا گیا.... اس بارہ وہ بھائیوں کے قریب رکنے والے  
 بجے آئے سن رہتے تھے۔  
 ”اب ہم بھائیوں جا رہے ہیں۔“ اس نے پوچھا۔

”تم عالمگیر روزی پر رہتی ہوتی...!“  
 ”ہاں....!“  
 ”مکان نمبر....!“  
 ”بائیں....!“  
 ”بہت دور چلتا پڑے گا۔“  
 ”اوہ.... تو پیدل....!“  
 ”آئی کیسے تھیں....؟“  
 ”رسنے سے۔“  
 ”میری موڑسا نیکل اب بھی ادھر موجود ہے۔“ عمران نے ہاتھ انھا کر کہا۔  
 ”تو پھر اسے ہی کیوں نہ لے لیں۔“  
 ”میں بہت بے دوقوف آدمی ہوں اس لئے مجھ سے ایسی عکلندی سرزد نہیں ہو سکتی۔“  
 ”میں نہیں سمجھی۔“  
 ”وہ لوگ یقینی طور پر میری گاڑی تک آئے تھے ان کے پاس سرچ لائٹ بھی تھی لیکن  
 انہوں نے میری گاڑی وہاں سے ہٹانی نہیں۔ ان کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ادھر ادھر چھپے ہوئے گاڑی  
 کے مالک کے منتظر ہوں گے۔“  
 ”گھرے معلوم ہوتے ہو۔“ وہ بنس کر بولی۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ ”لیکن گاڑی  
 کے نمبر سے وہ تم تک پہنچ جائیں گے۔“  
 ”جو نمبر اس وقت گاڑی میں موجود ہے وہ دنیا کے کسی رجسٹر میں مل سکیں گے۔“  
 ”عمل نمبر....؟“  
 ”ایسی مہمات میں.... اصلی نمبر کبھی استعمال نہیں کئے جاتے۔“  
 ”واقعی بہت گھرے ہو۔ لیکن اتنی دور پیدل.... بلا پلٹر پڑے گا۔“  
 ”ایڈو پچ....!“ عمران نے سنجید کی سے کہا۔  
 پھر وہ کچھ نہیں بولی۔ عالمگیر روزی عمارت بہت پیچھے رہتی تھیں وہ لمبا پکڑ لے رہے تھے۔  
 عمران اندازہ کر کا تھا کہ کہاں سے مزدور ہے جس سے ہائیسوں عمارت تک پہنچیں گے۔ لیکن  
 دفعتاً نہیں پھر ایک شوارٹی کا سمندر نہ تھا۔ سرچ لائٹ کی شعاعیں میدان میں دور دور تک  
 پکڑنے لگی تھیں.... ایک بار وہ روشنی کی روز میں آئے اور پھر سرچ لائٹ کی روشنی ان کے

”میا...!“ عمران بدی ہوئی آواز میں حلق پھاڑ کر دہاز۔ ”میں کاغذات ہر وقت جیب میں لئے گھومتا رہتا ہوں۔“

”معاف کیجئے گا کرتل صاحب۔“ دوسرے نے کسی قدر مر عوب ہو کر کہا۔

”یہاں ایک قتل ہو گیا ہے۔“

”تو پھر ہم کیا کریں۔“ عمران آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ”جو کچھ پوچھنا ہو باکس عالمگیر روڈ میں آکر پوچھنا۔“

لڑکی اُس کا بازو پکڑے اُس کے ساتھ گھشتی رہی۔ وہ خوفزدہ تھی۔



کچھ دیر بعد وہ پھر انہیں تھے۔ سرج لائٹ نے اُن کا بیچھا چھوڑ دیا تھا۔

”ذر آہستہ چلو...!“ لڑکی بولی۔

”اب اگر اُن سے کسی بڑے افسوس سے ملاقات ہو گئی تو تم جانو... یہ تو لونگے تھے... مرنے کا بوب ہو گئے۔“

”تمکال کر دیا تم نے تو...!“ لڑکی نہ پڑی۔ ”کیا نادر شاہ درانی کی ناک بھی ایسی تھی۔“

”محکمہ نہ ادا اور میرا۔“ عمران دردناک لمحے میں بولا۔ ”اگر ناک ایسی نہ ہوتی تو شاعر ہوتا۔“

”نیکیا بات ہوئی۔“

”بہت بڑی بات۔ شاعری شروع کی تھی۔ ایک مشاعرے میں پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ غزل پڑھ کیا تو کسی گوشے سے آواز آئی۔... وہ مشو بیٹھے تمنے تو تمکال کر دیا۔“

لڑکی نہ پڑی اور عمران نے کراہ کر کہا۔ ”اس کے بعد میں نے سوچا کہ یہ ناک شاعروں کے لئے موزوں نہیں ہے۔“

وہ آبادی کے قریب پہنچ گئے تھے... عالمگیر روڈ کی بانیسوںیں عمارت بھی دوسری عمارتوں سے الگ تھلک ٹابت ہوئی۔

”تم نے انہیں صحیح پیدا کر رکھا نہیں کیا۔“ لڑکی نہ تشویش لمحے میں بولی۔ ”یقین کرو کہ ان میں سے کوئی بھی ادھر کارخ نہیں کرے گا... انہیں تو صرف ایک آدمی کو کسی نہ کسی طرح اس میں پھانسا ہے۔“

”ساتھ ہی ساتھ حرکت کرتی رہی۔“

”یہ کیا ہوا...!“ وہ بکھلا کر بولی۔

”پرواہ مت کرو... تمہارا نام کیا ہے؟“

”ساجدہ جیب۔“

”جیب... شوہر ہیں۔“

”نہیں والد۔“

”گلڈ... تو تم فی الحال ساجدہ درانی ہو اور میں کرتل نادر درانی ہوں۔“

”اگر... کیوں...؟“

”تمہارے گھر پر اور کون ہے۔“

”کوئی بھی نہیں۔ میں تمہاری تھی ہوں؟“

”یہ اور بھی اچھا ہے اور دیکھو... دو باور دی پولیس والے ہماری طرف آرہے ہیں۔“

سرچ لائٹ کی شعاعیں اب بھی ان کے ساتھ ہی حرکت کر رہی تھیں اور وہ پولی طرح روشنی میں تھے... اب عمران نے اُسے دیکھا۔ خاصی قول صورت لڑکی تھی۔ عمر زیادہ سے زیادہ چو میں سال رہی ہو گئی۔ سیاہ پتلون اور سیاہ جیکٹ میں ملبوس تھی۔

”اپنے کپڑے جھاڑ ڈالو...!“ عمران نے کہا اور اُس کاریئی میڈی میک اپ جیب سے نکل کر چہرے سے جالا۔ طوطے کی چوچ کی طرح جھکی ہوئی پلاسٹک کی ناک اور اُسی سے نسلک نعلیٰ موچیں۔ اور پھر اُس نے اور کوٹ کا کافر بھی گردایا... بہر حال لڑکی اُس کا چہرہ میک اپ میں ہی دیکھ سکی تھی۔

دفعہ ان کی طرف آنے والوں میں سے کسی نے گرج کر کہا۔ ”ہالٹ ہو کس دیز...!“

”فریڈریز...!“ عمران نے جواب دیا اور رک گیا۔

وہ تیر کی طرح قریب آئے... اور عمران نے بار عرب لمحے میں پوچھا۔ ”یہاں ہے۔“

”آپ لوگ اس وقت یہاں...!“

”اوہ نہیں...!“ عمران ہاتھ بلا کر بولا۔ ”ایسا یہ کوئی ممنوعہ علاقہ ہے۔ ہم چیل قدمی کر رہے ہیں۔“

”آپ کون ہیں۔“

”کرتل نادر درانی آف سینکڈ بائیسین بابر جنٹ۔“

”یا آپ اپنے کاغذات دکھائیں گے۔“

”تو پھر تم کیا کرنا چاہتے ہو۔“  
 ”کوئی میں داخل ہونا بے حد ضروری ہے۔“  
 ”کیوں....؟“ وہ اسے ٹوٹنے والی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔  
 ”کاغذات....!“ عمران نے اندر ہیرے میں تیر پھینکا۔  
 ”ہم بے خبر تو نہیں ہیں۔ آخر عادل آباد والے کیوں اس طرح جھپٹ پڑے۔ وہاں کاسر برہ کون ہے۔“  
 ”میں....!“ عمران اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”اب جلدی سے چور دروازے کی نشاندہی کرو اور یہ بھی بتاؤ کہ کاغذات کہاں ملیں گے۔“  
 ”میں نائب صدر کی اجازت حاصل کئے بغیر ایسا نہیں کر سکتی۔“  
 ”جلدی حاصل کرو۔“ عمران نے فون کی طرف اشارہ کیا۔  
 ”لوکی کے چہرے سے تذبذب ظاہر ہو رہا تھا۔“  
 ”اوہ.... اتنی دیر....! تم حالات کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتیں۔“  
 ”کیسے حالات....؟“  
 ”اب بحث بھی کرو گی۔“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔  
 ”لوکی نے قہقہہ لگایا اُس کی آنکھیں چکنے لگی تھیں۔ دوسرا ہی لمحے میں اُس کے ہاتھ میں پستول نظر آیا۔ عمران اسی کی طرف تھا۔ عمران نے تحریر انداز میں پلکش جھپکا میں۔  
 ”ایک بے باک دوسرا بے باک سے ایسے لمحے میں کبھی گفتگو نہیں کرتا۔“ وہ پستول سے اس کے دل کا نشانہ لیتی ہوئی بولی۔  
 ”لیکن مر ہی ناش کا کیا بنے گا۔“ عمران نے اس کی طرف دیکھے بغیر لاپرواں سے پوچھا۔  
 ”میری بات کا جواب دو! تم کون ہو؟“ لڑکی نے سخت لمحے میں پوچھا۔  
 ”کمرٹل نادر درانی۔“  
 ”بکواس مت کرو۔“  
 ”آخاہ.... شامت آئی ہے کیا.... بی مینڈکی۔“  
 ”میرے ہاتھ میں پستول ہے۔“  
 ”اوہ.... اچھا۔“ عمران چوک کر اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا اور لڑکی کے ہونوں پر فاتحانہ کی مکراہت نظر آئی۔

”کے...!“

”جس کے فلیٹ میں پروفیسر کی لاش ملی تھی۔“

”عمران....؟“ لڑکی نے پوچھا۔

”کیا تم اسے جانتی ہو۔“

”اکثر ہماری میٹنگز میں اُس کا نام آیا ہے۔“

”آہم.... تو یہاں چھائیک پر کیوں رک گئی ہو.... اندر چلو....!“

”آؤ....!“ وہ آگے بڑھتے ہوئے بولی۔

عمارت کافی بڑی معلوم ہوتی تھی۔ کہیں بھی روشنی نہ دکھائی دی۔ ان سے گذر کر وہ برآمدے میں آئے۔ سونچ آن کرنے کی آواز سنائی دی اور برآمدہ روشن ہو گیا۔  
 ”اتنی بڑی عمارات میں تہار ہتھی ہو۔“ عمران نے پوچھا۔

”صرف دو کرے میرے ہیں۔ بقیہ انہجن کے قبے میں ہیں۔“

عمارت سنسان پڑی تھی۔ وہ مختلف راہداریوں سے گذرتی ہوئی بلب روشن کرتی جا رہی تھی۔ بلا خرا یک کرے میں داخل ہوئے۔

”نشست کا کمرہ تھا اور سلیقہ سے جھلایا گیا تھا۔

”بیٹھو....!“ لڑکی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

”اوہم....!“ عمران نے بیٹھ کر چاروں طرف نظر دروزائی۔

”چانے بیٹھ گے یا کافی۔“

”پکھ بھی نہیں۔“

”ٹھنڈک آج بڑھ گئی ہے.... میں تو ضرورت محسوس کر رہی ہوں۔“

”میں تو زیادہ دیر تک نہیں نہہر سکوں گا۔ جو پکھ کرنا ہے آج ہی کرنا ہے۔“

”میں نہیں آجھی۔“

”یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ تم چور دروازے سے واقف ہو....!“

”آخر تم کہاں سے آئے ہو۔“

”مال بے سے۔“

”لیا پروفیسر کی موتتی خبر آج ہی وہاں چلتی ہی۔“

”صرف دو گھنے کے بعد۔“

پھر خواب گاہ میں آیا اور جس توق پر آیا تھا وہ پوری بھی ہوئی اُس نے آگے بڑھ کر بلکہ زیر و کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف سے ریسیور اٹھنے کی آواز آئی اور مادھ پیس میں بولا۔ ”بلکہ زیر و...!“  
”میں بول رہا ہوں... عالمگیر روڈ کی کوئی نمبر بائیس کے پھانک پر ایک کار چاہئے... جلدی کرو... میں منتظر ہوں۔“

ریسیور کھ کر وہ کمرے کی تلاشی لینے لگا۔ لیکن کوئی کار آمد چیز ہاتھ نہ لگی۔... وہ جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ کوئی آتی جاتا۔ پھر مزید دشواریاں پیش آتیں۔ یہ بھی ممکن تھا کہ بینا بیانیا کھیل بگڑ جاتا۔... وہ کسی تنظیم سے تعلق رکھتی تھی۔... ہو سکتا ہے کہ اُس تنظیم کا سربراہ سنگ ہی ہو۔ ممکن ہے کہ پروفیسر راشد بھی سنگ ہی کے ساتھیوں میں سے رہا ہو۔ کوئی ایسا جس نے سنگ ہی کا رستہ کائیے کی کوشش کی ہو اور اپنے انعام کو پہنچا ہو اور اب سنگ اس فکر میں ہو کہ پروفیسر کے کاغذات اس کی کوئی ہی سے نکلاؤ۔ لڑکی نے خود ہی بتایا تھا کہ صرف وہ چور دروازے سے واقف تھی اور اُسے وہ مقام بھی معلوم تھا جہاں کا غذات رکھتے۔ ہو سکتا تھا کہ وہ پروفیسر سے بہت زیادہ قریب رہی ہو۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ گاڑی کا انتظار عمارت کے اندر ٹھہر کرنے کرنا چاہئے کیونکہ پوری عمارت اُس کی دیکھی ہوئی نہیں تھی۔

اُس نے بے ہوش لڑکی کو کاندھے پر اٹھایا اور اپنے عقب کی روشنیاں گل کرتا ہوا باہر چلا آیا۔ پائیں باغ میں بھی اندر ہمراحتا۔... اُس نے لڑکی کو پوچھ کی نیچ پر ڈال دیا اور خود چار دیواری کی جنگلہوں سے باہر دیکھنے لگا۔ اندراز کے مطابق بلکہ زیر و ٹھیک وقت پر پہنچا تھا اور گاڑی پھانک پر روک دی تھی۔ دونوں کے درمیان مخصوص قسم کے صوتی اشارے ہوئے اور اٹھیمان کر لینے کے بعد عمران نے بے ہوش لڑکی کو گاڑی کی پچھلی نشت پر ڈال دیا۔ کچھ دیر بعد بلکہ زیر و کارڈ رائیو کر رہا تھا اور وہ داش مژاں کی طرف جا رہے تھے۔

”یہ آپ کس پکڑ میں پھنس گئے ہیں۔“ بلکہ زیر و نے عمران سے پوچھا۔ ”ابھی تک میں خود بھی نہیں سمجھ سکا۔“ ”یہ لڑکی کوئی ہے۔“ ”یہی معلوم کرنے کے لئے ہیڈ کوارٹر لے جا رہا ہوں۔“

”ہاں پتوں تو ہے پھر...!“ ”پھر یہ کہ تم اس کا نشانہ بھی بن سکتے ہو۔“ ”لیکن اس سے فرق کیا پڑے گا۔“ ”میں پوچھتی ہوں تم کون ہو۔“ ”لڑکی بہتری اسی میں ہے کہ چور دروازے کا پتہ بتا دے۔... اور یہ بھی بتا دے کہ کاغذات کہاں رکھے ہیں۔“

”مگر تم سی۔ آتی۔ ذی کے آدمی ہو تو یہاں سے زندہ نہیں جاسکو گے۔“ لڑکی کے چہرے پر درشتی نظر آنے لگی تھی۔

”لہذا میں زندہ ہی جاؤں گا کیونکہ سی۔ آتی۔ ذی کا آدمی نہیں ہوں۔ میرا ذاتی کاروبار ہے۔“ ”کیا مطلب...!“ ”بلکہ میلر ہوں۔“ ”اوہ...!“

”جی ہاں...!“ عمران اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا لیا۔ ”تب تو... یہ لو...!“ لڑکی نے دانت بھینچ کر ٹریکر دبادیا۔ ”اور... میں... مر بھی گیا۔“ عمران اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بدستور مسکراتا رہا۔ لڑکی نے تھیرانہ انداز میں پتوں کی طرف دیکھا اور اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ ”بیٹھ جاؤ...!“ عمران نے تھکمانہ لبھے میں کہا۔ لڑکی کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔... وہ اسے خوفزدہ نظر وہیں سے دیکھتی ہوئی بینچ گئی۔

”اس کے کارتوں سے میری جیب میں ہیں۔“ عمران نے لبھ زرم کے بغیر کہا۔ ”اب تم میرے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔“ ”نہیں میں نہیں جاؤں گی۔“ ”زبرد سی لے جاؤں گا۔“

عمران جھپٹ کر اٹھا اور اس کی کپٹنی پر بلکل سی تھکلی دی۔ لڑکی نے سر جیچھے بٹایا جو آواز کے ساتھ دیوار سے نکلا کر پھر آگے جھٹکا۔... اُس کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔ اُنہوں نے سنبھال نہ لیتا تو مند کے بل فرش پر آتی ہوتی۔ اُس نے اسے بے آہنگی فرش ہی پر ڈال دیا۔... اُنہوں کرے کا جائزہ لینے لگا۔

“آپ کے کزن... مس صاحب۔”  
 ”میرا کوئی کزن نہیں ہے۔“ وہ غرائی۔  
 ”مم... میں معافی چاہتا ہوں۔“ عمران ہاتھ جوڑ کر بولا۔  
 ”کس بات کی معافی۔“  
 ”مجھے جب بھی کسی کے ساتھ کوئی نئی لڑکی نظر آتی ہے تو میں اُسے اسکی کزن ہی سمجھتا ہوں۔“  
 ”کیا کبواس ہے.... بتاؤ مجھے یہاں کون لاایا ہے۔“  
 ”جج.... جی.... کرمل صاحب....!“  
 ”کون کرمل....!.....!“  
 ”جن کا یہ مکان ہے۔“  
 ”کیا نام ہے....؟“  
 ”کرمل نادر درانی....!..!“  
 ”کون کرمل نادر درانی۔“  
 ”یہ بتانا تو بہت دشوار ہے جناب.... میں ان کے علاوہ اور کسی نادر درانی کو نہیں جانتا۔“  
 ”وہ کہاں ہے؟“  
 ”ڈرائیگ روم میں بیٹھے رائل چالار ہے ہیں۔“  
 ”میا بکتا ہے....؟“  
 ”صاحب آپ یہ بتائیے کہ میں آپ کے لئے کیا لاؤں....؟“  
 ”لڑکی کچھ سوچنے لگی۔ پھر مسکرا کر بولی۔ ”یہاں آؤ....؟“  
 ”جی....!“ وہ متھیرانہ انداز میں آگے بڑھتا ہوا بولا۔  
 ”یہاں.... بیٹھو....!“ وہ صوفے کے کنارے کی طرف ھکستی ہوئی بولی۔  
 ”ن.... نہیں.... جناب.... میں بادر بھی ہوں جناب....!“  
 ”ہوا کرو....!“ لڑکی نے لاپرواں سے کہا۔ ”مجھے تو اچھے لگتے ہو۔“  
 ”اُسے باپ سے۔“ عمران تھوک نگل کر پیٹ پر ہاتھ پھیسے نے الگ۔  
 ”آؤ.... آؤ....!“  
 عمران نے پیٹ کر خوفزدہ انداز میں درہازے کی طرف دیکھا اور پھر لڑکی کو دیکھنے لگا۔  
 ”یہاں یہاں ہے....!“ لڑکی نے پوچھا۔  
 ”مگل.... گولی.... مم.... مار دیں گے۔“ عمران اس طرح بولا جیسے شدید سردی تی وجہ

212  
 بلیک زیر خاموش ہو گیا۔۔۔ کچھ دیر خاموش ہی رہا لیکن پھر شاید کسی دوسرے جواب طلب مکلے نے بے جھین کیا اور وہ خود مختبرانہ انداز میں بولا۔ ”انپڑکی موت نے آپ کی پوزیشن خراب کر دی ہے۔“  
 ”بس ختم کرو.... ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا.... آج کنی بار یہ جملہ سن چکا ہوں۔“ عمران خندی سانس لے کر بولا۔  
 ”کیا میں غلط کہہ رہا ہوں....؟“  
 ”بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ ہمانت قبل از گرفتاری کی وجہ سے فی الحال گردن بچ گئی ہے۔“  
 ”کار کی رفتار تیز تھی.... اس نے داش منزل تک پہنچنے میں دیر نہیں گئی۔“  
  
 وہ ساؤنڈ پروف کرے سے باہر نکل کر میوسات کے کمرے میں آیا اور اپنا لباس تبدیل کرنے لگا۔۔۔ پلاسٹک کی مصنوعی تاک بھی چہرے سے الگ کر دی۔  
 اب وہ ایسے بس میں تھا کہ دیکھنے والے اُسے کوئی گھر بیو خانماں ہی سمجھتے۔  
 لڑکی کو ساؤنڈ پروف کرے میں پہنچا دیا گیا۔ عمران محسوس کر رہا تھا کہ اب وہ جلد ہی ہوش میں آجائے گی۔  
 وہ پھر ساؤنڈ پروف کرے میں واپس آیا۔۔۔ لڑکی ہوش میں آچکی تھی اور متھیرانہ انداز میں چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔  
 عمران کی آمد پر جو کمی اور کچھ بولے بغیر اُسے گھورتی رہی۔ عمران کے چہرے پر حماقت کی بد لیاں چھائی ہوئی تھیں۔  
 ”تم کون ہو....!“ اس نے غصیلی آواز میں پوچھا۔  
 ”بب... بادر بھی مس صاحب۔“ عمران نے بوکھلا کر جواب دیا۔  
 ”میں کہاں ہوں....؟“  
 ”تجھی... آپ یہاں ہیں۔“ احمقانہ انداز میں جواب دیا گیا۔  
 ”شش آپ.... مجھے یہاں کون لایا۔“

سے دانت بخن لگے ہوں۔

”اوہ... ڈرپور ک۔“ لڑکی ہنسنے لگی۔ ”آؤ... آؤ... ورنہ میں گھینٹ کر بھادوں گی۔“

”ارے نہیں... خدا کے لئے رحم بیجھے مجھ پر...!“ عمران روہانی آواز میں بولا۔

”چلو...!“ اُس نے اٹھ کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا... اور صوفے کے قریب گھیٹ لائی۔

عمران اس طرح ہانپر ہاتھ جیسے بہت دور سے دوڑتا ہوا یہاں تک آیا ہو۔

چہرے پر کچھ ایسے تاثرات تھے جیسے جانکنی میں بٹلا ہو۔ لڑکی اُسے دلچسپی سے دیکھتی رہی۔

”یکوں مرے جا رہے ہو...!“ اُس نے نہ کر پوچھا۔

”پپ... پا...!“ عمران منہ پھیلا کر رہ گیا۔

”لیا...؟“

”پانی... پانی...!“ وہ ہمپتا ہوا بولا۔ ”میرا دم گھٹ رہا ہے۔“

”میں کہاں سے لااؤ پانی...!“

”آپ باہر نہیں جائیں... بڑے خونخوار کئے ہیں۔ چیرچاڑا لیں گے۔“

”تو پھر تم ہی دوڑ کر لی آؤ۔“

”جی بہت اچھا...!“ عمران اٹھ کر دروازے کی طرف جھپٹا... لیکن لڑکی نے ہاتھ پکڑ لیا۔

”اگر واپس نہ آئے تو...!“ اُس نے شرات آمیز مکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

”گل... گولی مار دیجئے گا۔“ عمران نے ہانپتے ہوئے کہا۔

”جاو...!“ اُس نے ہاتھ چوڑ دیا۔

اور عمران دروازہ کھول کر باہر چلا گیا... لڑکی بھی دروازے کے قریب آئی جو عمران کے باہر نکلتے ہی بند ہو گیا تھا... پینڈل پر زور صرف کرتی رہی لیکن اُسے گھمانے لگی۔  
واپس آکر پھر صوفے پر گر گئی۔

تحوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور عمران اندر داخل ہو کر احتمانہ انداز میں بولا۔

”جی... پی آیا۔“

”آؤ...!“ اُس نے بائیں جانب صوفے پر ہاتھ مار کر کہا۔

”تو نہیں سے بتاو دیجئے نا...!“

وہ پھر فس پڑی اور بولی۔ ”اتا ذرستے کیوں ہو۔“

وہ پھر اٹھ کر اُس کے قریب آئی۔ چند لمحے خاموش کھڑی اُس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

پھر اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ ”میں اوچ نچ کا خیال نہیں کرتی۔ تم اگر باور پی ہو تو اس سے کیا۔ میری ہی طرح آدمی ہو... اور صورت سے شریف بھی معلوم ہوتے ہو۔ پھر ہمارے درمیان دوری کیسی؟“

”وہ تو... وہ تو نیک ہے... لل... لیکن...!“

”کیا لیکن لیکن لگا رکھی ہے۔“ وہ کسی قدر جھنجھلا کر بولی۔

”لک... کر ٹل صاحب۔“

”جہنم میں جموں کو اسے...!“

”وہ... آپ کے کزن ہیں۔“

”بکتا ہے۔ میرا کوئی نہیں... زبردستی اخhalbایا ہے۔“

”ارے باپ رے۔“

”تمہیں مجھ سے ہمدردی ہوں چاہئے کیوں کہ میں خود کو تم سے برتر نہیں سمجھتی۔“

”جی ہاں... بالکل بالکل...!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”تو پھر مجھے اس جھال سے بچاؤ... باہر نکال دو۔“

”ہاں... ہو سکتا ہے۔“ عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”کر ٹل صاحب بھی سور ہے ہیں... بہت

زیادہ پی جانے کے بعد وہ ہمیشہ سوچاتے ہیں... لیکن... لیکن... مصیبت تو یہ ہے کہ کتنے۔“

”تم تو ساتھ ہو گے۔“

”بالکل... لیکن وہ تو کر ٹل صاحب کے ساتھ آنے والوں پر بھی جھپٹ پڑتے ہیں۔“

کر ٹل صاحب خود کتنا ہی چینیں چلا میں ایک نہیں سنتے کچھیں رات ایک صاحبہ کی سازھی چھاڑا ڈالی

تھی... جی ہاں... ناگ پر منہ مار دیا تھا۔ تب یہ بات میری کجھ میں آئی کہ سازھی فاکدہ مند

پہنوانا ہے... سلوار ہوتی تو ناگ ہی منہ میں آتی... کیوں...?“

”تم نہیں پہلے سے باندھ آؤ...!“

”میں...!“ عمران کے چہرے سے تیر آمیز خوف ظاہر ہو رہا تھا۔

”ہاں بھی تم ہی...!“

”ارے صاحب۔ میرے والد صاحب بھی اس کی ہمت نہیں کر سکتے۔ خود کر ٹل صاحب ہی

انہیں کھو لئے باندھ ہتے ہیں۔“

”پھر آخر میں کس طرح باہر جاؤں گی۔“ اُس نے جھنجھلا کر کہا۔

”برانڈی پلادول کم بخنوں کو۔“ عمران نے رازدارانہ لمحہ میں پوچھا۔ اور وہ فس پڑی۔  
پوچھنے کا اندازہ ایسا تھا کہ بے ساختہ لٹکی آجائی۔  
”اس سے کیا فائدہ ہو گا۔“ لڑکی نے پوچھا۔ لیکن عمران کچھ نہ بولا۔ چہرے پر فکر مندی اور  
مایوسی کے آثار تھے۔

”کیوں چپ ہو گئے...!“ لڑکی نے اس کا شانہ پکڑ کر بلایا۔  
”فضول ہے۔“ عمران سر ہلا کر مردہ سی آواز میں بولا۔ ”برانڈی سے بھی کچھ نہ ہو گا۔  
ایک بار بڑی مصیبت میں پھنس چکا ہوں۔“  
”کیوں.... کیا ہوا تھا۔“

”کرٹل صاحب کے ساتھ کچھ عورتیں آئی تھیں۔ کتنے بھوک رہے تھے۔ نہ جانے کیوں  
انہیں مجھ پر غصہ آگیا۔ کہنے لگے چپ کراؤ نہیں... ورنہ گولی باردوں کا۔ میری سمجھ میں نہیں  
آرہا تھا کہ کس طرح چپ کراؤں۔ بوکھاہٹ میں دو دوھ میں برانڈی ملائی اور پلادی۔۔۔ کچھ  
دیر کے لئے خاموش ہو گئے۔ لیکن پھر جو منہ اٹھا کر رونا شروع کیا ہے تو کان پر زی آواز  
نہیں سنائی دی تھی میں تو باہر بھاگ گیا تھا۔“

”لیکن وہ آج تو نہیں بھوک رہے۔“  
”پتہ نہیں.... مجھے بھی حیرت ہے۔“

”تو پھر کیا ب میں تینیں قید رہوں گی....!“ لڑکی اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔  
”آخر وہ مجھے یہاں کیوں لا لایا ہے۔“

”الله آپ کے حال پر رتم کرے۔“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔  
”کیوں.... کیوں....؟“

”کرٹل صاحب کی خاص قسم کے پاگل بن میں جتا ہیں۔“  
”پاگل بن....!“ لڑکی نے خوفزدہ سی آواز میں دہرا لایا۔  
”جی ہاں... میں اسے پاگل بن یہی کہوں گا۔ وہ لڑکیوں کو اوتے ہیں۔ کھلاتے پلاتے ہیں۔۔۔  
پھر زبردستی ان کے سر مومنہ ہوتے ہیں۔ روشنائی سے ڈالنی ہو چکیں ہتاتے ہیں۔۔۔ اوپر  
نہیں کیا کیا۔“

”اوہ....!“

”جی ہاں۔ میرا دل کر رہتا ہے۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ لیکن کیا کر سکتا ہوں۔ تو کہیں نہ

”کھبھری....!“  
”خدا کے لئے مجھے کسی طرح رہائی دلو۔“  
”یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب میں بھی یہاں سے چلا جاؤں۔“  
”تو تم بھی چلو....!“  
”اور پھر بھوکوں ماروں.... کیوں....!“ عمران غصیل آواز میں بولا۔  
”میں ذمہ لیتی ہوں میں تمہیں ملازمت دلاؤں گی۔“  
”اس شہر میں تو ممکن نہیں.... وہ مجھے ڈھونڈ کر گولی مار دے گا۔“  
”کہیں اور چلتے ہیں۔“  
”یہاں....!“  
لڑکی کسی سوچ میں پڑ گئی۔ پھر بولی۔ ”ہم یہاں سے سیدھے عادل آباد چلیں گے۔ وہاں  
تمہاری ملازمت کا انتظام کر کے میں واپس آ جاؤں گی۔“  
”دھوکا تو نہیں ہو گا۔“  
”ہرگز نہیں۔“  
”اچھی بات ہے۔ میں کتوں کو بند کرنے کی کوشش کروں گا۔“ وہ دروازے کی جانب بڑھتا  
ہوا بولا۔  
پھر باہر آ کر کچھ دیر خاموش کھڑا رہا۔  
لاپھر یہی کے کلاک نے دو بجائے۔۔۔ اور وہ پھر ساٹوڈ پروف کرے کی طرف پلٹ آیا۔۔۔  
اور اندر داخل ہوتے ہی اسی طرح بانپنے لگا جیسے اس وقٹے میں صرف دوزدھوپ کرتا رہا ہو۔  
”کیا ہوا....؟“ لڑکی نے پوچھا۔  
”بند رہ آیا ہوں۔“ عمران نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔  
”تو پھر چلوں....!“  
”مجھے یہے....!“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا اور گم سم کھڑا رہا۔  
”کیا بات ہے؟“  
”آپ گاڑی ڈرانجیوں کر سکیں گی۔“  
”بہت آسانی تھ۔“  
”بہت اچھا۔ تو یہ لیجئے۔۔۔ اسے آنکھوں پر چڑھا لیجئے۔“ عمران نے چجزے کا ایک خول اس

کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"لیا مطلب.... یہ کیا ہے۔"

"خفا نتی پی کھلاتی ہے یہاں.... جو لوگ یہاں کے عجائب سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں آنکھیں بند رکھتے ہیں.... میں آپ کی رہنمائی کروں گا۔"

"آخر کیوں....؟"

"وقت نہ ضائع کیجئے.... میں نہیں چاہتا کہ آپ کی منظر پر بے ساختہ تیز پڑیں اور ہتھیا کھیل گز جائے۔"

"میں کچھ نہیں سمجھ سکتی۔"

"کچھ نہ سمجھ سکنے والے زیادہ عرصہ تک زندہ رہتے ہیں۔ کچھ نہ سمجھ سکنے کی عادات ذاتی چاہئے۔"

"لڑکی نے اسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا اور بولی۔ "لیا تم پڑھ لکھے آدمی ہو۔"

"لا یعنی اور اوت پانگ باتوں سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔" عمران نے سرہا کر کہا۔  
لڑکی اسے گھورتی رہی۔

"تحوڑا وقت اور گزر جانے کے بعد میں کچھ نہ کر سکوں گا۔" عمران نے چھٹھا ہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"اچھا....!" لڑکی نے مردہ سی آواز میں کہا اور عمران نے وہ چرمی خول اس کے سر پر اس طرح منڈھ دیا کہ آنکھیں بند ہو کرہ گئیں۔

"آپ میرا ہاتھ پکڑیے اور چپ چاپ چلتی رہئے۔"

لڑکی کچھ بولے بغیر اس کی ہدایات پر عمل کرتی رہی۔ ... غالباً پندرہ منٹ تک اسے اسی طرح چلانا پڑا۔ ... داش منزل سے نکل کر وہ بائیں جانب والی سڑک پر چل رہے تھے۔

عمران ایک جگہ رک گیا۔ قریب ہی چھوٹی سی کار کھڑی تھی۔

"اب یہ ٹوپی اتار دیجئے....!" عمران نے کہا۔

"ہم عمارت کے باہر ہیں....!" عمران بولا۔

"کس عمارت کے باہر....!"

"چلنے چلنے....!" عمران نے اسے گاڑی کی طرف دھکیتے ہوئے کہا۔

لڑکی نے اسٹریٹ گ تو سنبھال لیا لیکن عمران کی طرف من کئے بے حس، حرکت بیٹھی ہی۔

"چلنے....!" عمران بولا۔

"ہبھاں چلوں.... میں نہیں جانتی کہ شہر کے کس حصے میں ہوں....!"

"اگلے چورا ہے سے بائیں جانب موڑ لیجئے گا.... شاید راستہ آپ کے سمجھ میں آسکے۔"  
انجمن اسارت ہوا اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔ پھر عمران کی ہدایت کے مطابق اگلے چورا ہے پر بائیں جانب موڑ دی گئی۔

"وہاں ہر گز نہ چلنے گا جہاں سے کرٹل آپ کو لایا تھا۔" عمران نے کہا۔  
"کیوں....؟"

"آگئے کھلتے ہی وہیں چڑھ دوزے گا اور آگئے جلد ہی کھلے گی کیونکہ کتوں کو اسی کی خواب گاہ میں ہاٹک آیا ہوں.... انہیں تھوڑی سی پلا بھی دی تھی۔"

"تو پھر میں کہاں چلوں.... کوئی ایسی جگہ میرے علم میں نہیں.... البتہ عادل آباد۔"  
"لباسفر ہے۔ دھر لئے جائیں گے۔"

لڑکی کچھ نہ بولی عمران نے کچھ دیر بعد چونک کراپنی جیسیں ٹولنی شروع کیں اور لمبی سانس لئے کر بولا۔ "اوہو.... کام بن گیا....!"  
"یعنی....!"

"فی الحال چھپنے کے لئے ایک جگہ چلتے ہیں پھر اطمینان سے دیکھیں گے۔ کرٹل کی شکار گاہ میں جو عمارت ہے اس کی کنجی میرے پاس ہی ہے۔"  
"لکنی دور ہے۔"

"شہر سے میں بائیں میل کے فاصلے پر....!"

"ٹھیک ہے.... وہیں چلو....!"

"تو یہیں سے داہنی جانب موڑ لیجئے۔"

زیادہ تر راستہ خاموشی ہی سے طے ہو رہا تھا۔ اب وہ شہر سے باہر نکل آئے تھے۔ آخری تاریخیوں کا چاند افق میں ابھر رہا تھا۔ فضا ملکی زرد روشنی سے معمور ہو گئی تھی۔ سنائے میں گاڑی کے ان جن کا ہلکا سا شور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے رات ہو لے کر اسی ہوئی شرقی افق کی جانب بھاگی جا رہی ہو۔

"کرٹل کو آپ کب سے جانتی ہیں۔" عمران نے پوچھا۔

"آج سے پہلے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد لڑکی نے لہا۔ "تم مجھ سے آپ جتاب کر کے باتیں نہ کرو۔ میں تمہارے ہی طبقے سے تعلق رکھتی ہوں۔"

"تم... میرے طبقے سے۔" عمران نے حیرت سے دہلیا۔

"ہاں... میرا باب آج کل بھی تائنگہ ہائکتا ہے اور میرے بھائی گودی پر مزدوری کرتے ہیں۔"

"آپ مذاق کر رہی ہیں۔" "عمران نہیں پڑا۔

"یقین کرو... اور یہ بھی سنو کہ میں گرجویٹ ہوں۔ میرے باپ نے مجھے بڑے چاؤ سے پڑھایا تھا۔ بھائیوں کو بھی پڑھانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ نہ پڑھ سکے۔ آج کل تعلیم نواں کا ہر طبقے میں بڑا زور و شور ہے۔ بہنیں گرجویٹ ہو جاتی ہیں اور بھائی گدھے گاڑی ہائکلتے رہتے ہیں۔ ٹلوں میں مزدوری کرتے ہیں۔ گودیوں میں سامان ڈھوتے ہیں اور یہ بہنیں جو گرجویٹ ہو جاتی ہیں نہ اپنے طبقے میں کھپ سکتی ہیں اور نہ اپنے سے اوپنچ طبقے میں۔۔۔ اپنے طبقے کے مزدور سے تنفس ہوتی ہیں اوپنچ طبقے میں تائگے والوں کی اولادیں سمجھی جاتی ہیں۔ وہ اس طبقے کی دل بیگنی کا سامان تو بن سکتی ہیں لیکن کوئی انہیں مستقل طور پر اپنانے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔۔۔ پھر بتاؤ اسی صورت میں کیا ہوگا۔۔۔ کیا اس طرح ہمارا معاشرہ متوازن رہ سکے گا۔ میں نے ایک فرم میں ملازمت کی۔۔۔ سینھ کا لڑاکا جو میری برائی کا انچارج تھا میری طرف چکنے لگا۔۔۔ بڑا وشن خیال آدمی تھا۔ مجھے بھی اُس سے اُنس ہو گیا۔ محبت کے مراحل تیزی سے طے ہونے لگے۔ جب میں نے محسوس کیا کہ محبت کا انجام مفترعam پر بھی آسکتا ہے تو اس سے شادی کی تجویز پیش کی۔ اُس نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم تائگے والے کی لڑکی ہو لہذا میرے گھر والے اس پر تیار نہ ہوں گے۔ سنتے ہی آگ لگ گئی۔ دھان پان سائز اکت ماہ آدمی تھا۔ میں نے اٹھا کر ٹھیڈیا۔۔۔ اور ہر اُس چیز سے اسے مارتی رہی جو ہاتھ آتی۔۔۔ نتیجہ ہوا کہ اس کی دو پیلاں ٹوٹ گئیں۔۔۔ ہونٹ پھٹ گئے اور وہ بے ہوش ہو گیا۔۔۔ یہ سب کچھ آفس ہی میں ہوا تھا۔۔۔ دوسرے ٹکر کر میں گھس آئے۔ لیکن اُن میں سے کسی کو نہیں دخل اندازی کی جو رأت نہ ہوئی۔ ظاہر ہے اس کے بعد تھانے پولیس کی نوبت آئی ہوگی۔ میرا غریب باب ضمانت کے لئے ادھر اور گھر کو گزرا تا پھر ایک دن کسی نامعلوم آدمی نے ضمانت کے لئے کاغذات داغل کئے اور مجھے حوالات سے نجات ملی۔ ضامن سامنے آیا۔۔۔ یہ مشہور ماہر ارضیات پروفیسر ارشد تھا۔ کیا تم کچھ پڑھے لکھے ہو۔"

"مُلْ فِيل...!" عمران نے خندہ کی سانس لی۔

"کیا مطلب... میں نہیں سمجھی۔"

"اس عمارت میں اب تک صرف اوپنچ طبقے کی عورتیں دیکھی گئی ہیں۔ بڑے بڑے سرمایہ داروں کی بیویاں اور لڑکیاں...!"

عمران سوچ رہا تھا کہ یہاں تک تو خود بخودی سب کچھ اگلتی چلی آئی ہے۔ اب جزید معلومات کیلئے کس زاویے سے حملہ کیا جائے۔ کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ "تو تمہاری نوکری چھوٹ گئی ہو گی۔" "نوکری...! لڑکی نے حیرت سے کہا۔ "اتا کچھ ہو جانے کے بعد بھی تم نوکری ہی کو لئے بیٹھے ہو۔"

"پیٹھ ہر حال میں بھرنا چاہئے۔ کسی شاعر نے کہا ہے... پیٹھ بڑا بد کار ہے بایا... یہ آدمی کو اُس کے مسلک سے ہٹادیتا ہے۔" "ہائیں... ہائیں... ایک بات میں بڑی دیر سے محسوس کر رہی ہوں۔ بھی احتموں کی سی باشی کرتے ہو اور کبھی افلاطون معلوم ہوتے ہو۔"

"سب کچھ پیٹھ کیلئے ہے محترمہ... میں یہ پوچھ رہا تھا کہ فی الحال آپ کہیں ملازم ہیں یا نہیں۔" "تم فکرنا کرو... بہت دنوں تک تمہارا پیٹھ بھر سکوں گی۔"

"بب... بس اب بائیں جانب والے کچے راستے پر موڑ لجئے...!" "مگر سوال تو یہ ہے کہ ہم کب تک اس طرح چھپتے پھریں گے۔"

"ہو گیا ستیا ناس...!" عمران رو دینے والی آواز میں بولا۔

"کیوں... کیوں...؟"

"معلوم ہوتا ہے بھوکے ہی مرنا پڑے گا۔ لگے لگائے دھنے سے بھی گیا۔"

"غلط نہ سمجھو... میں نہیں جانتی کہ کرنل کون ہے... اُس کے ذرائع کیسے ہیں۔ وہ

ہمارے خلاف کیا کر سکے گا۔ اس کا اندازہ کر لیئے کے بعد ہی کچھ کیا جائے گا۔"

"اور میں دیر سے سوچ رہا ہوں کہ اگر آپ کسی تائگے والے کی لڑکی ہیں تو وہ آپ کو کیوں لایا تھا۔"

”رات جنگل میں برسکی جائے۔“ عمران نے سوالہ انداز میں کہا۔  
 ”بیسی بہتر ہو گا۔“  
 ”ٹھیک ہے۔ تو پھر ہم یہیں کیوں نہ رک جائیں... کفارے کر لجھے گاڑی کو۔“  
 گاڑی رک گئی... وہ تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔ پھر لڑکی چونک کر بولی۔ ”کیا  
 حماقت ہے؟“  
 ”بھی...!“  
 ”ہم جائیں گے کہاں... نہیں یہ حماقت ہے۔ ہمیں شہر ہی واپس چلتا چاہئے۔ گاڑی دیں  
 کہیں چھوڑ دیں گے۔ صبح ہونے سے پہلے ہی گاڑی سے بھی چھکارا پاتا ضروری ہے۔ ورنہ گاڑی  
 سیست دھر لئے جائیں گے تو کیا ہو گا۔“  
 ”واقعی آپ بہت عقل مند ہیں۔“ عمران بے حد خوش ہو کر بولا۔  
 گاڑی کا بجن پھر جاگا۔ اور کچھ دیر بعد وہ پھر شہر کی طرف واپس جا رہی تھی۔  
 عمران نے کہا۔ ”میرے خیال سے انہیں صاحب کے پاس چلنے جنہوں نے آپ کی ہمان  
 دی تھی۔“  
 ”کاش وہ زندہ ہوتے۔“ لڑکی نے ٹھنڈی سانس لی۔  
 ”ہائیں تو کیا مر گئے۔“  
 ”انہیں کسی نے مار ڈالا۔ صبح کی بات ہے۔“  
 ”تب پھر ان کے پاس چلا مناسب نہیں ہے۔“ عمران نے احتقاد انداز میں کہا۔ تھوڑی دیر  
 خاموش رہا پھر بولا۔ ”آپ مجھے بتائیے کہ کر غل آپ کو کیوں کپڑا لایا تھا۔ ہو سکتا ہے اس شریف  
 آدمی کو اُسی نے یار ڈالا ہو۔“  
 ”میں کیا بتاؤں... میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔“  
 ”شاید میری سمجھ میں آجائے۔ کیونکہ میں کر غل کی رگ رگ سے واقع ہوں۔ لیکن یہ  
 بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ آخر میں آپ کی مدد کرنے پر کیوں تیار ہو کیا۔ اب تک نہ جانے  
 کتنی آئیں۔ اس کمرے میں بند ہوئیں۔ بھسے انتباہیں کیں کہ انہیں کر غل کی زیادتیوں سے  
 بچاؤں لیکن میں کبھی پیچا...؟ آج کیا ہو گیا تھا مجھ۔ میرے خدا میر اکیا حشر ہونے والا ہے۔  
 بالکل درست ہے کہ کر غل میرے لئے ملک کا گوشہ گوشہ چنان دارے گا۔ میں اس کا راز دار  
 ہوں۔ میں کیا کروں۔ کیا کروں۔“ وہ خاموش ہو کر اس طرح ہانپتے لگا جیسے پھر اسی پر چڑھا ہو۔

”مگر.... کیوں....!“  
 ”اس لئے کہ کر غل کا بُرنس ہی ہے۔“  
 ”میں نہیں سمجھی۔“  
 ”وہ... وہ... کیا کہتے ہیں.... اُسے.... میل بلکر....!“  
 ”بلکہ مملک....!“  
 ”وہی.... وہی....!“ عمران خوش ہو کر بولا۔ ”وہ عورتیں جو اُس کے مطالبات پورے  
 نہیں کرتیں.... اُن کی بُری گفتگو کرتا ہے۔ سر موٹڈیتا ہے اُن کے....!“  
 ”تب تو وہ مجھے تلاش کرنے کی بجائے تمہارے لئے کنوں میں باس ڈلوادے  
 گا.... تم جو اُس کے رازوں سے واقع ہو۔“  
 ”بالکل.... بالکل....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔  
 ”وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ ”مجھے انہوں ہے کہ تمہیں میری وجہ سے۔“  
 ”بب.... بالکل نہیں۔“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”مجھے بڑی نفرت تھی اُس سے۔ اب تم  
 کہتی ہو کہ دوسری نوکری کا انتظام ہو جائے گا تو پھر.... کیا پرواہ ہے۔“  
 ”خیر....!“ وہ خاموش ہو گئی۔ گاڑی ناہوار زمین پر چکولے لے رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اُس  
 نے کہا۔ ”میں تو اُسے مناسب نہیں سمجھتی....؟“  
 ”بالکل....؟“  
 ”کیا....؟“  
 ”پتہ نہیں....!“  
 ”کیا تم سور ہے ہو۔“  
 ”نن نہیں تو....!“ عمران سر جھکتا ہوا بولا۔  
 ”میں یہ کہہ رہی تھی کہ ایسی صورت میں اس کی کسی عمارت میں پناہ لینا مناسب نہ ہو گا۔“  
 ”تو پھر کہیں اور چلے....!“  
 ”اور یہ گاڑی کہی اُسی کی ہوگی.... وہ اس کی گلشنہ کی روپورٹ ضرور درج کرائے گا اور ہم  
 مزید دشواریوں میں پڑ جائیں گے۔“  
 ”یہ بھی پتی بات ہے۔“  
 ”تو پھر کچھ بتاؤنا....!“ وہ جھنجلا کر بولی۔

کل اپنے کس دشمن کی فکر میں تھے اور ان کا خیال تھا کہ یہ عمران بھی ان کے انس دشمن کے بارے میں کچھ جانتا ہے۔ لیکن انہوں نے مجھے اس دشمن کے بارے میں بچھ نہیں بتایا تھا۔ حتیٰ کہ نام بتانے سے بھی گریز کیا تھا۔

”تو پھر وہ آدمی..... یعنی عمران تو دھرم لیا گیا ہو گا۔“

”سنابے..... گرفتاری سے قبل ہی اس کی صفات دے دی گئی تھی.....؟“  
”آپ بنے نہیں دیکھائے۔“

”نہیں..... اکثر اس کا نام انجمن کی نشتوں میں آتا رہا ہے۔  
”کس سلسلے میں....!“

”یہی کہ وہ پولیس افسار مر ہے۔  
”اچھا تو پھر....!“

”عمران سے ملتا پڑے گا لیکن اب سوچتی ہوں کہ کہیں پروفیسر کا وہ دشمن کر قتل در آنی ہی نہ ہو!“  
”یہ کیسے کہہ سکتی ہیں آپ....!“  
”وہ مجھے آن رات پروفیسر کی کوئی خصی کے قریب ملا تھا..... ہو سکتا ہے جس لئے میں وہاں آتی تھی وہ بھی اسی لئے وہاں آیا ہو۔“  
”آپ کس لئے گئی تھیں۔“

”مجھے پروفیسر کی کوئی خصی سے کچھ کاغذات نکالنے تھے ہم نہیں چاہتے کہ وہ پولیس کے ہاتھ لگیں۔ صرف مجھے ہی معلوم ہے کہ وہ کہاں ہیں اور پوڑا وہاں کا علم بھی صرف مجھے ہی ہے۔“  
”تب تو ہو سکتا ہے وہ اسی پکڑ میں وہاں آیا ہو.... کاغذات ہی اس کے بزنس کی بنیاد ہیں۔“  
”سکتا ہے اور میں اسی کے خلاف بلیک میلٹک کا مواد موجود ہو۔“

”تم وہیں بھی معلوم ہوتے ہو۔ سیکھ بات ہو سکتی ہے۔“ لڑکی نے کہا اور پھر اسے بتائی رہی کہ کس طرز کر قتل در آنی سے مدد بھی ہوئی تھی۔

پوری روودا سن کر عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور سر بلکر بولا۔ ”کر قتل خط ناک آدمی ہے۔“  
لڑکی خاموش ہو گئی تھی۔ پچھلے یہ تک عمران بھی خاموش رہا پھر بولا۔ ”اب آپ لیا رہیں ہی۔“  
”اب سے پہلے ہم سے ہمہ تک ناک ناہیں کہا۔“

”صحیح ہے۔ اب مجھے اپنی انہیں سے بارے میں بھی پوچھ بتائیے۔“  
عمران نے محسوس کیا جیسے وہ اسے سکھیوں سے دیکھ رہی ہو۔ اس نے فوری طور پر کوئی

لڑکی خاموش رہی۔ کار کی رفتار خاصی تیز تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔  
”اب تمہیں خوف محسوس ہو رہا ہے۔“  
”ہوتا ہی چاہئے۔“

”کیا تمہیں اُن عورتوں پر کبھی رحم نہیں آیا، جو اس کے ہاتھوں بلیک میل ہوتی رہیں۔“  
”چھوڑیے ان باتوں کو۔ خدا را جلد از جلد یہ بتائیے کہ آپ کر قتل مک کیسے پچھی تھیں یا وہ آپ تک کیسے پہنچا تھا۔“  
”پوری بات سننے کے لئے تمہیں پوری طرح کہانی شروع سے سننی پڑے گی۔“  
”ضرور سنوں گا۔“

”صفات پر رہا ہونے کے بعد پھر میں اپنے گھر نہیں گئی تھی بلکہ ضامن مجھے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ میری مراد پروفیسر راشد سے ہے..... وہ انجمن بیباکاں کے صدر تھے۔“  
”بیباکاں....!“ عمران نے حیرت سے دھر لیا۔ ”میں نے اس انجمن کا نام پہلی بار سننا ہے۔“  
”یہ ایک پوشیدہ تنظیم ہے جس کا مقصد ہے گرے ہوئے لوگوں کو اٹھانا۔ وہ مجھ مجھے بے سہارا لوگوں کو کام کا آدمی بناتی ہے۔ انہیں جینا سکھاتی ہے۔“  
”اوہ.... اب تو میں بھی بے سہارا ہو گیا ہوں۔“ عمران بولا۔ لیکن لڑکی اس ریمارک کو نظر انداز کر کے کہتی رہی۔ ”پروفیسر نے مجھے انجمن میں شامل کر لیا اور اب میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ مجھ میں پہلے سے کئی گناہ زیادہ خود اعتمادی بڑھ گئی ہے....!“  
لڑکی خاموش ہو گئی۔ عمران بھی کچھ نہیں بولا۔

”اوہ.... یہ تو بتاؤ....!“ لڑکی یہک بلکہ چونک کر بولی۔ ”کر قتل کے کسی ایسے ملنے والے کو بھی جانتے ہو جس کا نام علی عمران ہو۔“

”میں اس کے کسی ملنے والے کا نام نہیں جانتا۔“  
”خیر.... وہ.... پروفیسر اسی عمران کے قلی کی بالکلی میں مردہ پائے گے تھے۔ انہوں نے اس سے ملتا چاہا تھا۔ بختی دیر میں اس کا ملازم کارڈ لے کر اندر جاتا اور پھر واپس آکر انہیں اندر لے جاتا تو وہ رنگے.... پولیس لاش لے گئی تھی۔ پڑھ نہیں پوست مارٹم کی روپورٹ میں کیا ہوا۔“  
میرا خیال ہے کہ کسی نے انہیں زبردیا تھا۔  
”لیکن پروفیسر اس آدمی عمران سے کیوں ملتا چاہا تھا۔ کیا وہ اسے پہلے سے جانتے تھے۔“  
”پڑھ نہیں۔ میرا خیال ہے کہ پروفیسر نے صرف یہی ایک بات مجھ سے چھپائی تھی۔ وہ آن

جواب بھی نہیں دیا تھا۔ اس کے بعد عمران کے انداز سے بھی ایسا ہی لگنے لگا جیسے اس نے کچھ پوچھا ہی نہ ہوا۔

تحوزی دیر بقدوہ خود ہی بولی۔ ”یقین نہیں آتا کہ تم صرف باہر چیز ہو۔“

”تحوزہ ابھت کا جانا بھی آتا ہے۔“ عمران نے بڑے خلوص سے کہا۔ ”پہلے کوشش کی تھی کہ فلم کمپنی میں نوکری مل جائے۔“

”اوہ تو تم بھی فلمی بخادر میں بٹا ہو۔“

”اب نہیں ہوں...!“ عمران نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ ”لیکن اب آپ مجھے کہاں لے جائیں گی۔“

”ابھی تک اس کا فیصلہ نہیں کر سکی...!“

”اگر میں بھی آپ کی انجمن کا ممبر بن جاؤں تو کیا انجمن مجھ کر قل سے بچائے گی۔“

”یہ کوئی سیاسی جماعت نہیں ہے کہ پچیس میے کی رسید کو اور ممبر بن گئے۔“

”پھر کسی جماعت ہے۔ کیا کرتی ہے۔“

”بیباکوں کی انجمن ہے اور بیباکی اس کا نصب اعین ہے۔“

”میں بھی کافی بیباک واقع ہوا ہوں۔“

”ابھی تک تو کوئی بیباکی نظر نہیں آئی۔“ لڑکی بولی۔

”خدا غارت کرے۔“ عمران جملائے ہوئے لمحے میں بولا۔ ”کرنل کے بخوبی سے شکار جھٹ لینا بیباک نہیں ہے.... کیوں....؟“

”اوہ تو میری حکمت عملی تھی۔“

”مردانے پچھا نہ بولا۔ کافی پھر شہر کی حدود میں، داخل ہو رہی تھی۔ عمران اس طرح ”ہوں“

ہوں ”کرنے لگا جیسے اپنے کس خیال کی پر آواز بند تائید کر رہا ہو۔ پھر پھلک جا کر بولا۔ ”ٹھیک ہے۔“

”ایا ٹھیک ہے۔...!“ لڑکی نے پوچھا۔

”معلوم کرنا چاہتے کہ کرنل اس وقت یا کر رہا ہے۔ اپنی کو بھی یہی میں موجود بتایا ہے، میں تااش میں انکل کھڑا ہو اب۔“

”کیسے معمور ہوئے؟“

”کی پہلے میں فون ڈی تھے میں فون ڈی کا۔“ اس طرح جواب مل یاد ہو۔“

”میں اس کی اجازت نہیں دے سکتی۔“

”ارے واه... حکم چلاو گئی مجھ پر... بی اے پاس ہو گئی اپنے گھر کی! جس مرد کی تم نے پٹائی کی تھی اونچے طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔ میں تمہارے ہی طبقے کا آدمی ہوں مار مار کر بھس بھر دوں گا۔“

”بوش میں ہو یا نہیں....!“

”دفعتہ گاڑی کی ایک بے جگم شور کے ساتھ رک گئی۔“

”یہ کیا ہوا...!“ عمران نے بوکھلائے ہوئے بُجھے میں پوچھا۔

”پہ... پڑوں... ختم ہو گیں۔“

”چلو اچھا ہی ہوا۔“

”کیا اچھا ہوا...!“ وہ جھنجھلا کر بولی۔

”گھازی یہیں چھوڑ کر کہیں نکلے چلتے ہیں۔“

”لڑکی نیچے اتر آئی۔ سڑک سنسان پڑی تھی۔ عمران نے گھری دیکھی سازھے چار بجے تھے۔ سردی شباب پر تھی۔“

”وہ تحوزی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔“ میں تمہیں نائب صدر کے بیٹگل پر لیجراہی ہوں۔“

”تم مجھے جہنم میں بھی لے چلو تو انکار نہ ہو گا کیونکہ اب کرنل کے تھے نہیں چڑھنا چاہتا۔“

”وہ کچھ دور چل کر ایک گلی میں مڑ گئے جو انہیں دوسرا سری سڑک تک لے آئی۔ یہاں تحوزے تھوڑے فاصلے پر عمارتیں نظر آ رہی تھیں۔ لڑکی نے ایک عمارت کی کمپاؤندگ کے پھانک کو دھکا دیا جوانہ رہے بند نہیں تھا۔

”کمپاؤندگ میں داخل ہو کر وہ برآمدے میں آئے اور لڑکی نے کال مل کا بہن دادا یا اندر سے کھنکنی کی تیز آواز آئی اور پھر سنانا چھا گیا۔... دفعتا بائیں جانب سے آواز آئی۔“ کون ہے؟“

”عراں پوٹ کر مڑا... لیکن آواز کی سوت انہیں تھا۔“

”ساجدہ صبیب۔“ لڑکی بولی اور عمران آبستہ سے بڑھ لیا۔ ”نہیں ساجدہ نہیں۔“

”تم نہ مہوش رہو۔“ لڑکی نے سر گوشی کی۔

”دوسرے ہی لمحے میں روشنہ ان کے شیشوں میں روشنی، کھاٹی، می اہ رائیں، دوازہ کھلا۔“

”نشست کا کمرہ تھی... لیکن مہاں کوئی نظر نہ آیا۔ ساجدہ نے عمران کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔“

”مہاں میں اچھی چیزیں ہیں۔ میں تھیں کہ تو یونیورسٹی پاٹ ایسٹ میں بیٹھے رہتا۔“

”دفعتہ ایک روز قدیم ترے میں داخل ہوئے۔“ تھوڑے تھیں ریا اور تھا اور ریا الور نے تالی

”مردان کی طرف انہیں ہوئی تھیں۔“

”نہیں....!“ ساجدہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

وہ اس طرح آنکھیں پھاڑے عمران کو گھور رہی تھی جیسے پہلی بار دیکھا ہو۔

”اب....!“ ریو اور والا سرد لمحے میں بولا۔ ”مسٹر علی عمران.... تم بتاؤ.... اس سارے

سینت اپ کا کیا مطلب ہے؟“

”شادی کرتا چاہتا تھا....!“ عمران نے دردناک آواز میں کہا۔

”ساجدہ کو کب سے جانتے ہو۔“

”مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے ساری زندگی انہی کے ساتھ گزری ہو۔“

”ش! اپ....!“ ساجدہ غرائی۔

”پروفیر کو کب سے جانتے تھے۔“

”مر جانے کے بعد سے....!“

”وہ تمہارے پاس کیوں گئے تھے....؟“

”یہ تو معلوم کرتا ہے۔“

”تم نہیں جانتے۔“

”نہیں....!“

ریو اور والے نے ساجدہ کی طرف دیکھا۔ جواب بھی تحریت سے آنکھیں پھاڑے عمران کو گھور سے جاہی تھی۔

”تمہارے لئے سے جو پھر توڑا کیا تھا وہاں سے رکھا تھا....؟“ ریو اور والے نے عمران سے پوچھا۔

”یار کیوں کان کھار ہے ہو.... میں کچھ نہیں جانتا۔“

”تم اب بدہ پر کیوں ڈورے ڈال رہے تھے۔“

”میں ڈورے ڈال رہا تھا انہوں نے رسی ڈالی ہے مجھ پر....!“

”تم اس وقت یہاں کیا کر رہے تھے۔“

”اب میں تمہارے سکس سوال کا جواب نہیں دیں گا۔“

”تم نے اسے اپنے متعلق یہاں لایا۔“ ریو اور والے نے سجدہ سے پہنچا۔

”پس متعحق...“ ”ہم تو نہیں پہنچا کیسے۔“ ”پس نہیں۔“

”جسے یہاں کیوں لئی ہو....؟“

عمران نے کسی روشنی دیدہ اولوں کی طرف پلکیں جھپکائیں اور پھر خلاء میں گھور تارہا۔ ایسے علوم ہو، باقاعدے وہ حق بھی بینائی سے محروم ہو گیا ہو۔



ریو اور والے نے عمران پر نظر جاتے ہوئے ساجدہ سے پوچھا۔ ”یہ کون ہے؟“

”و لفظوں میں بتانا مشکل ہے اور یہ ریو اور....!“

”ہوں! فکر نہ کرو۔“ وہ عمران پر سے نظر ہٹانے بخیر بولا۔ ”میا کوئی کہانی ہے؟“

”جی ہاں....!“

”شروع ہو جاؤ۔“ اس نے کہا لیکن نظر اب بھی عمران ہی پر تھی اور عمران تو شاید اسے دیکھی نہیں رہا تھا۔ خلاء میں گھورتی ہوئی آنکھوں نے اس کے چہرے پر دیواری سی پھیلادی تھی۔

ساجدہ نے اپنی کہانی شروع کر دی۔ ”وہ عمران پر نظر جاتے ہوئے منتارا۔ اس کے ناموш ہونے پر بولا۔ ”تو اب تم کیا چاہتی ہو۔“

”ظاہر ہے کہ اب یہ اس آدمی کرٹی دراں کے پاس واپس نہیں جا سکتا۔ وہ اسے زندہ نہ چھوڑے گا۔“

”ہوں.... اس عمارت کا محل و قوع بتاؤ۔ جہاں سے اس نے تمہیں رہائی دیا تھی۔“

”م محل و قوع....!“ وہ کاکر رہ گئی۔ پھر عمران کو متوجہ کر کے بولی۔ ”تم بتاؤ نا۔“

”ذکشیری دیکھے بخیر نہیں بتا سکوں گا۔“ عمران نے مردہ ہی آواز میں کہا۔

”فضل بالتمیذ کرو۔“ وہ جھنجلا گئی۔

”نہیں جانتا۔“ عمران نے گلوگیر آواز میں کہا۔ ”محل و قوع کے معنی نہیں جانتا۔“

”ساجدہ، وقت نہ ضائع کرو۔“ ”غفاریہ اور والا غایب۔“ ”ہمارے پی نہیں ہے۔“ ہو سکتا ہے اس آدمی کا ہاں ہو جس نے کرٹی کاروں ادا کیا تھا۔

”یہ مطلب۔“ ”ساجدہ پوچھ پڑی۔“

”تمہیں اتنی جسمی سہا شکن تھی۔“

”میں اب بھی تمہیں کہتی۔“ ”ساجدہ نے بجھ میں کسی قدر تھنچھا ہیں شاہزادی تھی۔“

”یہ عمران ہے.... میں عمران۔“ جسے فلیٹ سے سامنے پر فیسر نے دم توڑا تھا۔“

"اسنے کہ اسے کر قل درانی کی دست بردا سے محفوظ رکھا جائے۔" وہ کسی قدر تنگ بھج میں بولی۔  
"ہونہے...!" اس کے ہونتوں پر پھر اظہریہ سی مسکراہت نمودار ہوئی اور اس نے عمران  
سے پوچھا۔ "کر قل درانی کا روک کس نے ادا کیا تھا۔"  
"خود میں نے...؟" عمران نے سمجھی گی سے جواب دیا۔  
"تم نے... تم نے...!" لڑکی انگلی اٹھا کر بولی اور عمران نے مسکراتے ہوئے سر کو اٹھاتی  
جنہش دی۔

"کیوں...؟ کس لئے...؟"  
"کر قل کو تم ہرگز پوچھنے بتاتیں۔"  
"تو ہوں تو پچھا بتایا ہے تم نے... کیوں ساجدہ...!" ریو اور والا سکی طرف دیکھے بغیر غریب  
یقیناً بتایا ہے کہ میں کس طرح انجمن بیباکاں تک پہنچی تھی یہ۔  
"اوہ...!"  
"کیوں نہ بتائی جب کہ انجمن بیباکاں کسی غیر قانونی حرکت کی مرکب نہیں ہوتی۔"  
"اور رجڑڑ بھی ہے۔" عمران شریری مسکراہت کے ساتھ بولا۔  
"شاید یہ تمہارا آخری سفر ثابت ہو۔" ریو اور والے نے عمران سے کہا۔  
"میں کچھ نہیں بھھ سکتی۔" ساجدہ اپنی پیشانی ریزتی ہوئی بولی۔  
"تم اندر جاؤ...!" ریو اور والے نے سخت بھج میں کہا۔  
ساجدہ خاموشی سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازے میں رک کر پھر مزدی۔ عمران کی  
طرف دیکھا اور اندر پڑی۔  
"اب ہم آزادی سے گفتگو کر سکیں گے۔" ریو اور والے نے ٹھویل سانس لے کر کہا۔  
عمران پچھتے بولا۔ اب وہ اس کی طرف دیکھے بھی نہیں ساتھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے مقابل  
کے باٹھ میں ریو اور کی بجتے کوئی کھصنا ہو۔

"اوہر دیکھو...!" دفعتاً ریو اور والا غر آر بولا۔  
عمران نے بڑے مخصوصانہ انداز میں اس کی جانب نظر اندازی۔  
"یہ ریو اور خالی نہیں ہے۔"  
"چھ...!" عمران خوش ہو جو اسے تیکھیں۔  
اس نے ایسے ہی انداز میں باٹھ ہو رہا تھا جیسے، وہ تیکھی ریو اور اسے دے دی تو ہے گا۔

سے قدموں کی آواز آئی۔ ریوالور والے نے اونھرِ گرون موزی ہی تھی کہ عمران جھپٹ پڑا۔ ریوالور اس طرح اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا تھا جیسے وہ اس کی گرفت میں ہونے کی بجائے خلاء میں جھوٹا رہا ہو۔

عمران اس کی چھاتی پر سوار تھا... دفعتاً وہ چینخا۔ ”لیٹھو... ریوالور...؟“

کمرے میں داخل ہونے والا پہلے تو ٹھنکا تھا لیکن گرنے والے کی لکار پر ریوالور کی طرف آپنا... اور پھر قبل اس کے عمران اس کیلئے بھی کوئی تدبیر کرتا ہو ریوالور پر قابض ہو چکا تھا۔

”ہٹ جاؤ رونے گوئی مار دوں گا...!“ اس نے کامپی ہوئی آواز میں کہا۔

اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہ تھا کہ عمران اپنے شکار کو چھوڑ کر ہٹ جانتا۔

”ہاتھ اوپر اٹھاؤ...!“ دوسرا آدمی غریباً۔

عمران کے ہاتھ اٹھ گئے۔ پہلا آدمی اس کے قریب ہی کھڑا ہاپن رہا تھا۔ چند لمحے وہ دانت پر دانت جمائے عمران کو گھورتا پھر، دوسرے آدمی سے بولا۔ ”اسے اندر لے چلو۔“

عمران کو دروازے کی طرف مزتاپڑا کیوں کہ وہ دونوں ہی اب بہت زیادہ محظوظ نظر آرہے تھے۔ فی الحال انہیں دونج دینا مخالف ہی ہوتا۔

تیرے کمرے میں ساجدہ نظر آئی۔ اس کا چہہ زرد ہو رہا تھا۔

”ٹھہر جاؤ...!“ عمران کے پیچھے چلنے والوں میں سے ایک نے کہا۔ عمران رک گیا لیکن ان کی طرف نہیں مزا۔ اس کے دونوں ہاتھ اوپر اٹھے ہوئے تھے۔

”اب اپنے دونوں ہاتھ پشت پر لاو...!“ دوسرے نے کہا۔

عمران پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ وہ اسے باندھ لینے کی کوشش کریں گے۔ لہذا وہ چپ چپ اپنے دونوں ہاتھ پیچھے لایا۔ اور منتظر رہا کہ کوئی ان میں آتے بڑھے۔

وہ جس پر عمران نے چمٹ دیا تھا، اور یمنگ الماری بیٹھر فہرھا اور اسی سے دوناں یاں نکالیں۔ ساجدہ خاموشی سے بینچی انہیں دیکھتی رہی۔

نکالیں لئے ہوئے وہ عمران کے قریب پہنچا، جیسے ہی اس سے ہاتھ بندھنے کے لئے تھے۔ قدر یہ نہ ان کسی جسے احمدے ہوئے تھا، درست اس طرح اس پر دیکھ بھوپیا۔

اس آدمی کی کمی سمجھتے ہیں۔ قتل کر مل جائیں۔ جس سے ہاتھ میں بیان، تھا۔ یوں تھے، عمران کے ہاتھ سے یہ سے کل اس سے پڑتے تھے۔ وہ وہ جس سر یعنی پیٹ پر تھا۔ عمران سے یہی تھے۔

یہ اس پر نکلتے کافی۔

دونوں گھستے ہوئے فرش پر آئے... پہلا آدمی اٹھ کھڑا ہوا تھا لیکن اپنی ہی جگہ پر اس طرح اچھل کو دکھر رہا تھا جیسے یہ لایتھی حرکت حالات کو اس کی اپنی مرضی کے مطابق کوئی شکل دے دے گی۔

دفتاریو اور چل گیا... دوسرا سے آدمی کے حلقو سے ایک بے ساختہ قسم کی جیخ نکلی اور وہ اپنی بائیں ران دبائے ہوئے پھر ذہیر ہو گیا۔

عمران ریوالور والے ہاتھ پر پوری وقت صرف کر رہا تھا... بالآخر وہ اس سے ہاتھ سے نکال دینے میں کامیاب ہو گیا۔

ریوالور فرش پر پھسلتا ہوا یو اس سے جا نکل رہا۔

”ساجدہ ریوالور...!“ دوسرا آدمی چیخ۔

لیکن ساجدہ بت بنی ہوئی کھڑی رہی۔... عمران اپنے مقابل کو روگڑتے دے رہا تھا۔ پہلا آدمی اسی طرح کر رہتا اور چینتا رہا۔... وہ بائیں کھنی فرش پر نیک کر اٹھنا چاہتا اور پھر ذہیر ہو جاتا۔... اس کی ران سے خون اُبل کر فرش پر پھیل رہا تھا۔

اب عمران کے دونوں ہاتھ اپنے دوسرے ٹکار کی گران پر تھے اور وہ مخصوص اسٹاکل میں اپنی گرفت بتر رتنے لگکر تا جا رہا تھا آخر کار اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے اور وہ بے حس و حرکت ہو گیا۔

”مار ڈالا...! تم نے اُسے مار ڈالا...!“ ساجدہ بوکھلا کر آگے بڑھتی ہوئی بولی۔

”ایسی قسمت کہاں کہ کوئی میرے با تھوں مر سکے...!“ عمران نے اُسے چھوڑ کر اٹھتے ہوئے کہا۔

”صرف بے ہوش ہو کیا ہے۔“

”اور... وو... اور وہ...!“ ساجدہ ذہنی کی طرف انگلی اٹھا کر بولی۔

”وہ میر ادار نامہ نہیں ہے... یہ اپنے ساتھی کے با تھوں زخمی ہوا۔ اس نے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“

”اوہ اب یا ہو گا...!“ وہ مختلط بائیں اندر مار دیں بولی۔

”بکھر یہیں ہے کہ اب تم میرے با تھوں تھوں!“

کہہتے تھہتے ذہنی کی تھا لذتیں تھیں، ہمیں جو اسیں تھیں۔ یہ میں میں میں کہا۔ یہ میں میں میں کہہتے تھیں۔

”دو ٹھوں بہا بہتے۔ یہیں یہ مر ہیں نہ بہتے۔“ ساجدہ نے خون فرمادا، اور میں بہا۔

"نکلیہاں سے...!" عمران آتے دروازے کی طرف دھلیتا ہوا اولاد۔

وہ باہر آئے... پوچھوٹ رہی تھی۔

"اب کیا ہو گا...!" وہ پھر بڑی آئی۔

"تم بس خاموشی سے چلتی رہو۔"

لڑکی نے مز کراس کی طرف دیکھا اور سہم گئی... کیونکہ اس بار وہ پھر کرنل کے روپ میں نظر آیا تھا... ریڈی میک اپ جیب سے نکل کر پھرے تک آنے میں لگنے دیر لگتی۔

"یہ... یہ...!" وہ رک گئی۔

"چلتی رہو... فکر نہ کرو۔ یہ پیس سے بچتے کے لئے ہے۔ میری گمراہی ہو رہی ہے۔"

پچھے دور چلنے کے بعد ایک نیکی مل گئی۔ عمران نے اُسے رکنے کا اشارہ کیا۔

"ہم کہاں جائیں گے۔"

"ارے اب چپ بھی رہو... افلاطون کی خالہ...!" عمران دانت پیش کر کلکایا... انداز دقیانوی بوزھیوں کا ساتھ۔

وہ نیکی میں بینچے گئے... عمران نے ڈرائیور کو رانا بیلس کا پتہ دیا حالانکہ یہ عمارت سنگھی کے علم میں آچکی تھی۔ لیکن عمران نے جانے کیا سوچ کر اسے وہاں لے جا رہا تھا۔

راستہ خاموشی سے طے ہوا... نیکی چھانک کے باہر ہی چھوڑ دی گئی۔ چھانک بند تھی۔

عمران نے دستک دی۔

"کون ہے...؟" دوسرا طرف سے آواز آئی۔

"رنا تھور ملی صندوقی...!" عمران نے پر وقار بچھ میں جواب دیا اور بچھ نکل گھل گیا۔

نیکن چوپیدار آتے آنھیں بچاڑ سریں ہیں۔ یوں۔ وہ میک اپ میں تھا۔

"یہ، یہو۔ نالق..." عمران نے مسندی پاپ کو پہنچاتے اُنکے آتے ہوئے بہتے۔

"تھیں تھیں۔ سس سس۔" پہنچاتے چھوٹے سے چھوٹے بھتیجے اُنکے آتے ہوئے بہتے۔

وہ اُنکے ہر ہر سادہ وحیت سے چوڑیں حٹاتے۔ یعنی۔ تھیں تھیں۔

"تم نیباں رہتے ہو۔" اُس نے پہنچا۔

"ہوں...!"

"لیکن اخبار میں تو کسی فلیٹ کا تذکرہ تھا۔"

"ارے تم پھر بحث کرنے لگیں۔"

"میں تو نہیں جاؤں گی۔"

"بہر چند کر تمہاری انجمن کوئی غیر قانونی کام نہیں کرتی لیکن... اب وہ لوگ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

وہ خاموش کھڑی رہی۔

عمران اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا لیا... اور اس کی پلکیں جھک گئیں۔

دفتار چھانک کی جانب سے شور کی آواز آئی... اور عمران چوکے کر مڑا... چوکیدار چھانک کو بند رکھنے کے لئے اس پر پلا پڑا رہا تھا... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دوسری طرف سے بھی چھانک پر زور صرف کیا جا رہا ہو۔

عمران نے تھیڑے انداز میں پلکیں جھپکائیں... چوکیدار کارو یہ غیر معقول تھا۔

"میا بات ہے... کون ہے...؟" عمران نے اُسے آواز دی۔

"وہ زبردستی اندر گھستا چاہتے ہیں جتاب...!" چوکیدار کی ہانپی ہوئی ہی آواز آئی۔

"میری طاقت جواب دے رہی ہے۔"

"اوہ...!" ساجدہ عمران کا بازو، پلکتی ہوئی ہوئی۔ "کہیں وہی نہ ہوں۔"

عمران کچھ کہنے بغیر دروازے کی طرف چھپنا اور خود بھی پوکیدار ساتھ چھانک کو دبائے رکھنے کی جدوجہد شروع کر دی۔ پھر سوچا کیا حماقت ہے؟ خود بھی سوچے تکھے بغیر لگ پڑے۔

"کون ہے...؟" اُس نے غرائی ہوئی بلند آواز میں پوچھا۔

"اللہ نے نام پر بابا...!" باہر سے آواز آئی۔

"بہت تیرے کی...!" عمران ڈھیا پڑ گیا... اور چوکیدار کو اس طرح گھوڑ کرہ کیجا جسے اپنے جانے کا۔

چھانک کھا اور وہ، نوں اندر گھس آتے۔ تھیں تھیں تھیں جن کے سامنے ہوتے تھے

اور جسم پر یہ میں غاییں تھیں۔ کمرے میں تھے۔

انہیں نے عمران سے سامنے ہوئے۔ ہمارے دن تھے۔ نہیں۔

'اید ناس سے۔' میں آجتے جا رہتے تھے۔

"دم دمادم... راج کرے گا... چکلی چکلی... منھی دے دے دم دمادم...!"  
 "پلیز... پلیز...!" عمران ہاتھ انھا کر بولا۔  
 "نکل کچھ...!" ان میں سے ایک نے کوک کر کہا۔  
 اور دوسرے ہی لمحے میں عمران کی جیب سے روپا اور نکل آیا۔  
 ان دونوں نے بلنا بند کر دیا اور روپا اور کو گھورتے رہے۔  
 "کیوں فقیروں کے ساتھ مذاق کرتا ہے بابا...!" کچھ دیر کے بعد انہوں نے کہا۔  
 ساجدہ بھی قریب آگئی تھی۔

"تمہیں یہاں کس نے بھیجا ہے۔" عمران نے نشیمن لجھے میں پوچھا۔  
 "پیدا کرنے والے نے....!" جواب ملا۔  
 "کیا تم اسی طرح پھاٹکوں پر زور آزمائی کرتے پھرتے ہوں۔"  
 "کیوں نہ کریں۔"  
 "اچھا...!" عمران نے آنکھیں نکالیں۔  
 "ہم اکڑو شاہ کے مرید ہیں... اکڑ کر مانگتے ہیں۔"  
 عمران ایک طرف ہٹ کر روپا اور سے اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "اندر چلو... ناشتے کی میز تیار  
 ملے گی۔"

"چل بالکے...!" ایک نے دوسرے سے کہا۔  
 ساجدہ کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔ وہ دونوں آگے چل رہے تھے اور عمران ان کے پیچھے تھا۔  
 دعائیاں میں سے ایک اس طرح مزرا کے اس کاڈا نہ عمران کے روپا اور والے تھے پر آپر اور اسے  
 لمحے میں وہ خود بھی کسی پہاڑ کی طرح اس پر آبنا۔ روپا اور عمران کی رفتت سے نکل گیا تھا۔  
 ٹھیک اسی وقت اس نے ساجدہ کی جیچ بھی سنی۔ لیکن خود اسے سنجھنے کا موقع نہ مل  
 سکا... وہ اس پہلوان نما فقیر کے نیچے دبا ہوا اسے اچھال پھینکنے کی کوشش کر رہا تھا... اور فتحی  
 تھی... عمران با تھہرا اس کی گردان پر تھے۔ لیکن ابھی تک وہ اس پر بنا ہوئے تھے میں ہمایاب نہیں ہو سکا  
 تھا... عمران نے اس کی کلامیاں پکڑ گئی تھیں اور نیچے تھے زور اکڑا رہا تھا۔

پھر اسے ساجدہ کی آوازیں پہنچنے والے تھے آئیں جیسا کہ وہ میں نہیں میں نہیں تھا۔  
 پوچھا اسے ساجدہ کی آوازیں پہنچنے والے تھے آئیں جیسا کہ وہ میں نہیں میں نہیں تھا۔

اور وہ سوچ رہا تھا کہ کیا اس وقت یہاں اس ایک چوکیدار کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں۔  
 حملہ آور کی کلائی پر اس کی گرفت کا دباؤ بذریعہ تھا بڑھتا رہا... اور پھر اس نے محوس کیا کہ  
 اس کی گردان پر اس کی انگلیاں ڈھلی پڑتی جا رہی ہیں۔  
 دفعتاً اس نے اپنا اہنگھٹا جھٹکے کے ساتھ اخیا... حملہ آور کے یوں سے ایک بلکن سی کراہ  
 آزاد ہوئی اور پھر عمران نے اُسے اچھال پھینکا۔

پھر یہ دیکھے بغیر کہ اُس کا کیا حشر ہوا، اٹھ کر بے تحاشا پھاٹک کی جانب دوڑا۔ چوکیدار  
 پھاٹک کے قریب منہ کے بل پڑا تھا اسے بھی نظر انداز کرتا ہوا سڑک پر نکل آیا۔  
 بائیں جانب ایک تیر فرقہ جیپ نظر آئی جو لختہ بہ لختہ دور ہوتی جا رہی تھی۔ وہ پھر دوڑتا ہوا  
 پھاٹک میں داخل ہوا۔ حملہ آور پر نظر پڑی جو عقیقی پارک کی سمت بھاگا جا رہا تھا۔  
 اب عمران اُس کے پیچھے دوڑ پڑا... دھوپ پھیلنے لگی تھی۔ رات بھر کا جاگا ہوا ذہن  
 جھنچھلاہست کی آباجاہ بن کر رہ گیا تھا... دیکھتے ہیں، دیکھتے ہیں اس نے حملہ آور کو جالیا اسی ناگ ماری  
 کے وہاں چھل کر ڈھیر ہو گیا۔ اور عمران نے اُس پر چھلانگ لگائی۔ کمر پر سواری گانٹھ کر گدی پر ایسا  
 دو ٹھہر مارا کہ اس نے کسی زخمی چوپائے کی طرح ذکر اکر گردان ڈال دی۔  
 اتنے میں کچھ اور لوگ بھی نظر آئے جو دوڑتے ہوئے اسی طرف آ رہے تھے یہ رانا پبلیس  
 کے دوسرے ملازمین تھے۔

عمران حملہ آور کو چھوڑ کر بہت گیا کیونکہ گدی پر پڑنے والی ضرب نے اُس کے ذہن کو  
 اندر ہیراں میں دھکلیں دیا تھا اور اس کا سارا جسم بے حس و حرکت ہو کر رہ گیا۔  
 "کیوں...؟ تم سب کہاں مر گئے تھے۔" عمران ملازمین کو گھورتا ہوا غیریا۔  
 اسی نے جواب نہ دیا... بس وہ اسے دیکھتے اور ہانپتے رہے۔  
 "وہنچھڑتک سونے والوں کا بیکی حشر ہوتا ہے۔ اچھا دوڑو... دوڑ گاؤ... پارک کے  
 ہو ہو پکر...!"

"صص... صاحب...!" ایک نے پچھا ہئنا چاہا۔  
 "صاحب تھے پچھے ۱۰۰ کافہ۔" وہ ہوشیار تھا۔ "تھیں اس سب باخا۔ یعنی ہے تھے۔  
 "چاہو۔" عمران سچل پر رہ رسرو۔ "وہ وہ سوچا تھا۔" ایک انہیں میں تھیں۔  
 "ایک انہیں میں۔" عمران نے پچھا ہئنا کافی اور انہیں بے تھیں۔ تھیں کی نکل انھیں۔  
 "لیں... وہ دوڑتے رہے۔"

عمران حملہ آور کی طرف متوجہ ہوا۔ جو سکھیوں کے مل اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا اور ساتھ ہی سر کو اس طرح جھینکے بھی دیتا جا رہا تھا جیسے آنکھوں کے سامنے چھائی ہوئی دھنڈے سے پیچھا چھڑنا چاہتا ہوا۔ عمران نے دونوں ہاتھوں سے اس کا سر تھامے کر آئے چٹ کر دیا۔ اور اس نے اپنے ہاتھمیں آنکھوں پر رکھ لئے۔

”ناشتریہیں کرو گے..... یا ڈاکٹرنگ روم میں لے چلوں.....؟“ عمران نے بڑے خلوصت پر چھال۔

لیکن وہ آنکھوں پر نے ہاتھ ہٹائے بغیر گہری سانسیں لیتا رہا۔

ملازم میں پارک کے پلکر لگا رہے تھے۔

”ہاٹ...!“ عمران سراہا کر دہڑا۔ وہ سب رک گئے۔

”فال ان...!“ وہ پھر پیچا اور وہ سب دوڑتے ہوئے اس کے قریب آئے اور لامیں کھڑے ہو گئے۔

اب عمران نے حملہ آور کے ٹھونکر سیدھا کر کے کہا۔ ”تم بھی اٹھو۔ ورنہ ڈیاں سر مہ کرو دنگا۔“ وہ ہانپتا کا نیپتا ہوا اٹھا اور احتقانہ انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔

”میں نے پوچھا تھا یہیں ناشتریہ منگواؤں...؟“ عمران نے اسے گھوڑتے ہوئے کہا۔

”مجھے جانے دو...!“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”اب تمہیں بھی جانے دوں تو میرا جی کیسے بدلے گا۔“

”میں کچھ نہیں جانتا۔“

”ان قلندر صاحب کو لے چلو...!“ عمران نے ملازموں سے کہا۔ لیکن پہلے ان کی کمر سے گزند الگ ٹھکر دو۔“

کمر سے رسی کھول کر گھنٹہ الگ کر دیا گیا اور پھر وہ اس دھکلیتے ہوئے عمارت کی طرف لے چکا۔

”مارو اگر۔ یہ ہمی طرح نہ چ۔“ عمران نے ملازموں سے کہا۔

”میں چل رہا ہوں۔“ حملہ آئے۔

ہنشت کے کمرے میں آئے۔ اور عمران نے اسے ایک بڑی پر دھیل دیا۔ ”ناشتریہ...!“

”غور۔“ وہ ملازموں کی طرف ملے۔

ان کے چڑھتے ہوئے بعد حملہ آئے جھانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ ”میں بے قصور ہوں۔“

”جنتیں یقین ہے۔“ عمران نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور نی موش ہو گیا۔

”وہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔۔۔ کئی منٹ اسی طرح گزر گئے۔ آخر کار یہ وی گفتگی والا پہلوان پھر ہکلایا۔ ”آپ یقین تک بیکھے۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔“ عمران سر بلاؤ کر بولا۔

”میں کچھ بھی نہیں جانتا۔“

”یقیناً ایسا ہی ہو گا۔“

”تبت۔۔۔ تو پھر مجھے کیوں روک رکھا ہے۔“

”ناشتریہ... ناشتریہ...!“

”نہیں میں جانا چاہتا ہوں۔“

”ایسا بھی کیا...؟“ عمران انھ کر فون کے قریب آیا اور بلیک زیر کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

”لکھ۔۔۔ کیا۔۔۔ آپ پولیس کو اطلاع دے رہے ہیں۔“ پہلوان نے پوچھا۔

”ارے نہیں۔ یہ آپ کیا فرمادے ہیں۔۔۔“ عمران نے جواب دیا اور ماڈ تھہ بیس میں بولا۔

”باں۔۔۔ میں ہوں۔۔۔ دیکھو۔۔۔ وکھری یہ روڑ کے چورا ہے والے نیلی فون بو تھے کے قریب اپنی ایک گاڑی کھڑی ہے۔۔۔ اس میں پڑوں نہیں ہے اسے واں سے منگواؤ۔“

ریسیور رکھ کر وہ پہلوان کی طرف مڑا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا نے لگا۔ پھر بولا۔ ”بھوک تو نہیں لگی۔ ناشتریہ جلدی تیار ہو جائے گا۔“

پہلوان دونوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ اب عمران صدر کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ دوسری طرف سے جواب مٹے پر بولا۔ ”کھو۔۔۔ رات کیسی رہی۔“

”میں بھجو رہا تھا عمران صاحب۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”ایکس ٹو باخبر تھا۔۔۔ اس نے کچھل رات مجھے آواز دی تھی اور کہا تھا کہ واں سے چلا جاؤ۔“

”تو نہہ۔۔۔!“ عمران نے مضحكانہ انداز میں کہا۔ ”یا میں پہلے ہی نہیں کہہ رہا تھا کہ تم یہ۔۔۔ لے کچھ بھی نہ کر سکو گے۔“

”آپ اس سلسلے میں ایکس نو تے کیوں نہیں نہ فلور ارت۔“

”ایکیں جانتے گا۔“ عمران نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ اتنے میں ایک ملازم نے کمر پر نہشست کے کمرے میں آئے۔ اور عمران نے اسے ایک بڑی پر دھیل دیا۔ ”ناشتریہ...!“

”چھ۔۔۔ ہار۔۔۔!“ ”ہم ان احتیا بہوں۔“

”یہ نہیں سمجھا۔“

"ناشت سمجھے بغیر کیا جاتا ہے۔"

لیکن پبلوان نہ اٹھا۔ عمران نے ملازم سے آہد "دوسرے کو بھی بلاو۔"

"م... میں چال رہا ہوں...!" پبلوان انھتا ہوا بولا۔

مران نے دونوں ہاتھ پھیلا کر عقی دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

وہ ڈائرنگ روم میں آئے۔ تازہ کافی کی بھاپ اور تلے ہوئے انڑوں کی طبی خوشوفضائیں اٹھایاں گے۔

"اُھر تشریف لائے... جتاب...!" عمران نے جھک کر ایک کسی کی طرف اشارہ کیا

اور اسکے ساتھ بینچے جانے کے بعد بولا۔ "کافی کریم کے ساتھ پسند فرماتے ہیں یادوں کے ساتھ۔"

وہ کہنیاں میز پر نیکے اور ہتھیلوں سے کنپیاں دبائے بیمارہا۔ پھر عمران بھی اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر بینچے کر سیندوچ بنانے لگا۔ سیندوچ بنا کر پیٹ اس کی طرف کھکائی۔

"شروع کیجئے جتاب عالی...!" اس نے بڑے ادب سے کہا۔ پبلوان کے چہرے پر عجیب تر اتار تھے کبھی تو ایسا لگتا ہے بے تحاشہ بنس پڑے گا اور کبھی ایسا معلوم ہونے لگتا جیسے اب دھمازیں مار کر روتا شروع کر دے گا۔

بمشکل تمام اس نے ہاتھ بڑھا کر ایک سیندوچ انھایا اور بہت احتیاط سے کھانے لگا۔

"جی ہاں... بھلا جلدی میں اور کیا خدمت کر سکتا تھا۔" عمران منہ چلا تا ہوا بولا۔ "اتھ آخر کا خیز سمجھئے۔"

پبلوان نام، شی سے کھاتا رہا۔ پھر عمران نے اس کے لئے کافی انہیں اور شکر کی متداں بارے میں پوچھا۔

"جی تین تچھے... یہ ذرا کزوی ہوتی ہے۔" پبلوان بولا۔

"بے شک بے شک...!" عمران سر بلکر بولا۔

"لیکن خدا کے لئے اب جلدی بتا۔ سچے کر۔ آپ کیا چاہتے ہیں۔" پبلوان نے مضطمانہ انہیں میں پوچھا۔

"وہ پہر کا حصہ آپ کو تیار کرنا پڑے گا۔" یہ نہ گہراں کو آپ کے پیہ بھائی اٹھائے گے۔

"تیر... وہ بینچی۔ بینچی۔" آپ پن بینچے تھیں۔

"بد نفع ہے۔" عمران نے سر بلکر بڑا، پچھے تھپے تھر ٹھوٹا رہا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آخر یہ سب کیا کہہتے۔" پبلوان بڑھا۔

"رہا ہو گا کچھ...!" عمران نے گردن جھک کر کہا۔ "تجھے... کافی تجھے۔"

"نہیں صاحب اب مجھے الجھن ہو رہی ہے۔"

"خیر...!" عمران نے خندی سانس لے کر کہا۔ "اگر آپ کچھ بتانا ہی چاہتے ہیں تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے... کافی تجھے تا... خندی ہو رہی ہے۔"

"ایک ماہ پہلے کی بات ہے ایک صاحب ہم لوگوں سے ملے تھے۔ جی ہم لوگ میرود شاہ کے سکیے میں رہتے ہیں۔ جی تو پھر وہ صاحب ہو لے کہ میں خفیہ پولیس کا افسر ہوں تم لوگوں سے ایک کام لینا چاہتا ہوں... ہم سمجھ گئے کہ ہماری ہی نوہ میں آیا ہے... وہ سمجھتے ہیں کہ مجھے سے چس اور افسوں کا کاروبار چلتا ہے، لیکن ہمیں آپ کی کوئی دکھانے اپنے ساتھ لائے کہنے لگے اس کوئی کی نگرانی کرو ہمیں شبہ ہے کہ یہاں لڑکیوں کا کاروبار ہوتا ہے... لہذا آئے گے پر نظر رکھو! پھر خوب دھونیا۔ کہا اگر کام نہیں کرو گے تو مجھے سے چس برآمد کر کے بند کر دوں گا.... کبھی ڈرتے ہیں پولیس والوں سے صاحب۔ ہم نے حاجی بھری اور آس پاس منڈلاتے پھرے۔ سڑک کی دوسری طرف پہل کے درخت کے نیچے ایک نوئی بھوٹی کنیا جو عرصہ سے خالی پڑی تھی ہماراٹھکانا بن گئی۔ ہم جانتے تھے کہ وہاں اکثر ادھر اور ہر کے لوگ آکر ڈیرہ جماليتے ہیں۔ اس لئے ہم پر کسی کو شہر نہ ہو سکے گا۔ آج آپ کے آنے سے کچھ دیر پہلے ایک آدمی نے ہمیں اطلاع دی کہ یہاں ایک لڑکی لائی جا رہی ہے۔ اب ہمارا کام یہ ہو گا کہ ہم اس لڑکی کو واخا کر آگے کھڑی ہوئی گاڑی میں ڈال دیں۔ بس صاحب اتنی کی بات ہے... اب سوچتا ہوں اگر وہ کوئی ایسی ویسی بات تھی تو آپ اتنی لیے سے لانے مر نے پر کیوں آمادہ ہو گے۔"

"تو تمہارا ساتھی... لڑکی کے ساتھ گیا ہو گا۔"

"بے شک بے شک... آپ چلیں میرے ساتھ اگر وہ گاڑی پر نہ گیا ہو گا مجھے ہی میں ملے گا۔"

"لیکن اس آدمی کا حلیہ بتا سکو گے جس نے تمہیں اس حرکت پر مجبور کیا تھا۔"

"جی... بہت دبلا پتلا لمبا آدمی تھا... ناک چھپتی تھی اور آنکھیں چھوٹی چھوٹی جیسی چینیں لوگوں کی ہوتی ہیں۔"

"تیر... وہ بینچی۔" عمران نے طویل سانس لی۔ پسند ہے سمجھا تھا شاید کہیں فیض نہیں کے مجھے کے کسی آدمی نے انہیں اس راہ پر لکھا ہو گا۔

"کیا اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ اگر تم اس سے ملتا چاہو تو وہ کہاں۔ ملے گا۔"

”نمیں صاحب۔“

”اچھا...!“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔ ”غائبًا تم کافی ختم کر چکے ہو۔“

”جی صاحب...!“ وہ بھی اٹھ گیا۔

”اب ہم میرود شاہ کے تکنے میں چل کر دیکھیں گے کہ تمہارا ساتھی وہاں موجود ہے یا نہیں۔“

”چلے صاحب...!“

”ہاں ظفر و پیلی... پھر جب میں بھی موڑ میں بیٹھنے کی کوشش کر رہا تھا تو اس نے مجھے دھکا دے دیا تھا... اور میں چاروں خانے چت گرا تھا۔“  
 ”وہیں...!“ عمران نے پوچھا۔  
 ”جی ہاں...!“  
 ”لیکن تم سڑک پر تو نہیں نظر آئے تھے۔“  
 ”بھی میں نیچے ریگ کر جھاڑیوں میں چھپ گیا تھا... اور موڑ پلی گئی تھی۔“  
 ”کیا وہ آدمی ظفر و پیلی بھی تمہیں جانتا ہے۔“ عمران نے پوچھا۔  
 ”نمیں صاحب... وہ حرای جانتا ہوتا تو مار ہی نہ ڈالتا...!“ رخی نے جواب دیا اور مدھم سروں میں ظفر و پیلی کی خاندان بھر کی خواتین سے اپنے رشتے کا اعلان کر تارہا۔  
 ”بس...!“ عمران اٹھا کر بولا۔ ”بہت خون بہا ہو گا تمہارے سر سے اب کہیں مر ہی نہ جاتا۔“  
 ”جی...!“ رخی نے نہ اسامنہ بن کر آنکھیں نکالیں۔  
 اور پہلوان ہنسنے لگا۔ عمران نے ان دونوں کو مخاطب کر کے کہا۔ ”تم نے بہت بُرا کیا ہے...  
 ہوتا تو بھی چاہئے کہ میں تمہیں پولیس کے خواں کر دوں۔ لیکن اپنے معاملات خود ہی نپنانے کا عادی ہوں۔ اب تم لوگ مجھے وعدہ کرو کہ اس کا تذکرہ کسی سے بھی نہیں کرو گے۔ کیونکہ یہ میری عزت کا معاملہ ہے۔ اور میں ظفر و پیلی سے نپت لوں گا اور یہ بھی کسی کو نہ معلوم ہونا چاہئے کہ تم نے ظفر و پیلی کو بیچاں لیا ہے۔“  
 انہوں نے بڑے غلصانے انداز میں عمران کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ ایسا ہی ہو گا۔  
 یہ نام عمران کے لئے نیا نہیں تھا۔ پورے شہر میں ایک ہی ظفر و پیلی تھا۔ کیفے تھری اشارز کا مالک۔ ابک روڑ والا کیفے تھری اشارز اور اسی کیفے تھری اشارز کے اپر والے فلیٹ میں وہ آدمی پی۔ اسچ درانی رہتا تھا جس نے پچھلے دن عمران کو زبردستی کہیں لے جائیکی کوشش کی تھی۔  
 ظفر و پیلی نیک آدمی نہیں تھا۔ کیفے تھری اشارز تو محض کھاواے کا بڑیں تھا... وہ اصل بڑیں تو وہ غیر قانونی جوئے خانے تھے جن کا سرانجام بھی تک مقامی پولیس کو نہیں مل سکا تھا۔ بعض آفسر اس سے عناد بھی رکھتے تھے۔ لیکن ابھی تک انہیں اس کے خلاف کوئی واضح ثبوت نہیں ملا تھا۔ یہ مشہور ہوئے کہ تو اس کے متعلق بہت پچھوچ مشہور تھا۔ یہاں تک کہ جاتا تھا۔ وہ معموقل معاوضے پر قتل بھی کر رہا تھا۔  
 عمران تکنے سے نکل کر گازی میں آبیخاں۔ ظفر، پیلی تک راستے صاف تھا۔ لیکن یہ یقینی

”زہر... یا زہری بھاپ جس نے پھیپھروں کو متاثر کر کے آہستہ آہستہ انہیں ان کے فعل سے روک دیا۔“

”میا یہ پوست مارٹم کی روپورٹ ہے۔“

”جی ہاں۔“

”تشویش تاک... وہ تصویر اب کہاں ہے۔“

”کیپن فیاض کی تحویل میں۔“

عمران نے رسیور رکھ کر طویل سانس لی اُس کی پیشانی پر فکنیں تھیں اور آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

اب اس نے فیاض کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف فیاض ہی تھا جواب ملنے پر عمران نے آواز بدل کر کہا۔ ”کیوں شامت آئی ہے۔ تصویر سے دور ہو جو پروفیسر راشد کی کوئی تھی سے ملی تھی۔ ہو سکے تو اُس میں لگے ہوئے رنگوں کا کیمیا دی تجویز کرو۔... لیکن بہت احتیاط سے... تجویز کرنے والوں کے چہروں پر سیفی مابک ہونے چاہئیں۔“

”آپ کون ہیں...!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”پہلے پوری بات سنو۔“

”ذرالاک منٹ ٹھہریے...!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

اور عمران نے فوری طور پر سلسلہ منقطع کر دیا۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فیاض نے ایک منٹ ٹھہر نے کی استدعا کیوں کی ہے۔ وہ دوسری لائن پر ایکس پینچ سے رابطہ کر کے فون نمبر معلوم کرنے کی کوشش رہتا۔

کچھ دیر بعد وہ کیفیتی تھری اسٹارز کی طرف جا رہا تھا اور اس وقت بھی وہ کرنل درائی ہی، اے میک آپ میں تھا۔ لیکن جسم پر وردی نہیں تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس کے ماتحت اب تنک وہاں پینچ چکے ہوں گے۔

کیفیتی کے صدر دروازے پر گھرے ہو گئے ہو تو اس نے چاروں طرف نظر ڈرانی۔ بہترین لینے کے بہانے با تھویں کو مخصوص قائمی جنبش دی اور کیتھے میں داخل ہو یہ۔ کی میزیں خانہ پریتی تھیں۔

”اے نے پریتی ہے آدمی۔ بے قعلتی۔“ اے نے پریتی دیکھی۔ با تھا۔ ایک وہہ نہیں کہ عمران اسی پریتی کی وجہ سے فیاض کو۔

”اے اور پیشہ یہ نہ دیتے۔“ نہیں۔ میک کو پریتی تھا۔ اے۔ میک سے جو اسے پڑھا۔ یہ تھا۔

”یہ کے چڑے جانے کے بعد اس کی لی پشت سے لہجہ اُرخا، میں ہو تو تارہ تھا وہ بہتر تھا کہ

نہیں تھا کہ ساجدہ اب بھی اسی کے قبضے میں ہوتی۔ عمران سنگ ہی کے طریق کار سے اچھی طرح واقف تھا وہ کبھی کوئی مستقل کرہے نہیں رکھتا تھا۔ وہ قی ضروریات کے تحت کام کے آدمی تلاش کرتا۔ اُن سے کام لیتا اور پھر اُن سے بے تعلق ہو جاتا۔ تو پھر کیا ظفر و پیلی اُسکی شاندی کر سکے گا۔ دوسری طرف یہ بھی ممکن تھا کہ ظفر و پیلی اُس گروہ سے تعلق رکھتا ہو جو پروفیسر راشد کے لئے کام کر رہا تھا۔ جس کی ایک بمیر خود ساجدہ بھی تھی۔ اور یہ تو کھلی ہوئی بات تھی کہ پروفیسر راشد کی موت کا ذمہ دار سنگ ہی تھا۔

بہر حال وہ وہ قی طور پر کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔ ساجدہ کو لے جانے والے انجمن بیباکاں والے بھی ہو سکتے تھے اور سنگ ہی کے آدمی بھی۔ پہلوانوں کے بیان کے مطابق وہ پچھلے ایک ماہ سے راتاپیلس کی گمراہی کر رہے تھے اور یہ سنگ ہی سے نکراوے کے بعد ہی کا زمانہ تھا۔ لیکن دوسری طرف شاید پروفیسر راشد بھی جانتا تھا کہ وہ سنگ ہی سے دوچار ہو چکا ہے لہذا وہ اُسی کی قدمیت کے لئے اُس کے آس پاس آیا ہو۔ پتہ نہیں کہن مصالح کی بنا پر سنگ ہی نے اُسے مناسب نہ سمجھا کہ وہ اُس سے مل سکے۔ اور ٹھیک اُس کے دروازے پر ہی اُسے ختم کرادیا اس کے بعد ہی فون پر اُس نے عمران کو آگاہ کر دیا تھا کہ وہ اُسی کا کارنامہ ہے۔

”ہونہہ...!“ اُس نے سر کو خفیف سی جنبش دی اور گاڑی کا انجن اسٹارٹ کر دیا۔ اب وہ پھر راتاپیلس کی طرف واپس جا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد فون پر ملک زیر و کو اطلاع دی کہ وہ کیفیتی تھری اسٹارز میں جا رہا ہے۔... سیکٹ سرڈس کے ممبر کیفیت کے آس پاس موجود رہیں اور انہیں ملک اپ میں بونا چاہئے۔

”کیا آپ کو فونوگرافروں کی موت کی اطلاع مل چکی ہے۔“ بلکہ زیر و نے پوچھا۔

”کم فنڈوگرافروں کی بات کر رہے ہو۔“ جنہوں نے کل آپ کی تصویر کے فریم پر الگیوں کے نشانات تلاش کئے تھے اور ان کی تصویریں لی تھیں۔

”کیا وہ کتنی تھے۔“

”وہ تھے۔“

”وہ فن ملکے۔“

”تھیں... اور دونوں ہی موت کا سبب ایسیں ہیں۔“

”ہوں... وہ کیا؟“

صرف یہ بہل ہی نہیں ہے بلکہ عمارت کے پچھے اور بھی حصے ظفر و پیل کے قبضے میں ہیں۔  
پچھے دیر بعد دیئے کافی اور سینڈوچ لایا۔

”اور کوئی خدمت جناب.....!“

”نہیں....!“

پھر وہ سینڈوچ کھاتا رہا... دیئے دوسری طرف چلا گیا تھا۔  
پچھے دیر بعد عمران میز پر باتحہ مار کر دہاڑا۔ ”یہ کیا ہے؟“ اور آدھا کھایا ہوا سینڈوچ پلیٹ میں  
ڈال دیا۔ کاؤنٹر کلر کچونک کرائے گورنے لگا تھا۔ دوسرے لوگ بھی متوجہ ہو گئے تھے اور میز  
سرد کرنے والا دیئر تیزی سے اس کی طرف چلا آ رہا تھا۔

”فف.... فرمائیے جناب۔“

”عمران نے کھڑے ہو کر پلیٹ اس کی آنکھوں کے قریب لے جاتے ہوئے کہا۔ ”یہ دیکھو۔“

”صلح.... صاحب....!“ دیئر بکلایا۔

”صاحب کے پیچے.... کھیاں کھلاتے ہو۔“ عمران کی آواز پبلے سے زیادہ بلند تھی۔

کلر ک بھی کاؤنٹر کے پیچے سے نکل آیا۔

”غلطی ہو جاتی ہے صاحب.... اکثر....!“ اس نے آہستہ سے کہا اور دیئر سے بولا۔

”دوسری پلیٹ لاو۔“

”غلطی نہیں ہو جاتی۔“ عمران باتحہ لہرا کر پیغما۔ ”تم لوگوں کے کاروبار ہی ایسے ہیں۔  
دکھاوے کی صفائی ہوتی ہے لیکن باور پی خانوں میں کئے لوئے ہیں۔“

”مم.... میں دوسری پلیٹ....!“ دیئر بکالیا۔

”تم خاموش رہو۔“ عمران دہاز۔ ”مجھے ان سے بات کرنے دو۔ نہیں بلکہ مالک کو بلاو۔...  
کوئی ہے.... اس نہ دے اور جرا شہم کے اکھاڑے کیف کا مالک۔“

دفعہ سامنے والے دروازے کا پردہ بنا اور ایک ٹھیکی جسم کا دراز قدم آدمی نظر آیا جو عمران کو  
متین از نظروں سے گھوڑے جا رہا تھا۔ پھر اس تجھ کی جگد غرت اور حرارت نے لے لی۔

عمران بالکل ایسے ہی انداز میں پیغما جا رہا تھا جیسے سارے شہر میں اعلان کرتا چہ رہا ہو کہ اس  
ہے بے کیفی میں گند بیوں میں طاری وہ پچھے نہیں۔

”ہاں بتے اس یتھے ہاں بتے ایسا چہ رہا اور دراز قدم آدمی دروازے سے گزر۔  
پتے قدم رکھتا ہے۔ اس سے قریب آپ۔“

”غما میئے....!“ اس نے بے حد رہا جبکہ میں پوچھ۔

”کھیاں کھلاتے ہو۔“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔

”مجھے افسوس ہے؟ ایک منٹ کے لئے دفتر میں تشریف لے چلے۔“ اس نے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”چلے.... چلے.... آخر کیا مذاق ہے....!“ عمران دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔  
ویسے وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ دفتر میں وہ اس کے آگے ہاتھ بوز کر کھڑا ہو جائے گا۔  
ظفر و پیل خطرناک آدمی تھا۔

وہ اس کے بعد کمرے میں داخل ہوا تھا اور مڑ کر جلدی سے دروازہ بند کرتے ہوئے چھٹی  
چڑھادی تھی۔

”مگر.... کیا مطلب....!“ عمران نے پلٹ کر بوكلاہٹ کی ایکٹنگ کی۔

”مزید کھیاں کھاؤں گا۔“ سر دلچسپی میں جواب ملا۔  
”یعنی.... یعنی.... سینہ زوری بھی۔“ عمران اس طرح بولا جسے غصے کی زیادتی کی وجہ سے  
موزوں الفاظ نہ مل رہے ہوں۔

ظفر و نے جھلا کر اسے دھکا دیا اور اپنے زور میں خود ہی سامنے والی میز پر جا پڑا۔ کیونکہ عمران  
تو بڑی پھر تی سے ایک طرف ہٹ گیا تھا۔

پھر اس نے اسے سختی کا موقع نہ دیا... وہ سیدھا ہو کر مڑنے ہی والا تھا کہ عمران نے پیچے  
سے کوٹ کا کار پکڑ کر زور سے جھکا دیا اور وہ چاروں شانے چت فرش پر آ رہا۔... پھر اس نے  
عمران کی جیب گتے اعشار یہ چار پانچ کا لمبی بیان وال اور یو اور نکتہ دیکھا۔

”لڑکی کہاں ہے؟“ عمران سانپ کی طرح بھکھ کر ا  
”اوہ....!“ ظفر و کے ہوننوں کی جنبش اس کے علاوہ اور کوئی لفظ نہ پیدا کر سکی وہ آنکھیں  
پھاڑے ریو اور کو گھوڑے جا رہا تھا۔

”جلدی کرو....!“

”کس لڑکی کی بات کر رہے ہو....!“

”ظفر و میں قتل کر کے آج تک پیشان نہیں ہوا۔“

”تم کون ہو۔“

”یہ تباہ ہے۔“ دہاز سے تمہیں نہیں بتایا۔

”اوہ....!“

"لڑکی کہاں ہے۔"

"میں نہیں جانتا۔"

"وہ بچ پچ نہیں جانتا۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی کسی کا ہاتھ عمران کے روی اور والے ہاتھ پر پڑا اور روی اور اس کے ہاتھ سے نکل بھی گیا۔

عمران نے مز کرد یکھنا فضول ہی سمجھا کیونکہ سنگ ہی کی آواز اس کے لئے نی ٹھیں تھی۔ اب وہ اپنے روی اور کی نوک کا دباؤ اپنی ہی پشت پر محسوس کر رہا تھا۔

ظفر و اٹھ کر اس کی طرف جھپٹا۔

"مہربو...!" سنگ ہی کی آواز پھر کمرے میں گوئی اور ظفر درک گیا۔

"اس ملاقات کی خوشی کس طرح منائی جائے بھتیجے۔" سنگ ہی نے کہا۔

عمران نے طویل سانس لی اور چھت کی طرف دیکھ کر مسکرا نے لگا۔

"تم خاموش کیوں ہو گئے۔" سنگ ہی پھر بولا۔

"سوق رہا ہوں کہ تم میرا جام صحت تجویز کرو گے یا میں تمہارا۔"

"فی الحال بینہ جاؤ...!" سنگ ہی نے اسے روی اور کی نال سے کرسی کی طرف دھکیلتے ہوئے

کہا اور عمران کرسی سمیت فرش پر لٹھک گیا۔

اگر تے گرتے اس نے کرسی اپنی ناگلوں میں الجھائی۔ سنگ ہی کے ہونٹوں پر ایسی ہی

مسکراہست تھی بیسے کوئی نادان بچ خود تی اپنی سزا کو پہنچ گیا ہو۔

ظفر و پنیل جہاں تھا وہیں لکھا رہا۔

سنگ ہی نے روی اور کی نال عمران کی طرف جھکاتے ہوئے کہا۔ "اب بتاؤ۔"

"پچھے پچھے کر دیکھو... کیسا تاتا ہوں۔" عمران نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"لڑکی نے تمہیں کیا بتایا ہے۔"

"پچھے بتاتی تو نہیں ہیں یہ کم بہت لڑکیاں۔" عمران نے خندنی سانس لی۔

"میں بہت نہ ری طرح پیش آؤں گا بھتیجے۔"

عمران سوچ رہا تھا شاید سنگ ہی کبھی ساجدہ سے پچھے نہیں معموم رہے۔ آخر وہ یہ بات بنتا۔

یعنی اس کی نال بتاتی پہنچتے ہیں پس پہنچتے ہیں۔ پس کے تھے جس ہ پہنچ رہا تھا۔

تو، نہیں ہ نہیں تھے۔ ایسے تھے۔

یا۔ لہک ہی کا پہلے تھا مم تھا اس لڑکی پر، فیسر نی ٹھیک رہا میں اتنی، پنیل ہے؟ تینی رہا

ورنہ ان قلندروں کو کیسے اطلاع ملتی کہ کوئی لاکی رانا بیس میں لائی جاوی ہے جسے انہیں اٹھا لے جاتا ہے؟

عمران نے پھر سنگ ہی کی طرف دیکھا اور مسکرا کر بولا۔ "بھتیجے کی ناکامی کے بعد جوچا کی بھی ناکامی یقیناً قابل غور ہے؟"

"کیا مطلب....!"

"مطلوب یہ کہ جہاں یہ خادم ناکام رہے وہاں کسی دوسرے کی دال بھی گلنی مشکل ہی ہے اس نے مجھے بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔"

"تم کیا معلوم کرنا چاہتے تھے۔" سنگ ہی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہی کہ لاکیوں کی زبان میں مہمان کے کہتے ہیں۔"

"کیا بکواس ہے۔"

"بکواس نہیں زریجہ ہے انگل سنگ! ابھت دنوں کی بات ہے جب میں ڈاکٹریٹ لے کر انگلینڈ سے واپس آیا تھا... یہاں کے سو شل حلقوں میں انھنا بیٹھا شروع کیا۔ ایک دن کسی لاکی نے اپنی سالگردہ کے سلسلے میں دعوت دی۔ میں کسی وجہ سے نہیں پہنچ سکا۔ دوسرے دن پھر سنتر کی میٹنگ میں ملاقات ہوئی۔ شکایت کرنے لگی۔ میں نے بوکھلا کر کہا میرے یہاں مہمان آگئے تھے بے ساختہ بنس پڑی اور دوسری لاکی کو آواز دے کر بولی۔ سنا بھی نہ جان صاحب کے یہاں مہمان آگئے تھے۔ اس نے بھی قریب آکر بنشاشروع کر دیا۔ پھر کئی آگئیں۔ یہیں کہہ کر قہقہے لکھ رہیں کہ اچھا مہمان آگئے تھے دل آج سک یہ سعد حمل کرنے سے قادر ہاں پچا سنگ... کیا تم رہنمائی کرو گے۔"

"یہ وقت برما دکر رہا ہے مسٹر...!" ظفر نے بھر اپنی آواز میں کہا۔ "ہو سکتا ہے اس کے ساتھی باہر موجود ہوں۔"

سنگ ہی نے لاپرواٹی سے شانوں کو جھپٹش دی۔

اور یحیک اسی وقت عمران کی ناگلوں نو جھپٹش ہوئی اور اس نے وہ سری سنگ ہی کے مدد پر اچھا جھاں جھاں ناگلوں سے بھتی جھوٹی تھی۔ وہ اس اچاٹ نتے سے تے تید نہیں تھا۔ ریا اور کھنگ ہاتھ سے نکل کر بخوبی بھیجی۔ یہاں سے پا ٹھکرایا۔

ٹھکرائے۔ رویا وہ سے تے پھاٹ کے کافی نہیں اس نے ناٹھیں نہیں سے تھے۔ اسے تھے۔

انجیس اور وہ بھی سنگ ہی پہاڑ پر۔

”تمہیں نہیں مطمئن کرتا ہے کہ یہاں کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں ہوں۔ ہم خوش گوار فضا میں گفتگو کر رہے تھے۔“ عمران نے ہاتھ اٹھا کر بند دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ ”میں کیوں ایسا کروں....!“ ظفر و غرایا۔

”شاید تمہارے باس نے تمہیں نہیں بتایا کہ میں کون ہوں۔“ عمران نے پلاسٹک کی تاک اور موچھیں اپنے چہرے سے علیحدہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اوہ....!“ ظفر و کی زبان سے بے اختیار لکھا۔ ”مگر کیوں؟“

”پرواہ مت کرو.... جو میں کہہ رہا ہوں کرو؟“ ”ہرگز نہیں.... یہ کھلی میری سمجھ میں نہیں آیا۔“ ظفر و نے غصیلی آواز میں کہا۔ ”تم پولیس سے الگ تو نہیں ہو۔“

”اس بار میری اور پولیس کی چل گئی ہے۔“ ”میں نہیں تسلیم کر سکتا؟“ ”کیا آج کا اخبار نہیں دیکھا؟“ ”نہیں....!“

”خیر پھر دیکھ لینا۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”وہ لوگ تمہارے جوئے کے اذوں سے واقف نہیں ہیں لیکن میں عرصہ سے جانتا ہوں۔ ان کی صحیح شاندی بھی کر سکتا ہوں۔ کیا سمجھے.... مثال کے طور پر رانچی لاج۔“

ظفر و کھکھا اور عمران شریکی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی آنکھوں میں دلیتارہا۔ ”مم.... مم.... مطلب یہ کہ۔“ ”جو میں کہہ رہا ہوں.... وہی ہو گا۔“ عمران کی مسکراہٹ گھری خنیدگی میں بدلتی۔ ظفر و اسے گھوڑا تارہ پھر آہستہ سے بولا۔ ”اچھا۔“

ومر ان نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اُن میں سے ایک نے دروازہ کھولا۔ ”وہ لئکے چاٹ گئے۔“ عمران نے ریو اور جیب میں ڈال لیا تھا۔

پلاسٹک کی تاک اب بھر اس کے چہرے پر نظر آرہی تھی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ایک پولیس میں نے پہنچ کر اندر رکھا۔ ”یا بات ہے؟“ ظفر و نے پوچھا۔ ”یہ آپ کے کلر کرنے....!“ کاشمیل نے جملہ پورا نہیں کیا۔ یوں نکل اندر اسے سکون ہی

انتہے میں کوئی باہر سے دروازہ پنیتے لگا۔ ”دروازہ کھلو... پولیس....!“ سنگ ہی ظفر و کو دھکیل کر اندر بھاگا۔ لیکن قبل اس کے کہ عمران اُس دروازے تک پہنچتا وہ زوردار آواز کے ساتھ بند ہو گیا اور دوسرا طرف سے بولٹ چڑھانے کی بھی آواز آئی۔ ظفر و پھر ریو اور کی طرف پلٹا تھا لیکن عمران نے اس بار بڑی بے دردی سے اس کے سر پر ٹھوک کر رسید کی۔



دروازہ اب بھی پیٹا جا رہا تھا۔ آخر سیکٹ سروس کے ممبر کتنا انتظار کرتے۔ عمران تھا اندر گیا تھا بلکہ زیر و اُس کے ریڈی میڈی میک اپ سے واقف تھا اور اس کے متعلق پہچان کے لئے دوسروں کو بھی ہدایات دے سکتا تھا۔ پھر ایسی صورت میں اتنی دیر ہو جانے پر وہ اس کی خیریت کے خواہاں کیوں نہ ہوتے۔ دیے انہیں اطمینان تو رہا ہی ہو گا کہ عمران اپنے جسم میں معمولی قسم کی ٹوٹ پھوٹ کا بھی عادی نہیں ہے۔

عمران نے خود ہی آگے بڑھ کر دروازے کا بولٹ گرا لیا۔ سیکٹ سروس کے تین ممبر انہیں چوٹھا باہر رہ گیا۔ عمران نے پھر دروازہ بند کر کے بولٹ چڑھا دیا۔ ظفر و دنوں باٹھوں سے سر تھامے کہیاں نیک کرائٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عمران اور دوسروں سے خاموش کھڑے دیکھتے ہے۔ اب ریو اور عمران کے باٹھ میں تھا۔ اس نے دوسروں سے کہا۔ ”میں نہیک ہوں۔ تم لوگ ملارت کی پشت پر جاؤ۔ ایک بیانیا اور دروازہ قد آدمی ایک لڑکی کو یہاں سے نکال لے جانے کی کوشش کر رہا ہے ملارت سے باہر نکل وہی لڑکی پر نظر رکھو۔ جاؤ۔ میں اسے دیکھ لوں گا۔“

وہ دروازے کی طرف مڑے دروازہ کھولا پھر جلدی سے بند کر دیا۔ ”پولیس....!“ ایک نے مڑ کر کہا۔ ”بولٹ چڑھا دو....!“ عمران نے بہادر ظفر و کی طرف مڑا جو دنوں باٹھوں پر اٹھا تھا۔ ”اپ پر بچھ۔“ ”بیچھ جاؤ۔“ عمران نے کھری اٹھ کر میرے قریب بچھتے ہوئے جاؤ۔ وہ اپنا منہ بنا کر ہوئے بیچھے گیا۔

سکون محسوس ہوا تھا۔

ظفر و اٹھ کر دروازے کے قریب آیا۔ کاشیبل نے آہستہ سے پوچھا۔ ”کوئی گڑ بڑ۔“

”کیسی گڑ بڑ... نہیں تو۔“

کلرک سامنے کھڑا تھا جسکے منہ پر ہوانیاں اڑ رہی تھیں۔ اگر وہ تم انہیوں کو بھی دروازہ کھلوا کر اندر جانے نہ دیتا تو شاید یوں کاشیبلوں کو مدد کے لئے بلاں کی ضرورت نہ محسوس کرتا۔

”کیا بات ہے...!“ ظفر نے کلرک سے پوچھا۔

”مگر... کچھ نہیں.... مجھے غلط فہمی ہوئی تھی جناب۔“

”ہوش میں رہا کرو۔“ ظفر و غیرہ اور پھر میز کی طرف واپس آگیا۔

عمران نے پھر اٹھ کر دروازہ بولٹ کر دیا۔

”اب کیا ہے...!“ ظفر و چاہ کھانے والے لجھے میں بولا۔ ”لڑکی سرے سے یہاں آئی ہی نہیں تھی اور وہ تمہارے آدمیوں کے پہنچے سے پہلے ہی نکل گیا ہو گا۔“

”وہ کون ہے۔“

”مجھ سے پوچھ رہے ہو۔“ ظفر و آنھیں نکال کر بولا۔ ”حالانکہ گفتگو کے دوران میں بچا اور بھتیجے کے رشتے جمل رہے تھے۔“

”میں تو جانتا ہوں... تم اپنی کہو۔“

”ہاں میں بھی جانتا ہوں۔“ ظفر کے لجھ کی جھلاہٹ بدستور قائم تھی۔

”کیا نام ہے بھلا...؟“

”داور...!“

”ٹھیک ہے۔ میں نے اس لئے پوچھا تھا کہ وہ اپنا اصلی نام کسی کو نہیں بتاتا۔ اچھا ب یہ بھی بتا د کہ لڑکی کہاں لے جائی گئی ہے؟“

”ظفر و پند لمحے اُسے گھوڑا ترا با پھر بولا۔“ تم ظفر سے گفتگو کر رہے ہو۔ سمجھے۔“

”میں اپنی طرح سمجھتا ہوں۔“ میں اپنے سوال کے جواب پر اصرار کروں کا۔“

”چل جاؤ...!“ وہ دروازے کی طرف با تھا انھیں کر غیرہ۔

”خوب یہ کہ سکی۔“ عمران نہست ہو۔ دروازے کی طرف مارٹن اور جیمی نے متوجہ ہوئے۔ اس نے اسے تھنکھے کے سینے پر پکڑا۔ ”میرے سرخی سیت سے تھیں۔“ میرے سرخی سیت سے تھیں۔“ میں عمران چھاتی پر سوار تھا۔ گھنٹوں سے دنوں بازوں دبار کے تھے اور بال میخیوں میں تھے۔

پوری وقت صرف کر رہا تھا۔

وہ دبی دبی آواز میں کراہتا ہوا اس کے گھنٹوں کے نیچے سے اپنے بازوں نکال لینے کی کوشش کر رہا تھا۔... لیکن کامیابی نہ ہونے پر عمران کی پشت پر اپنے گھنٹوں سے ضرب لگانے کی کوشش کرنے لگا۔

”میں اب تمہیں اسی طرح مار ڈالوں گا۔... ورنہ لڑکی کلپتہ بتاؤ۔“ کہتا ہوں۔... اگر تمہارا گا گھوٹ کر یہاں سے چلا بھی جاؤں تو تمہارے آدمی میری شاندیدہ نہ کر سکیں گے۔ شور چڑا گے تو کر کری ہی ہو گی۔ تمہارے ملازمین کہیں گے۔... اور ہو ظفر و پٹ گیا۔... ظفر و... جس کی دھوم زمانے میں تھی۔“

ظفر نے کراہنا بند کر دیا تھا۔ اس کی پہلی ہوئی آنکھوں سے شدید ترین تکلیف کے احساس کا اظہار ہو رہا تھا۔

”کیا کہتے ہو۔“

”بتاؤں گا۔...!“ وہ بھرا ہی آواز میں بولا۔

”تو پھر بتاؤ۔“

”پہلے چھوڑو مجھے۔“

”ہر گز نہیں...! میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ چھوٹے کے بعد تم پھر جھپٹ پڑو گے۔“

”مرشد کی قسم کھاتا ہوں کہ ایسا نہیں ہو گا۔“

”خوب تو مرشد بھی رکھتے ہو۔“

ظفر و پچھے نہ بولا۔ عمران اسے چھوڑ کر اٹھ گیا۔... ظفر و اٹھا لیکن بہت ڈھیلا ڈھیلا نظر آبانتے ہیں۔ یہ اسے سیاسی اس کاقد ہی پہلے سے کم ہو گیا ہو۔... وہ میز کا چکر کاٹ کر کر کسی پر جا بیٹھا اور درازے سے سگریٹ کا ذببہ نکالا۔... اب وہ عمران کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔

عمران ایک چکر کا ذببہ کھا اُسے بغور دیکھتا ہا۔ ظفر نے سگریٹ ساکھا کر کر تھن کش لئے اور پھر عمران کی طرف دیکھے بغیر بولا۔ ”مرشد کی قسم میں نے صرف اسی موقع یئے کھانی تھی۔“

”ٹھیک ہے۔“ عمران سر بلکر بولا۔ ”لیکن دوسرے موقع پر یہ آپسوم بنادیتا۔“

”ظفر و پچھے سوچ رہا تھا۔“ پھر بعد اس نے کہا۔ ” بتاؤں گا۔... پسند تم بتاؤ کہ تمہارا ان معاملات سے کیا تعلق...!“

مدت ختم ہو چکی ہو گی۔ ”ظفر و نے زہر یہ لمحہ میں کہا۔  
”اس کے بعد میں تمہارے کان کھینچ سکوں گا۔“ عمران مسکرا کیا اور بولٹ گرا کر دروازہ کھوٹا  
ہوا اذائنگ ہال میں آگیا۔ ظفر و اسے دیکھتا رہا گیا۔  
”اس کے بوض وسرے سینڈوچ اور دوسرا کافی۔“ عمران نے کاؤنٹر کلر کو مخاطب  
کر کے کہا۔ ”سمجھوتہ ہو گیا؟“  
”بہت بہتر جناب۔“ کلر احتمانہ انداز میں بولا اور دیش کو متوجہ کرنے کیلئے گھٹ جائی۔



عمران کی اس حرکت سے تو یہی ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ دیدہ دانستہ اپنی موت کو آواز دے بیٹھا  
ہو۔ اس طرح گویا وہ ظفر و کو اس کا موقع دے رہا تھا کہ وہ اس کے خلاف کچھ کرے۔  
وہ نہایت اطمینان سے ایک میز کے قریب بیٹھا۔۔۔ اپنے آڑوڑ کی تعیل کا انتظار کر رہا تھا۔  
فٹ پا تھ پر بیک زیر و نظر آیا۔۔۔ عمران نے ہاتھ انھا کر جماعتی لیتے ہوئے مخصوص اشارہ کیا  
جس کا مطلب تھا کہ وہ خطرے میں ہے۔

بیک زیر و نے تفصیلی انداز میں اپنے ہاتھ کو جبکش دی اور پیچھے ہٹ گیا تھا۔  
سینڈوچ اور کافی میز پر رکھ دی گئیں۔۔۔ ظفر و، روازے میں کھڑا عمران کو محیرانہ نظروں  
سے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ اندر چلا گیا۔

عمران آہستہ آہستہ ایک کے بعد دوسرا سے سینڈوچ کھاتا اور کافی کے گھونٹ لیتا رہا۔ کلر  
کاؤنٹر کے پیچھے سے اسے تشویش کرنے نظروں سے دیکھ رہا تھا۔  
کافی سم تر کے عمران نے بل کے دام چکا۔۔۔ لیکن پ کی رقم دیکھ کر دیکھ کی آنکھیں  
حرارت سے پھیل گئیں۔ یہ ایک بڑا نوٹ تھا۔۔۔ اس حیثیت کے نب کیفیت کیلئے نہیں متوجہ تھے۔  
ویژہ تھری یا فرشی سلام اترتے ہوئے اس کا شکریہ ادا ہیا۔

عمران انھا۔۔۔ کلر کی طرف دیکھ کر سر کو جبکش دی۔۔۔ جو بال کلر نے بھی مسکرا کر خوش  
اندازی کا مظاہرہ کیا۔۔۔ ہو سکتا تھا سوچ رہا ہو آخر استہ، ظفر و نے مانع۔۔۔ سست آئیا تھا۔  
فٹ پا تھ پر معمول کے مطابق ستمد، سست تھی۔۔۔ عمران سس پر اس پر رہا تھا۔۔۔ مفت اس نے  
ایک پیچھی سنی۔۔۔ پوکٹ کر مزرا۔۔۔ ایک آدمی پر نظر پڑی جو اپنا بیالا بازوہ باتے آگے پیچھے جوہل رہا تھا۔

”کن معاملات سے....؟“  
”وہ لوز کی راتا پیلس سے آئی تھی۔“  
”راتا تھور علی میرادوست ہے۔“  
”لیکن یہ ہے کون؟ میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ صرف نام ہی سننے میں آتا ہے۔“  
”بہتوں نے تو نام بھی نہ ساہو گا۔“ عمران نے سر بلکر کہا۔ ”اب تم کام کی بات کرو۔“  
”اچھا یہ آدمی داور کون ہے؟“  
”اے کب سے جانتے ہو؟“ عمران نے سوال کیا۔  
”زیادہ دونوں سے نہیں۔ پیسے اچھے دیتا ہے۔“  
”کیا وہ خود ہی تھا رے پاس آیا تھا۔“  
”ظفر و خود کسی کے پاس نہیں جاتا۔“ اس کی گردان اکڑ گئی۔  
”تم سے کیا کام لیتا رہا ہے۔“  
”راتا پیلس کی گھرانی۔“ ظفر و اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”لیکن پولیس سے تمہاری  
کیوں کھٹک گئی ہے۔“  
”آج کے اخبار میں دیکھ لینا۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔“  
”میرے اڑوں کے متعلق کیا ہی۔“  
”مجھے ان سے صرف اسی حد تک دیکھی ہے کہ ناکامی کی صورت میں انقلام ارا فاش کر دوں گا۔“  
”اڑکی کے بارے میں صحیح معلومات صرف ایک آدمی سے حاصل ہو سکیں گی بشرطیکہ تم  
اس تک پہنچ سکو۔ میری ذمہ داری صرف اتنی تھی کہ اے داور کے حوالے کر دوں گا۔“  
”تم بہت دیر کر رہے ہو ظفر و۔“ عمران نے سخت لمحہ میں کہا۔  
”اوپری منزل پر ایک آدمی رہتا ہے۔۔۔ پی۔۔۔ اسچ۔۔۔ درانی۔“  
”کیا تم نے اسے اس کے حوالے کیا تھا۔۔۔؟“  
”ہاں۔۔۔ اور وہ اسے کہیں لے گیا تھا؟“  
”کیا یا بات ہوئی۔۔۔؟“ عمران پھاڑ کھانے والے لمحہ میں بولا۔  
”تلنہر۔۔۔ شہنسوں میں جبکش ہی۔۔۔ بولا۔۔۔ اس سے زیادہ۔۔۔ میں پیچھے نہیں جاتا۔۔۔“  
”اچھی بات ہے۔۔۔ میں خود ہی دیکھوں گا۔۔۔ یہاں سرکشہ ہوں۔“  
”اس عمارت سے نکلنے کے بعد تمہاری زندگی کی خمات نہیں دی جاسکتی۔ میری تھری

بلیک زیر و دکھائی دیا جو بائیں جانب والے فٹ پاتھ پر کھڑا ہے جو توں پر پاش کراہتا۔  
”اگر سکلن ہو جائے تو تم آگے بڑھ کر روک دینا۔“ عمران نے ڈرائیور سے کہا۔ ”میں ذرا سگریٹ خریدوں گا۔“

نیکی سے اتر کر وہ بلیک زیر و دکھائی دکھائی دیا۔ اور آہستہ سے بولا۔ ”ظفر و کو نظر وہ سے او جھل نہ ہونے دینا۔“

آگے بڑھ کر سامنے والی دوکان سے سگریٹ کا پیکٹ بھی خریدا اور نیکی کی طرف واپس آگئا۔ جیسے ہی بیٹھ کر دروازہ بند کیا چورا ہے کی روشنی بھی تبدیل ہو گئی۔  
نیکی آگے بڑھی اور عمران نے ڈرائیور سے کہا۔ ”اچھا خاصا شہر ہے کیا تم مجھے یہاں کے تاریخی مقامات دکھان گوگے۔“

”ضرور... جناب.... بڑی خوشی سے۔“ ڈرائیور بولا۔  
”سب سے پہلے یونورشی لے چلو۔“

”جی وہ تاریخی مقام تو نہیں ہے۔“

”سنا ہے... دور سے اس کی عمارت ایسی لگتی ہے جیسے مرغیوں کے ذربے قطار اندر رکھ دیئے گئے ہوں۔“

”میں نے کبھی اس پر دھیان نہیں دیا۔“ ڈرائیور مسکرا کر بولا۔  
عمران کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

چچھ اُس نے کئی تاریخی عمارتیں دیکھ دالیں۔ اور تین چار گھنٹے بعد راتاپیلس آیا۔ وہ جانتا تھا کہ یہاں سنگ ہی کے آدمی اس کی مگر اپنی بخوبی کر سکتیں گے۔ خود اس کا اپنارہائی فلیٹ اور راتاپیلس، دنوں ہی اُس کے لئے غیر محفوظ تھے۔ البتہ کمپنی فیاض کو نہیں معلوم تھا کہ عمران کا کوئی نعلق راتاپیلس سے بھی ہو سکتا ہے۔ پھر اس نے کسی کے نمبر ڈائل کرنے۔ اور دوسری طرف سے جواب پا کر بولا۔ ”ظفر و اس وقت کہاں ہے؟“

”وہ کیفے والی عمارت سے ابھی تک باہر نہیں آیا۔“  
”یعنی کے اندر کوئی نہ ہے۔“

”پومن۔!“

”ٹھیک ہے۔“ عمران نے پھو سوچتے ہوئے پوچھا۔ ”دوسری طرف لی کیا جائیں ہیں۔“  
”اطلاع ملی ہے کہ کمپنی فیاض نے آپ کی علاش شروع کراوی ہے۔۔۔ غالب تصویر کے

وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔۔۔ دوسرے فٹ پاتھ پر پہنچ کر رکا۔ اب وہاں بھی نظر آرہی تھی جہاں اُس آدمی کو دیکھا تھا۔

اُس نے طویل سانس لی۔۔۔ اور دل ہی دل میں بلیک زیر و دکھائی کی داد دیتا ہوا نہایت اطمینان سے آگے بڑھ گیا۔۔۔ یقیناً اُس نے پشت سے حملہ کرنے والے پر اپنا بے آواز ریو اور آزمایا تھا۔

گلی پار کر کے دوسری سڑک پر آیا۔۔۔ باٹھ اخھا کر ایک نیکی رکوانی اور کسی جگہ کا پتہ بتائے بغیر ڈرائیور سے کہا۔ ”سید ہے چلو۔!“  
لڑکی کا اس طرح باٹھ سے نکل جانا اسے کھل رہا تھا۔ ظفر و بھی کیا یاد کرتا ہو گا اس نے سوچا۔ ہو سکتا ہے اب کچھ دنوں کے لئے وہ روپوں ہی ہو جائے۔ اور اُس کے بعد یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اس آدمی پی۔ ایچ درانی سے ملاقات ہو سکے جس کا حوالہ ظفر و نے دیا تھا۔

تو گویا اتناسب کچھ ہو جانے کے باوجود بھی فی الحال کامیابی کی صورت نظر نہیں آتی۔ تو پھر بہتر یہی ہو گا کہ ظفر و کو نظر سے او جھل نہ ہونے دیا جائے۔ اب فی الحال وہی ایسا تھا جس کے ذریعے سنگ ہی تک رسائی ہو سکتی تھی۔ لیکن سنگ ہی۔ عمران سوچتا رہا۔ وہ اب ظفر و کو کب گھاس ڈالے گا۔ اس کے طریق کار کے مطابق تواب وہ اُس کے لئے بیکار ہو کر رہ گیا تھا۔۔۔ وہ پھر کسی ایسے آدمی سے کوئی تعلق نہیں رکھتا جس سے اُس کے تعلقات منظر عام پر آ جائیں۔ لیکن یہ شخص پی۔ ایچ درانی۔۔۔ اس کے متعلق ظفر و نے بتایا تھا کہ ساجدہ اُس کے قبیلے میں ہے حالانکہ عمران کو علم ہو چکا تھا کہ وہ سنگ ہی کے ساتھیوں میں سے ہے اور خود سنگ ہی نے اسکی اقدمیں بھی کی تھی۔ پھر اب وہ اس قسم کے کام اسے کیوں نہ سونپ سکتا ہے؟ یا یہ ممکن نہیں کہ ظفر و نے غلط بیانی سے کام لیا ہو۔ وقت طور پر اُس سے پیچھا چھڑانے کیلئے پی۔ ایچ درانی کا نام لے لیا ہو۔ لیکن یہ اُسی وقت ممکن ہے جب اُسے علم رہا ہو کہ اُس سے پی۔ ایچ درانی کا تکڑا پہلے بھی ہو چکا ہے؟

”بُرائی ہے۔!“ فتحاً اس نے کہا۔ ”باکیم جانب موزا لو۔“

آگے چل کر اُس نے پھر گاڑی روکنے کو بھا اور اب پھر وہ ایک روڈ پر تھے اور نیسیں کار کیلئے تھیں تھیں اسکی طرف تھے۔

یہ تھی اسراز میں اب بھا، تی پوچھنے لیں بھیتھی نظر۔۔۔  
پھر اب پہ سکلن لی۔۔۔ شر، شنیں بنائے پہ نیسیں رکھتی تھی۔۔۔ اور عمران چاروں طرف دیکھ رہا تھا شاید اُس کا کوئی ماقبل نظر آجائے۔

سلسلے میں آپ سے مزید پوچھ گجھ کرتا چاہتا ہے۔

”اس نے تصویر کو کیمیا دی تجویز کے لئے بھیجا ہے یا نہیں...!“  
”اس سعی متعلق میں کچھ نہیں جانتا۔“

”علوم کرو... تجویزیے کے ساتھ معلوم ہو سکیں تو زیادہ بہتر ہے۔“  
”میں کوشش کروں گا۔“

عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا اور آرام کر سی میں نہم دراز ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔ لڑکی بہت اہم تھی۔ وہ سوچ رہا تھا... ظفر و تمضی ایک مہرے کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ سنگ ہی کی اصل قیام گاہ اس کے فرشتوں کے علم میں بھی نہ ہوگی۔ ویسے وہ اب بھی داور ہی کا نام استعمال کرے جا رہا ہے۔

تھوڑی دیر بعد اس نے ٹیلی فون ڈائریکٹری انھائی اور پی۔ اسکے درانی کافون نمبر تلاش کرنے لگا۔ لیکن ناکامی ہوئی۔ غالباً اس کے فلیٹ میں فون نہیں تھا۔

فون پر اپنے فلیٹ کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسرا طرف سے جوزف نے جواب دیا۔  
 ”اوہ.... باس...!“ وہ کہہ رہا تھا۔ ”اب میراغصہ کوئی گل کھلانے گا...!“

”کھال میں رہ...!“ عمران غریباً۔

”میں کیپن فیاض کو قتل کر دیتا... لیکن تمہارا خیال...!“  
 ”لیکا بات ہے۔“

”وہ مجھے اپنے ساتھ لے جا دیا تھا... میں نے انکار کر دیا... میں نے کہا میں اپنے وکیل سے مشورہ کئے بغیر نہ کسی سوال کا جواب دے سکتا ہوں اور نہ کہیں جا سکتا ہوں۔ بہتر ہے تم وارنٹ لاو۔“

”نہیں... لیکن اگر وہ وارنٹ بھی لایا تو...؟“

”تب پھر مجھے سوچنا پڑے گا باس...!“

”بیلو... فون ہی پر سوچنے لگے۔“

”ایک آدمی اور آیا تھا باس... تمہیں پوچھ رہا تھا۔“

اور پھر جوزف نے اس کا حلیہ بتایا۔ جو نہیں دونوں میں سے کسی کا ہو سکتا تھا جن تک پھیل رات مدد بھیں ہوتی تھیں اور ایک زخمی ہو گیا تھا۔

”جوزف...!“ عمران نے ماٹھ پیس میں کہا۔ ”بہتر یہی ہے کہ تم بیہاں پلے آؤ...“  
 ”کہاں باس...!“

”جہاں بڑا آدمی رہتا ہے۔“

”میں سمجھ گیا باس۔ لیکن اگر کوئی تعاقب کرتا ہوا وہاں بھی پہنچ گیا تو...!“  
 ”زیادہ عقل مند بننے کی ضرورت نہیں.... تیکسی کی بجائے آٹو رکشہ پر آتا... لیکن عمارت میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں.... عمارت سے کچھ دور آگے چل کر رکشہ رکوائی۔“  
 ”میں سمجھ گیا باس....“ جوزف کی آواز آئی۔ عمران نے محسوس کیا ہے یہ جملہ ادا کرتے وقت وہ مسکر لیا بھی ہو۔

”بس...!“ عمران نے ریسیور کھل دیا۔

جلدی سے اس کمرے میں آیا جہاں میک اپ کا سامان رہتا تھا... پلاسٹک میک اپ کے ہلکے سے ٹھنڈے چہرے میں کسی حد تک تبدیلی کر دی۔ بعض اوقات وہ اس پر مجبور ہو جاتا تھا درنہ میک اپ سے اُسے وحشت ہی ہوتی تھی۔

پھر گیراج سے موڑ سائیکل نکالی اور اسی راستے پر چل پڑا جدھر سے جوزف کو آتا تھا ریکشن اسٹریٹ کے چوراہے پر اس نے موڑ سائیکل روک دی اور اس طرح اس کی جانچ پڑتاں میں لگ گیا ہے اس میں کوئی خرابی واقع ہو گئی ہے۔ تھوڑی دیر بعد جوزف کا رکشہ نظر آیا جس کی رفتار زیادہ نہیں تھی۔ غالباً وہ اس طبلی کا مقصد سمجھ گیا تھا۔

لیکن ٹرینک کی اس بھیڑ میں اس کا اندازہ کرنا مشکل تھا اس کا تعاقب بھی کیا جا رہا ہے۔

عمران نے چوراہے کا چکر لگا کر اپنی موڑ سائیکل اُسی سمت موزدی جدھر جوزف کا رکشہ جا رہا تھا۔

کچھ دور چلنے کے بعد رکشے کے پیچے صرف ایک موڑ سائیکل رہ گئی جواب بھی اس کا تعاقب کر رہی تھی۔

راتاں پہلیں سے دو فرلانگ کے فاصلے پر جوزف کا رکشہ رک گیا۔ موڑ سائیکل آگے بڑھتی گئی۔ پھر رک گئی۔ وہ آدمی اتر کر اُسے اسی طرح دیکھ رہا تھا جیسے انہیں میں کوئی خرابی واقع ہوئی ہو۔ بہترین موقع تھا۔ عمران نے نہیں اس کے قریب ہی اپنی موڑ سائیکل روک دی۔

”کیا میں کوئی مدد کر سکتا ہوں۔“ اُس نے نرم لہجے میں پوچھا۔  
 ”جی...!“ وہ آدمی پوچک کر سیدھا کھڑا ہوا تھا ابواں۔ اُس کے چہرے پر بھنجھا ہٹ کے آثار تھے۔

”جی نہیں...!“ لہجہ بھی کٹکھنا تھا۔

تو وہ اُس کے فلیٹ کی مگر انی کر رہا تھا.... اور جوزف کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا.... پہ نہیں سنگ ہی سے نکراوے کے بعد یہ انتظام عمل میں آیا اس سے پہلے ہی۔ دونوں موڑ سائیکلیں آگے پیچھے دوڑتی ہوئی شہر میں داخل ہوئیں۔ عمران سوچ رہا تھا کہیں ٹرینک کی بھیز میں وہ نظر دیں سے او جمل نہ ہو جائے۔ لہذا دوسرے ہی لمحے میں اُس نے فاصلہ کم کرنا شروع کر دیا۔ اب وہ اُس کی موڑ سائیکل سے صرف آٹھ یادیں فٹ کے فاصلے پر تھا۔ ایک جگہ تو اُسے ٹرینک کے قانون کی خلاف ورزی بھی کرنی پڑی۔ ... لیکن اتفاق سے آٹو میلنگ گلکل کے قریب کوئی ٹرینک کا شیبل موجود نہیں تھا۔ ورنہ وہ بڑی زحمت میں پڑ جاتا۔ تعاقب جاری رہا۔ ... دھوپ تیز تھی۔ ... اور عمران پسندے میں نہیا ہوا تھا۔ اگلی موڑ سائیکل مخفف سڑکوں سے گزرتی ہوئی ایک عمارت کی کپاؤندھ میں داخل ہو گئی۔ عمران آگے بڑھتا چلا گیا۔ کچھ دور جا کر پھر ٹرن لیا اور پھر اُس عمارت کی طرف آیا واپس۔ ...! لیکن اُس پاس نہیں ٹھہرنا چاہتا تھا۔ یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ سنگ ہی کے ایک آدمی سے مذکور ہوئی ورنہ وہ تو یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ فیاض کے ماتحت اب بھی اس کے فلیٹ کی مگر انی کر رہے ہیں یا نہیں۔ آگے چل کر ایک ٹی شاپ نظر آئی اور اُس نے موڑ سائیکل اُسی کے سامنے روک دی۔ بھوک بھی محسوس ہو رہی تھی۔ اندر پہنچ کر اُس نے چاٹ اور پیٹر کا آرڈر دیا۔ چھوٹی سی صاف سترہی جگہ تھی وہ آدمی سرہ کر رہے تھے۔ ریڈ یو بلکی آواز میں چل رہا تھا۔ ... وہ سوچ رہا تھا شاید سنگ ہی اُس عمارت میں موجود ہو۔ ... اور لڑکی بھی۔ اگر ظفر و جھوٹ نہیں بولا تھا۔

چائے کے گھونٹ لینے وقت وہ سڑک ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ... دھنعتا وہ آدمی پھر نظر آیا۔ ... موڑ سائیکل ہی پر اس کی واپسی ہوئی اور عمران سوچ رہا تھا کہیں وہ غلط ٹھینگ کا شکار تو نہیں ہوا۔ ... ہو سکتا ہے اسے تعاقب کا احساس ہو گیا ہو اور اُس نے خص دھوکا دینے کے لئے اسی عمارت کی کپاؤندھ میں موڑ سائیکل میوزنی ہو اور پھر میدان صاف۔ کچھ اور دوبارہ اپنی راہ کا ہوا۔

”ارے صاحب.... اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے۔“ عمران نے بھی ناخوشگوار لجئے میں کہا۔ ”اپنا کام کیجئے....!“ اس آدمی نے گردن اوپنجی کر کے جوزف کے رکشے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جواب خالی تھا اور جوزف کا کہیں پہنچنے تھا۔ رکشے والے نے انہیں دوبارہ اشارت کیا اور رکشا تیزی سے ان کے قریب ہی سے گزر گیا۔ عمران نے اُس آدمی کی آنکھوں میں تھر کے کونے پلکتے دیکھے۔ ”کیوں کھڑے ہو.....!“ وہ حلقوں پر کھڑا کر دہاز۔ اور عمران نے اس بار محسوس کیا جیسے یہ آواز وہ پہلے بھی سن چکا ہوا اور پھر ناک کے بینچے وہ گھنی موچھیں جنمیں نے اوپر پی ہونٹ قطعی طور پر چھپا رکھا تھا۔ اسے مصنوعی معلوم ہونے لگیں۔ آنکھوں کی بناوٹ بھی کچھ جانی پہچانی سی تھی۔ وہ اپنی موڑ سائیکل کی طرف پھر متوجہ ہو گیا۔ پھر عمران کھڑا دیکھتا ہی رہ گیا اس نے موڑ سائیکل اشارت کی اور اسے گھما کر ٹھیک اُسی جگہ لے گیا جہاں جوزف نے رکشار کوایا تھا۔ ... وہاں وہ پھر رکا انہیں بند کر کے موڑ سائیکل کھڑی کر دی۔ ... مزکر دیکھا۔ ... عمران جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ کچھ دیرہ وہ سڑک کے کنارے کھڑا اور دھر دھکھتا رہا پھر فٹ پاٹھ پر چڑھ کر اُس عمارت کی طرف بڑھا جس کے سامنے جوزف کا رکشار کا تھا۔ چھانک کے قریب پہنچ کر پھر رک گیا۔ غالباً نیم پیٹھ کو دیکھ رہا تھا۔ عمران نے مخندی سانس لی اور آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ ویسے وہ ابھی تک اُس آدمی کی آواز کے متعلق سوچ رہا تھا۔

وہ دھنعتا وہ پھانک سے اپنی موڑ سائیکل کی طرف آیا۔ ... انہیں اشارت کیا اور شہر کی جانب روانہ ہو گیا۔ جب کافی دور نکل گیا تو عمران نے اپنی موڑ سائیکل بھی اُسی طرف موڑ دی لیکن دونوں کے درمیان کافی فاصلہ برقرار رہا۔ اب بھی اسکی آواز عمران کے کافلوں میں گونج رہی تھی۔ وہ گھنی موچھیں پیشانی اور آنکھوں کی بناوٹ۔ ... آواز میں بلکی سی غربابت اور پھر دھنعتا نہیں میں بلکل سی پہنچ گئی۔ اسے یاد آیا۔ وہ سو نیصدی پی۔ ایچ درائی تھا۔ میک اپ میں مصنوعی موچھیں بڑے سینے سے اوپر بننے پر جہانی گئی تھیں۔

”جی.... کون خان صاحب۔“

”اے وہ بڑی مونچھوں والے کیا نام ہے ان کا۔“

”اچھا.... اچھا.... جعل صاحب۔“

”وہی.... وہی.... تمہارے یہاں کتب سے ردی سپلائی کر دے ہے ہیں۔“

”ردی....!“ چپڑاں نے حیرت سے کہا۔ ”وہ تو.... پر چیز آفیسر ہیں صاحب۔“

”اڑے.... یہ کب سے۔“ عمران نے بھی حیرت ظاہر کی۔

پھر چپڑاں نے اس کی ملازمت کی مدت بتائی وہ سنگ ہی سے ٹکراؤ سے پہلے کی نہیں تھی۔

”پہلے تو بینگ کے لئے ردی سپلائی کرتے تھے۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔ ”بیٹھو بیٹھو! چائے پیو گے یا مختدا....!“

”مختار یہ صاحب.... میں آفس کے لئے چائے لینے آیا تھا....“ چپڑاں نے کہا اور کاؤنٹر کی طرف مڑ گیا۔

نگرانی کا سلسلہ عرصہ دراز سے جاری ہے۔ عمران نے سوچا۔ آخر سنگ ہی کس چکر میں ہے اور خصوصیت سے اُسی کی نگرانی کیوں کراہا ہے۔ جب کہ مادام نشی کا والا کیس بھی ختم ہو چکا ہے۔

اُس کا ذہن پھر ماہر ارضیات پروفیسر راشد کی حیرت انگیز موت کی طرف متوجہ ہو گیا۔... وہ بھی کسی تنظیم کا سربراہ تھا۔ اجنبی بنے باکاں اس کے لئے بالکل نیچیز تھی۔

کیا سنگ ہی کا کوئی تازمہ اس تنظیم سے بھی تھا۔ پروفیسر راشد سے ذاتی پر خاش ہی اُس کی موت کا باعث بنتی تھی۔

وہ سوچتا ہا اور چائے کے گھونٹ لیتا رہا۔ اگر پی۔ ایچ درانی کی کو سلیکر انڈسٹریز کے دفتر میں ملازمت ہے تو اب اسے کچھ دیر بعد ففتر چھوڑنا ہی پڑے گا۔ چار بجئے والے تھے۔ عمران نے چائے کی قیمت ادا کی اور وہیں نوٹ بک میں اوٹ پنگ اندراجات کرتا رہا۔... انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا یہیے دن بھر کے اخراجات نوٹ کر رہا ہو۔

ٹھیک چار بج کر پانچ منٹ پر درانی پھر اپنی موزر سائکل اسٹارٹ کرتا نظر آیا۔ کچھ دیر بعد عمران پھر اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ لیکن ساتھ تھی جو بھی بھکر رہا تھا کہ اُر اب بھی درانی کی نظر اس پر پڑتی تو اس تعاقب کا راز فاش ہو جائے گا۔ یوں دو اُسے اس جیسی طرح دیکھ چکا تھا۔ ٹھیک چکا تھا اور ایسے موقع پر ہے وہ شاید ہی بھی بھلا سکے۔ کیونکہ محض اسی

عمران نے جھپٹ کر کاؤنٹر پر پیسے ادا کئے۔ اور سڑک کی طرف لپکا۔ کاؤنٹر کلر ک اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔... کیونکہ اس نے چائے بھی ویسے ہی چھوڑ دی تھی اور پیٹریز کی پلیٹ بھی۔ تعاقب کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ اُس نے اُس آدمی کو نظر وہ سے او جمل نہیں ہونے دیا تھا۔ اس پار فالصلہ ذرا زیادہ رکھا۔... عمران اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا چاہتا تھا کیونکہ اُسے اب یقین آگیا تھا کہ وہ پی۔ ایچ درانی کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ سوچنے لگا کہ اب کیا پچکر ہے؟ کیا اس نے اس عمارت میں کوئی اطلاع پہنچائی تھی۔ اگلی موڑ سائکل کی قدر بذریعہ کم ہو رہی تھی۔... اور پھر وہ ٹھیک عمران کے فلیٹ والی عمارت کے سامنے رک گئی۔ موزر سائکل فٹ پاٹھ سے لگا کر وہ اتر اور باہمیں جانب والی عمارت کے بالائی زینوں پر چڑھنے لگا۔ اور پھر اوپر جس بالکنی میں نظر آیا۔... وہ ٹھیک عمران کے فلیٹ کے سامنے تھی۔

عمران کے ہونوں نے سیٹی بجائے کے انداز میں دائرہ بنایا۔

درانی کو سلیکر انڈسٹریز کے دفتر میں داخل ہوا تھا۔ اس کی بھروسہ ایسی تھی کہ عمران اپنے فلیٹ کی کھڑکی سے وہاں کے حالات پر بخوبی نظر رکھ سکتا تھا۔ لیکن اس نے اپنے فلیٹ کا رخ نہیں کیا۔ بلکہ اُسی عمارت کے ایک چھوٹے سے کیفے میں جا بیٹھا جہاں سے کم از کم وہ درانی کی موزر سائکل پر تو نظر رکھی سکتا تھا۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔... لیکن موزر سائکل اب بھی دیہیں تھی۔... عمران کے خیالات کی روادھر اُدھر بھکتی رہی۔ دفتاؤ سے خیال آیا کہیں وہ بے وقف تو نہیں بن رہا۔... کہیں درانی اس تعاقب سے واقف ہی نہ ہو۔

پچھو دیر بعد یہیے میں کو سلیکر انڈسٹریز کا ایک چپڑاں نظر آیا۔... دو توں کی نظریں میں اور عمران نے با تھوڑا تھاکر اسے سلام کیا۔... جواب میں اُس کا با تھوڑا بھی پیشانی تک انکھ گیا۔... پھر عمران نے با تھوڑا تھاکر اسے اشارے سے خیت بھی پوچھی۔... اور چپڑاں نے مخالصہ انداز میں دانت نکال کر اس اشارے کا بھی جواب دیا۔... اور سید حاصہ میز کی طرف چلا آیا۔

”خان صاحب ہیں....!“ عمران نے پوچھا۔

کی وجہ سے وہ جو زف کا تعاقب جاری نہ رکھ سکا تھا۔ لہذا اس کا موجودہ حیلہ تو واضح طور پر اُس کے ذمہ نہیں ہو چکا تھا۔

پھر اب کیا کیا جائے؟ سوچتا ہا۔

محبُور اُمران کو میک اپ کا سہارا لینا پڑا۔۔۔ یعنی وہ مصنوعی ناک موجودوں سمیت پھر جوہرے پر جمانی پڑیں۔

درانی کی موڑ سائیکل کی رفتار تیز نہیں تھی۔۔۔ کچھ دیر بعد وہ ایک جگہ رکی۔

درانی آتی اور اُسے فٹ پاٹھ سے لگا کر کھڑی کر دیا۔۔۔ اب عمران نے اسے ریالٹو میں داخل ہوتے دیکھا۔۔۔ پھر وہ باہر ٹھہر کر کیا کرتا۔

ابھی یہاں کی بہتری میزیں خالی تھیں۔۔۔ بھیڑ تورات کے کھانے کے وقت ہوتی تھی جب فلور شو ہوتا تھا۔

عمران نے اپنے لئے درانی کے قریب ہی ایک میر منتخب کی۔۔۔ لیکن اس طرح جیسا کہ درانی کی پشت اُس جانب رہی۔ مڑے بغیر وہ اُسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ پھر ایسی جگہوں پر چیچھے مڑ کر کون دیکھتا ہے۔

لیکن وہ سوچ رہا تھا۔۔۔ اب پھر چائے پینی پڑے گی۔۔۔ دیر پر اُس کے قریب آیا۔

”پوٹھو چپس۔۔۔!“ عمران نے آہستہ سے کہا۔

”چائے یا کافی۔۔۔!“ دیر نے پوچھا۔

”پہلے صرف چپس لاو۔۔۔ چائے تھوڑی دیر بعد طلب کروں گا۔“

ویر پڑا گیا۔۔۔ دوسرا دیر درانی کا آرڈر لے گیا تھا۔

کچھ دیر بعد عمران پوٹھو چپس سے شغل کرتا ہوا نظر آیا۔

اور پھر ایک آدھ کچلے چپس دانتوں ہی میں دبے رہ گئے کیونکہ صدر دروازے میں ظفرہ نیلیں دکھائی دیا تھا۔۔۔ دونوں کی نظریں لمبیں۔۔۔ ظفرہ نیلیں۔۔۔ پھر آگے بڑھتا چلا آیا اور درانی کی میز کے فریب آر رکا۔

عمران کو اپنی مصنوعی موجودیوں کیا کیں۔۔۔ اور اس سے ہمچاکہ وہ اُسے پہنچان پڑے۔۔۔

نکھلیں ملٹے ہیں لٹھنگیں بے۔۔۔ کامیاب طالب تھا۔

بے۔۔۔ یہ نہیں ہوتے۔۔۔ وہ پہنچوں جسیں ظفرہ بے۔۔۔ سے پہنچاں یا تھا۔۔۔ مولیٰ یعنی۔۔۔

درانی جھپٹ پڑتا۔۔۔ اسے اس پچویشن پر ہٹن آئے گی۔

ظفرہ میٹھے چکا تھا۔۔۔ گویا وہ درانی کو بھی میک اپ میں پہنچاتا تھا اور شاید پہلے سے یہاں ملنا ٹھے پاچا تھا۔

عمران نے اپنے انداز میں بے تلقی پیدا کی اور دیر کو اشارے سے بلا کر چائے لانے کو بھی کہا۔

ظفرہ درانی سے گفتگو کرتے وقت عمران کو مسلسل گھورے جا رہا تھا۔

پھر دفتردارانی بھی مڑا۔۔۔ غالباً ظفرہ کے گھورنے کے اندازتی نے اُسے مڑنے پر مجبور کیا تھا۔۔۔ عمران پر اچھتی سی نظر ڈال کر وہ پھر ظفرہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔۔۔ اس بار ظفرہ نے آہستہ سے کچھ کہا۔۔۔ اور درانی کریں سیست عمران کی طرف مڑ گیا۔۔۔ وہ اُسے خونخوار نظر وں سے گھور رہا تھا۔۔۔ عمران کے ہونٹوں پر شرات آمیز مسکراہٹ بکھر گئی۔۔۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اُس کے ماتحت ظفرہ کی مگر انی کر رہے ہوں گے۔ اس نے انگرائی لینے کے بھانے ہاتھ انھا کر کچھ مخصوص قسم کے اشارے کئے تاکہ اس کے ماتحت پچویشن سے آگاہ ہو سکیں۔۔۔ یہاں کم از کم تین چھرے ایسے ضرور تھے جن پر اس کے ماتخوں کا اطلاق ہو سکتا تھا۔

ظفرہ اور درانی پھر ایک دوسرے کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔۔۔ اور سر گوشیوں میں گفتگو جاری تھی۔

دفعہ ظفرہ اپنی کریں سے انھ کر عمران کی میز کے قریب آیا۔۔۔ اس کے دونوں ہاتھ کوٹ کی جبوں میں تھے اور داہنی جیب سے روپی اور کی تال کا ابھار صاف نظر آ رہا تھا۔

”اب نہیں پچ گے۔۔۔!“ وہ پیر سے ایک کریں کھکھ کر بیٹھتا ہوا آہستہ سے بولا۔

”اے۔۔۔ ویر۔۔۔!“ عمران نے ہاتھ انھا کر کہا۔ ”ایک چائے اور لاو۔“

”شکریہ۔۔۔!“ ظفرہ کا لہجہ بے حد زہر یا تھا۔

”کوئی بات نہیں۔“ عمران مسکرا یا۔

”مہارے کسی آدمی نے میرے ایک آدمی کو بے آواز روپی اور سے زخمی کیا تھا۔۔۔ لہذا یہ روپی اور بھی بے آواز ہی ہے۔“

”یہی سمجھا تھا شاید شیام گلیاں سنائے گا۔۔۔“ عمران خوش ہو کر بولتا۔ ”یہ تو بڑی اچھی بات بے درجہ بول کرنے کے لئے اپناریمی یا پوچھنی ہی کیا کم ہے۔“

”خاموشی رہو۔۔۔ اتم یعنی او نہیں بنا سکتے۔“

”ہمیں کسی ہاں لوٹنیں ہا۔۔۔“ تھا ان شفہتی سی سانس سے کہ رہا۔۔۔ ”اوپر یعنی انہیں تھا۔۔۔“ اور اس پر ظفرہ بتاتا تھا۔۔۔ تجھب تھے کہ تم اور بہت سے اس کا تم کہہ اور بتے ہو۔۔۔“

”ظفر و کارست کاٹ کر زندہ بچنے والے پانچ کھلاتے ہیں۔“  
 ”شاید میں نے ایڈگرو میں کسی ناول میں یہ جملہ پڑھا تھا۔“ عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔  
 ”چائے... پیجئے... بل اداکزو... پھر تمہیں ہمارے ساتھ چلتا پڑے گا۔“ ظفر غریا۔  
 ”ساتھ بھی چلتا پڑے گا اور بل بھی خود ہی ادا کرنا پڑے گا۔ نہیں مائی ذیر ظفر و یہ میرے  
 اصول کے خلاف ہے۔ بل تم ہی ادا کرو گے۔ درنہ میں تمہارے ساتھ چلنے سے صاف انکار  
 کر دوں گا۔“

”کیا نیکیں مرنا چاہتے ہو...“ ظفر نے آنکھیں نکالیں۔ اتنے میں ویژہ چائے بھی لا لیا۔  
 ”خود ہی بناؤ...!“ ظفر نے عمران سے کہا۔ ویژہ جاپ کا تھا۔ عمران نے پیالیاں سیدھی  
 کیں اور ان میں شکر ڈالتے ہوئے پوچھا۔ ”کتنے پچھے؟“  
 ”ڈیڑھ...!“ ظفر و غریا۔ ”باتوں میں الجھا کر مجھے بے وقف نہ بنا سکو گے سمجھے... ہو سکتا  
 ہے کہ یہاں بھی تمہارے آدمی موجود ہوں۔ لیکن میں دیکھوں گا کہ مجھے کون روکتا ہے۔“  
 ”اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“ عمران نے دردناک لمحے میں کہا اور منہ چلانے لگا۔  
 ظفر و اُسے گھوٹا رہا۔ عمران نے بڑے اطمینان سے دونوں پیالوں میں چائے اٹھلی اور ایک  
 اس کی طرف سر کاتا ہوا بولا۔ ”وش یو گذلک...!“

”میں چائے نہیں پیوں گا۔“ ظفر و جھنگلا کر بولا۔

”تب تو ہر حال میں تمہیں بل کی رقم ادا کرنی پڑیں۔ ایک پلیٹ پوٹھوں پیس بھی مانگوائے تھے۔“  
 ”سنو... میں تمہیں یہاں سے زبردستی بھی اٹھوائیں ہوں۔“ ظفر و غریا۔ ”یقین نہ ہو تو  
 کاؤنٹر کی طرف دیکھو... وہاں کام کر دیوائے کتنے سراہمہ نظر آ رہے ہیں۔“

”تم ایسے ہی گفاظ ہو...!“ عمران باعین آنکھ دبا کر مسکرایا۔  
 ”صرف تین منٹ...!“ ظفر و کائی کی گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا غریا۔ ”تین منٹ اور دے سکتا  
 ہوں... اس کے بعد اپنی بے عزتی کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔“

”میری بے عزتی۔“ عمران نے جرأت سے کہا۔ چند لمحے میں مضمون انداز میں ظفر و کی آنکھوں  
 میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”میا تم مجھے اب تک کوئی معزز تھا میں سمجھتے رہتے ہو۔“

”تو تم نہیں چلو گے میرے ساتھ۔“ ظفر نے پھر آنکھیں نکالیں۔  
 ”ابھی تک میں نے اس پر اطمینان نہیں کیا...؟“  
 ”تمہیں چلتا پڑے گا سمجھے... درنہ میرا آدمی تو سرف زخمی ہوا تھا تمہیش کی نیند سو جاؤ گے۔“

”میں جانتا ہوں....!“ عمران نے اس طرح سر ہلا کر کہا جیسے ان کے درمیان کوئی معموقی  
 قسم کی گفتگو ہو رہی ہو۔  
 ”بھر...؟“  
 ”خیر.... تو مجھے کہاں لے جاؤ گے؟“  
 ”خود دیکھ لو گے؟“  
 ”اب تو دیکھنا ہی پڑے گا۔“  
 ”ویژہ کو بلا کر بل طلب کرو۔“ ظفر نے تھکمانہ لمحے میں کہا۔  
 ”کیوں دھمکا رہے ہو مجھے کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارے ساتھ جانے سے قبل مجھے با تھر روم  
 تک بھی جانا پڑے۔“ عمران نے کہا اور اشارے سے ویژہ کو بلا کر بل طلب کیا۔ اُس کے  
 ہونوں پر حقارت آمیز مسکراہٹ تھی اور وہ ظفر و کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔  
 ”ویژہ بل لایا۔“ عمران نے مسکراتے ہوئے قیمت ادا کی۔ لیکن ایسے انداز میں جیسے ظفر و پر  
 احسان کیا ہو۔ پھر یہ بے حد سنجیدہ نظر آنے لگا۔  
 ”میں چائے باتھ روم تک جانے کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔ تم جانتے ہی ہو گے کہ  
 یہاں نکاہی کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔“  
 ”نہیں۔“

”تم ساتھ چلو... اپنے بے آواز ریو اور کارخ باتھ روم کی طرف کئے رہنا۔“  
 درانی بھی اپنی کرسی سے اٹھ کر ان کے قریب آگئی۔ اور ظریحہ لمحے میں بولا۔ ”اس کی  
 آخری خواہش بھی ضرور پوری ہوئی چاہئے۔ تم فکر نہ کرو۔ میں دیکھوں گا۔“  
 ”لا آندر اک۔ شریف آدمی تھیں گیا۔“ عمران نے اخختے ہوئے اس طرح کہا جیسے کسی لکھی  
 ہوئی کہانی کا کوئی جملہ پڑھ دیا ہو۔  
 اب وہ باتھ روم کی طرف جا رہا تھا اور درانی اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ بال سے گر رکر وہ  
 ایک طویل راہداری میں داخل ہوئے جس کا احتیام دیوار ہی پر ہوا تھا۔ ایک سرے سے دوسرے  
 تک دور ویہ غسل خانوں کے دروازے نظر آ رہے تھے۔  
 عمران ایک دروازے کا ہینڈل گھمنے کے لئے تدرستے خمر ہوا۔ درانی اس سے کام اٹھا  
 تھا۔ دفعتاً عمران کے دونوں باتھ پوری قوت سے اس کی داہنی کپٹی پر کلراستے، حملہ نیز متوقع  
 تھا۔ اس نے درانی سنبھل نہ سکا۔ سردیوار سے نکرایا غالباً آنکھوں میں تارے ناق گئے ہوں گے۔

نکراوے سے پیدا ہونے والی گوئی میں آوازیں کہہ رہی تھی۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ زمین پر گرد رہا تھا..... عمران نے با تھر دوڑ میں گھیٹ لے گیا۔ درانی بے ہوش ہو چکا تھا..... عمران نے اسے فرش پر ڈال دیا اور اپنے کوٹ کی جیبوں سے مختلف چیزوں کا نکال کر پتلون کی جیبوں میں ٹھوٹیں..... پھر کوت اتار کر وہیں فرش پر چینک دیا..... مصنوعی ناک اور موچیں بھی پتلون کی جیب میں پہنچ چکی تھیں..... گردن سے نائی بھی نکال چکی..... اب وہ نہایت اطمینان سے واپس جا رہا تھا..... ظفر و کے فرشتے بھی اسے اس حلے میں نہ پہچان سکتے۔ وہ ڈائینگ ہال سے گزرتا ہوا صدر دروازے تک آپنچا..... ظفر و کی آنکھیں راہداری کی طرف ہی گلی ہوئی تھیں۔



عمران اب فٹ پا تھے پر نظر آیا۔

میں با یہیں منٹ تک آس پاس ہی منڈلا تارہا..... پھر وہ منظر بھی آنکھوں کے سامنے آیا جس کے لئے وہ اتنی دیر یہاں ٹھہر رہا تھا۔ ایک ڈاکٹر اور دو کافیں نشیبل ہوٹل میں داخل ہو رہے تھے۔ عمران فٹ پا تھے پر ہی کھڑا قریبی نیوز اسٹینڈ کا جائزہ پیتا رہا۔ بھی کوئی رسالہ اخفاک اتنا پہنچ لگتا اور بھی کوئی انبار اخھالیتا۔

پچھے دیر بعد ایک ایجو لینس گاڑی آکر رکی دو آدمی اسٹرپر اخھائے اس پر سے اترے اور ہوٹل میں داخل ہو گئے۔

عمران انبار خرید کر اسے روپ کر رہا تھا..... انداز ایسا ہی تھا جیسے سوچ رہا ہو کہ اب گھر جائے یا بھی پچھے دیر مز رشت کرے۔

پھر وہ کچھ اور آگے بڑھ کر ان لوگوں میں آمل جوہاں کھڑے بس کا انتظار کر رہے تھے۔ پچھے دیر بعد بسپتال کا عملہ..... یہوش درانی کو اسٹرپر ڈالے ہوئے ہوٹل سے باہر ایا۔ ایکین ظفر و اُن کے ساتھ نہیں تھا..... پتہ نہیں ظفر و اُن نے اسے عسل خانے میں بے ہوش تحریک کرنے کا کام بنتے۔

ایہو یہ لینس کا ری چلی بھی نہیں ظفر و پاہر لے کھائی۔ یہ

عمران پھر ہوٹل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اب اس نے اپنے ہال پیشانی پر ٹھہر لئے تھے اور اُن

کھلنڈر اور مان پسند اور لاپرواں جو جوان معلوم ہو رہا تھا۔

اُسے یقین تھا کہ ظفر و اُسے اس حلے میں نہ پہچان سکے گا..... وہ پھر ہوٹل میں داخل ہوا..... ظفر و اُسی میز پر نظر آیا جہاں عمران نے اُسے کچھ دیر پہلے چھوڑا تھا چہرے پر سرا ایسکی کے آثار تھے۔ عمران اُس کے قریب ہی ایک میز پر جم گیا..... وہ سوچ رہا تھا کہ اب وہ مردود نہیں بیٹھا رہا جائے گا۔

ظفر و کبھی بھی سہے ہوئے انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگتا تھا..... عمران نے دیڑ کو اشارے سے بلا کر کوکا کولا کی بوتل طلب کی..... وہ دراصل یہاں بیٹھنے کا جو ان پیدا کرنا چاہتا تھا ورنہ معدہ تو ٹھیسی سے زبردستیوں کا شکار ہوتا رہا تھا۔

یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ جس وقت وہ بوتل کی قیمت ادا کر رہا تھا اُسی وقت ظفر و کو بھی اٹھتے دیکھا پھر عمران نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس کے ساتھ ہی پانچ دوسرے آدمیوں نے بھی اپنی میزیں چھوڑ دی ہیں..... پتہ نہیں ان میں سے خود اس کے کتنے آدمی تھے اور کتنے ظفر و کے... دیے اس کی لاف و گزار سے تو ظاہر ہوتا رہا تھا جیسے وہ تہانہ ہو۔

باہر نکل کر ظفر و فٹ پا تھے پر ٹھہر گیا..... چند لمحے ادھر ادھر دیکھا پھر سڑک پار کر کر نکلنے لگا۔ عمران سوچ رہا تھا کیا وہ پیدا کیں جائے گا۔ گاڑی لایا ہوتا تو نیکیں پارک کی ہوتی۔ کیونکہ یہاں پارکنگ کی ممانعت نہیں تھی۔ اس نے اسے سامنے والی گلی میں داخل ہوتے دیکھا۔ اس کے پیچھے کچھ اور لوگ بھی تھے۔

عمران نے بھی سڑک پار کی..... اور جیسے ہی گلی میں داخل ہوا ظفر و کو ایک جھوٹے سے چائے خانے میں داخل ہوتے دیکھا۔ اس کے ساتھ دو آدمی اور بھی تھے..... عمران نے انہیں پیچاڑا لیا۔ یہ بھی اس کے ساتھ ہی ہوٹل سے اٹھے تھے۔

چائے خانے کے برابر ہی پان کی دوکان تھی۔ عمران وہیں رک کر سگریٹ خریدنے لگا۔ یہاں سے وہ چائے خانے کے اندر بخوبی دکھ سکتا تھا۔ ظفر و اُن دونوں سے گفتگو کرتا ہوا نظر آیا..... پھر دو آدمی اور چائے خانے میں داخل ہوئے۔ ان کے چلنے کا انداز بتا رہا تھا کہ صد یعنی اور چوہاں ہیں۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں آدمی باہر آگئے جس سے ظفر و گفتگو کرتا رہا تھا۔

عمران نے انہیں سڑک کی طرف بنتے یکھا۔

اُسے متحت پوتے چائے ہی میں تھے۔ ظفر و نے ہال سے کوئی پیچہ خیریہ نہ اور خوب بھی نہیں۔ اگری۔ لیکن اب وہ یا نو وہ اسی سڑک کی طرف باتیکی بجائے گلی کے، وہرے نہ کاٹ کی طرف باتا رہا تھا۔

”بائیں جانب موزلو...!“ عمران غریا اور اس نے بے چوں وجہ تعقیل کی۔  
”تم نے مجھے درانی کے پیچھے کیوں لگایا تھا؟“ عمران نے کچھ دیر بعد پوچھا۔  
”تاکہ وہ اچھی طرح تمہاری خبر لے سکے؟“ ظفر و نے جھلا کر کہا۔ وہ خود کو سنبھالنے کی  
کوشش کر رہا تھا۔

”اور اس نے اچھی طرح میری خبر لے لی۔“ عمران مختندی سانس لے کر بولا۔  
”تم زیادہ دن زندہ نہیں رہ سکو گے۔“ ظفر و زبریلے لجھ میں بولا۔ ”اسے لکھ لو۔ شہر میں  
کوئی بات ہو تو خواہ مخواہ اپنی ناگ اڑا بیٹھتے ہو مجھے دیکھتا ہے کہ رحمان صاحب کا اثر در سونح تمہیں  
کب تک پچائے رکھتا ہے۔“

”اوہ....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”میں کچھ گیا۔ تم چاہتے ہو کہ میں بھوکار مروں؟“  
”تم کوئی ذہنک کام کیوں نہیں کرتے۔“  
”اس لئے کہ میں بھی تمہارے ہی ذہنک کا آدمی ہوں۔ جب تک حرام کی بھی نہ ملے ہاضمہ  
ہی درست نہیں ہوتا۔“

”یہ بات ہے تو میرے ساتھ آٹھوں....!“  
”اس معاملے کے خاتمے کے بعد غور کروں گا کیونکہ راتا تھور علی سے ایڈ، انس لے چکا ہوں۔“  
”وہ اس لڑکی کے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے۔“  
”تم لوگوں کو اس سے کیا پچھپی ہو سکتی ہے۔“

”دوار کا کوئی معاملہ ہے۔ ہمارے آدمی کئی دن سے اس کی گمراہی کرتے رہے تھے۔“  
”اور پچھلی رات بھی کوئی اس کا تعاقب کر رہا تھا۔“  
”یقیناً کر رہا ہو گا۔ ورنہ آج صبح وہ راتا جیس سے کیوں اٹھائی جاتی۔“  
”میرزا شاہ کے سنتے کے درویشوں کا کیا قصہ ہے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“  
”کسی نے انہیں راتا پیلس کی گمراہی پر لگایا تھا۔“  
”میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔“  
”دوار سے تمہارے عابدے کی جیسا کیا ہے۔“  
”یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔“  
”لتا ملے گاؤں سے...؟“

عمران آہستہ آہستہ اس کے پیچھے چلتا رہا۔ ... دوسرا سڑک پر پہنچ کر عمران کو معلوم ہوا کہ  
ظفر و نے اپنی کارہاں پارک کی تھی۔ وہ خود اپنی موز سائیکل ریالائٹ کے سامنے چھوڑ کر آیا تھا۔ جتنی  
دیر میں وہ اس کے لئے وہاں جاتا۔ ظفر و کہیں کا کہیں پہنچتا۔ آخر عاقبت انہیں عمران اُسی وقت  
گھری نیند سو گیا اور وہ عمران جاگ پڑا جو انہوں نہ آگ کے دریا میں بھی چھلاگ لگا سکتا تھا۔

ظفر و اسٹریگ کے سامنے بیٹھے چکا تھا۔ دفتار عمران آگے بڑھا اور بڑی بے تکلفی سے اگلی سی  
سیٹ کا دروازہ کھول کر اس کے برابر جا بیٹھا پھر قبل اس کے ظفر و سنبھلتا۔ ... عمران کا ہاتھ اس  
کے کوٹ کی جیب میں بھی پہنچ گیا۔  
اور اب وہ آہستہ سے غریا۔ ”تمہارے بے آواز روی والوں کے ٹریگر پر میری انگلی ہے۔“  
ساتھ ہی روی والوں کی نال ظفر و کے پہلو میں جھپٹنے لگی۔

ظفر و بے سده ہو گیا۔ ... ایسا معلوم ہوا تھا جیسے جسم روح سے خالی ہو چکا ہو۔  
”چلو....!“ عمران نے اُسکے پہلو پر مزید دباؤ دلتے ہوئے کہا۔ ”جب تم میرے ساتھ چلو گے۔“  
ظفر و نے انہیں کی گھمائی انجن اشارت ہو گیا۔ گاڑی بھی چل پڑی۔  
”میں راستہ بناؤں گا.... چلتے رہو۔“ عمران غریا۔ ”میں تم سے صرف اپنے اس کوٹ کی  
قیمت وصول کروں گا جو ریالٹ کے باٹھ رومن میں چھوڑ آیا ہوں۔“

”تم کیا کچاہتے ہو۔“  
”کیا تم بہرے ہو.... کوٹ کی قیمت....!“  
”کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔ میں لڑکی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔“  
”لڑکیوں کے سلسلے میں کسی مرد کے پیچھے پڑنا اپنا شعار نہیں ہے....“  
”تم پچھتاوے گے۔“

”کچھ دیر پہلے تم مجھے کہاں لے جانا چاہتے تھے۔ چلو ہیں لے چلو۔“  
”مم.... میں تو.... تمہیں مر عوب کرنا چاہتا تھا۔ کہیں نہ لے جاتا۔“  
”اور میں تمہیں دکھانا چاہتا ہوں کہ شہر میں جسے جہاں سے اٹھانا چاہوں بآسانی اٹھا لے جاستا  
ہوں....“ عمران نے سرد لہجے میں کہا۔  
ظفر و خشک ہم نہیں پر رہاں پر پھیج کر رہا گیا۔  
عمران نے اس کے پہلو میں روی والوں کا دباو پچھو اور بڑھا دیا تھا۔ ظفر و خاموش تھا۔ ... اُس نے  
نظر و نذر شیلد پر تھی۔

”کیا تمہیں صحیح کی بات یاد نہیں۔“ عمران مسکرا کر بولا۔ ”تمہارے کئی اڈے میری نظر میں ہیں۔ جب چاہوں وہاں چھاپے پڑ سکتے ہیں۔“

”اوہ نہہ...!“ ظفر و نے شانے سکوڑ کر کہا۔ ”یکھا جائے گا... اور میں گاڑی روکنے جا رہا ہوں۔ دیکھتا ہوں تم کیا کر لیتے ہو۔“

”ہوں...!“ عمران نے سر ہلا کر مضخکانہ انداز میں کہا۔ ”اچھی بات ہے یہ بھی کر کے دیکھ لو... سینک سڑک پر مرمت کروں گا۔“

ظفر و نے گاڑی روک دی و دسرے ہی لمحے میں اُس کاریو اور بھی جیب سے نکل کر عمران کی پتلون کی جیب میں پہنچ گیا۔۔۔ پھر اُس نے ظفر و کا گریبان پکڑا اور دروازہ کھول کر اُسے نیچے کھینچ لیا اور لگادونوں ہاتھوں سے پیٹھے... ساتھ ہی بلند آواز میں کہتا بھی جا رہا تھا۔ ”پھر مارو گے... پھر مارو گے غریبوں کی لڑکیوں کو آنکھ...!“

جمع اکٹھا ہونے لگا۔۔۔ کسی نے نیچ پچاڑ کرنا چاہا۔۔۔

”الگ ہئے صاحب...!“ عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”اس شہر میں کبھی بے غیرت نہیں ہیں۔“

”حرام زادہ کار میں بیٹھ کر خود کو قارون سمجھنے لگتا ہے۔ غریبوں کی لڑکیوں کو آنکھ مارتا پھر تا ہے... چھیڑتا ہے... آزادے کرتا ہے۔“

”مارو سالے کو...!“ کئی آوازیں بیک وقت آئیں۔۔۔ اور پھر ظفر و کی چنی بن گئی۔ اتفاق سے اس وقت آس پاس کوئی ڈیوٹی کا نشیل بھی موجود نہیں تھا۔ اُس کے پکڑے تار تار ہو گئے۔ تاک اور منہ سے خون بہہ چلا تھا۔۔۔ پھر وہ بیووش ہو گیا۔

”ئیں اسے بت جائیے۔“ عمران نے با تھا اٹھا کر کہا۔ ”میں اسے تھانے لے جاؤں گا۔“

”ئی آدمیوں کی مد سے اُس نے اُسے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈالا اور خود اسیئہ نگ سنجال کر انہیں اشارت کرنے لگا۔

”مد کی ضرورت ہو تو تم چلیں۔“ کسی نے باہر سے کہا۔

”نہیں شکریہ...!“ عمران بولا۔ ”میں خود ہی دیکھ لیوں گا۔“

گاڑی اُسے ہٹھ گئی۔ لیکن عمران اب سوچتا تھا کہ اسے حقیقتی یہ تباہ چاہتا ہے۔ لیکن اسے بھی؟ اس کا سیم شاید ظفر و کے فرشتوں کو بھی نہ ہو۔ بات تو خود ظفر و ہی کی حماقت کی بنا پر بیباں تک بڑھ گئی تھی۔ ورنہ عمران صرف درانی ہی کا تعاقب کر تارہتا۔

”پندرہ ہزار...!“

”کتنے دنوں کا معاملہ ہے۔“

”ڈیڑھ ماہ کا...!“ ظفر و... کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”تم داور کو کب سے جانتے ہو۔ تم دونوں کی گفتگو سے تو یہی ظاہر ہو رہا تھا جیسے بہت پرانی جان پیچان ہو۔“

”میں اسے بہت دنوں سے جانتا ہوں۔“ عمران نے لاپرواں سے کہا۔

”خطرناک آدمی ہے۔“

”اور تم...؟“ ظفر و مسکرایا۔ ”میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنی جلدی پھر پڑے گے۔“

”اسی لمحے تم نے اپنے ان آدمیوں کو بھی رخصت کر دیا تھا جو تمہاری دیکھ بھال کر رہے تھے۔“

”تم کیا جانو...!“ ظفر و نے حرمت سے کہا۔

”پچھے بات تو ہے جواب تک زندہ ہوں۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”ورنہ کسی ظفر و کے سے تھرڈ کلاس بد معاش نے کبھی کاموت کے گھاث اتار دیا ہوتا۔“

”اوہ...!“ یک یہک ظفر و چونک کر بولا۔ ”تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔“

”رانا یلیس...!“

”کیوں...؟“

”تمہیں چاۓ پلا کر دو چار غریلیں ساوس گا۔ پچھلی رات بھی ایک تازہ غزل ہوئی ہے۔ پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔ جب تک کوئی سے گاہنیں بد بخشی میں بٹلار ہونگا۔ آج کل ساممین کہاں ملتے ہیں۔ مجبور اڑیو اور کے زور پر مہیا کر تاہوں، غزل تو الگ رہی تھیں دوہتے بھی منٹ پڑیں گے۔“

”پچھاؤ گے ورنہ سید ہی طرح گفتگو کرو۔“

”داور کا پتہ بتاو... میں سینیں اتر جاؤں گا۔“

”پتہ مجھے نہیں معلوم جب ضرورت ہوتی ہے خود ہی آلتا ہے۔“

”بھلا کیسے یقین کیا جا سکتا ہے۔“

”پھر جو تمہارا ابی چاہے کرو۔“

”اچھی بات بت تواب تمہیں ایک عدہ افسانہ بھی سننا پڑے گا... والد ساہب کی خانہ میں بھی ساوس گا۔“

”والد ساہب والدی، حملکی کسی اور کو دینا۔“ لفڑ، نتھنے چلا کر بولا۔ ”میرے خلاف کچھ نہیں ثابت کیا جا سکتا... سمجھے۔“

کچھ دور چلنے کے بعد اس نے ظفر و کی گازی ایک سنسنائی میں موڑ دی اور ایک جگہ اسے روک کر خود اتر آیا تھا اپنی جیب سے اس کار بیوال نکال کر رومال سے اچھی طرح صاف کیا اور پھر اسی کی جیب میں ڈال دیا۔ اب وہ تیر قدموں سے گلی کے دوسرے سرے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ دوسری سڑک پر پہنچ کر میکسی کا انتظار کرنے لگا۔ موڑ سائکل ریال نو کے سامنے چھوڑ آیا تھا... لہذا اسی طرف واپسی ضروری تھی کچھ دیر بعد میکسی مل گئی۔

موڑ سائکل وہیں ملی جہاں چھوڑی تھی... اور اب سوچ رہا تھا کہ دوسرا قدم کس جانب اٹھنا چاہئے۔ موجودہ میک اپ بھی بیکار ہو چکا تھا۔ وہ پھر راتاں پیلس آیا... جوزف یہاں موجود تھا۔

عمران کو دیکھ کر کسی شکاری کتے کی طرح کان کھڑے کئے لیکن آواز سن کر ڈھیلا پڑ گیا۔ ”میک اپ میں بولتے رہا کرو باس...!“ اس نے نہ کر کہا۔ ”ورنہ کسی دن میرے ہاتھ سے مارے جاؤ گے۔“

”بکواس نہیں... اس وقت خون سوار ہے۔“

”کیا بات ہے باس...!“ جوزف نے دانت نکال دیے۔ اس کی آنکھوں میں اس وقت اسکی ہی چمک نظر آ رہی تھی جیسی کسی ندی میں پچ کی آنکھوں میں اس وقت نظر آتی ہے جب کوئی اپنی پسندیدہ چیز دیکھتا ہے جس کے لئے عرصہ سے ترستا رہا ہو۔

”آج رات شام کتیر اکھیل بھی شروع ہو جائے۔“

”میں نہیں سمجھا باس...!“

”ایک عمارت میں گھٹا ہے۔“

”یہاں...؟ کیا بات ہے؟“

”کچھ نہیں... ابھی نہیں بتاؤں گا۔“

عمران ڈرانیگ رومن میں آیا فون پر بلیک زیر و کے نمبر ڈائل کئے... وہ دوسری طرف موجود تھا وہ اس عمارت کی متعلقہ ہدایات میں لگا جہاں درانی نے اسے یا تو دھوکا دینے کی کوشش کی تھی یا حقیقتاً کسی کو کوئی پیغام پہنچایا تھا۔ یہ بھی معلوم کرو کہ بیان کوں رہتا ہے۔ اس نے ماں تھوڑی پیس میں کہا۔ ”ایک گھنٹے تے اندر اندر مجھے مطلع کرو۔ اور ایندھ آل ریسیور، کھو کر رو، ایک آرام کرسی میں نہم رہاں ہو گیا۔... آنکھیں بند ہر لیں... یہے... یہاں قطعی نیز محفوظ تھا۔ اب سنگ ہی جانتا تھا کہ اس عمارت سے بھی اس کا تعلق ہے ہو سکتا تھا۔

اب اس نے اس عمارت کی گزارنی کے لئے دوسرے ذرا لئے پیدا کر لئے ہوں۔ میڑو شاہ غمے ہے کے درویش تو شاید اب ادھر کارخ بھی نہ کریں۔ عمران سوچتا اور اٹھتا رہا۔

کچھ دیر بعد فون کی گھنٹی بھی۔ اس نے ہاتھ بڑھایا... دوسری طرف سے بلیک زیر و کی آواز آئی۔ ”کسی نے ظفر و کوئی طرح مارا ہے... اقبال روڈ کی گلی میں اس کی گازی کھڑی ملی ہے۔ وہ اس میں بے ہوش پڑا تھا۔“

”خوشی کی بات ہے۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”کہ میرے ماتحت بھی مجھے نہیں پہچان سکتے؟“ ظاہر ہے کہ وہ ظفر و کے پیچھے رہے ہوں گے۔

”بھی ہاں... اوہ... آپ تھے۔“

”اٹیں عمارت کا لیا بہا۔“

”وہاں... کوشی نام کی ایک غیر ملکی رقصاد رہتی ہے۔“

”چینی ہے؟“

”بھی ہاں... چینی ہے۔“

عمران نے کچھ کہے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا... اس کی پیشانی پر ٹکنیں پڑ گئی تھیں۔



”کوشی... چینی رقصاد...!“ وہ تھوڑی دیر بعد بڑیا۔

اور پھر فون پر کسی کے نمبر ڈائل کئے... دوسری طرف سے جواب لٹنے پر ماں تھوڑی پیس میں بولا۔ ”بیٹ می آن ٹو مسٹر کمال۔“

چھ دیر خاموش رہا دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”بیلو کمال اسپلینگ...!“

”عمران...!“

”اوہ... ہو! ہاں بھول پڑے... خیریت۔“

”میں آج بہت ادا کس ہوں۔“

”اچھا... جی... کیوں الو بنا تے ہو... کوئی ناص پکھ رہے۔“

”ہے تو خاص ہی... پتہ نہیں یوں آج کل چینی لڑکیوں کو، کیہ کر دل میں گد گدیاں

ہونے لگتی ہیں۔“

”لیکن مجھے کہنا تو کچھ تمہاری بابت ہو گا۔“  
 ”ٹھیک ہے کہہ دینا... کمال نے بھیجا ہے۔ مقصد پوچھئے تو صرف ملاقات بتاتا۔“  
 ”خالی خوبی ملاقات....!“  
 ”اوہ ہو! تو پھر کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں آپ کے لئے پورا نائیم میبل مرتب کروں گا۔“  
 ”اچھی بات ہے.... میں ہی دیکھ لوں گا۔“  
 ”اور کچھ....!“  
 ”نبیں بس بہت بہت شکر یہ۔“  
 ”کب مل رہے ہو۔“  
 ”بہت جلد....!“ عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔  
 ٹھیک نوبے اُس کی کار اس عمارت کی کپاؤ نہ میں داخل ہو رہی تھی۔ جہاں کوشی کا قائم تھا۔  
 برآمدے میں بھیج کر اُس نے کال بل کا بہن دیا۔ اندر سے گھٹنی کی تیز آواز آئی۔ اور  
 جلد ہی کسی نے دروازہ کھولا۔  
 ”یہ ایک بوڑھا دی ملازم ہے۔“ عمران نے اُس سے کہا۔ ”مجھے گرین ہوٹل کے مسٹر کمال  
 نے بھیجا ہے۔“  
 ”کارڈ.... اوہ! کارڈ تو شاید اس وقت میرے پاس نہ ہو گا۔“ عمران مضطربانہ انداز میں جیسیں  
 ٹوٹتا ہوا بولا۔ ”جلد ہی میں آیا ہوں.... کیا مس کوشی موجود ہیں۔“  
 ”جی ہاں.... ٹھہر یے۔“ ملازم نے کہا اور واپس چلا گیا۔  
 عمران گرد و پیش کا جائزہ لیتا رہا۔ اس وقت وہ میک اپ میں نہیں تھا اس لئے چرے پر  
 حماقتوں کی لختائی میں چھارہ تھیں۔  
 کچھ دیر بعد ملازم نے آکر اطلاع دی کہ کوشی اس سے مل رہی ہے۔  
 ”ترحیف لائیئے۔“ وہ پیچھے ہٹا ہوا بولا۔  
 کچھ دور چلتے کے بعد عمران ایک شاندار ذرائع لینگ رومنیں داخل ہوا۔ اسے زیادہ دیر تک  
 انتظاً نہیں رکھا جا تھا۔  
 کوشی والیں دیکھ تھیں... عمران اسے دیکھ... ابھی تھی... اوہ... مسلمانی ہوئی انگریزی میں  
 بولی تھی۔ ”بیٹھئے... بیٹھئے... جناب خوش آمدید۔“

”ہوں تو آجائو... یہاں کئی چینی لا کیاں ہیں۔“  
 ”سنو... ایک بار شاید تمہارے ہی ہوٹل میں ایک چینی رقصہ کوشی کا فلور شود یکھا تھا۔“  
 ”ہاں... ہاں... وہاں بھی اکثر یہاں آتی ہے ویسے اس سے کوئی مستقل کنش یکٹ نہیں ہے۔“  
 ”یاروہ کوشی.... کیا آج آئے گی۔“  
 ”نبیں.... کیوں؟ تم کیا چاہتے ہو۔“  
 ”گھر کا پتہ معلوم ہے۔“  
 ”کیوں نہیں.... بتاؤں؟“  
 ”شکر یہ.... شکر یہ۔“  
 پھر دوسری طرف سے جو پتہ بتایا گیا وہ اُس سے مختلف نہیں تھا جس کے متعلق پکھہ دیر قبل  
 اُس نے بلیک زیر دے گھنگلوکی تھی۔  
 ”کیا واقعی اُس پر دل آگیا ہے۔“  
 ”اب کیا بتاؤں....!“  
 ”اچھا تو خوش ہو جاؤ.... اس نے ابھی حال ہی میں یہاں کی شہریت حاصل کرنے کی  
 درخواست فائل کی ہے۔“  
 ”تو وہ یہاں کئی سال سے ہے۔“  
 ”ہاں.... ایک طائفے کے ساتھ دو سال قبل آئی تھی.... طائفہ چلا گیا تھا وہ یہیں رہ پڑی  
 تھی۔ حکام نے اسے عارضی قیام کی اجازت دے دی تھی۔“  
 ”تو پھر میں.... نج... جاؤ.... وہاں....!“ عمران ماٹھ تھیں میں ہکلایا۔  
 ”ضرور جاؤ.... میرا حوالہ دے دے گے تو یہ بھی نہ کہہ سکے گی کہ فی الحال اُس کے پاس وقت  
 نہیں ہے۔“  
 ”اچھی بات ہے.... میں کہہ دوں گا کمال صاحب نے بھیجا ہے؟“  
 ”ایکس کس لئے....!“ دوسری طرف سے بلکل ہی بھی کے ساتھ کہا گیا۔  
 ”یہ بھی تم ہی بتاؤ۔“ عمران بے بھی سے بولا۔ ”میری آجھو میں تو کچھ بھی نہیں آتا۔“  
 ”ہم بدیناکہ میں تم پر عاشق ہو یہ ہوں۔“  
 ”توون تم...!“ عمران نے غصیل بھیجے میں پوچھا۔  
 ”نبیں یار.... میں تمہاری بات کر رہا تھا۔“

”حج.... جی ہاں.... شکر یہ....!“ عمران دھم سے صوف پر بیٹھ گیا۔ اُس کے چہرے پر حماقت مابی اور سر اسیکنگی کی ملی جملی جھلکیاں نظر آرہی تھیں۔  
”میا آپ کو مشرکمال نے بھیجا ہے۔“  
”جی ہاں.... مشرکمال نے۔“  
”کوئی پیغام ہے۔“

”جی نہیں.... دراصل ہم لوگ سیالاب زدگان کی امداد کیلئے ایک دراکنی شو منعقد کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں.... اس سلسلے میں....!“  
”میں سمجھ گئی۔“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی پھر ہنس پڑی.... عمران بھی احتمانہ انداز میں اُس کے ساتھ ہنستا رہا۔  
”آپ کیوں ہنس رہے ہیں۔“ وہ یک بیک سنجیدہ ہو کر بولی۔

”وہ.... وہ.... آپ.... لیعنی کہ....!“  
”میرا ساتھ دے رہے تھے۔“ وہ نہ اسامنہ بنا کر بولی۔ ”آدمی بھی کتنا محکمہ خیز جانور ہے۔“  
”جی ہاں.... بالکل بالکل....!“ عمران سر بلاؤ کر بولا۔  
”بھلاکیوں....؟“  
”وہ آپ نے.... فرمایا تا....!“

وہ پھر ہنس پڑی.... ساتھ ہی عمران بھی پہاڑ اور پھر کوشی نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ”کیا تم یونہی عوام سے رحم کی ایجل نہیں کر سکتے کہ وہاپنے سیالاب زد بھائیوں کی امداد کریں؟“  
”کر سکتا ہوں.... لیکن....!“  
”میں جانتی ہوں اس طرح ان کی گردھے سے پیے نہیں نکلیں گے.... وہ چاہتے ہیں کہ ان کی خیرات بھی ان کے لئے تھوڑی سی عیاشی فراہم کر دے....!“

”جی ہاں.... اور کیا....!“ عمران سر بلاؤ کر بولا۔  
”مجھے افسوس ہے میں اس سلسلے میں آچھا نہ کر سکوں گی۔“ لوشی نے نہ اسامنہ بنا کر کہا۔  
”تو پھر سیالاب زدگان.... لیعنی کہ....!“  
”جنم میں بائیں۔“  
”لیکن مشرکمال....!“  
”میسر کمال بھی جنم میں جائیں۔“

”اور.... میں.... لیعنی کہ میں....!“  
”وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔ ”تمہارے لئے سوچنا پڑے گا۔ ویسے تم کیا کرتے ہو۔“  
”یہی سب۔ سیالاب زدگان کی مدد غیرہ.... قوم کے لئے چندہ اٹھا کر تا میری بالی ہے۔“  
”اس کا مطلب ہوا کہ کوئی ٹھووس آمد نہیں ہے۔“  
”جی نہیں۔“  
”بھوٹ بنو گے۔“  
”جی ہاں....!“ عمران نے سعادت مندانہ انداز میں جواب دیا.... اور وہ ہنس پڑی لیکن اس بار عمران کی سنجیدگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آیا۔  
”میں نے ایک رقص ترتیب دیا ہے.... اُس میں ایک بھوت بھی ہے.... موت کا رقص.... اُنگر تم مناسب سمجھو۔“  
”میں بالکل تیار ہوں۔“ عمران خوش ہو کر بولا۔  
”کیا نام ہے؟“  
”تعظیل...!“  
”صورت ہی سے معلوم ہوتے ہو۔“ وہ آہستہ سے بڑ بڑائی۔  
”جی....!“  
”کچھ نہیں ٹھیک ہے.... اگر تم مناسب ثابت ہوئے تو اکثر چانس متار ہے گا۔“  
”ہمیشہ بھوت ہی بننا پڑے گا۔“ عمران نے بڑی مخصوصیت سے پوچھا۔  
”ضروری نہیں ہے.... کچھ اور بھی بن سکتے ہو۔“  
”باتو تھے نا....!“ عمران بچوں کی طرح ٹھکٹا۔  
وہ اُسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔  
آخر کچھ دیر بعد بولی۔ ”تم واقعی ایسے ہی ہو.... یا بن رہے ہو۔“  
”تی میں نہیں سمجھا....!“ عمران چوچٹ کر بولا۔  
”کچھ نہیں.... سب ٹھیک ہے؟“  
”ٹھیک ہے نا....!“ عمران احتمانہ انداز میں ہنسنے لگا۔  
”تم کہاں رہتے ہو۔“  
”کوئی خاص محلہ نہیں ہے۔“ عمران مھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”ماں باپ بچپن ہی میں

مر گئے تھے۔

”لیکن چچا بھی زندہ ہے۔“ دفعتا دروازے کی طرف سے آواز آئی۔

آواز سنگ ہی کی تھی۔ کوئی چوک کر مزی لیکن عمران جوں کا توں بیخارا پھر بھی ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔ حتیٰ کہ کچھ دیر پہلے نظر آنے والی حماقت کی پر چھائیں بھی نہ رہ گئی تھی۔

سنگ ہی آہستہ آہستہ چلتا ہوا کمرے کے وسط میں آگیا۔

دفعتا چینی رقصاد اپنی مادری زبان میں کچھ کہنے لگی..... لیکن سنگ ہی نے ہاتھ ہلا کر اسے انگریزی میں جواب دیا۔ ”یہ میرا خی معاشر ہے۔ میں اسے بہت دنوں سے جانتا ہوں۔ لہذا اب یہاں تمہاری موجودگی ضروری نہیں۔“



کوشی کی آنکھوں میں احتیاج تھا.... عمران نے یہی محسوس کیا۔۔۔ اس نے سنگ ہی کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔ بس کوشی ہی پر نظریں جمی رہی تھیں۔

”تم ابھی تک گئی نہیں۔“ سنگ ہی نے کوشی کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

کوشی کھڑی ہو گئی۔ دفعتا عمران نے ہاتھ اٹھا کر دردناک لبجھ میں کہا۔ ”اب مجھے تمہارے ساتھ بھوت بننے کا موقع نہ مل سکے گا۔“

”میں بھی تمہیں بھوت ہی بناوں گا۔“ سنگ ہی نے غصیل آواز میں کہا۔

کوشی نے سر اٹھا کر سنگ ہی کی طرف دیکھا اور پھر دروازے کی جانب مڑ گئی۔۔۔ دروازے سے گزرتے وقت پھر رکی اور عمران کی طرف مڑی۔

”جاوے۔۔۔!“ سنگ ہی ہاتھ اٹھا کر چینا۔

وہ چوک کر تیزی سے چل پڑی۔۔۔ خود کار دروازہ بند ہو چکا تھا۔

”اب بتاؤ۔۔۔!“ سنگ ہی عمران کی آنکھوں میں بیخداہ اچھکا۔۔۔

”میں کیا بتاؤں انکل فراو۔۔۔ بتاؤ گے تو تم ہی۔“

”ذہبائیں میں اب تک تمہیں چھوٹ دیتے باختہ۔“

”اب بتاؤں تمہیں کچھ نہ۔۔۔ یہیں تھیں روئیں۔۔۔“ ”مدان اس نے تمہیں سمجھا۔۔۔“

وہ اُسریاں۔

”میں اب تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“ سنگ ہی کی آواز تیز قسم کی سرگوشی سے مشابہ تھی۔

”آج کے اخبار میں بھی بھی تھا۔۔۔“

سنگ ہی چند لمحے اسے کھا جانے والی نظر دوں سے گھورتا رہا پھر بولا۔ ”بیٹھ جاؤ۔“

”انکل ڈیر۔۔۔ میں کھڑا کب ہوں۔“ عمران نے حرمت سے کہا۔

”نہیں ہے۔۔۔ نہیں ہے۔“ سنگ ہی مسکر لایا۔ چند لمحے خاموش رہ کر عمران کو تیز نظر دوں

سے گھورتا رہا پھر بولا۔ ”میں تمہیں جان سے نہیں ماروں گا بلکہ پانچ کر دوں گا۔“

”دونوں کا فائدہ ہے اس میں۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”مجھے پانچ کر کے ایک گاڑی میں بھٹھا دئنا اور اسے گلی گلی دھکیلے پھر ناصد الگتے ہوئے اللہ کے نام پر۔ یہاں سیٹھ لوگ مددوں کو چاہئے پوری مددوں نہ دیں لیکن اللہ میاں کو راضی رکھنے کے لئے دل کھول کر خیرات کرتے ہیں۔۔۔ چچا بھتیج سال بھر میں لکھ پتی ہو جائیں گے۔“

”عمران۔۔۔!“

”بس انکل پلیز۔۔۔!“

”لڑکی سے تم نے کیا معلوم کیا تھا۔۔۔؟“

”کس سلسلے میں انکل ڈار لنگ۔۔۔!“

”پروفیسر راشد کے متعلق۔۔۔!“

”اوہ تو کیا وہ پروفیسر راشد سے بھی کسی قسم کا تعلق رکھتی تھی۔“

”مجھے اوبانے کی کوشش مت کرو۔“ سنگ ہی برا اسمانہ بنا کر بولا۔

”ہرگز نہیں۔۔۔ لیکن یہ پروفیسر راشد۔۔۔!“

سنگ پھر اسے گھورنے لگا تھا۔۔۔ آخربولا۔ ”تم وہاں کیوں گئے تھے؟“

”لہاں۔۔۔!“

”جیل منزل۔۔۔!“

عمران ذہن پر زور دینے لگا۔۔۔ اوہ۔۔۔ اس نے سوپا شاید یہ اسی عمارت کا ہام تھا جہاں

انہیں بیباکاں کے نائب صدر سے نکلا ہوا تھا۔۔۔ اور وہ اسے زخمی کر کے ساجدہ سمیت ہاں انکل

کیا۔۔۔ سنگ ہی کے آدمی پہنچے ان سے اس عمارت کی نگرانی کرتے رہتے تھے۔ اس طرح وہاں کا

کوئی بُر تھے ہوئے رہا۔۔۔ جس کوئی پہنچے تھے۔۔۔ رہا۔۔۔ ملائیں نہ ہوں۔۔۔ ملائیں نہ ہوں۔۔۔ ساجدہ سے

نکھلنس بدایا۔۔۔ میں تھیں۔

عمران نے اٹھیاں کی سانس لی ورنہ وہ تواب تک یہی سوچتا رہا تھا کہ شاید دالش منزل بھی سنگ ہی کی نظر میں آئی ہے۔

”تم کیا سوچتے گے....؟“ سنگ ہی غریباً۔

”میں سوچ رہا تھا کہ تم کس جیل منزل کا تذکرہ کر رہے ہو۔“

”جہاں سے تم اور لڑکی رانا پبلس کے لئے روشن ہوئے تھے۔“

”اوہ.... اچھا.... ارے وہاں تو اچھی خاصی تفریح میر آئی تھی۔“ عمران ہنس پڑا اور پھر بولا۔ ”رات میں بسلسلہ آوارگی منڈپارک میں مقیم تھا۔ وہیں اس لڑکی سے ملاقات ہوئی۔ میں اسے کوئی پیشہ در سوسائٹی گرل سمجھ کر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ لیکن وہ تو مجھے نوکری دلانے پر تعلق گئی کہنے لگی میرے باس کو ایک سیکریٹری کی ضرورت ہے۔ میرے ساتھ چلو۔ میں نے کہا تھا رات گئے تو سیکریٹری کی ضرورت نہ ہونی چاہئے آج صبح دیکھا جائے گا۔ کہنے لگی ہمارا آفس رات ہی میں کام کرتا ہے دن کو تو چھٹی رہتی ہے۔ بہر حال وہ مجھے وہاں لے گئی لیکن اس کا باس شاید مجھے پہچانتا تھا۔ لڑکی کو نہ ابھلا کہنے لگا۔ بات بڑھ گئی۔ کم بخت نے ریو اور نکال لیا۔ گوئی اسکی ران میں لگی تھی۔ بہر حال ہم دونوں کو وہاں سے بھاگنا پڑا۔ لیکن اب تم پروفیسر راشد کی کہانی سنارہ ہے ہو۔“

عمران خاموش ہو گیا۔ اور سنگ ہی اُسے گھورتا رہا۔

”پھر وہ تمہارے ساتھ کیوں چلی گئی تھی....؟“ پکھ دیز بعد اس نے پوچھا۔

”اس کے بعد تو پھر وہ اُسے مارنی ڈالتے۔ کھوپڑی استعمال کرو، انکل جو نک۔“

”میں استعمال کر رہا ہوں بھتیجے....؟“ وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہواز ہر لیے لجھے میں بولا۔

”اب تم میری بات کا بھی جواب دو۔“ عمران یک بیک سنجیدگی اختیار کر کے بولا۔

”میں سن رہا ہوں۔“

”اُس دھماکے نے ایک انپلکٹر کی جان لی تھی اور تصویر اب تک تین آدمیوں کو کھا بھی ہے۔“

”کیا مطلب....!“

”وہ آدمی مر گیا جس نے تصویر کے فریم پر انگلیوں کے نشانات تلاش کئے تھے.... اور پھر جب وہ کیساوی تحریک کے لئے لمباریٹری میں لے جائی گئی مزید دو آدمی ٹھنڈے ہو گئے۔“

عمران نے محسوس کیا کہ سنگ ہی کی آنکھیں غیر معمولی طور پر چکنے لگیں.... وہ مسکرا یا بھی تھا.... عمران اُسے گھورتا رہا۔

”آخر سنگ ہی چک کر بولا۔“ میرا تحریک کامیاب رہا....!

”میں نہیں سمجھا۔“

”میں نے ایک انتہائی درجہ مہلک زہر دریافت کیا ہے.... سانس کی گرمی سے آنا فنا ہلکے سے بخار میں تبدیل ہو جاتا ہے.... اور پھر یہ زہر جہاں سانس ہی کے ذریعے نہنوں میں داخل ہوا.... آدمی ختم ہو جاتا ہے۔ پاؤڑا اتنی کم مقدار میں تصویر پر چھڑ کا گیا تھا کہ خورد میں مشاہدے سے بھی اس کا سراغ ملنا مشکل ہوتا۔“

”اور تم اتنی ذہنائی سے اپنا یہ کارنامہ بیان کر رہے ہو۔“ عمران غریباً۔

”جان یعنی میری تفریح ہے.... بھتیجے....!“

”اور تم نے یہ سب کچھ مجھے الجھائے رکھنے کے لئے کیا تھا....؟“

”اور تم اتحاد نظر آرہے ہو۔“ سنگ ہی نہس پڑا۔ پھر سنجیدگی اختیار کر کے بولا۔ ”لیکن اُس دھماکے سے میرا کوئی تعلق نہیں۔“

”تو پھر اس کا مقصد کیا تھا۔“

”اگر میں ایک بار بھی پروفیسر راشد کی کوئی میں داخل ہوتا تو شاید میرا بھی وہی حشر ہوتا جو اُس انپلکٹر کا وہا تھا۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”پروفیسر جانتا تھا کہ ہیرے میری کمزوری ہیں۔ ہیروں کے لئے میں نے تاریکِ دادی تک سفر کیا تھا۔“

”اوہ.... تو وہ پھر پروفیسر ہی کا کارنامہ تھا۔“

”بالکل....!“ سنگ ہی سر ہلا کر بولا۔ ”اگر میں اُس کرے میں داخل ہوتا تو میرے لئے اس کی حیثیت چو ہے داں میں لگائے ہوئے روٹی کے نکڑے سے کم نہ ہوتی۔ میں اسے اٹھاتا... یا دیں اسے تو زنے کی کوشش کرتا۔“

”برابر کی نکر تھیں....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”برابر کی نکر....!“ سنگ ہی مصلحتہ اڑانے والے بھجے میں بولا۔ ”برابری نکر میں لوگ اس طرح کیڑوں کو کڑوں کی طرح مر جاتے ہیں کیوں....؟“

”آخر میرے پاس کیوں آیا تھا؟“ عمران نے سنگ ہی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”شاید اُسے علم تھا کہ تم بھی میرے بھتیجے ہو۔ کہیں اُس نے مجھے دیکھا تھا۔ پہچان لیا تھا.... اور میرے ہی متعلق تم سے گفتگو کرنے کیا تھا۔“

”اوہ.... اسی سے متعلق تم سے گفتگو کرنے کیا تھا۔“

”اوں... ہوں....!“ عمران سر ہلاک کر بولا۔

”کیا مطلب....!“

”اس کی جیب سے جو ڈائریٹی ٹھی اس میں اسی دن کی تاریخ میں ایک ناکمل جملہ درج تھا جو غالباً اس طرح تھا۔ آج میں اپنے ایک دشمن سے ملنے جا رہا ہوں اگر میں مر جاؤں تو...!“ سنگ ہی نے تفہیم لگای۔ ٹھوڑی دیر تک منتظر ہا پھر بولا۔ ”اس طرح تم پوری طرح پھنس گئے۔ ہاہا... پولیس تمہاری تلاش میں ہے۔ اگر وہ تصویر یعنی تین آدمیوں کے لئے مہلک ثابت ہو چکی ہے.... تو یاد رکھو تمہاری مصانت اس وقت تک منسون ہو چکی ہو گی۔ مجھے علم ہے کہ تم پولیس سے چھپتے پھر رہے ہو.... اب، میں برآ راست تمہیں پولیس ہی کے حوالے کر دوں گا۔“ ”سوال یہ ہے انکل سنگ! اگر وہ تم سے ہی ملنے والا تھا تو جملہ ادھورا کیوں چھوڑا۔“

”قدرت بھی عموماً میرا ہی ساتھ دیتی ہے۔“

”لیکن وہ مر اکیوں؟ تم نے اسے کیوں ختم کر دیا۔“

”بکواس بند کرو۔ میں اس وقت کسی عدالت میں نہیں ہوں۔“

”ہوں.... اچھی بات ہے۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔ ”درانی اور ظفر و کی درگت کی اطلاع تو تمہیں مل ہی چکی ہو گی؟“ ”ہاں.... اور میں یہاں تمہارا منتظر تھا....!“ سنگ ہی مسکریا۔

”اوہ....!“

”سید ہی کی بات ہے اگر تم درانی کا تعاقب کرتے رہے تو یہاں تک ضرور آئے ہو گے۔“ ”اچھا شکریہ.... تمہارا بہت وقت بر باد کیا۔“ عمران مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ سنگ ہی نے اس کی طرف توجہ دیئے بغیر کہا۔ ”اور تمہارا وہ نیگر و... ملازم یہاں سے دو فرلاگ کے فاصلے پر بے ہوش پڑا ہو گا۔ تم نے بہت احتیاط سے اسے پائیں باغ میں چھپایا تھا۔ تمہاری کار بھی اس وقت کمپاؤندھی میں نہیں ہے۔“

عمران نے مغموم انداز میں سر ہلاکر چاروں طرف دیکھا اور پھر بیٹھ گیا۔

”اوراب....!“ سنگ ہی کا لجہ بے حد زہر یا تھا۔ ”کچھ دیر تمہاری مرمت ہو گی اور پھر اس کے بعد تم کیپن فیاض کے بنگلے کی کمپاؤندھی میں پھینکوادیئے جاؤ گے۔ درانی اور ظفر و.... دونوں بہت دیر سے اپنی نظر تھے کے منتظر ہیں۔“

عمران نے امتحانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور چاروں طرف اس طرح دیکھنے لگا جیسے نکل بھاگنے کے لئے کسی معقول سے راستے کی تلاش میں ہو۔

سنگ ہی اسے تیز نظروں سے گھورے جا رہا تھا لیکن عمران اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ دفتار و روازہ کھلا اور دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ ان میں ایک درانی تھا اور دوسرا ظفر و.... درانی کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ ظفر و کے چہرے پر بڑی بڑی خراشیں نظر آرہی تھیں۔ دونوں کے ہاتھوں میں بڑے بڑے چاقو چمک رہے تھے۔

”ٹھہر و....!“ سنگ ہی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”یہ کھلی کافی دلچسپ ہو گا۔ لہذا مجھے یہاں سے جانے دو۔“

”ارے نہیں.... ارے نہیں....!“ عمران پھر گھکھیا۔ ”چچا میں کان پکڑتا ہوں، آئندہ کبھی تمہارے راشتے میں نہیں آؤں گا۔“

پھر وہ ذری کی آوازیں نکالتا ہوا اچھل کر صوفے کے پیچھے چلا گیا۔

”ظفر و....!“ سنگ ہی نے چھپتے کے قریب والے روشن دان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”میں اور کوئی وہاں سے دیکھیں گے.... میرے وہاں تک پہنچنے کا انتفار کرنا۔“

ظفر و اور درانی خونخوار نظروں سے عمران کو گھوڑتے رہے۔

وہ دونوں اللئے پاؤں چلتے ہوئے دروازے تک گئے اور سنگ ہی جب چلا گیا تو درانی نے دروازہ بند کر کے اس طرح اس کا جائزہ لینا شروع کر دیا جیسے اطمینان کرنا چاہتا ہو کہ وہ کسی طرح کھل تو نہ جائے گا۔

”یارو.... بس کرو.... وہ تو مذاق تھا....“ عمران پھر گھکھیا۔ لیکن وہ دونوں اپنے نعلے ہونٹ دنتوں میں دبائے اسے گھوڑتے رہے.... پھر دھنٹا اور والے روشن دان سے آواز آئی۔

”ہاں.... ہم یہاں موجود ہیں۔“ آواز سنگ ہی کی تھی۔ عمران نے نظر اٹھائی۔ روشن دان میں سنگ ہی اور کوئی کے چہرے دکھائی دیئے۔

عمران نے ہاتھ اٹھا کر بلند آواز میں کہا۔ ”مس کو شی... اگر اس ثور نامنث پر نکٹ لگادی جائے تو سیلاب زدگان کے لئے خاصاً فائدہ اٹھا ہو سکتا ہے... شب بخیر انکل...!“ پھر عمران بڑی تیزی سے جھکا۔ ایسا ہی معلوم ہوا جیسے صوفے کے پیچھے دب کر ان کے حملوں سے پچھے کی احتمالہ کو شش کرنے لگا ہو۔ لیکن دوسرا سے ہی لمحے میں صوفہ حرثت انگیز طور پر اچھلا کر اون دنوں پر جا پڑا۔ ساتھ ہی عمران نے بھی چھلانگ لگائی۔ وہ دو نوں ہی صوفے سے نکراو کی بناء پر اپنا توازن برقرار رکھ کے اور ذہیر ہو گئے لیکن درانی ظفر و سے زیادہ پھر تیلا ثابت ہوا۔ وہ نہ صرف جلدی انھی گیا بلکہ پھر بجلی کی سی تیزی سے عمران پر جھپٹا۔ عمران صوفے پر سے دوسری جانب لڑک گیا۔ اور درانی کا چاقو تھیک اسی جگہ پیوست ہوا جہاں ذرا در پہلے عمران تھا۔ چاقو صوفے سے کھینچ کر عمران کی طرف جھپٹا اور اب عمران دیوار سے لگا کھڑا تھا اور ظفر و کا چاقو اس کے ہاتھ میں تھا۔

”اوہ... اوہ...!“ اوپر سے سنگ ہی کی آواز آئی۔ ”ظفر و... درانی اب بہت محاط رہتا۔“ درانی رک گیا۔ ظفر و بھی اس کے قریب ہی کھڑا دانت پیش رہا تھا۔ عمران کچھ بھی نہ بولا۔ وہ خاموشی سے ان دنوں کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً ظفر و نے روی الور نکال لیا۔

”ظفر و... نہیں...!“ سنگ ہی اوپر سے چینا۔ لیکن کون سنتا ہے۔ عمران بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ اب وہ بے دریغ فائز جھونک مارے گا۔ پہلا فائز خالی گیا۔

”تم اسے اس طرح نہیں مار سکو گے۔“ سنگ ہی نے پھر ظفر و کو لکارا۔ لیکن پے در پے دو فائزوں کی آوازوں میں اس کی آواز دب گئی۔ ویسے اب عمران بھی ظفر و سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔ درانی ایک گوشے میں کھڑا تھیر بانہ اداز میں پلکش جھکا تارہ۔ عمران کی نظر روی الور کے ٹریکر پر کھی ہوئی ظفر و کی انگلی پر تھی۔

پے در پے پھر تین فائز ہوئے اور اس بار درانی کو فرش پر گرجانا پڑا کیونکہ عمران کے پینترے اپسے پورے کمرے میں نچاتے پھر رہے تھے۔ ظفر و کا روی الور درانی کے لئے بھی مہلک ثابت ہو سکتا تھا۔

چھ فائز گن لینے کے بعد عمران نے ظفر و پر چھلانگ لگائی۔ اور کمرے کی محدود فضا ایک بھی انکے قسم کی طوبی چیز سے گونج کر رہ گئی۔ یہ درانی کے سنبھلنے سے پہلے ہی ہوا تھا۔ ظفر و دنوں ہاتھوں سے پیٹ دبائے دھرا ہوا جا رہا تھا۔

درانی بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ آنکھیں چھاڑے ظفر و کو دیکھا رہا۔ بالآخر ظفر و منہ کے بل گر کر ٹھنڈا ہو گیا۔

اب عمران احتقانہ انداز میں درانی کو دیکھ رہا تھا۔ درانی نے بھی اس کی طرف دیکھا اور نچلے ہونٹ پر زبان پھیر کر رہا گیا۔

”اوہ... درانی... اوہ زدی!“ اوپر سے آواز آئی۔ ”کیا سوچ رہا ہے...!“

درانی اس طرح چوک کر آنکھیں چھاڑنے لگا جیسے سوتے سے جا گا ہو۔ عمران نے محسوس کیا کہ چاقو کے دستے پر اس کی گرفت سخت ہو گئی ہے۔ اور پھر وہ کسی مشاق خیز زن کی طرح آگے جھک کر حملے کا زادیہ تجویز کرنے لگا۔

عمران دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ بظاہر انداز سے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ اتفاقاً کسی غلط جگہ آپھسا ہوا اور اس فکر میں ہو کہ کسی طرح جان بچا کر نکل بھاگے۔

یک بیک درانی نے اس پر چھلانگ لگائی۔ لیکن یہ چھلانگ بھلا دہ تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ عمران دیوار سے ہٹ جائے۔ لیکن عمران دیوار سے لگا ہی ہوا بائیں جانب ہٹک گیا تھا۔ دوسرے احمد لے چکی جان لیوا تھا۔ درانی تیر کی طرح اس پر آیا۔ یہ اور بات ہے کہ اس کا چاقو دیوار پر پڑا تھا۔

اب عمران کمرے کے وسط میں نظر آیا۔ حملے کی ناکامی کے بعد درانی بے حد خونخوار دکھائی دینے لگا تھا۔

وہ عمران پر حملے کرتا رہا۔ عمران اسی تک تو اس کے چاقو سے محفوظ ہی رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں ایک خون ہو چکا تھا۔ دوسرے سے دامن بچانے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن کب تک.... درانی تو اسے ہرگز نہ بختا۔ بالآخر ایک بار جھکائی دے کر اس نے درانی پر بھی وہی داؤں آزمایا جس کاشکارہ ہو کر ظفر و کچھ دیر پہلے ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

کمرے میں دوسری چیز گوئی اور بذریعہ مدد نہم ہوتی سنائی میں ڈوب گئی۔ درانی بھی منہ کے بل فرش پر پڑا تھا۔

عمران نے دشمن داں کی طرف دیکھا۔ لیکن اب وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ وہ دروازے کی طرف جھپٹا اور پینڈل پر زور آزمائی کرنے لگا لیکن اس میں جنبش بھی نہ ہوئی۔ پھر ایک خیال بجلی کی طرح ذہن میں کونڈا اور اس نے جیب سے روپاں نکال کر اس چاقو کے دستے کو اچھی طرح صاف کیا جو اب تک اس کی مٹھی میں دبارہ تھا۔ پھر اسے روپاں ہی سے پکڑے ہوئے فرش پر ڈال دیا۔

پھر وہ آئیں غالباً روشنداں کے قریب ہی پہنچ کر ختم ہوئی تھیں..... دوسرے ہی لمحے میں عمران نے تیز قدم کی سرگوشی سنی..... ”جو ان.... آدمی.... کیا تم زندہ ہو.... زندہ ہو تو فوراً باہر نکلنے کی کوشش کرو....!“

جنہے انگریزی میں کہے گئے تھے.... اور بعض جگہوں پر آواز سرگوشیوں کی حدود سے باہر نکل کر قابل شناخت ہو گئی تھی۔  
یہ کوشش تھی۔

عمران چپ چاپ دہن کھڑا رہا.... اب وہ بلند آواز میں اُسے مخاطب کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”میں اُس سے کہہ رہی ہوں جسے کمال نے بھیجا ہے۔“

عمران پھر کچھ نہ بولا۔

کچھ دیر بعد پھر قدموں کی چاپ سنائی دی اور جیسے ہی وہ آوازیں اُس کے قریب پہنچیں اُس نے آہستہ سے کہا۔ ”نہ صرف زندہ ہوں بلکہ روشنداں سے گذر کر یہاں پایا جاتا ہوں؟“

”چلو.... بھاگو....!“ اُس کا ہاتھ عمران کے ہاتھ سے ٹکرایا اور اُس نے عمران کا ہاتھ پکڑھی لیا۔ اور وہ انہیں دیکھنے کے لئے کرتے ہوئے پہنچ آئے۔

”تم بھاگ جاؤ.... بھاگو.... جلدی....!“ کوشش نے کامپتی ہوئی آواز میں کہا۔

”کیوں بھاگ جاؤں....؟ وہ کہاں ہے؟“

”چلا گیا.... اور جلدی کرو.... ورنہ تھوڑی دیر بعد پولیس یہاں پہنچ جائے گی۔?“

”کیوں؟ پولیس کیوں؟“

”اُن دونوں کے گرنے کے بعد وہ مجھے روشنداں کے پاس سے ہٹا لایا تھا اور کہا تھا کہ میں پولیس کو فون کر دوں۔ تمہیں وہیں بند رہنے دوں۔ پولیس ہی آسکر تمہیں وہاں سے نکالے۔“

”لیکن پولیس سے کیا کہلوایا تھا۔“

”اوہ.... تم اتنے مطمئن کیوں ہو....!“ کوشش مضطربانہ یوں۔

اب وہ نہ صرف دروازے کے پینڈل کو صاف کر رہا تھا بلکہ دروازے کو بھی جہاں جہاں اُس کے ہاتھ لگنے کے امکانات تھے دروازہ باہر سے مقفل تھا۔ اس کمرے میں صرف یہی دروازہ تھا.... اور روشنداں تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا جو فرش سے بارہ یا تیرہ فٹ کی بلندی پر تھا اور دیوار بالکل ساپٹ تھی۔

عمران روشنداں کی طرف دیکھی ہی رہا تھا کہ روشنی غائب ہو گئی اب کمرے میں گھپ انہیں اتنا۔ عمران نے معنی خیز انداز میں سر کو جبکش دی.... سنگ ہی اس موقع سے ضرور فائدہ اٹھائے گا۔ اُس نے سوچا۔ اب اگر پولیس یہاں آ کر ان دوالشوں سمیت اُسے دریافت کر بیٹھے تو وہ کس پوزیشن میں ہو گا۔

اس کی دانست میں سنگ ہی نے ایک تیر سے دو شکار کئے تھے۔ اپنے دو نالاں ساتھیوں سے پیچھا بھی چھڑا لیا تھا اور اس کو دوبارہ پولیس کے جاں میں پھنسادینے کی کوشش کی تھی۔ ورنہ اچاک اس طرح غائب ہو جانے کا کیا مقصد تھا۔

دفعتاً سے صوفے کا خیال آیا جو تھری سیڑھے سے بھی کچھ زیادہ ہی بڑا تھا وہ ٹوٹا ہوا آگے بڑھا اور صوفے کو اٹھا کر روشنداں والی دیوار تک لا یا اور انہیں میں اندازا اُسے روشنداں ہی کے نیچے دیوار سے لگا کر کھڑا کر دیا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ اُس کے اوپر کھڑا اپنے ہاتھ روشنداں کی طرف بڑھا رہا تھا۔ خوش قسمی سے روشنداں کے فریم کا نچلا حصہ اُس کے ہاتھوں کی آخری پہنچ سے کچھ ہی پہنچ محسوس ہوا۔.... عمران نے فریم کو مضبوطی سے پکڑ کر اپنے جسم کو اوپر اٹھانا شروع کیا۔.... تھوڑی سی جدوجہد کے بعد وہ سینے تک روشنداں میں داخل ہو چکا تھا۔.... پھر اُس کے ہاتھ دوسری طرف کی میز کی سطح سے نکلے۔ غالباً سنگ اور کوشش اسی میز پر بیٹھ کر تماشہ دیکھتے رہے ہوں گے۔ میز پر پہنچ کر اُس نے محسوس کیا کہ وہ نبڑی طرح ہانپ رہا ہے۔ جسم کو تان کر اٹھانے میں ساری رگیں کھنچ کر رہے گئی تھیں۔

وہ چند لمحے اسی میز پر بیٹھا اپنی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا پھر نیچے اُترا۔.... اور ٹوٹا ہوا ایک جانب پڑنے لگا۔ یہ ایک تک راہداری تھی جسکی چھت اتنی پیچی تھی کہ عمران کو کسی قدر جھک کر چلانا پڑ رہا تھا۔

دفعتاً اُس نے قریب ہی قدموں کی آوازیں سنیں اور دیوار سے لگ کر رک گیا۔

”فکر نہ کرو... مجھے بتاؤ۔ پولیس کو کیا پورٹ دتی ہے تم نے۔“  
”جو کچھ اس نے کہا تھا۔“  
”کیا کہا تھا اس نے۔“

”یہی کہ میں اپنے ذرا نگ رومن میں بیٹھی تھی کہ ایک آدمی گھس آیا۔۔۔ اس کے پیچے“  
آدمی اور آئے اور چاقو نال کر اس پر پل پڑے۔۔۔ وہ بھی لڑنے لگا اور میں انہیں لڑتے چھوڑ کر  
کمرے سے نکل آئی۔ کمرے کو باہر سے مقفل کر دیا۔۔۔ فوراً آؤ۔۔۔ شاید ان میں سے کوئی مر گیا ہے۔“

”ہوں۔۔۔ تو پھر میرے چلے جانے کے بعد تم کیا کرو گی؟“  
”کچھ نہیں۔۔۔ اپنے بیان پر قائم رہوں گی۔ اُن کا کیا ہوا؟“  
”میرا خیال ہے کہ دونوں مر گئے؟“

”میرے خدا۔۔۔!“ وہ گلوکیر آواز میں کراہی۔ پھر جلدی سے بولی۔ ”ارے تم اب تک  
یہیں کھڑے ہو۔۔۔ جاؤ۔۔۔!“

”کہیں تم کسی دشواری میں نہ پڑ جاؤ۔“ عمران نے بے حد ہمدردانہ لمحے میں کہا۔  
”دیکھا جائے گا۔۔۔ دیکھا جائے گا۔۔۔ تم چلے جاؤ۔“

”اچھی بات ہے۔“ عمران طویل سائنس لے کر بولا۔ ”تم مجھے نکلنے کا راستہ دکھاؤ۔“  
”بس اسی راہداری سے سیدھے چلے جاؤ۔ سرے پر دروازہ ہے جو عمارت کی پشت پر کھلتا ہے۔“  
”ہوں۔۔۔ اچھا دیکھو۔۔۔ کمال کا نام نہ آنے پائے۔ نہ میں اُسے جانتا ہوں اور نہ وہ مجھے جانتا  
ہے۔ یہ تو تم سے ملے کا بہانہ تھا۔“

”میرے خدا۔۔۔ کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔۔۔ جاؤ جلدی سے۔“  
”کل رات گیارہ بجے۔۔۔ ہائی سرکل ناٹ کلب میں تمہارا منتظر رہوں گا۔“  
”اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ میں ملوں گی۔۔۔ تم جاؤ۔۔۔!“ وہ تھوڑی دور تک اُسے دھکیل لے گئی۔  
عمران آگے بڑھتا ہوا راہداری کے اختتام تک آپنچا۔ دروازہ موجود تھا۔ جو دھکادینے پر  
کھل گیا۔ سُنگ ہی بھی غالباً اسی راستے سے فرار ہوا تھا باہر نہ نہ تھا۔ عمران نے سوچا ممکن ہے سُنگ  
ہی آخری تماشہ دیکھنے کے لئے یہیں چھپ گیا ہو۔

وہ پھرتی سے فرش پر لیٹ گیا اور سینے کے بل رینگتا ہوا باہر نکل آیا۔ یہ عمارت کا شتمانی بازو  
تھا۔۔۔ اس طرف بے ترتیب روئیدگی کے سلسلے بکھرے ہوئے تھے۔  
وہ اُسی طرح رینگتا ہوا عمارت کے عقبی پارک کی طرف بڑھتا رہا۔۔۔ جھینگروں کی جھائیں

جہا میں اس نئے میں ایک لگ رہی تھی جیسے انہیں نے کر اہنا شروع کر دیا ہو۔  
وہ سینے کے بل گھنستا رہا۔۔۔ سامنے ایک بڑا سایہ نظر آ رہا تھا۔ غالباً کسی کی کار تھی۔۔۔  
اُسے جو زف کا خیال آیا۔۔۔ پتہ نہیں کہاں ہو گا۔ اچھا ہی ہوا کہ وہ دونوں نیکیں میں یہاں تک  
آئے تھے ورنہ شاید اس بار گاڑی سے ہاتھ دھونے پڑتے۔ ایک موڑ سائیکل تو پہلے ہی گنوچا تھا۔  
لیکن یہ کس کی گاڑی ہے اور عقبی پارک میں کیوں کھڑی کی گئی ہے جب کہ پائیں باغ میں  
بھی پارکنگ کے لئے کافی جگہ موجود ہے۔  
وہ اُس کار کے قریب والی جھاڑیوں میں رینگ گیا۔۔۔ پتہ نہیں کتنے کیڑے کوڑے خود اُس  
کے جسم پر رینگ رہے تھے۔۔۔ کبھی چٹلوں کی موریوں میں ہاتھ ڈالنا پڑتا اور کبھی قمیض کے  
گربیان میں۔

کچھ دیر بعد اُس نے اپنے قریب ہی سر سراہٹ سنی۔۔۔ کوئی اُس کی طرح رینگتا ہوا کار کی  
طرف جا رہا تھا۔۔۔ ملکے سے انہیں نے متحرک تاریک دھبہ سانظر آ رہا تھا۔۔۔ عمران  
فوری طور پر فیصلہ نہ کر سکا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ کار کی  
طرف رینگنے والا کون ہو گا۔

زمیں پر پڑے ہی پڑے اُس نے دھڑ اور پر ہی اٹھا کر گاڑی کی اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا تھا اور پھر  
حرث اگنیز برحتی کے ساتھ اندر بیٹھ گیا تھا۔ انہیں اشارت ہونے کی بلکل سی آواز سنائی دی تھی۔  
عمران جھاڑیوں سے نکل کر گاڑی کی طرف جھپٹا۔۔۔ اور اتنی آہنگی سے پچھلی سیٹ کا  
دروازہ کھولا کہ اسٹینر مگ پر جھکے ہوئے آدمی کو خرتک نہ ہوئی۔۔۔ پھر وہ بھی اندر تھا۔۔۔ لیکن  
اُس نے دروازہ دوبارہ بند کرنے کی زحمت نہیں گوارا کی۔ پچھلی سیٹ اور اگلی سیٹ کی پشت گاہ کے  
درمیان دبک کر رہ گیا تھا۔

گاڑی چل پڑی۔۔۔ جھکا لگنے سے پورا دروازہ کھل گیا۔۔۔ ڈرائیور نے والے نے بریک  
لگائے اور پشت گاہ پر جھک کر دروازہ بند کیا۔۔۔ اور پھر اسٹینر مگ سنبھال لیا۔۔۔ عمران تو سمجھا تھا  
کہ اب پکڑا گیا۔ لیکن ڈرائیور کرنے والے کی تمام تر توجہ دروازے ہی پر رہی تھی۔۔۔ نیچے دیکھنے  
کی زحمت ہی نہیں گوارا کی تھی اُس نے۔

مزید کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد وہ بھی گاڑی سے باہر نکل آیا... لیکن اس کی اوٹ میں ہی رہا... پورچ کی محاذیں تو صاف نظر آرہی تھیں۔ لیکن برآمدہ تاریکی میں گم تھا۔ بڑی دیر تک کسی قسم کی کوئی آواز نہ سنائی دی۔

اندر سے کوئی کے سارے خلپے حصے اس کے دیکھئے ہوئے تھے اور پری منزل پر جانے کا تقاض نہیں ہوا تھا... اور باہر سے بھی اُسے اچھی طرح نہیں دیکھ سکا تھا۔

اس نے سوچا کہ صدر دروازہ تو اب بند بھی ہو چکا تھا پھر کیا کیا جائے؟ وہ چند لمحے سوچتا رہا۔ پھر بڑی اختیاط سے کوئی کے شماں بازو کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کی دانست میں اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ کسی طرح چھٹ پر پہنچنے کی کوشش کرتا۔

وہ بائیں بازو کی دیوار ٹوٹا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ عمارت کافی بڑی تھی۔

کہیں نہ کہیں لکھوڑی اینٹیں چونا لگنے سے خالع ہو گئی تھیں دیوار پر پیر جمانے کی کوشش بن گئی تھیں.... ضروری نہیں تھا کہ کچھ اور پہنچنے کے بعد بھی اس قسم کے سہارے ملے ہی رہتے اس کے پاس تاریخ بھی نہیں تھی کہ دیوالہ کا تفصیلی جائزہ لے سکتا۔

بس وہ بے یقینی کی حالت میں چڑھا رہا۔ سردی بہدوں میں بھی جاری تھی۔ یہاں اس کھلی نضا میں نفیاٹی طور پر سردی کا احساس کچھ زیادہ ہی ہو گیا تھا۔ بعدہ کر نزدیک دور سے گیدڑوں کی صدا ایں آئیں اور پھر سننا چاہا جاتا۔ کبھی کبھی لکڑی بکھر کے قیچیے بھی سنائی دیتے۔ وہ دیوار کو ٹوٹا ہوا آگے بڑھتا رہا۔

کچھ دور پہنچنے کے بعد ٹھوک کھائی اور گرتے گرتے چلا۔

یہ کسی درخت کی جڑ تھی، جوز میں کی سطح پر ابھر آئی تھی۔ اس نے سوچا کیا یہاں دیوار کے قریب کوئی درخت بھی ہے....

اب وہ زمین پر پیٹھ کر اس جڑ کو ٹوٹا ہوا آگے کھکھ رہا تھا۔ اس طرح وہ درخت کے تنے تک جا پہنچا۔... اندازہ تھا کہ درخت دیوار سے زیادہ دور نہیں اس کی شاخیں یقینی طور پر چھٹ لکھ پہنچی ہوں گی۔ اس نے جوتے اتار کر جیبوں میں ٹھونے اور کسی قسم کے خطرے کی پرواہ کے بغیر درخت پر چڑھنا شروع کر دیا۔

تنے کے اس حصے پر پہنچ کر کا جہاں سے شاخیں پھوٹی تھیں اور اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگا کہ کونی شاخ دیوار کی طرف گئی ہو گئی۔

پھر اس نے دوبارہ جدد جهد شروع کر دی اور دیوار تک جا پہنچا۔... لیکن چھٹ؟ اس نے

یہ ایک طویل سفر تھا تھا ہوا۔ لیکن عمران کی پوزیشن میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہ ہوئی۔ یونہی دیکا چلا آرہا تھا۔ کار کی رفتار خاصی تیز تھی اور عمران کے اندازے کے مطابق منزل تک پہنچنے میں پورا ایک گھنٹہ صرف ہوا تھا۔

ڈرائیور کرنے والا یعنی اڑا اور ایک طرف چلنے لگا۔... عمران نے ٹھوڑا سا ابھر کر کھڑکی سے دیکھا۔ وہ سو فحدی سنگ ہی تھا۔ چلنے کا انداز بتا رہا تھا اور اس کا قدم۔

اوہ.... یہ تو.... اس نے سوچا وہی دیکھی کوئی ہے جو نہ اسرار آدمی داور سے منسوب تھی.... اور جہاں ایک بار پہلے بھی اس نے کچھ وقت گزارا تھا.... اُسے سنگ ہی کی دیدہ دلیری پر حیرت ہونے لگی۔ ابھی تک اسی کوئی کسے چھٹا ہوا ہے.... گویا اسے اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں تھی کہ وہ عمران کے علم میں آچکی ہے۔

عمران کچھ دیر تک گاڑی ہی میں پڑا رہا۔... یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ سنگ ہی دہاں قیام کرے گا یا پھر جلد ہی یہاں سے بھی کہیں اور جانا ہو گا۔

دفعہ اس عمارت کے رکھوائی کی آواز سنی جو کسی سے کہہ رہا تھا۔ "جی سر کار سب ٹھیک ہے۔"

"کچھ غل غپاڑہ تو نہیں جھیلیا اس نے۔" دوسری آواز آئی جو سنگ ہی کی ہو سکتی تھی۔

"نہیں سر کار.... وہ تو بالکل خاموش رہتی ہے۔ مجھے ہی پوچھنا پڑتا ہے کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔"

"اچھا دروازہ کھلو.....!" سنگ ہی کی آواز آئی۔ پھر قدموں کی آوازیں سنائی دیں جو بتدریج دور ہوتی جا رہی تھیں۔

عمران سمجھ گیا کہ صدر دروازہ باہر سے مغلل ہو گا.... اور ہو سکتا ہے یہ ٹھنگو ساجدہ کے لئے ہوئی ہو۔

ہو سکتا ہے اسے بیٹھیں رکھا گیا ہو.... اس نے سوچا سنگ نے بھی اُسے خپڑ دیا تھا۔ وہ بھی سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ ساجدہ یہاں ہو گی۔ اس کے خیال کے مطابق تو سنگ ہی کا اس عمارت سے کوئی تعلق نہ ہوتا چاہئے تھا۔ واقعی وہ اپنے وقت کا دلیر ترین مجرم ہے اور جرائم اس کی تفریخ ہیں۔

”ربائی دلوائی تھی۔“  
 ”میں نہیں جانتی کہ یہ کس نامعقول آدمی کا تذکرہ ہے۔“  
 ”ہمیام نہیں جانتیں کہ شہر کا سب سے برا بد معاش عمران تمہیں لے جا رہا تھا۔“  
 ”میرے لئے نی اطلاع ہے کہ عمران شہر کا سب سے برا بد معاش ہے۔“  
 ”اوہ.... تو کیا تم خوشی سے اُس کے ساتھ جا رہی تھیں۔“  
 ”اور کیا....؟“  
 ”کب سے دستی ہے۔“  
 ”بچپن میں ہم دونوں ساتھ کھلیا کرتے تھے۔“  
 ”یہ اطلاع میرے لئے بالکل نئی ہے۔“  
 ”تو کیا میں جھوٹی ہوں....؟“  
 ”نہیں نہیں... بالکل نہیں.... دیسے عمران.... کیا تم جانتی ہو کہ وہ انجمن پیاکاں کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔“  
 جواب میں عمران نے کچھ نہ سنایا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ساجدہ غالباً ہکائی تھی۔  
 ”تم.... تم.... بھی.... انجمن سے...!“  
 ”سو فیصدی تعلق رکھتا ہوں.... انجمن سے۔“ سنگھی کی آواز آئی۔  
 ”تو پھر.... تو پھر....!“  
 ”تمہاری وجہ سے انجمن کا ایک رکن نبڑی طرح زخمی ہوا ہے اور تم پولیس کے ایک ایجنت کے قابو میں آگئی ہو۔ تم نے عمران کو انجمن کے بارے میں بتایا تھا۔“  
 ”بھی نہیں.... کچھ بھی نہیں.... کچھ بھی نہیں بتایا۔ یقین بیکھے۔“  
 ”میں یقین نہیں کر سکتا۔“ سنگھی کی آواز آئی۔ ”میں نے انجمن کے ایک کارکن کو زخم دیکھا ہے اور تمہیں عمران کے ساتھ فرار ہوتے بھی دیکھا ہے تم تنظیم سے غداری کی مرتكب ہوئی ہو.... اوہر دیکھو.... میری طرف۔“  
 ”آپ قادرے سے بیٹھے.... تو.... تو.... دیکھو؟“ ساجدہ کی مردہ کی آواز آئی۔  
 ”اوہ.... اچھا.... اچھا.... کچھ نہ کچھ تو نشہ ہو ہی جاتا ہے.... کتنی دیرے سے خالص وہ سکی پی رہا ہوں۔“  
 ”مم.... میں.... اپنی صفائی پیش کرنا چاہتی ہوں.... عمران نے مجھے دھوکہ دیا تھا۔ اُس

ٹولیل سانس لی.... پتہ نہیں یہاں سے بھی چھٹت کی بلندی کرتی ہو۔ اُس نے سوچا.... یہ شاخ اتنی بلند نہیں ہو سکتی کہ دوسرا منزل کی چھٹت تک جا پہنچے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس نے اطمینان کا سانس لی۔ مٹولتے ہوئے ہاتھ کی کھڑکی کی چوکھت سے ٹکرائے تھے.... اور.... اور.... کھڑکی بند بھی نہیں تھی۔ فرمیں بھی سلاخوں والا نہیں تھا۔  
 چوکھت پر زور دے کر دادا پر اٹھا.... اور پھر کھڑکی سے گزر جانے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ یہاں باہر سے بھی زیادہ گہر اندر ہتھا اس نے پھر دیوار ہی کا سہارا لیا اور مٹولتا ہوا ایک جانب پلے لگا۔  
 دروازے تک پہنچنے میں دیر نہ لگی.... دروازہ بھی کھلا ہی ملا.... پھر تقریباً پندرہ منٹ کی جدو ہجد کے بعد وہ خلی منزل کے زینوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔  
 نچلے حصے کے ان کمروں سے وہ اچھی طرح واقف تھا جو رہا ش کے قابل تھے۔ ایک کے روشنداں سے روشنی نظر آئی اور وہ اسی طرف بڑھتا چلا گیا۔  
 قریب پہنچ کر اس نے سنگھی کے قہقہے کی آواز سنی، ساتھ ہی وہ کہتا سنائی دیا۔ ”ہم سب بچے ہیں.... یہاں عمروں کا سوال نہیں! ہم سب اسی بچکانہ تجسس کے خکار ہیں.... چھوڑو ہٹاؤ۔.... تمہاری شر میں آنکھیں بڑی اچھی لگ رہی ہیں.... میری طرف دیکھو....!“  
 وہ خاموش ہو گیا تھا لیکن اس کے مخاطب کی آواز سنائی دی۔....  
 ”یہ بُری بات ہے کہ تم پتی نہیں۔“ سنگھی کی آواز آئی.... ”مجھے دیکھو.... میں خالص وہ سکی پیتا ہوں.... سوڈا ملائے بغیر۔“  
 ”مجھے شراب سے نفرت ہے۔“ عمران نے ساجدہ کی آواز صاف پہنچانی۔  
 ”یہ تو بُری بات ہے۔ پھر تم مجھے کیسے پسند کرو گی۔“  
 ”تم کون ہو؟“ ساجدہ کی غصیل آواز آئی۔ ”جہنم میں جاؤ....!“  
 ”جنت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا.... جہنم میں جاؤں گا.... جنت میں ذہنگ کی سوسائی کہاں نصیب ہو گی وہ تو نیک لوگوں کی بستی ہو گی۔“  
 ”مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے.... تم کون ہو۔“  
 ”لوگ مجھے نواب داوار جگ کہتے ہیں۔ تمہارا کیا نام ہے۔“  
 ”کیوں؟ کیا میرا نام نہیں جانتے۔“  
 ”نہیں.... میں کیا جانوں.... میں نے تو تمہیں ایک بڑے نامعقول آدمی کے پنجے سے

نے کہا تھا کہ وہ تنظیم ہی سے تعلق رکھتا ہے۔

عمران نے کان کھڑے کئے۔ وہ اسے شروع سے کہانی ساری تھی۔

سنگ در میان میں کچھ نہیں بولا تھا.... اور کہانی ختم ہو جانے کے بعد بھی خاموش ہی رہا۔  
”تم وہاں کیوں گئی تھیں....!“ کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔

”پرو فیسر مجھ پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ میں ان کے بتیرے....!“

دفتار عمران نے دروازے کو دھکا دیا اور دوسرے ہی لمحے میں کمرے کے اندر تھا.... وہ  
دونوں ہی اچھل پڑے۔

ساجدہ کی آنکھیں حیرت اور خوشی کے ملے جلے آثار کی آماجگاہ بن کر رہ گئی تھیں.... اور  
سنگ ہی کی آنکھوں میں نفرت تھی۔ گہری نفرت۔

”تم بغیر اجازت....!“ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

”اُدھر آؤ۔“ عمران نے اس کی طرف دھیان دیئے بغیر ساجدہ سے سخت لمحہ میں کہا۔

”نہیں....!“ سنگ بھی اٹھتا ہوا غریا۔ ”تم وہیں نہ ہو گئی جہاں ہو۔“

”اچھا ہی....!“ عمران مضکانہ انداز میں مسکرایا۔ ”تم میرے کپڑوں پر تازہ خون کی چھینگیں دیکھ  
ئی رہے ہو گے اور یہ بھی جانتے ہو گے کہ کن مرحلے سے گزرنے کے بعد یہاں تک پہنچا ہوں گا۔“

سکھونٹ بھینچنے سے گھورتا ہا آنکھوں میں سانپ کی آنکھوں کی سی چک تھی۔

”گھا گھونٹ کر مار ڈالوں گا۔“ بالآخر اس کی سرگوشی نما آواز سنائے میں گوئی عمران اس کی  
آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔

دفتار سنگ نے اس پر چلا گکھ لگائی اور عمران نے جھک کر اسے سر پر دکنا چاہا۔... کوئی لوز ہوتا  
تو پہیت پکڑنے گزوں دور جا چڑا ہوتا لیکن سنگ ہی کسی لکھنگھوڑے کی طرح عمران سے لپٹ گیا تھا۔

عمران نے بالکل بھی محسوس کیا جیسے کوئی سمندری ہزار پا اپنی ایک ہزار لمحہ بھی ہو گوں سیست  
اس سے چھٹ گیا ہو۔

”تم نکل جاؤ.... ساجدہ یہاں سے۔“ عمران گھٹی گھٹی سی آواز میں جیخا۔

”صدر دروازہ کھلا ہوا ہے...: باہر گاڑی موجود ہے.... جاؤ نکلو۔“

سنگت ہی کچھ بولا نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے علق سے آواز نکلتے ہی وہ اپنی کسی قدر  
قوت کھو بیٹھے گا۔ عمران کے گرد اس کی گرفت لحظہ پر لخط مضمبوط ہوتی جا رہی تھی۔

اُس پہنچے ساجدہ کو دروازے کی طرف جھپٹتے دیکھا۔

عمران کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے خون کی روشنی پیشانی اور کنپیوں کی رگوں پر ٹھوکریں مار رہی ہو۔ ذہن پر غبار سا چھانے لگا تھا اور وہ سانس لینے میں دشواری محسوس کر رہا تھا۔ اُس نے کئی بار کو شش کی تھی کہ اس کی گرفت سے نکل جائے لیکن اس کے دونوں ہاتھ اس طرح بے بس ہو کر رہ گئے تھے جیسے کوئی سانپ انہیں اپنے بلوں میں جکڑتا ہوا اپورے جسم کے گرد پٹ گیا تھا.... پورا جسم ایک دکھتا ہوا پھوڑا بن کر رہ گیا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کا ذہن تاریکیوں کی دلدل میں ڈوبتا گیا.... ساتھ ہی تکلیف کا احساس بھی کم ہوتا جا رہا تھا اور پھر وہ بالکل ہی ختم ہو گیا۔

دوسری بار ہوش آیا تو اس نے خود کو ایک کسی پر بیٹھا ہوا پلایا۔... لیکن اس بار جنمیں نہیں کر سکتا تھا کیونکہ رسیوں سے جکڑا ہوا تھا.... سامنے سنگ ہی نظر آیا۔... بیٹھا ہر اب پی رہا تھا.... دو خالی بو تلیں میز کے نیچے پڑی تھیں اور تیسری میز پر تھی۔  
عمران کو ہوش میں آتے ہی دیکھ کر مسکرا یا۔

”تم سوچ رہے ہو گے کہ میں تمہیں ختم ہی کیوں نہیں کر دیتا۔“

”ایسی فضول باتیں سوچنے کی مہلت ہی نہیں ملتی مجھے۔“ عمران نے جواب دیا۔  
”پکھ لوگ تمہیں زندہ چاہتے ہیں سمجھے۔“ وہ انگلی اٹھا کر بولا۔

”ہوں.... تو یہ درست ہے کہ تم زیر ولینڈ ہی کے لئے کام کر رہے ہو۔“  
”میں اپنے لئے کام کر رہا ہوں۔“

”پھر تمہیں ان لوگوں سے کیا سر دکار جو مجھے زندہ چاہتے ہیں۔“

”ہااا.... تم نہیں سمجھے۔ تمہارے عیوض میں ان ہیروں کی بہت بڑی تعداد حاصل کر لے لوں گا جوانہوں نے تاریک وادی سے سینے تھے۔“

”لیکن کچھ دیر پہلے تو تم نے مجھے پولیس کے خواں کے لئے بند ہو جائے۔... تاکہ اپنے میرے سر ہوتے اور میں پہنچنی کے تختے پر نظر آتا۔“

”میں تمہیں الٹا پولیس کی تحویل میں دھتا۔... جب چاہتا ان کے قبضے سے نکال بھی لاتا۔ تم سنگ ہی کیا سمجھتے ہو.... میں چاہتا ہوں کہ تم پکھے دونوں کے لئے بند ہو جائے۔... تاکہ اپنے دوسرے کام سکون سے انجام دے سکو۔ خراب یہ درد سر بھی خود ہی مول لینا پڑے گا۔ میں خود ہی تمہیں بند رکھوں گا۔ لڑکی نکل گئی ہے جو میرے لئے بہت ضروری ہے.... ابے حد ضروری.... میں اسے پسند بھی کرنے لگا ہوں۔ فی الحال یہاں کوئی ایسی گاڑی موجود نہیں ہے جس پر میں اس کے پیچھے جا سکوں۔“

عمران ہونٹ سچنپے اسے گھورتا رہا۔۔۔ اور سنگ ہی نے بوتل انھا کر ہو نٹوں سے لگائی۔



سنگ ہی نے تسری بوتل بھی ختم کر کے فرش پر لڑکا دی اور ریک سے چوخ تھی نکال لایا۔  
”بیوگے۔۔۔ اس نے مضحكا نہ انداز میں عمران سے پوچھا۔۔۔

عمران نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

”نیک آدمی ہو۔۔۔ اور نیک آدمیوں کو مرے بغیر دنیا کی نعمتیں کب حاصل ہوتی ہیں۔۔۔“  
”میں نے تو سنا ہے کہ نیک آدمی مرنے کے بعد ہمیں کا نشیل بنادیے جاتے ہیں۔۔۔“

”تمہیں شاید شراب کی بوہی سے نشہ ہو جاتا ہے۔۔۔ سنگ ہی نے شرات آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔۔۔ چند لمحے عمران کی آنکھوں میں دیکھتا ہا پھر بولا۔۔۔ ”تمہاری وہ دوست۔ کیا نام ہے اس کا۔۔۔ اوہ ہاں جولیانا فشر واٹر۔۔۔ مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔۔۔“

”سن کر خوشی ہوئی کب ہاتھ صاف کر رہے ہو اس پر۔۔۔!“  
”جب ضرورت محسوس کروں گا؟“

”ہوں۔۔۔ ہوں۔۔۔!“ عمران سر ہلا کر بولا۔۔۔ لیکن جب تم نے کوئی کو جہنم میں دھکیل دیا ہے پولیس اسے بادرنہ کرے گی کہ ان دونوں کا قاتل اس کے لئے اچھی تھا۔۔۔

”مجھے قطعی پرواہ نہیں ہوتی کہ میری بساط پر کون سامنہ رکھاں پڑ رہا ہے۔۔۔ وہ بھی مجھے داور کی ہی حیثیت سے جانتی ہے۔۔۔ ایک مقامی آدمی جواہل زبان کی طرح چینی بول سکتا ہے؟ اب شائد اس سے کبھی میری ملاقات نہ ہو سکے۔۔۔ ویسے وہ اپنے اسی بیان پر اڑی رہے نگی کہ قاتل اور دونوں مقتول اس کے لئے اچھی تھے۔۔۔ ویسے کیا تم اس سے گفتگو کر چکے ہو۔۔۔“

”ہاں چھرے کے زور پر۔۔۔ میں نے اسے دھکایا تھا۔۔۔ تب اس نے بتایا کہ وہ پولیس کو مطلع کر چکی ہے۔۔۔ اس نے وہ بیان بھی دھرایا تھا جو غالباً تم اسے رہتا آئے تھے۔۔۔“

”ہو سکتا ہے۔۔۔ سنگ ہی نے لاپرواں سے کہا اور بوتل کھول کر اسے ہو نٹوں سے لگایا۔ دفعٹا عمران بولا۔۔۔ ”ٹھہرو۔۔۔ یہ بڑی زیادتی ہے۔۔۔“

سنگ ہی نے بوتل میز پر رکھ کر اسے استھانیہ نظر دوں سے دیکھا۔۔۔  
”میرے شغل کے لئے یہاں کوئی چیز نہیں ہے۔۔۔“

”کیا چاہتے ہو؟“

”کافی بیویوں گا۔۔۔ تھوڑی سی تھکن محسوس ہو رہی ہے۔۔۔“

”یہاں اس بوڑھے ملازم کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔۔۔ اب میں اسے دوبارہ جگانا پسند نہیں کروں گا۔۔۔“

”بل تھوڑی یہ بوتل میرے سر پر توڑو۔۔۔ بوریت کی بھی حد ہوتی ہے۔۔۔“

”چکھو تھوڑی سی۔۔۔ ساری تھکن دور ہو جائے گی۔۔۔“

عمران نے انکار میں سر ہلا دیا۔

”حیرت ہے۔۔۔ مجھے تو تم مذہبی آدمی بھی نہیں معلوم ہوتے۔۔۔“

”ڈر کے مارے نہیں پیدا۔۔۔“

”کس سے ڈرتے ہو۔۔۔“

”عمران سے۔۔۔!“

”میا بات ہوئی؟“

”بہت بڑی بات ہے۔۔۔ نشہ میں خود کو بہت بڑا دویب سمجھنے لگا تو کیا ہو گا؟“

”امتحنوں کی الف لیلے لکھ ڈالتا۔۔۔ جن ادیبوں کو پڑھ کر لکھنا سیکھا ہوا نہیں بالکل گھٹیا اور خود سے بھی کمترین سمجھنے لگا۔۔۔“

”ڈیر انکل میں کافی پینا چاہتا ہوں۔۔۔ بور مت کرو۔۔۔“

”میں تمہارے لئے کافی بناوں گا؟“ سنگ ہی نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔۔۔

”کافی ملنی چاہئے۔۔۔ درد میں اتنا غل غمازہ چاؤں گا کہ درد یوار لرزائیں گے۔۔۔“

”دیکھو برخوردار۔۔۔ مجھے بور مت کرو۔۔۔ اس وقت بڑی تر ٹنگ میں ہوں۔۔۔ تمہاری ہی وجہ سے وہ لڑکی بھی نکل گئی۔۔۔“

”تم جانتے ہو کہ مجھے اسی کی تلاش تھی۔۔۔“ عمران نے کہا۔۔۔

”کچھ بھی ہو۔۔۔ مجھے مزید غصہ دلانے کی کوشش نہ کرو۔۔۔“

”عام آدمیوں کی طرح سطحی باتمیں نہ کرو۔۔۔“ عمران بڑا سامنہ بنا کر بولا۔۔۔

”کیا مطلب۔۔۔!“

”یہی کہ تمہیں چونکہ مجھ پر غصہ آگیا ہے اس لئے تم میرے لئے کافی نہ بناو گے؟ گھنیبات۔۔۔“

”۔۔۔ تم جیسے ہیں۔۔۔ کوئی چیز نہیں دیتی۔۔۔“

عمران کچھ نہ بولا۔ وہ تیزی سے راستہ طے کرتے رہے... گاڑی تقریباً تین فرالاگ کے  
فائلے پر ملی۔

”تم نے کمال ہی کر دیا۔“ عمران اسٹریمگ سنجھا تھا ہو ابola۔

میں پہلے تو جو ہی بوکھلا گئی تھی کہ یہاں تک چلی آئی پھر سوچا پتہ نہیں تمہارا کیا حشر ہوا  
ہوا۔ وہ آدمی خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ انہن بیباکاں سے اپنا تعلق ظاہر کرتا رہا۔ لیکن انہن کا  
کوئی آدمی اتنا بیوہ نہیں ہو سکتا۔ وہ سب معاملات میں ایک دوسرا کے کامے حد احترام کرتے ہیں۔  
بہر حال میں واپس آئی۔ صدر دروازہ کھلا ہی ہوا ملا تھا۔ تم بیٹھے کیوں ہو۔ گاڑی اسٹارٹ کرو۔“

”او... ہاں...!“ عمران چوک مک پڑا۔ انہن اسٹارٹ کیا اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔

”پھر میں اس کمرے تک جا پہنچی تھی وہاں اس نے تمہیں بیوہش کر کے کرسی سے جکڑا  
شروع کیا تھا... تم قطعی ہوش میں نہیں معلوم ہوتے تھے... پھر میں برا برداںے تاریک  
کمرے ہی میں رک کر انتظار کرتی رہی تھی... شاید موقع مل ہی جائے۔“

”چا تو کہاں سے مل گیا تھا۔“

بادرپی خانے سے لائی تھی.... کئی گھنٹے اس عمارت میں گزار چکی ہوں جانتی تھی کہ کہاں  
کیا مل سکے گا۔ جب تم نے کافی کا تذکرہ شروع کیا تو میں نے سوچا ممکن ہے وہ کافی کے لئے باہر  
جائے۔ اس لئے سید ہمی بادرپی خانے پہنچی تھی.... واپس آئی تو معلوم ہوا کہ وہ حقیقتاً اس پر آمادہ  
ہو چکا ہے کہ تمہارے لئے خود کافی تیار کرے۔ لیکن آخر تم نے کیا سوچ رکھا تھا؟“

”میں بھی اُسے کمرے سے باہر بھیجا چاہتا تھا۔ کسی قدر نئے میں تھا... بھرے میں  
آگیا... ورنہ اس سے زیادہ چالاک آدمی اس وقت شاید ساری دنیا میں کوئی دوسرا نہ ملے۔“

”کمرے سے بھیج دینے کے بعد ہمی کیا کر لیتے۔ جکڑے تو ہوئے تھے کرسی سے۔“

”کسی موم تھی سے رکی جلاتا۔“

”خطرناک کوشش ہوتی۔“

عمران کچھ نہ بولا۔ کارپکچ راستے سے اب پختہ سڑک پر آگئی تھی۔

”یہ آخر ہے کون۔“

”ایک انتہائی درجہ خطرناک مجرم... پروفیسر راشد کے قتل میں اسی کا ہاتھ ہے۔“

”میرے خدا... تو کیا یہ دشمن... وہی ہو سکتا ہے... جس کا تذکرہ ذائزی میں ہے۔“

”سو فیصدی بھی ہے؟“

سنگ ہی سنجیدگی سے بکھر سوچنے لگا۔ پھر سر ہلا کر بولا۔ ”ٹھیک کہتے ہو۔ میں بہک گیا تھا۔ یہ  
چو تھی بوتل ہے۔ شاید کچھ نہ ہو گیا ہے.... میں تمہیں کافی پلاوں گا۔ پیارے فکر نہ کرو....  
لیکن تازہ دودھ مہیا کرنا مشکل ہو گا.... ذبے والا پسند کرتے ہو یا نہیں۔“  
”چل جائے گا۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔

سنگ ہی اٹھا... اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

عمران کی یہ حرکت حقیقتاً کافی تکم محدود نہیں تھی۔ اس نے اس کا تذکرہ چھیڑ کر اندازہ کرنا  
چاہتا تھا کہ عمارت میں کتنے آدمی موجود ہیں۔ دوسری بات یہ کہ وہ اُسے کمرے سے ٹالنا چاہتا تھا۔  
ہاتھ پر جکڑے ہوئے تھے.... لیکن ذہن تو کام کر رہا تھا.... اس نے سوچا تھا کہ اگر وہ  
دوسرا پندرہ منٹ کے لئے بھی کمرے سے ٹل جائے تو وہ رہائی کے لئے جدوجہد کر سکے گا۔ کمرے  
میں مختلف جگہوں پر کئی موسم بتیاں روشن تھیں.... وہ اپنے جسم سے لپٹی ہوئی رسی کو جلانے کی  
کوشش کرتا۔

اس نے اس دروازے کی طرف دیکھا جس سے گذر کر سنگ باہر گیا تھا۔ پھر اپنی کرسی کو میز  
کی طرف کھکھانے کی کوشش کرنے لگا۔ میز پر بھی دو موسم بتیاں رکھی ہوئی تھیں۔  
دفتارہ چونک کرمزا... باہمیں جانب سے کسی قسم کی آواز آئی تھی۔ باہمیں جانب والا دروازہ  
تھوڑا سا کھلا اور پھر ساجدہ پوری طرح روشنی میں آگئی۔  
”ارے۔“

ساجدہ عمران کی طرف چھپی۔ اس کے ہاتھ میں چا تو تھا۔ بڑی تیزی سے اس کی رسیاں  
کاٹنے لگی۔

”چلو نکل چلو... بادرپی خانہ یہاں سے کافی فاصلے پر ہے۔“

”لیکن پھر یہ آدمی دوبارہ ہاتھ نہ آئے گا.... میں اسے ساتھ ہی لے جاؤں گا۔“ عمران بولا۔  
”محافت نہ کرو... بڑی مشکل سے میں نے....“ اس نے جملہ پورا نہیں کیا بوکھلائے  
ہوئے انداز میں دروازے کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

عمران نے بھی سوچاںی الوقت نکل ہی چلتا چاہئے۔ ورنہ اگر یہ لڑکی ہاتھ سے ٹھیکی تو پھر کچھ نہ  
ہو سکے گا۔ وہ تیزی سے باہر نکلے چلے آئے۔

”گاڑی کہاں ہے؟“ عمران نے پوچھا۔

”بہت دور چھوڑ آئی ہوں... پیدل چلتا چڑے گا؟“

”کیا تم میری الجھن رفع کر سکوگی؟“  
 ”کیا بات ہے؟“  
 ”پروفیسر نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔“  
 ”وہ جملہ.... ان لوگوں کیلئے قطعی طور پر با معنی اور مکمل ہے جن کے لئے تحریر کیا گیا تھا؟“  
 ”کن کے لئے۔“

”اجنبیں کے افراد کے لئے اس میں ایک پیغام موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ قتل ہی کے  
 جاتے تو ان کی جیب سے وہ ڈائری ضرور برآمد ہوتی اور اس تلقی کی خبر کے ساتھ ڈائری کا تذکرہ  
 اخبارات میں بھی آتا۔ اور اس ناکمل جملے کی تشریف ہوتی۔ پیغام جن کے لئے تھا انہیں مل  
 جاتا۔ اس جملے میں جتنے بھی حروف استعمال کئے گئے ہیں ان میں کچھ ایسے حروف بھی موجود ہیں  
 جنہیں دوبارہ ترتیب دیا جائے تو بنے گا۔ ساجدہ جانتی ہے؟“  
 ”کیا جانتی ہے....!“

”ذرادم لوپولیس کے ایجنت صاحب۔“

”تمہاری مرضی۔ اب اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں پوچھوں گا۔ پہلے ہی تمہیں یقین دلانے  
 کی کوشش کر چکا ہوں کہ میں صرف اپنی پوزیشن صاف کرنا چاہتا ہوں۔ پولیس مجھ پر مقدمہ قائم  
 کر چکی ہے۔ پروفیسر میرے ہی دروازے پر مرا تھا۔ پھر پروفیسر کے یہاں پائی جانے والی تصویر  
 بھی تین آدمیوں کو چٹ کر گئی۔ ایک انپکٹر نے میرے ہی توجہ دلانے پر ایک پھر کو تو زنے کی  
 کوشش کی اور فنا ہو گیا۔ تم ہی بتاؤ ایسے حالات میں مجھے کیا کرنا چاہئے۔“

”تصویر کیسے تین آدمیوں کو چٹ کر گئی؟“ ساجدہ نے پوچھا۔  
 عمران اُسے بتانے لگا۔

اس کے خاموش ہونے پر ساجدہ کچھ نہ بولی۔ عمران تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر بولا۔  
 ”اب بتاؤ میری پوزیشن کیسی ہے۔“  
 ”ہاں... آں... لیکن کیوں...؟ یہ آدمی تمہارے پیچھے کیوں پڑا ہوا ہے۔“ ساجدہ نے پوچھا۔  
 ”نہیں تو.... میں ہی اتفاق سے اس کے پیچھے پڑ گیا ہوں۔ پہلے تو اس نے بہت کوشش کی  
 تھی کہ میں پیچ میں نہ کو دوں....!“  
 ”تو پھر.... تو پھر تم کیوں کو د پڑے....!“

”دوسروں کے پھٹے میں ناگہ اڑانا میری ہاہلی ہے۔“  
 ساجدہ او گھنٹے لگی تھی.... عمران چاہتا بھی تھا کہ وہ سوہی جائے تو بہتر ہے کیونکہ وہ اس  
 وقت اُسے داش منزل لے جانا چاہتا تھا.... راتا بیکس سنگ ہی اور اُس کے آدمیوں کی  
 نظر وہ تین آچکا تھا۔

”کیا تمہیں نیند آ رہی ہے۔“ عمران نے پوچھا۔

”کیوں نہ آئے۔“ وہ چوک کر بولی۔ ”بچھل رات سے جاگ رہی ہوں۔“

”اوہ تو پھر تم بچھلی سیٹ پر جا کر آرام سے سو جاؤ۔“

”مگر ہم جائیں گے کہاں۔“

”یہ مجھ پر چھوڑ دو.... اگر مجھے اپنا دشمن بھی سمجھتی ہو تو دو چار دن کے لئے مجھ پر اعتماد کرو  
 اسی میں بھلائی ہے۔“

”اچھا دار لگ پولیس افادر مر....!“ اُس نے اگڑاٹی لے کر کہا اور بچھلی نشست پر پہنچنے کی  
 کوشش کرنے لگی۔

کار نیزی سے راستہ طے کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد عمران نے اُسے آواز دی۔ لیکن جواب نہ  
 ملا اس نے سوچا یہ بڑی اچھی بات ہے وہ اُسے داش منزل لے جانا چاہتا تھا کہ وہ اس کے محل و قوع  
 سے آگاہ نہ ہو سکے۔

داش منزل پہنچ کر رہی اُس نے اُسے جگایا۔ گاڑی کپاونڈ میں کھڑی کی تھی.... ہاتھ پکڑ کر  
 اُسے عمارت کے اندر لے گیا۔

ساونڈ پروف کر کرے میں پہنچ کر ساجدہ بولی۔ ”ارے تم تو پھر مجھے دہیں لے آئے۔“

”یہی ایسی جگہ ہے جہاں وہ تم پر باتھ نہ ڈال سکے گا۔ تم شاید اُس کے لئے بہت اہم ہو۔ میرا  
 خیال ہے اب پھر سو جاؤ۔“

پھر وہ اُسے وہاں چھوڑ کر باہر آگیا تھا۔

اُس کی پلکیں بھی نیند سے بو جھل ہو رہی تھیں.... پہلے اس نے سوچا تھا کہ اسی وقت وہاں  
 اپنے ماتحتوں کو طلب کرے گا.... لیکن پھر اس خیال کو ترک کر کے سونے کے لئے لیٹ گیا تھا۔

”دوسری صبح دن پڑھے تک سوتا رہا۔ کئی راتوں کی تھکن گھرے نشے کی طرز ذہن پر طاری  
 ہو گئی تھی۔“

منہ دھونے کے لئے داش میکن پر جھکا تو ایک جگہ رویڑھ کی بڑی چمک ہی گئی۔ ایسی شدید

”تمہاری تیکم کہاں ہے۔“  
 ”کیا تم نے ابھی تک اندازہ نہیں لگایا کہ میں کتنا بے غم ہوں۔“  
 ”اوہ تو تمہاری بیوی واقعی نہیں ہے۔“  
 عمران نے خم تاک انداز میں سر کو جبش دی۔  
 ”آخر کیوں...؟“

”میرے عادات و اطوار خطرناک ہیں۔ کوئی بھی عورت چوبیں گھننے کے نوٹس پر بیوہ ہونا پسند نہ کرے گی۔“  
 پھر ساجدہ ناشتے کے انتظامات میں لگ گئی تھی۔  
 ناشتے کی میز پر عمران دیر سے پہنچا کیوں کہ آپریشن روم سے اپنے ماخنوں کو فون کر تارہ تھا۔  
 ناشتے کے دوران میں اُس نے کئی بار ساجدہ کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ اس نے اتنی لذیذ چیزوں عرصہ سے نہیں چکھی تھیں۔

”ختم کرو...!“ ساجدہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”تاواہ میرا کیا ہو گا۔ ابھی تک میں یہ سمجھنی رہی تھی کہ یہ انجمن بیباکاں کوئی غیر قانونی کام نہیں کر رہی لیکن اب پچھلی رات سے تمہارے خلاف ان لوگوں کا جوش و خروش دیکھ کر سوچنا پڑا ہے کہ کہیں میں غلطی پر تو نہیں تھی۔“

”لیکن تم نے ابھی تک مجھے نہیں بتایا کہ انجمن بیباکاں کے مقاصد کیا ہیں۔“  
 ”ظاہر تواجھے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا مسلک بیباکی.... جو کچھ کرنا ہے بیباکی سے کر گزرو۔.... بہتری ایسی باتیں جو قانوناً درست ہو سکتی ہیں۔ لیکن رسم و رواج ان کی اجازت نہیں دیتے۔ مثال کے طور پر دو بالغ عورت اور مرد آپس میں قانوناً شادی رچا سکتے ہیں لیکن چونکہ ہمارے معاشرے کی روایات کے یہ خلاف ہے اس لئے اسے معیوب سمجھا جاتا ہے۔.... ہماری انجمن کہتی ہے کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔۔۔ وہ بڑی بیباکی سے ایسے افراد کو مدد دیتی ہے۔“

”ارے تو اس کا نام انجمن معاونین عشق رکھا جاسکتا ہے۔ یہ بیباکاں کیا بلاء ہے۔“  
 ”یہ لوگ اس قسم کے کام انجام دینے کے سلسلے میں اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتے۔ ابھی پچھلے دنوں ہم میں سے ایک آدمی نے اپنی بیوی کو اس کے محبوب کے ساتھ نکل بھاگنے میں مدد دی تھی۔“  
 ”تب تو پھر میری شادی بھی کچھ مشکل نہیں۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔  
 ”وہ لوگ ایسے تاجریوں کو مدد دیتے ہیں جو دوسرا سے تاجریوں کے مقابلے میں مار کھا رہے ہوں۔.... غیر ملکی بازاروں مکان کی اعانت کرتے ہیں۔“

”یف ہوئی تھی کہ فوراً ہی سیدھا ہو جانا پڑا تھا۔“  
 اور اب اُسی جگہ جہاں چمک سی محسوس کی تھی اچھا خاصاً درد تھا۔۔۔ اُس کا ذہن پچھلی رات کے واقعات دہرانے لگا۔۔۔ یہ تکلیف۔۔۔ یہ درد۔۔۔ وہ سوچ رہا تھا۔۔۔ پچھلی رات اُس وقت ہی محسوس ہوا تھا جب سنگ ہی جوک کی طرح اس سے لپٹ گیا تھا۔۔۔ اس وقت بھی اُسی جگہ خصوصیت سے اس کی انگلیاں زیادہ قوت صرف کر رہی تھیں۔

عمران نے پشت پر ہاتھ لے جا کر ریڑھ کی ہڈی کا دکھتا ہوا حصہ ٹوٹا۔۔۔ اسے یاد آیا اُس درد کی شدت کے ساتھ ہی اس کا ذہن بھی تاریکیوں میں ڈوبتا گیا تھا۔۔۔ ہاتھ پیکر بیکار ہو کر رہ گئے تھے۔۔۔ اس طرح سنگ ہی اس کی بیہوٹی کے دوران میں اُسے باندھ لینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔۔۔  
 وہ خیالات میں ڈوبا ہوا اس نیکن کے پاس سے ہٹ آیا۔ ساجدہ ابھی تک ساؤٹ پروف کر رہی میں بند تھی۔۔۔ عمران نے اُسے باہر نکالا، اور وہ اُس پر جھپٹ پڑی۔

”تو تم نے مجھے قید کر رکھا ہے۔۔۔ کیوں؟“  
 ”نہ۔۔۔ نہیں تو۔۔۔ اوہ۔۔۔ کرہ یہ۔۔۔ یہاں مچھر نہیں داخل ہو سکتے اسی لئے؟“  
 ”میں پچھے نہیں کب سے جاگ رہی ہوں۔۔۔!“  
 ”جلدی اٹھنا صحت کے لئے مفید ہے؟“ عمران سر ہلا کر بولا۔  
 ”اور دیر سے ناشتہ کرنا بھی۔۔۔!“ ساجدہ نے طنزی بچھے میں کہا۔  
 ”قطعی نہیں! لیکن جب گھر میں کوئی عورت موجود نہ ہو تو اکثر فاقوں کی بھی نوبت آ جاتی ہے!  
 مجھے تو اٹھا لٹھا بھی نہیں آتا۔۔۔!“

”بادرپی خانہ بھی ہے یہاں یا وہ بھی نہیں۔“ ساجدہ نے بوکھلا کر پوچھا۔  
 ”بہت بڑا۔۔۔ بہت بڑا بادرپی خانہ۔۔۔ ضرورت کی ہر چیز موجود ملے گی۔“  
 ”مجھے دکھاؤ۔“  
 عمران اُسے بادرپی خانے میں لایا۔۔۔ وہ چاروں طرف حیرت سے دیکھ رہی تھی۔  
 ”مجھے حیرت ہے۔“ وہ بالآخر بولی۔  
 ”کس بات پر۔۔۔!“  
 ”اتی بڑی کوٹھی ہے۔۔۔ اور ایک ملازم بھی نظر نہیں آتا۔“  
 ”پچھلے سال ایک رکھا تھا۔۔۔ چھ ماہ بعد اس کجھت نے کہنا شروع کر دیا اب میری شادی کرنا وہ بچھے۔۔۔ آخر کب تک خود ہی کھانا بھی پکاؤں گا۔“

وہ اندر آئے۔ تویر کے سر پر پی بند ہی ہوئی تھی اور وہ بھی میک اپ میں تھا کیونکہ اُس کے متعلق بھی عمران کو شہبہ تھا کہ وہ بھی سنگ ہی کی نظروں میں آپکا ہے بلیک زیر و نے ان سکھوں کو ایکس نو کی آواز میں ہدایت دی تھی کہ وہ دانش منزل پہنچیں جہاں عمران ان کا منظر ہے۔ لہذا وہ خاموش کھڑے عمران کی طرف مستفسر ان نظروں سے دیکھتے رہے۔

و فتح عمران نے کیپٹن خاور پر چھلانگ لگائی۔ اور اُس سے لپٹا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ خاور اُسے ارے کرتا رہ گیا تھا۔۔۔ دوسرا ہے کا لکارہ گئے۔ خاور عمران کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر قبل اس کے وہ لوگ دونوں کو الگ کرنے کے لئے آگے بڑھتے عمران خود ہی اُسے چھوڑ کر ہٹ گیا۔ خاور بے حس و حرکت فرش پر پڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ گھری گھری سانسیں لے رہا تھا۔



ایسا معلوم ہوا تھا جیسے بقیہ لوگوں کو سکتے ہو گیا ہو۔۔۔ پھر تویر خاور کی طرف جھپٹا اُس کے قریب بیٹھ گیا اور جھک کر اُسے ہلا جلا کر دیکھتا ہوا پھر اچھل کر عمران کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔  
”وہ بیہو ش ہو گیا ہے؟“

”توسر پر کیوں چڑھے آرہے ہو۔۔۔!“ عمران نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دھکا دیا۔  
”تم لوگ خاموش کھڑے دیکھ رہے ہو۔۔۔!“ تویر جلا کر اپنے ساتھیوں کی طرف مزار لیکن وہ کچھ نہیں بولے۔ البتہ ان کی آنکھوں میں بھی احتجاج تھا۔

عمران کے لئے تویر کی نفرت کا کیا پوچھنا۔۔۔ شاید ان سکھوں میں سے کوئی بھی اُس سے اتنا خارش کھاتا رہا ہو۔ اس کی وجہ تھی جو لیانا فنٹر والر جو اس کی ”سنجیدگی“ کو ٹھکر کر عمران کی حماقتوں میں دلچسپی لیتی تھی۔

”کیا تم بھرے ہو گئے ہو۔“ تویر دونوں ہاتھ ہلاکر چیخنا۔  
”اندھے کھو۔۔۔!“ عمران نے سنجیدگی سے کہا۔

”میں تمہیں مار ڈالوں گا۔۔۔!“ تویر پھر جھپٹا۔۔۔ لیکن اس بار صدر نے ان کے درمیان آکر ٹکراؤ کے امکانات ختم کر دیئے۔  
”ہو سکتا ہے انہیں خاور سے کوئی شکایت ہو۔“ اُس نے کہا۔

”لیکن پولیس سے بھی ڈرتے ہیں۔۔۔ کیوں؟“

”یہی بات تو بھجھ میں نہیں آتی۔“

”خیر، لیکھیں گے۔ اب پروفیسر اشاد کی طرف آؤ۔“

”وہ تو بہت اچھے آدمی تھے۔۔۔ انہوں نے میرے ذمہ صرف اپنے ہی کام لگارکے تھے۔ اپنے تھی خطوط لکھواتے تھے اور ان کے کاغذات کی دیکھ بھال میں بھی کرتی تھی۔“

”تم اس کی کوئی میں کیوں گھسنے چاہتی تھیں۔“

”بتاب تو چکی ہوں کہ ان کے کاغذات حاصل کرنا چاہتی تھی جواب انہیں کے نائب صدر کی تحویل میں رہیں گے۔ پروفیسر کی ڈائری والے اوھوڑے پیغام میں یہی تو کہا گیا تھا کہ ساجدہ جانتی ہے یعنی وہ جگہ ساجدہ جانتی ہے جہاں کاغذات رکھے ہوتے ہیں۔ کوئی کے گرد پولیس کا پہرہ تھا۔ لیکن میں کاغذات نکال لانے کا وعدہ کر کے جل پڑی تھی۔“

”پھر اب کیا سوچا ہے تم نے۔“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ آخر وہ لوگ تم سے کیوں خائف ہیں اور پروفیسر تمہارے پاس کیوں گیا تھا؟ کیا تم ہی اُس کے وہ دشمن تھے؟“

”میں نے تو اس سے پہلے بھی اُس کی صورت بھی نہیں دیکھی تھی۔“

”لیکن ان کے یہاں تمہاری تصویر۔۔۔؟“

”میں پوچھتا ہوں تم نے کب دیکھی تھی وہاں میری تصویر۔۔۔!“

”بھی نہیں۔۔۔!“

”وہ پروفیسر کی موت کے بعد ہی وہاں رکھی گئی تھی۔“

”کس نے رکھی تھی؟“

”تم بھول کیوں جاتی ہو۔ پہلے ہی بتا چکا ہوں یہ اُس آدمی کی حرکت تھی جس سے بچپن رات ہم دوچار ہوئے تھے۔۔۔!“

ساجدہ کچھ کہنے ہی ولی تھی کہ باہر سے کسی نے گھٹنی بجائی وہ ناشتہ کر چکے تھے۔ عمران نے ساجدہ سے کہا کہ وہ پھر تھوڑی درکیلے اسی کمرے میں چلی جائے۔ ساجدہ نے وجہ پوچھے بغیر تعلیم کی۔ اور پھر عمران نے صدر دروازہ کھولا۔۔۔ جو لیا اور بلیک زیر و کے علاوہ اس کے سارے ماتحت برآمدے میں موجود تھے۔ صدر کو اس نے ہدایت دی تھی کہ وہ میک اپ میں آئے کیونکہ سنگ ہی اُسے جو لیا کی دوست کی حیثیت سے جانتا تھا۔

”ایک تجربہ تھا جو میرے خیال کے مطابق کامیاب رہ۔ چھلی رات میں بھی اسی طرز  
بیہوش ہو گیا تھا۔ سخت نہامت ہوئی تھی لیکن آج صحیح اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس میں اس کی  
قوت سے زیادہ حکمت عملی کا داخل تھا.... اس نے ریڑھ کی ہڈی پر ایک جگہ خصوصیت سے زیادہ  
دبارڈا لاتھا.... اور میں ذہنی طور پر معلوم ہوتا چلا گیا تھا؟“

”وہ کون تھا....؟“

”اور....!“

”آخر یہ ہے کیا بلہ.... اور کیا چاہتا ہے۔“

”پروفیسر راشد کا قتل اس کی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نے مجھے اس میں ملوث کرنے  
کی کوشش کی تھی اور یہ کوشش اب بھی جاری ہی ہے.... ہوں.... اچھا دیکھو کوئی کوشش کو ضمانت پر  
رہا ہو تاچاہئے؟“

”اوہ.... تو کیا واقعی....!“

”ہاں....؟“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”تجھوڑی تھی۔ دوسرے مجھے وہاں بھی چھاننے کی کوشش  
کی تھی۔ اگر میں انہیں نہ مارتا تو وہ مجھے مارڈا لتے۔“

۔ صدر کچھ نہ بولا۔ ویسے وہ عمران کو اسی طرح دیکھے جا رہا تھا۔ جیسے اچاک کوئی عجوبہ سامنے  
آگیا ہو۔

”ٹھوڑی دیر بعد اس نے پوچھا۔ ”اب کیا کرتا ہے؟“

”تم سب پروفیسر راشد کی کوئی کیسے آس پاس موجود ہو۔۔۔ پولیس والے اس نکتہ نظر سے  
کوئی کی ٹکرائی نہیں کر رہے جو ہمارا ہے۔“

”ہمارا کیا نکتہ نظر ہے؟“ صدر نے پوچھا۔

”فی الحال اتنا ہی سمجھ لو کہ وہاں کسی اجنبی کا داخلہ ہمارے لئے دشواریاں پیدا کر سکتا ہے۔“  
”اگر وہ اجنبی پولیس ہی کے کسی آفسر کیستھ کوئی میں داخل ہو جائے تو ہم کیا کر سکیں گے۔“

”کم از کم مجھے اطلاع تدوے ہی سکو گے؟“

”آخر ہے کیا چکر....!“

”اس کی فکرنا کرو۔ کوئی کے لئے کیا کرو گے۔“

”یہاں سے جانے کے بعد صورت حال کا جائزہ لوں گا؟“

”تواب جا بھی چکو کسی صورت سے؟“

”اگر وہ کسی شکایت کی بناء پر اُسے بیہوش کر سکتا ہے تو میں بہتری شکایت کی بناء پر اُس کا  
خاتمه ہی کیوں نہ کرو۔“ تنویر ہانپا ہوا بولا۔

”مارڈا لو۔ مجھے چیخ مارڈا لو....“ عمران نے روپا نی کی آواز میں کہا۔ ”تاکہ ان چھنگھوں سے  
چیچھا ہی چھوٹ جائے۔ تمہارے چیف ایکس ٹونے ویسے ہی زندگی تباہ کر کی ہے۔“

”مگر یہ کیا کیا جتاب نے۔“ سارجنٹ نعمانی نے بیہوش خاور کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔  
”اب مجھے کیا معلوم تھا کہ تم لوگوں سے بغل کیر ہوتا بھی خطرے سے خالی نہیں۔“

”میں برداشت نہیں کر سکتا۔“ تنویر نے پھر جھینکنے کی کوشش کی۔  
”جب تک سر پر پنی بند ہی ہوئی ہے برداشت ہی کرنے کا مشورہ دوں گا۔“ عمران نے نشک  
لنجھ میں کہا اور صدر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”کوئی نئی خبر....!“

”چھلی رات.... وو قتل ہوئے ہیں۔“ صدر نے خاور پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

”ظفر اور درانی....!“ تنویر عمران کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا غریبا۔

”رپورٹ....!“ عمران بدستور صدر سے مخاطب رہا۔  
”کوئی نامی چینی رقصہ نے چھلی رات فون پر پولیس کو اطلاع دی تھی کہ دو آدمی ایک  
آدمی کا تعاقب کرتے ہوئے اس کے مکان میں گھس آئے تھے.... دونوں کے ہاتھوں میں چاؤ  
تھے.... وہ اس کمرے سے نکل بھاگی تھی اور خود کار دروازہ بند ہو گیا تھا۔ پھر اس نے چینی سنی  
تھیں۔ ڈر کے مارے بھکی کا میں سوچ آف کر دیا تھا پولیس وہاں پہنچی.... خود کار دروازہ باہر سے  
کھولا گیا.... کمرے میں دو لاشیں نظر آئیں۔ تیرے آدمی کا کہیں پہنچا نہ تھا۔ کوئی زیر حرast  
ہے کیونکہ وہ تیرے آدمی کا حلیہ نہیں بتا سکی تھی۔“

”تم میرے ساتھ آؤ۔“ عمران نے صدر سے کہا۔ اور دوسروں سے کہتا گیا۔ ”خاور کو خواب  
گاہ میں لے جاؤ۔“

ان کے چہروں پر غصے کے آثار تھے۔ لیکن کوئی کچھ بولا نہیں کیوں کہ وہ ایک ٹوکرے حکم  
کے مطابق یہاں عمران سے ملنے آئے تھے۔ عمران صدر کو ایک کمرے میں لایا۔

”یہ کیا کیا آپ نے عمران صاحب۔“ صدر نے کچھ دیر خاموش رہ کر پوچھا۔

”کس واقعی کی طرف اشارہ ہے؟“

”خاور....!“

”جارہا ہوں؟ لیکن خاور کا معاملہ کسی طرح بھی ان کے ذمہ نہ کر اسکوں گا۔ وہ سب بہت زیادہ جھلائے ہوئے ہیں۔“

”میں برادر کردوں گا..... تم چلو تو....!“ عمران اُسے دروازے کی طرف دھکیتا ہوا بولا۔ وہ پھر اُس بیڈروم میں آئے جہاں وہ لوگ خاور کو اٹھا لے گئے۔ خاور ہوش میں تھا... جیسے ہی اس نے عمران کی طرف نظر اٹھائی عمران ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

”بُرے بھائی گستاخی معاف..... مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔“

”لیکن یہ اس طرح کیسے غلط فہمی ہے؟“ خاور کے لجھے میں شرمندگی اور غصے کی جھلکیاں تھیں۔ ”یاد میرا غمزپھر ارتا ہے آج کل۔ مجھے کچھ ایسا محسوس ہوا تھا جیسے تمہارے میک اپ میں یہاں اور کوئی گھس آیا ہو.... درنہ تم خود سوچو مرادیغ تو خراب ہوا نہیں تھا۔“

”تم پاگل کتے سے بھی بدتر ہو....!“ توری چین کر بولا اور عمران اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ پھر بوكھلائے ہوئے لجھے میں خاور سے پوچھنے لگا۔ ”کیا میں نے کاث بھی کھایا تھا۔“

”میں ایسا نہ اپنے پند نہیں کرتا؟“ خاور کی آواز بدستور غصیل تھی۔ پھر وہ کسی قدر چونکر بولا۔ ”لیکن میں بیویوں کیوں ہو گیا تھا۔ میں تم سے کمزور تو نہیں ہوں؟“

”بیویوں ہو گئے تھے؟“ عمران اچھل پڑا اور تھوڑے توقف کے بعد بولا۔ ”بھائی خدا کے لئے دیکھو کہیں میں نے کج چیز کاث کھایا ہو؟“

صدر کے علاوہ سب ہی عمران کو نہ راحلا کہتے ہے اور کچھ دیر بعد صدر انہیں باہر لے گیا۔ عمران ساؤنٹر پروف کرے میں آیا۔ ساجدہ صوفی پر لیٹی ہوئی تھی۔ اُسے دیکھ کر اٹھ بیٹھی۔

”میں نے کہا دوپھر کا کھانا...!“ عمران مسکرا کر بولا۔ ”میں باورچی نہیں ہوں۔“ وہ جھنجلا گئی۔

”کہنے کا مطلب یہ کہ باورچی خانے کا راستہ تو جانتی ہی ہو گی۔“

”مجھے یہاں کب تک رہنا پڑے گا۔“

”ارے تمہارا گھر ہے.... جب تک می چاہے رہو۔“

”میں باہر جانا چاہتی ہوں۔“

”لیکن یہ بھی سن لو کہ ہی شہر سے باہر ہی کوئی مسے نہ گھوگھی؟“

”کیوں...؟“

”انجمن بیباکاں کے کارکن بھی تمہاری علاش میں ہوں گے اور وہ آدمی داوز بھی.... کہ

کے ہتھے چڑھ گئیں تو وہ تمہاری پوچھا نہیں کرے گا۔“

ساجدہ کچھ نہ بولی غالباً وہ سمجھی گی سے اس پر غور کرنے لگی تھی۔

تو ہوڑی دیر بعد بولی۔ ”تم تھیک کہتے ہو۔ لیکن پھر آخر میں کیا کروں....!“

”ہوں.... اوں.... ممکن ہے کہ میں تمہاری حفاظت کا ذمہ لے سکوں.... لیکن اس صورت میں جب تم اس جگہ کی خشاندگی کر دو، جہاں پر وہ فیر کے کاغذات رکھے ہوئے ہیں۔“

”تمہیں ان کاغذات سے کیا سر و کار....؟“

”کچھ نہ کچھ سر و کار تو ہو گا ہی! درنہ یوں ہی خواہ تجوہ پولیس میرے پیچھے پڑ گئی.... اور اسے مرنے کے لئے میرے ہی فلیٹ کی بالکل نصیب ہوئی تھی۔“

ساجدہ پھر خاموش ہو گئی۔ چیرے پر ذہنی کشمکش کے آثار تھے... عمران کی نظر کچھ دیر اس کے چیرے پر ہی پھر وہ دوسری طرف دیکھنے لگا۔ وہ اس سے فصلہ کن جواب چاہتا تھا۔

”لیکن اگر میں بتا بھی دوں تو تم وہاں پہنچو گے کیسے؟ وہاں تو پولیس کا پہرہ ہے۔“

”اسی طرح پہنچوں گا جیسے تم پہنچنے کی کوشش کرنے والی تھیں....!“

”اوہ.... وہ چور دروازہ....!“ ساجدہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ”لیکن میں اس تک بھی تو نہ پہنچ سکی تھی۔“

”پہنچ ہی جاتیں اگر سنائے میں وہ اچانک آوازنہ گوئی۔ تم سمجھی تھیں اب پولیس کے پھرے دار چاروں طرف دوڑنا شروع کر دیں گے کہیں تمہیں ہی نہ آلیں۔ لہذا تم نے اس گڑھے میں چھلانگ لگادی تھی۔“

ساجدہ مسکرائی اور بولی۔ ”تم سے پار پانچال ہے... ہاں وہ چور دروازہ اسکی ہی جگہ ہے کہ کسی کا خیال اُدھر نہیں جا سکتا۔ میں یقیناً کامیاب ہو جاتی۔ اگر وہ آواز....!“

”ہاں تو پھر....؟ جلدی سے بتاوو....؟“

”بادرچی خانے کا راستہ مجھے معلوم ہے؟“

”باتوں میں اڑانے کی کوشش نہ کرو۔“

”اگر میں ابھی بتاووں تو تمدن کے اجائے میں اُدھر جانے کی ہمت نہ کر سکو گے۔ کسی نہ کسی کی نظر پڑھی جائے گی۔ لہذا نی احوال صبر کرو۔ وہ پھر کے گھلائے کا نتظام اسی سے نیا ہد ضروری ہے۔“

عمران نے مٹھنڈی سائنسی اور سعادت مندانہ انداز میں سربراک کہا۔ ”اچھا چلو یہی سمجھی۔“

اُس نے سوچا شاید وہ اس مسئلے پر مزید غور کرنا چاہتی ہے جلو کیا نہ رہے سوچنے دو۔ جتنا

موم پے گی اتنی ہی بور ہو گی اور بالآخر بتاہی پڑے گا۔  
پھر اس سے کمرے سے نکلنے کو کہنے ہی والا تھا کہ سوچ بورڈ سے لگا ہوا سرخ بلب روشن  
ہو گیا... عمران نے اس سے کہا۔ "تم نہیں شہرو... میں ابھی آیا...!"  
باہر نکلا تو سامنے والے کمرے سے فون کی گھٹتی کی آواز آری تھی۔ سرخ بلب کاروشن ہونا  
فون کاں ہی کا اشارة تھا... وہ تمیزی سے آگے بڑھا...  
فون پر دوسرا طرف صدر تھا اور جلدی جلدی کہہ رہا تھا۔ "کسی نے کیپٹن فیاض کو گولی  
ماری... پروفیسر کی کوئی تحریک... یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ زندہ ہے یا  
مر گیا... میں قریب ہی کی ایک کوئی سے آپ کو اطلاع دے رہا ہوں۔"

ہوئی گزر گئی ہے ہڈی محفوظ ہے۔ بس کچھ دیر کے لئے یہوش ہو گیا تھا۔ اس وقت پولیس ہسپتال  
کے اپنیل وارڈ میں عیش کر رہا ہے۔"  
”وہ پروفیسر کی کوئی تحریک میں کیا کر رہا تھا اس وقت۔“  
”ایک آدمی اور بھی اُس کے ساتھ تھا اس شہر کا مشہور ماہر تعمیرات...!“  
”ماہر تعمیرات...!“ عمران نے جرأت سے دہرا لیا۔ ”کیوں؟“  
”پتہ نہیں.... غالباً وہ اُس سے اس عمارت کے متعلق کچھ معلوم کرنا چاہتا تھا۔“  
”ماہر تعمیرات کا نام اور پتہ...!“ عمران کے لمحے میں اضطراب تھا۔  
”موہن پر کاش ماہر تعمیرات کا نام تو آپ نے سنائی ہو گا۔“  
”موہن پر کاش...!“ عمران بولا۔ میں جانتا ہوں وہ کہاں رہتا ہے۔ لیکن اس وقت کہاں ہے۔  
”ہسپتال میں.... فیاض کے پاس۔“  
”اچھی بات ہے۔ اب تم اُس پر نظر رکھو... جیسے ہی اپنے گھر پہنچے مجھے اطلاع دیں۔“  
”بہت اچھا۔ لیکن دوسروں کو اب کیا کرنا ہے۔“  
”پروفیسر کی کوئی نگرانی۔ لیکن کسی کو اس کا شاپہ بھی نہ ہونا چاہئے کہ پولیس کے علاوہ کچھ  
اور لوگ بھی اس عمارت میں دلچسپی لے رہے ہیں۔“  
”بہتر ہے.... کوشش کی جائے گی اور کچھ...؟“  
”نہیں...!“ عمران نے کہا اور خود ہی سلسلہ منقطع کر دیا۔  
اب پھر وہ ساؤنڈ پروف کمرے کی طرف جا رہا تھا۔  
اس بار ساجدہ اچھے مودہ میں نہ دکھائی دی.... ویسے عمران بھی بہت زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا  
تھا.... وہ تھوڑی دیر تک ایک دوسرا کو گھورتے رہے پھر عمران بولا۔  
”حالات بہت خراب ہو گئے ہیں... اب مجھے تاریکی میں نہ رکھو۔“  
”میں نہیں سمجھی۔“  
”مجھے اُس جگہ کے متعلق بتاؤ جہاں کا غذاء...!“  
”سنو.... میں تنظیم سے غداری نہیں کر سکتی...!“ وہ عمران کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی  
بولی۔ ”میں تمہیں بھیت عمران اس وقت تک نہیں جانتی تھی جب تک تنظیم کے نائب صدر کا  
سامنا نہیں ہوا تھا۔ وہ تمہیں پہچانتا تھا اور مجھے تمہارے ساتھ دیکھ کر میری طرف سے بد گمان  
کر گیا تھا۔ پھر مجھے موقع ہی نہیں مل سکا تھا کہ اپنی صفائی پیش کر سکتی۔“

”لیا بک رہے ہو۔“ عمران نے ماڈ تھپیں میں کہا۔  
لیکن جواب کی بجائے دوسرا طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔ عمران نے بھی  
جھبھلا کر ریسور کھدیا۔  
وہ سوچ رہا تھا کہ رات کی ناکامی کے بعد سنگ ہی کسی جلانے ہوئے کتے کی طرح دوسروں پر  
جھپٹتا پھر رہا ہے۔ فیاض پر جملے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ خود اُس سے بھی پوچھ گجھ کی جائے  
کیونکہ فیاض آج کل ہاتھ دعو کر اُس کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ اُس کی تلاش میں بھی تھا لیکن فی الحال  
اُس نے پند نہیں کیا تھا کہ اس سے رابطہ قائم رکھے۔ اب ایسی صورت میں ایک بار پھر مقامی  
پولیس اُس کے خلاف حرکت میں آجائے گی اور سنگ ہی پولیس ہی کے سہارے اُس تک پہنچنے کی  
کوشش کرے گا۔  
کھلی خطرناک صورت اختیار کر چکا تھا... اُسے فیاض کے متعلق گھری تشویش تھی۔ کچھ  
بھی ہو وہ دونوں دوست تھے۔

وہ فون کی قریب ہی تھہرا رہا... اُسے یقین تھا کہ صدر دوبارہ رنگ کرے گا۔  
خیال غلط نہ نکلا تھوڑی دیر بعد پھر فون کی گھٹتی بھی۔  
”بیلو...!“ عمران نے ریسور اٹھا کر ماڈ تھپیں میں کہا۔  
”صدر...!“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔ ”وہ زندہ ہے... گولی داہنے شانے کو چھینتے

”ہوں....!“ عمران سر ہلاکر بولا۔ ”توب تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ مجھے اس جگہ کے متعلق کچھ نہ بتاسکو گی۔“

”مجھے مجبور نہ کرو... عمران....!“

”اچھی بات ہے تو توب تم ہی جواب دی کرنا....؟“  
”کیسی جواب دی۔“

”مغلہ سراغِ رسانی کا سپرنشنڈنٹ.... ایک ماہر تعمیرات کے ساتھ پروفیسر کی کوئی میں داخل ہو رہا تھا کہ کسی نے اس پر فائز کر دیا.... گوئی اس کے بازو میں لگی ہے؟“

”یہ کب کی بات ہے؟“

”کچھ دیر پہلے کی۔ ابھی مجھے فون پر اطلاع ملی ہے۔“

”تو پھر.... میں کیسے جواب دہ ہو سکتی ہوں اس کے لئے....!“

”مگر یہ تہاری تنظیم ہی کے کوئی آدمی کی حرکت نہیں ہو سکتی....!“

ساجدہ خاموش رہی۔ کچھ سوچ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد بولی۔ ”پھر بھی میں تو جواب دہ سمجھ دیں۔ میں کل سے مختلف آدمیوں کی قید میں رہی ہوں۔ اس وقت بھی یہاں تہاری قید میں ہوں۔“

”اگر میں تمہیں چھوڑ دوں تب بھی تم پولیس کو اس کا یقین نہیں دل سکو گی۔“

”لیکن وہ ماہر تعمیرات کو وہاں کیوں لے جا رہا تھا۔“

”پولیس والے بالکل ہی گھاٹر تو نہیں ہوتے۔ ہو سکتا ہے پروفیسر پہلے ہی سے پولیس کی لست پر رہا ہو اور اب وہ اس عمارت میں تہہ خانوں کی موجودگی کے امکانات کا جائزہ لینا چاہتے ہوں۔“ ساجدہ پھر خاموش ہو گئی۔

عمران اُسے جواب طلب نظرؤں سے دیکھا رہا۔۔۔ تھوڑی دیر بعد بولی۔ ”پروفیسر بہت اچھے آدمی تھے اور کوئی بھی اچھا آدمی ملک و قوم کے مفاد کے خلاف قدم نہیں انداشتا۔۔۔ اگر وہ پولیس کی لست پر رہے بھی ہوں گے تو کسی غلط فہمی کی بناء پر۔!“

”اچھے آدمیوں کے دشمن بھی نہیں ہوتے.... اور نہ وہ ایسے نہ اسرار حالات میں مرتے ہیں اور نہ مرنے سے پہلے اشاراتی زبان میں کوئی پیغام چھوڑ جاتے ہیں۔“

”مجھے الجھن میں نہ بتلا کرو۔۔۔ وہ دفاتر پیش کرائیں بال نوچی ہوئی بولی۔“

”یہاں سے پلے جاؤ۔۔۔ قید رکھنا چاہتے ہو تو قید ہی رکھو مجھے اس کی پرواہ نہیں۔“

”اچھی بات ہے تو سنو....!“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔ ”تہاری تنظیم کی غیر ملک کے لئے جاؤ سی کرتی ہے۔“

”اس کا کیا بیوٹ ہے تہارے پاس....!“

”داور کو تم کیا سمجھتی ہو۔“

”جہنم میں جائے وہ تم مجھ سے میری تنظیم کی بات کرو.... یہ پروفیسر پر الزم ہے۔“

”داور اس کا دشمن کیوں تھا؟ آخر دہ تمہیں کیوں پکڑ لے گیا تھا؟ تم سے کیا معلوم کرنا چاہتا تھا....!“

”ختم کرو.... میں اس سلسلے میں ٹنگلوں نہیں کرنا چاہتی۔“

”اچھی بات ہے.... میں خود ہی دیکھ لوں گا کہ کیا کر سکتا ہوں؟“

”لیکن تم مجھے قید بھی نہیں رکھ سکتے؟“

”تہاری مرضی.... ابھی چل جاؤ یہاں سے.... لیکن تہاری تنظیم کا کوئی آدمی تہاری کھوپڑی میں سوراخ ضرور کر دے گا۔ وہ شکاری کتوں کی طرح یوسو گھنٹے پھر رہے ہوں گے۔ یقین نہ ہو تو ٹھہر و شوت بھی پیش کئے دیتا ہوں۔“

وہ پھر باہر آیا۔۔۔ اور اب پھر فون والے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ یہاں میز پر کئی مقای روزتائے پڑے تھے۔۔۔ جن پر وہ پہلے بھی اپنی سی نظریں ڈال چکا تھا۔۔۔ اس نے وہ سب سیئے اور ساؤنڈ پروف کر رہے میں واپس آگیا۔

”یہ لو....!“ وہ انہیں اس کے سامنے پہنچتا ہوا بولا۔ ”ان میں تلاش گشਦہ کے کالم دیکھتی چلی جاؤ۔ اس کے بعد اپنی خیریت سے مجھے بھی مطلع کر دا۔“

عمران اب سامنے والے صوفے پر نہم دراز آہستہ آہستہ چیو نگم کچل رہا تھا اور وہ اخبارات کے درق الٹ رہی تھی۔

تحوڑی دیر بعد اس نے سر اٹھایا۔ اس کے چہرے پر خوف کے آثار تھے۔

”تھ.... تم.... تھیک کہتے ہو۔“ کافی ہوئی آواز میں بولی۔ ”انہوں نے میری تصویر بھی شائع کر اوی ہے۔“

”ہائی....!“ ~~عمران~~ احقدانہ انداز میں حیرت ظاہر کرتا ہوا بولا۔ ”تو پھر میں نے وہ کھوپڑی میں سوراخ کر دینے والی بات تھیک ہی کہی تھی۔“

”ہاں.... بالکل تھیک ہے؟“

”لیکن یہ اشتہار تو ایک ایسی لڑکی کے متعلق ہے جو ذہنی توازن بگز جانے کی وجہ سے گھر سے بھاگ نکلی ہے۔ پتہ بتانے یا گھر پہنچانے والے کو مبلغ پانچ سور و پے انعام دیے جائیں گے۔“  
”تم نہیں سمجھتے... اس سیدھے سادھے اشتہار میں یہ پیغام پوشیدہ ہے کہ میں جہاں کہیں بھی نظر آؤں مجھے گوئی مار دی جائے۔“

”اوہ... تب تو ان صاحب کی ناگزیر ہے آسانی پکڑی جا سکتی ہے جنہوں نے اشتہار شائع کرایا ہے۔ کیونکہ اشتہار میں ان کا پتہ بھی موجود ہے۔“

”سب دھوکہ ہے۔ اس پتہ پر اس نام کا کوئی آدمی ہرگز نہ ملے گا۔ تم کر کے دکھلو۔ بلکہ اس پتہ پر پتاے جانے والے اس اشتہار ہی سے اپنی لامعی کا اظہار کریں گے۔ اور... میرے خدا... پورے ملک میں مجھے کہیں پناہ نہ مل سکے گی۔ ریڈ یو پر بھی وہ میرے نام اور حلقے کا اعلان کرائیں گے اور اعلان کے الفاظ من و عن بھی ہوں گے جو اشتہار کے ہیں۔“

”تب تو ریڈ یو والوں کے ذریعہ اعلان کرانے والوں کا پتہ معلوم ہی ہو سکے گا۔“

”وہ بھی یہی پتہ ہو گا... وہ پہلے ہی اعلان کی اجرت ادا کر چکے ہوں گے۔ ریڈ یو یا اخبار والے اپنے گاہوں کے پتوں کے متعلق چھان میں تو نہیں کرتے۔“

”ٹھیک کہتی ہو۔“ عمران تنکرانہ انداز میں بولا۔

”میں تمہیں بتاؤں گی۔ چور دروازے اور اس جگہ کے متعلق جہاں کاغذات ہیں۔“

”ہاں..... کہو....!“

”یوں نہیں سمجھو گے.... کاغذ پنسل لاو... کوئی موجود ہیں۔“ کوئی اور اس کے گرد و پیش کا نقشہ تیار کرنا پڑے گا۔ ویسے سمجھ میں نہیں آئے گا۔“

”اچھی بات ہے.... کاغذ اور پنسل بھی مہیا کئے دیتا ہوں۔“ عمران نے کہا اور ساؤنڈ پروف کمرے سے باہر آگیا۔ فون کی گھنٹی پھر سنائی دی اس نے دوڑ کر ریسیور اٹھایا۔ دوسرا طرف سے صدر کی آواز آئی۔ ”ہیلو.... جی ہاں.... میں صدر ہوں۔ کیپٹن فیاض اس کوٹھی میں تہہ خانوں کے امکانات پر غور کر رہا تھا۔ اسی لئے وہ اس ماہر تعمیرات کو وہاں لے گیا تھا۔“

”اور ہاں یہ بھی نوٹ کیجئے کہ پروفیسر پہلے ہی سے ملکہ سراغ رسانی کی مشتبہ آدمیوں کی لست پر رہا ہے۔“

”عمران طویل سانس لے کر بولا۔“ ٹھیک ہے میرا بھی یہی اندازہ تھا۔ فیاض اب کیسا ہے۔“

”بڑی خوبصورت نس اس کے حصے میں آئی ہے... لہذا کافی مسرور نظر آ رہا ہے۔“

دوسرا طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔



چور دروازہ کیا وہ تو اچھی خاصی سرگز تھی۔ عمران نے نقشے سے یہی اندازہ لگایا۔ ساجدہ خاموش بیٹھی تھی۔ عمران بھی چپ تھا۔

”مجھے حیرت ہے؟“ اُس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔  
”کس بات پر۔“

”اُس رات تم بہ آسانی کوٹھی میں داخل ہو سکتی تھیں۔“

”یقیناً... اگر وہ نا معقول آواز...!“

”ہوں.... ہوں....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”لیکن اب پوزیشن دوسری ہے؟“  
”میں نہیں سمجھی۔“

”ملکہ سراغ رسانی کے سپرنٹنڈنٹ پر حملہ کی وجہ سے۔“ وہ پرتوشیں لجھ میں بولا۔

”گرفتاری والے مسلح کائنٹلبوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا گیا ہے اور سادہ لباس والے بھی عمارت کے چاروں طرف دور دور تک پھیل گئے ہیں۔ لہذا اب یہ چور دروازہ بھی کسی کام نہیں آسکتا۔“  
”آخر.... پولیس آفیسر پر حملہ کیوں...؟“

”اس کے علاوہ اور کیا مقصد ہو سکتا ہے کہ پھر داروں کی تعداد میں اضافہ کر دیا جائے۔“

”وہ ایک ماہر تعمیرات کو وہاں لے گیا تھا... اپنے اس شبے کو یقین میں بدلتے کے لئے کہ عمارت میں تہہ خانے بھی موجود ہیں۔“

”لیکن حملہ آور کو اس سے کیا فائدہ پہنچ سکے گا۔“

”یہی فائدہ کیا کم ہے کہ ہم دونوں میں سے کوئی عمارت میں داخل نہ ہو سکے گا۔“

”اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ حملہ آور بھی چور دروازے کا علم رکھتا ہے..... اور یہ بھی جانتا ہے کہ پولیس کا ذہن کسی چور دروازے کے امکانات پر غور کرنے سے قاصر ہے گا؟“

”تمہارا کیا خیال ہے؟“ عمران نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میرا تو یہی خیال ہے کہ نشاندہ کے بغیر کوئی بھی اُس کا پتہ نہیں لگ سکتا۔“

”اسی لئے حملہ آور کی سو جھ بوجھ کا قائل ہوتا پڑتا ہے۔“

”لیکن میرا دعویٰ ہے کہ حملہ آور چور دروازے کا صحیح علم نہیں رکھتا ورنہ اس کی نوبت ہی ن آتی.... وہ بھی اُسی رات کو عمارت میں داخل ہونے کی کوشش کرتا۔“

"ہو سکتا ہے اس نے کوشش کی ہو اور تمہاری ہی طرح تاکام رہا ہو۔ تم اس زہریلی تصویر کو کیوں بھول جاتی ہو جو کئی آدمیوں کو چٹ کر گئی۔ ظاہر ہے وہ پروفیسر کی موت کے بعد وہاں رکھی گئی تھی۔ گونگے بھرے ملازم نے بھی وہاں اس کی موجودگی پر حیرت ظاہر کی تھی.... اس عمارت میں اس ملازم کے علاوہ اور کوئی آدمی نہیں تھا۔ اگر وہ صدر دروازے کی طرف سے وہاں لے جائی گئی ہوتی تو اسے ضرور علم ہوتا۔"

"یہ بات تو ہے۔" ساجدہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ملازم گونگا اور بھرہ ہونے کے باوجود بھی بہت تیز ہے پروفیسر نے کچھ بھج کر ہی کوئی نگرانی اس کے پر دکی ہو گی۔"

"اسی بناء پر کہنا پڑتا ہے کہ مجرم چور دروازے ہی کے راستے سے داخل ہوا ہو گا۔" "لیکن اسے ابھی تک وہ جگہ نہیں مل سکی جہاں تمہارے بیان کے مطابق کچھ اہم چیزیں رکھی ہوئی ہیں.... لیکن یہ بتاؤ کہ پروفیسر تم پر اتنا اعتماد کیوں کرتا تھا؟"

"پتہ نہیں.... میں کیا جانوں....؟" عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا یا اور وہ جھینپ کر دوسرا طرف دیکھنے لگی۔

"خیر.... خیر....!" عمران سر ہلا کر بولا۔ "مجھے اس سے کیا سروکار!" سوچ بورڈ پر پھر سرخ بلب روشن ہو گیا۔

"یہ کیا بلایا ہے....!" ساجدہ بولی۔ "جب بھی یہ روشن ہوتا ہے تم باہر بھاگ جاتے ہو۔" "فون کال....!" عمران نے کہا اور کمرے سے باہر آ کر رسیور اٹھایا۔ دوسرا طرف سے صدر نے اطلاع دی۔ "کوئی کی حمانت نا ممکن ہے۔ پولیس ریمارٹ لے چکی ہے اور باد ٹوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ کوئی نے اپنایاں بھی تبدیل کر دیا۔ دوسرا دلچسپ اطلاع یہ ہے کہ آپ باقاعدہ طور پر اس واقعہ میں ملوث ہو چکے ہیں۔"

"وہ کس طرح ڈیسرٹ....!" عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

"کوئی نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ کسی ہوٹل کے مالک نے تفضل ناکی کسی آدمی کو اس کے پاس بھیجا تھا اور تفضل کا حلیہ آپ کے ٹیکے سے مطابقت رکھتا ہے اس ہوٹل کے مالک سے پوچھ گچھ کرنے پر پولیس نے معلوم کیا کہ آپ نے اس سے کوئی سے ملاقات کے سلسلے میں تعارفی خط مانگا تھا۔ پھر ظفرو کے ایک کیفے کا فیجر بھی آپ کا نام لے رہا ہے۔ غالباً ظفرو نے کل ہی اس کو بتایا تھا کہ آپ سے اس کا جگہرا ہو گیا ہے لہذا آپ پولیس بڑی شدت سے آپ کی تلاش میں ہے.... اور آپ کے والد صاحب نے پورے شہر میں سفید پوشوں کی فوج تعینات کر دی ہے جو آپ کی

تلاش میں شہر کا چچہ چپ دیکھتی پھر رہی ہے۔"

"مری فل گاڑ....!" عمران بڑا بڑا۔

"جی.... ہیلو....!"

"کچھ نہیں بھائی.... کمال سے کوئی کے متعلق گفتگو کر کے میں نے غلطی کی تھی۔ لیکن یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اس قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ خیر گیارہ بجے رات تک مجھے تازہ ترین حالات سے باخبر رکھنا۔"

"اور اس کے بعد....!"

"اس کے بعد ان نمبروں پر رنگ کرنا جن پر پیغامات ریکارڈ ہوتے ہیں۔ کیونکہ گیارہ بجے کے بعد میں عمارت چھوڑ دوں گا۔ اچھا... شب بخیر۔" عمران نے رسیور کھ دیا۔ اس نے صدر سے کہہ تو دیا تھا کہ گیارہ بجے کے بعد وہ داش میں نہیں مل سکے گا لیکن وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ جائے گا کہاں؟ ویسے اس کی دانست میں آج کی رات ان معاملات کے لئے بہت اہم تھی جن میں وہ الجھ کر رہا تھا۔

ٹیلی فون والے کمرے سے واپسی پر ساجدہ نے اس سے کہا۔ "تم تھا نہیں ہو؟"

"میں بھی دیکھ رہا ہوں۔"

"میرا مطلب نہیں سمجھے.... میں یہ کہہ رہی تھی کہ تمہارے ساتھ کچھ اور لوگ بھی کام کر رہے ہیں۔"

"بڑی قسم کی بد معاشریاں مددگاروں کے بغیر عمل میں آہی نہیں سکتیں۔" عمران نے جواب دیا۔ "تو پھر تم نے اس آدمی داور کے لئے کیا کیا؟"

"اوہ.... تم شاید یہ سمجھتی ہو کہ وہ ہمیں کھو دینے کے بعد بھی وہاں موجود ہو گا۔" "پھر بھی دیکھ لینے میں کیا ہرج تھا؟"

"میں ضرور تائی و قت بر باد کرنے کا عادی ہوں۔"

"اوہ نہ بھجے کیا....!" ساجدہ نے لاپرواٹی سے کہا۔

عمران مسلسل سوچے جا رہا تھا لیکن کوئی ایسی تدبیر سمجھ میں نہیں آرہی تھی جو اسے پروفیسر کی کوئی کے اندر پہنچا سکتی۔ اس نے سوچا اس سلسلے میں سر سلطان کو فون کرے..... لیکن پھر فوراً ہی خیال آیا کہ اس کے باپ رحمان صاحب نے کوئی بھی امکانی و سیلا نظر انداز نہ کیا ہو گا جس سے اس تک پہنچ ہو سکتی۔

”چلو بس اب خاموش بھی رہو... رات کے کھانے کا کیا ہو گا۔“  
 ”اے خدا...!“ عمران اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”شادی نہ کر کے ہی میں نے کون سا  
 برا تیر مار جب کہ اس کے باوجود بھی رات کے کھانے کا کیا ہو گا۔“  
 ”تم آخر مجھے الوکیوں بیمار ہے ہو۔“ ساجده نے جھنجلا کر کہا۔  
 ”اگر خود ہی ترکیب بتا د تو اکو بھی بنا سکتا ہوں۔“  
 ”اچھا خاموش رہو...!“  
 اتنے میں سونچ بورڈ پر پھر میلی فون کا اشارہ نظر آیا۔  
 ”جاو...!“ وہ اُسے دروازے کی طرف دھکیلیتی ہوئی بولی۔ ”شادی شدہ لوگ مجھ سے زیادہ  
 بُری حالت میں تونہ ہوں گے۔“



اس نے پھر صدر کی کال ریسیو کی۔ وہ دوسری طرف سے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔  
 ”میں دیرے سے ایک ایسے آدمی کا پیچھا کر رہا ہوں جس پر مجھے اُس چینی کا شبہ ہوتا ہے جو آپ کے  
 بیان کے مطابق نادم نشی کے قتل میں ملوث تھا۔ وہ سعودی عرب کے باشندوں کے سے لباس  
 میں ہے۔ چہرے پر ڈاڑھی بھی ہے لیکن آنکھیں عربوں کی سی نہیں معلوم ہوتیں۔ یہ بھی  
 اتفاقاً ہی دیکھ کر اس کیوں کہ اس نے تاریک شیشوں والی عینک لگا کر کی ہے...۔ کچھلی بار میں نے جس  
 دوکان سے آپکو فون کیا تھا وہاں موجود تھا۔ اس نے شیشه صاف کرنے کیلئے عینک اٹاری تھی۔“

”اب تم کہاں سے بول رہے ہو۔“ عمران نے پوچھا۔  
 ”گرینڈ فائزور کس کے برابر والے ڈرگ اسٹور سے... وہ گرینڈ فائزور کس کے شوروم  
 میں موجود ہے اور یہ گرینڈ فائزور کس ایسٹلے روڈ اور کیو اسٹریٹ کے چوراہے پر ہے۔“

”بہت خوب۔ تعاقب جاری رکھو...“ عمران نے کہا۔  
 پھر قبل اس کے کہ صدر سلسلہ منقطع کرنا عمران نے کہا۔ ”تمہاری گاڑی میں زیر دنائیں کا  
 سیٹ موجود ہے۔“  
 ”جی ہاں ہے۔“  
 ”تواب اُکی پر مجھ سے رابطہ قائم رکھو۔ وہ نظر سے او جمل نہ ہونے پائے۔ میں پانچ منٹ بعد

سر سلطان کا فون خاص طور پر نیپ کیا جا رہا ہو گا حتیٰ کہ ان کے بنگلے کے آس پاس سادہ لباس  
 والے بھی موجود ہوں گے۔ ویسے اس اٹچ پر سر سلطان کی بعض حالات سے بے خبری مناسب  
 بھی نہیں تھی۔

وہ سوچتا رہا اور ساجدہ خاموش بیٹھی اُسے گھور رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پوچھا۔ ”کیا  
 تم آج رات کو کوشش کرو گے۔“

”ہوں.... اوں....!“ عمران چوک کر بولا۔ ”کیا کہا...؟“

”تم پروفیسر کی کوئی میں داخل ہونے کی کوشش کرو گے؟“

”بہت مشکل ہے.... ابھی تک میں ایسا کوئی سفوف ایجاد نہیں کر سکا جس کی پچکی مار کر  
 دوسروں کی نظروں سے غائب ہو جاؤں.... عمارت اس طرح نگرانی والوں کے نرخے میں ہے  
 کہ وہاں پر نہ پر نہیں مار سکتا۔ گردش کرنے والی سرچ لاکنیں میلوں تک خر لاتی ہیں....!“

”بس تو پھر صبر کرو...!“

”صبر ہی تو نہیں کر سکتا ورنہ خود آج تھانے دار ہوتا اور کوئی صاحب ڈیگنیں مارتے پھر رہے  
 ہوتے کہ میاں اپنادا ماد تھانے دار ہے جسے کہو بھانی دلوادوں۔“

”چیچی... شدت سے احساس ہے تمہیں اپنے کنوارے پن کا...!“ وہ بسوار کر بولی۔

عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور خود بھی بورنے لگا۔ لیکن اس کے بورنے میں ایسی بے  
 سانگھی تھی کہ ساجدہ شرمندہ سی نظر آئے گی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے اپنے اس ریمارک  
 پر افسوس ہو۔ اُس نے دیکھا کہ اب عمران کی آنکھیں بھی ڈبڈبا آئی ہیں۔ پھر اس کے گالوں پر دو  
 موٹے موٹے قطرے ڈھلتے نظر آئے۔

”یہ.... مم.... میرا یہ مطلب نہیں تھا...“ وہ ہکلائی۔

عمران کچھ نہ بولا۔ آنسو انبل ابل کر گالوں پر بہنے رہے۔

”بھی.... یہ کیا ہے؟“ وہ اس کاشانہ پکڑ کر ہلاکی ہوئی بولی۔

”رہنے دو...!“ عمران بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”بہت بد قسمت آدمی ہوں۔ اگر شادی  
 کر لی ہوتی تو اس مصیبت میں کیوں پھستا...!“

”ضروری نہیں ہے جن کا رجحان ایڈو پچر کی طرف ہوتا ہے.... وہ شادی کے بعد بھی۔“

”نہیں نہیں غلط ہے۔“ عمران اس کی بات کاٹ کر رہا نہیں آواز میں بولا۔ ”ایسا ہرگز نہیں  
 ہوتا پھر تو یو یہ ایڈو پچر بن کر رہ جاتی ہے۔“

سریرو نائین ہی پر تمہیں کاشن دوں گا۔ لیکن محتاط ہو کر گفتگو کرنا جس کا تعاقب کر رہے ہو...“ عمران ابھی بات پوری نہیں کر پایا تھا کہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اس نے بھی رسیور رکھ دیا اور تیزی سے آپریشن روم میں آکر... زیر نائین رائنسیمیر کا سوچ آن کر دیا اور کلائی کی گھڑی دیکھا رہا۔ ٹھیک پانچ منٹ گزر جانے کے بعد اس نے سیکرٹ سروس کا مخصوص کاشن دیا۔ دوسری طرف سے فوراً ہی جواب بھی مل گیا۔

”ٹھیک ہے۔“ عمران نے کوڈ و رڈز میں کہا۔ ”میں یہاں موجود ہوں تم کوڈ و رڈ میں مجھے خاص حالات نے آگاہ کرتے رہو گے۔“

”تمال ہے۔۔۔ آپ نے ہمارے کوڈ و رڈز بھی سیکھ لئے۔“

عمران نے اس کا جواب دیئے بغیر کہا۔ ”اوور اینڈ آل...!“

اب آپریشن روم ہی میں بیٹھتا تھا۔ ساجدہ کو ساؤنڈ پروف کرے ہی میں چھوڑ آیا تھا۔ ”ہیلو...!“ وقعتہ رائنسیمیر سے آواز آئی۔ عمران نے جواب دیا۔ دوسری طرف سے صدر ہی کی آواز آئی۔ ”وہ پھر ایک آتش بازی ہی کے کار خانے میں داخل ہو رہا ہے۔“

”اوں... ہاں...“ عمران بولا۔ ”عینقریب ایک عرب ملک کا سفارت خانہ اپنی ایک قوی تقریب منعقد کرنے والا ہے۔۔۔ ہو سکتا ہے اسی سفارت خانے کا کوئی فرد تقریب کے لئے آتش بازیوں کی فراہمی کر رہا ہو۔۔۔ لیکن تم احتیاطاً تعاقب جاری رکھو۔۔۔ میں بھی آرہا ہوں۔۔۔ کچھ دیر بعد بذریعہ ریڈیو کا تم سے رابطہ قائم کر لوں گا۔۔۔ اوور اینڈ آل...!“

عمران میک اپ روم کی طرف جھپٹا۔۔۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنے سے بہتر تھا کہ کچھ نہ کچھ کرتا رہتا۔ لیکن میک اپ نے پہلے ایک بار ساجدہ سے ملتا ضروری تھا۔ اس لئے پھر ساؤنڈ پروف کرے کارخ کرتا پڑا۔

”میں جا رہا ہوں۔“ اس نے اس سے کہا۔ ”رات کے کھانے میں تم سلاں اور ڈبوں میں محفوظ خداوں پر گزارا کر دیجی اور میری عدم موجودگی میں تمہیں اسی کرے تک محمد درہنا پڑے گا۔“

”کیا تم اب بھی مجھ پر اعتماد نہیں کر دے گے۔ جب کہ میں نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہے۔“

”اس کرے سے باہر تمہاری زندگی کی صفائح نہیں دی جا سکتی۔“

”میرے خدا۔ کس مصیبت میں چھس گئی ہوں۔“

عمران کچھ کہے بغیر چلا آیا تھا اور مطلوبہ اشیائے خوردنی ساؤنڈ پروف کرے میں پہنچائی تھیں۔ میک اپ روم میں میں منٹ سے زیادہ نہیں صرف ہوئے۔ بہترے ریڈی میڈ میک اپ

۔۔۔ پہلے سے تیار رہتے تھے۔

ریڈیو کار کپاؤٹ نے باہر نکلتے ہی اس نے ٹرانسمیٹر کا سوچ آن کر دیا۔ ”ہیلو... ہیلو... اس... اس... آئی... آئی... اسپینگ...!“ عمران آہستہ سے بول رہا تھا۔ ”ہیلو...!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”ایں... پلینز...!“

”یہاں ہو... اور...!“

”وکٹور یہ روڈ پر...! پیر ادازروالی کر اسٹنگ گزر گئی... اور...!“

”ٹکرنہ کرو... چلتے رہو... میں بھی ریڈیو کار میں ہوں۔ اور...!“

عمران نے کہا۔ پھر کافی دیر تک صدر اسے ان راہوں کے متعلق بتاتا رہا جن پر وہ اس نامعلوم آدمی کا تعاقب کر رہا تھا اور پھر ایک جگہ عمران نے اسے جانی لیا۔۔۔ اور اس کی گاڑی بھی پہچان لی۔

”ہیلو...!“ اس نے کہا۔ ”میں ٹھیک تمہاری گاڑی کے پیچھے ہوں۔“

”میرے آگے کھٹھی رگہ والی گاڑی ہے۔“ دوسری طرف سے صدر کی آواز آئی۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ میں دیکھ رہا ہوں۔“ عمران نے کہا۔ ”اب میں دونوں گاڑیوں کے درمیان آنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ لیکن تم واپس نہیں جاؤ گے۔ میری گاڑی کے پیچھے رہنا۔۔۔ اور...!“

”اوکے....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

اگلے چورا ہے پر عمران کو موقع مل ہی گیا۔۔۔ اب صدر کی کار اس کی کار کے پیچھے تھی اور وہ کھٹھی گاڑی کا تعاقب کر رہا تھا۔ کھٹھی گاڑی ایک جگہ پھر رکی۔۔۔ عمران نے اپنی گاڑی نکال کر فٹ پاٹھ سے لگادی اور عقب نما آئیں میں دیکھنے لگا۔۔۔ عرب کھٹھی گاڑی سے اتر کر ایک دوکان میں داخل ہو رہا تھا۔ عمران نے نوٹ کیا کہ وہ بھی آتش بازی ہی کی دوکان تھی۔

صدر نے اپنی گاڑی عمران کی گاڑی سے بھی آگے لے جا کر رکی۔ عمران عقب نما آئیں ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ قریباً پندرہ میں منٹ بعد عرب دوکان سے برآمد ہوا۔۔۔ اس بار اس نے بہت سی ہوا یوں کا گھر بغل میں دبار کھاتا۔

”وہی ہے....!“ عمران آہستہ سے بڑا یا۔ اس بار وہ اس کے چلنے کے انداز پر توجہ دے کر تھا۔ وہ سو فیصدی سنگ ہی تھا۔ لیکن یہ ہوا یاں؟ وہ سوچنے لگا۔ آخر ہوا یوں کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ کیا وہ چیج کسی عرب سفارت خانے کو بھی دھوکا دے رہا ہے۔

چھوٹا سا چائے خاتمہ نظر آگیا۔ عمران وہیں جایبیشا اور پھر سوچنے کا آخر وہ یہاں کیوں آیا ہے....؟ کیا تک ہے.... کیا یہ ضروری ہے۔ سنگ ہی ادھر سے کہیں اور جائے؟ پھر اسی صورت میں یہاں کیوں دقت برپا کیا جائے.... ہو سکتا ہے صدر کو کسی مرحلہ پر اُس کی مدد کی ضرورت پیش آئے.... یہاں بیٹھنے رہ کر تو وہ کچھ بھی نہ کر سکے گا کیونکہ ٹرانسیور تو گاڑی ہی میں ہے۔

اس نے بیٹھنے ہی چائے طلب کی تھی اور اب سوچ رہا تھا کہ وہ تو زہرمار کرنی ہی پڑے گی۔ چائے آئی اور وہ جلدی جلدی پینے لگا۔ لیکن نیک اسی وقت اُسے احساں ہوا کہ اس طرف آکر اُس نے غلطی نہیں کی تھی۔ عمارت کے عقیقی زینتوں سے سنگ ہی گلی میں پہنچ چکا تھا اور ہوا یہوں کا گھر اب بھی اس کی بغل میں دبا رہا تھا.... لیکن اب اس کے جسم پر عربی لباس کی بجائے ملیشا کی شلوار اور لمبی قمیش تھی۔ پھرے کے میک اپ میں اُس نے کوئی تجدیلی نہیں کی تھی۔ وہ زینتوں کے قریب کھڑا گالباً کسی سواری کا منتظر تھا۔

عمران نے سوچا کہ خود اُس کی گاڑی اُس کی نظر وہ میں آچکی ہے۔ لہذا اُس کو تواب تعاقب کے لئے استعمال کرنا مناسب نہ ہوگا۔ پھر کیا ضروری ہے کہ جس وقت اُسے کوئی سواری ملے وہ کوئی سواری حاصل کرنے میں کامیاب ہی ہو جائے.... الجھن کی بات تھی۔ کچھ بھی ہو گی۔ اب وہ سنگ ہی کا سراغ کھو دیئے پر تیار نہیں تھا۔ اس نے چائے کی قیمت ادا کی اور وہیں بیٹھا رہا۔۔۔ پھر دفعتاً اُس نے دیکھا کہ سنگ ہی مختلف سمت میں پیدل ہی چل پڑا ہے.... عمران نے اطمینان کی سانس لی۔ وہ بھی اٹھا اور اُس کے پیچے چل پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا ہو سکتا ہے اُگلی سرڑک پر وہ کسی نیکی میں بیٹھ جائے۔

اُگلی سرڑک پر نیکیوں کا اڈہ بھی تھا۔ عمران کو کوئی دشواری پیش نہ آئی۔



دوسری سرڑک پر پہنچ کر وہ تیزی سے نیکیوں کے اڈے کی طرف بڑھا۔۔۔ اس وقت وہاں اور خالی نیکیاں کھڑی تھیں۔۔۔ اُس نے سنگ ہی کو ایک طرف چھپنے دیکھا لیکن خود اطمینان سے ٹھہٹا ہوا دوسری نیکی کی طرف بڑھتا رہا۔۔۔ سنگ ہی نیکی پر بیٹھ چکا تھا۔۔۔ اس کی نیکی چل پڑی۔۔۔ پھر قبل اس کے کہ عمران دوسری نیکی تک پہنچا وہ بھی اشارث ہوا کہ اس کے پیچے چل پڑی۔۔۔ اس غیر متوقع صورت حال پر عمران بوکھلا گیا اور اس حد تک بوکھلا یا کہ ”نیکی پر نیکی“

کنتھی گاڑی پھر پہنچ سرڑک پر آگئی تھی۔ تعاقب دوبارہ شروع ہو گیا۔

”ہیلو....!“ عمران نے ٹرانسیور پر صدر کو مخاطب کیا۔ ”پچھلی دو کانوں سے بھی اُس نے کچھ خریدا تھا....؟ اور....!“

”نہیں اُن دو کانوں سے تو خالی ہاتھ ہی برآمد ہوتا رہا تھا....؟ اور....!“

عمران خاموش ہو گیا۔۔۔ وہ نہیں ہوا یہوں کے متعلق سوچے جا رہا تھا.... آخر کیا چکر تھا۔

تعاقب جاری رہا۔۔۔ کچھ دیر بعد عمران نے محسوس کیا جیسے کنتھی کارروائے کو اس تعاقب کا علم ہو گیا ہو کیونکہ اب وہ غالباً بے مقصد ہی اپنی گاڑی کو غیر اہم گلیوں میں لئے پھر رہا تھا؟

اُس بار جیسے ہی وہ ایک سرڑک پر پہنچا عمران نے ٹرانسیور پر صدر کو متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اب تم اپنی گاڑی میری گاڑی کے آگے لاڈ اور تعاقب جاری رکھو۔۔۔ غالباً اُسے شبہ ہو گیا ہے۔“

”میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں؟“ صدر نے جواب دیا۔

”تم اُس کے پیچے گلے گاہو اور مجھے راستوں کے متعلق بتاتے رہو....!“

”او کے....!“ صدر کی آواز آئی۔

عمران نے اپنی گاڑی کی رفتار کسی قدر سست کر دی۔ صدر آگے بڑھ گیا اور پھر اُس کے بعد تو کی گازیاں عمران اور کنتھی کار کے درمیان حائل ہو گئی تھیں۔

کچھ دیر بعد صدر کی آواز آئی۔ ”چورا ہے کی بائیں جانب۔“

”نیک ہے؟“ عمران بولا۔

اس کے بعد شاید دو منٹ بعد آواز آئی۔ ”گاڑی رک گئی ہے اور وہ خریدے ہوئے سامان سمیت ایک عمارت میں داخل ہو رہا ہے۔“

”گذ... اب ہوشیاری کی ضرورت ہے محتاط رہو۔“

عمران آگے بڑھتا چلا گیا۔ کچھ دور پر کنتھی کار نظر آئی۔ جواب خالی تھی اور سرڑک کے دوسرے کنارے پر صدر کی کار نظر آئی۔ عمران کہتا ہوا گذر گیا۔ ”ہیلو....!“ میں عمارت کی پشت پر پہنچ رہا ہوں۔ تم ادھر ہی سے نظر رکھنا۔“

یہ ایک تین منزلہ عمارت تھی جس میں بہت سے فلیٹ تھے۔ اُس کی پشت والی گلی کافی کشادہ تھی۔ عمران اپنی گاڑی عمارت کے موڑ ہی پر جھوڑ کر اُس گلی میں پیدل داخل ہوا تھا۔

یہاں زیادہ تر مسٹریوں اور لوہاروں کی دوکانیں تھیں۔۔۔ اتفاقاً اُس عمارت کے سامنے ایک

چیختا ہوا تھوڑی دور تک اس کے پیچھے دوڑا بھی..... اور وہ نامراہ لیکنی کا نمبر بھی نہ دیکھ سکا۔۔۔  
دونوں نیکیاں اگلے موڑ پر نظر دوں سے او جھل ہو گئیں اور وہ ویس کھڑا بے بی سے ہاتھ مtarہ  
گیا۔۔۔ اس دوران میں کوئی خالی رکشا اڈھ سے نہ گزر۔ ابوہ اندر نظر دوڑائی شاید کوئی موڑ  
سائیکل ہی کہیں کھڑی نظر آجائے۔ لیکن یہ موقع بھی انہیں اتفاقات میں سے تھا جنہیں عام طور  
پر بد نصیبی سے یاد کیا جاتا ہے۔

پھر وہ ہاتھ جھلاتا ہوا اُسی گلی کی طرف پلتا جس کے دوسرا میں موڑ پر اپنی گاڑی چھوڑی  
تھی۔۔۔ گاڑی میں بیٹھ کر اُسی سڑک سے گزرتے وقت جہاں صدر کی موجودگی کا امکان تھا اس  
نے ٹرانسپر میں کہا۔ ”ہیلو... ایس... ہیلو ایس۔“

”ہیلو... ایس اسیکنگ...!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”وہ نکل گیا...!“ عمران نے کہا۔ ”لیکن آج کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا.... اس عمارت میں وہ  
لباس تبدیل کرنے گیا تھا.... اس کے بعد پچھلی گلی میں وہ ملیٹیا کی قمیض اور شلوار میں نظر  
آیا.... ہوائیوں کا گھر اس وقت بھی بغل میں دبا ہوا تھا خیر تم اس عمارت کے اُس حصے کو پیک  
کر بنے کی کوشش کرو جہاں اس نے اپنا پچھلا لباس چھوڑا ہو... اور...!“

”بہت بہتر...!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”اور کچھ؟“

”مجھے ٹرانسپر پر نتائج سے مطلع کرتا۔ اور اینڈ آل...!“ عمران نے کہا اور اسکیلیٹر پر  
مزید دباؤ ڈال کر فرار تیز کر دی۔

وہ سوچ رہا تھا کچھ بھی ہو جائے سر سلطان سے بہر حال ملاقات ہونی ہی چاہئے اس کے خیال  
کے مطابق سر سلطان اس وقت آفیسرز برجن کلب میں مل سکتے تھے لیکن وہاں داخلے کا مسئلہ ٹیڑھا  
تھا.... غیر ممبر کسی ممبر ہی کے ساتھ اس کی حدود میں قدم رکھ سکتا تھا۔

بہر حال وہ آفیسرز برجن کلب کی طرف روانہ ہوا.... پھانک پر چوکیدار موجود تھا۔ گاڑی  
روک کر عمران نے اُسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

”سر سلطان سے جا کر کہوا کوئی سے ایک صاحب آئے ہیں.... بیگم صاحب پر دل کا دورہ  
پڑ گیا ہے فون خراب تھا اس لئے یہاں تک آتا پڑا.... جلدی جاؤ۔“

چوکیدار نے دوسرے باور دی آدمی کو بلا کر سر سلطان تک یہ پیغام پہنچانے کو کہا اور عمران  
سے بولا۔ ”گاڑی انہ لے لیجئے...!“

عمران نے گاڑی بیک کی.... چوکیدار ایک طرف ہٹ گیا تھا۔ وہ گاڑی کو پورچ تک لیتا چلا

گیا۔ کچھ دیر بعد سر سلطان برآمدے میں نظر آئے.... چہرے پر سر اسیگی کے آثار تھے۔ عمران  
نے محوس کیا کہیں اپنی کار کی طرف نہ دوڑے جائیں.... اس نے فوراً گاڑی سے نکل کر ان کی  
طرف بڑھا اور قریب پہنچ کر آہستہ سے بولا۔ ”عمران ہوں....!“

”لاحوال ولاقوة....!“ وہ بچھلا کر بولے اور اسے گھوڑنے لگ۔ عمران نے مسکرا کر کہا۔  
”سب خیریت ہے.... فکرنا پہنچ۔“

”لیکن اس طرح.... کیا بیہودگی ہے۔“

”جبوری.... آئیے گاڑی میں بیٹھ جائیے۔“

”میری گاڑی۔“

”اُسے فی الحال بیٹھ چھوڑ دیجئے۔“ عمران نے کہا اور سر سلطان طوغاء کرہا اُس کی گاڑی میں  
جا بیٹھے۔ چہرے پر بچھلا ہٹ کے آثار تھے۔ عمران نے انہیں بتانا شروع کیا کہ وہ علانیہ یا ان کے  
گھر پر ان سے نہ مل سکتا۔ کوئی نہ صرف پو لیس کو اس کی تلاش ہے بلکہ اس کے باپ کا حملہ بھی  
پوری تندی سے اُس کے خلاف حرکت میں آگیا ہے۔

”مجھے سب کچھ بتاؤ....!“ سر سلطان نے کہا۔ گاڑی سڑکوں پر یوں ہی بے مقصد دوڑتی  
پھر رہی تھی۔ عمران نے پوری رواد و ہرائی اور سر سلطان طویل سانس لے کر بولے۔ ”تو یہ  
دونوں قتل تمہاری ذات سے وابستہ ہیں۔“

”خداوت خود اختیاری کے طور پر.... اگر میں انہیں نہ مارتا تو وہ مجھے ختم کر دیتے۔“  
”لیکن تم مجھ سے کیوں ملا جاتے تھے۔“

”صرف یہ معلوم کرنے کے لیے کہ حملہ سراغ رسانی کی لست پر وہ کیسے پہنچا تھا.... میرا  
مطلوب ہے پروفیسر راشد....!“

”بعض مشتبہ غیر ملکیوں سے اُس کے کسی قسم کے تعلقات تھے.... لیکن یہ فیاض پر کس  
نے فائز کیا تھا....؟“

”سنگ ہی کے علاوہ اور کوئی دن دہائے ایسی حرکت کر کے صحیح وسلامت نہیں نکل سکتا۔“  
”آخر کیوں....؟“

”کسی وجہ سے وہ نہیں چاہتا کہ کوئی ماہر تعمیرات اس عمارت کے متعلق اپنا خیال ظاہر کرے۔“  
”اچھی بات ہے۔“ انہوں نے کچھ دیر خاموش رہ کر کہا۔ ”اگر تم اس عمارت میں داخل ہوئے  
چاہئے ہو تو یہ کوئی اسکی بڑی بات نہیں۔“

"ہرگز نہیں جناب۔" عمران بولا۔ "اگر آپ نے اپنے اختیارات کو کام میں لا کر کچھ کرتا چاہا تو آپ کے لئے جوابہ بھی ہونا پڑے گا... اور میں اسے پسند نہیں کرتا کہ سنگ ہی کو قابو میں لائے بغیر ہم کوئی چیز تحریر میں لا میں۔"

سر سلطان تھوڑی دیر تک خاموش رہے پھر بولے۔ "تم ٹھیک کہتے ہو۔"

"بس اب میں آپ کو کلب میں چھوڑ دیتا ہوں۔ آپ نے کہا تھا کہ مجھے حالات سے باخبر رکھنا اس لئے میں نے ضروری سمجھا تھا۔"

"لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جو پھر سنگ ہی کیلئے تھا اس کا شکار وہ بے چارہ انپکٹر ہو گیا۔"

"میرا خیال ہے کہ سنگ ہی نے اسے دیکھا ہی نہ ہو گا ورنہ اس کی موت یقینی تھی۔"

"اب کیا وہ اتنا ہی گھاڑ ہے۔" سر سلطان نے کہا۔

"ہر آدمی کسی نہ کمزوری کا شکار ہے۔ ہیرے سنگ ہی کی کمزوری ہیں۔ انہیں دیکھ کر پاگل ہو جاتا ہے۔ یقین سمجھے اگر اس پھر پرانی کی نظر پڑی ہوتی تو سارے جھگڑے ہی نہ اٹھتے۔"

"ہوں.... اور یہ انجمن بیا کاں۔"

"فکر نہ کیجئے۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "جہاں چند بے فکر سے مل بیٹھے ایک عدد انجمن کا قیام عمل میں آگیا۔ اجتماعی حماقتیں زیادہ وچپ اور شاندار ہوتی ہیں۔"

"اب.... بس.... واپس چلو.... کلب کی طرف....!" سر سلطان نے کہا۔ "اب بھی تمہارے باپ کے کان کھینچا ہیں۔"

"کیا کہئے گا۔"

"یہی کہ محکمہ خارجہ اسے پسند نہیں کرتا کہ عمران کی گزارنی کی جائے۔ الزام کچھ ہو۔" عمران نے انہیں کلب میں چھوڑا اور پھر گاڑی سڑک پر لے آیا۔ ٹرانسیٹر کا سوچ آن کر کے صدر سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی.... لیکن جواب نہ ملا۔

اب وہ انش منزل کی طرف واپس جا رہا تھا اور سنگ ہی کی خردی ہوئی ہوا۔ اب بھی اس کے ذہن پر چکر اڑی تھیں۔

دانش منزل پہنچتے پہنچتے نونج گئے۔ ساجدہ ساؤنڈ پروف کرے میں پڑی بور ہو رہی تھی۔

"ہم آج کسی طرح عمارت میں ضرور داخل ہوں گے۔" عمران نے کہا۔

"جہنم میں گئی عمارت۔ میں اب یہاں نہیں ٹھہر سکتی۔"

"اگر اونہیں تمہیں بھی ساتھ لے چلوں گا۔"

"اور اگر کسی نے مجھے بیچاں کر گولی مار دی تو....!" ساجدہ نے طنزی بجھ میں پوچھا۔ "کیا پرواہ ہے؟"

"کیا مطلب....!" ساجدہ نے آنکھیں نکالیں۔

"میری عدم موجودگی میں کہیں ماری گئیں تو کیا فائدہ.... میں تو بھجن میں پڑا ہوں گا کہ اب تک ماری بھی گئیں یا نہیں۔"

"جیج پھر ہو....!" وہ بُر اسامنہ بنا کر بولی۔

"جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" عمران نے اس کا شانہ تھکتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں محسوس کر رہی ہوں کہ اس کے باوجود بھی بے حد شریف آدمی ہو۔" وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔

"اب گالیوں پر اتر آئی ہو۔" عمران نے غصیلی آواز میں کہا۔

"شرافت گالی ہے تمہارے لئے....!"

"بالکل۔ گالی ہی نہیں بلکہ بد دعا بھی ہے کیونکہ شریف آدمی ایسا یاں رگڑ کر مرتے ہیں اور جائیکی کی تکلیف بھی انہیں پروردہ ہوتی ہے اور غیر شریف آدمی اس طرح کھاک سے مر جاتا ہے کہ مرتے مرتے بھی اُسے یقین نہیں آسکتا کہ وہ مر رہا ہے۔ ہادث فیلمور....!"

"چلو.... ختم کرو....!" وہ بُر اسامنہ بنا کر بولی۔ "مجھے کیا کرتا ہے۔"

"بس میرے ساتھ چلو گی۔"

آدھے گھنے بعد وہ سیاہ رنگ کی ایک دین میں بیٹھ رہے تھے۔ خود بھی سیاہ پوش تھے اور ان کے سروں پر چڑے کے ایسے خود تھے جنہیں چہرے پر کھنچ لینے سے صرف آنکھیں ہی نظر آئتی تھیں۔ یعنی وہ نقاب کا بدل بھی ثابت ہو سکتے تھے۔ عمران نے جیسے ہی ٹرانسیٹر کا سونج آن کیا آواز آئی۔ "ہیلو.... آئی.... ہیلو.... آئی.... آئی.... ہیلو....!"

"ہیلو.... آئی اسپیکنگ....!"

"خیریت ہے.... آپ کہاں ہیں.... پروفیسر کی کوئی دھوئیں کے بادلوں میں گم ہے۔"

"کیا مطلب۔ جلدی سے وضاحت کرو۔"

"میرا خیال ہے کہ کوئی سے دو فرلانگ کے فاصلے پر دائرے کی شکل میں بے شمار ہوا یاں چھوٹیں اور یہ ک وقت کوئی پر گریں.... اور فضا ہی میں ہلکی ہلکی آوازوں کے ساتھ چھٹ گئیں اور اب کوئی گھرے دھوئیں میں لپٹی ہوتی ہے.... غرماں کرنے والے نکل بھاگے ہیں اور دھدا

دھر گر کر بیہو ش ہو رہے ہیں ... اور ...!

"میں پہنچ رہا ہوں ... کوئی سے قریب ہی ہوں ... اور آل ...!" عمران نے کہا اور گازی کی رفتار تیز کر دی۔ ساجده اس کے برابر ہی پہنچ آسے تحریر ان نظروں سے گھور رہی تھی۔ غالباً وجد حریت ٹرانسیور نہیں بلکہ وہ ناقابل فہم زبان تھی جس میں وہ دوسری طرف سے بولنے والے سے گفتگو کرتا رہتا۔ دوسری آواز کی بھی کوئی بات اس کے پلے نہیں پڑی تھی۔

"یہ تم کس زبان میں بول رہے تھے۔" آخر کار اس نے پوچھا۔

"اس کو سراہی زبان کہتے ہیں۔ خصوصیت اس کی یہ ہے کہ دوسرے سخن والوں کو یہی محسوس ہوتا ہے جیسے کہ بھونک رہے ہوں۔"

"نہیں ... میرا خیال ہے کہ تمہیں کوئی اہم اطلاع ملی ہے ... کیونکہ تم نے اس کے بعد رفتار تیز کر دی ہے۔"

عمران کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ٹرانسیور سے آواز آئی۔ "جیلو ... آئی ... جیلو ... ہمیں کیا کرنا چاہئے یہاں اب بالکل سناتا ہے زیادہ تپہرے دار کوئی کے آس پاس بیہو ش پڑے ہیں۔"

"جہاں ہو ... وہیں شہر ہو ...!" عمران نے کہا۔ "اپنے آدمیوں کو بھی روک کر رکھو ... پولیس کو اطلاع دینے کی ضرورت نہیں۔"



جلد ہی وہ پروفیسر کی کوئی کی پشت پر جا پہنچ۔ یہاں کی زمین تاہموار ہی تھی اور بے ترتیب روئیدگی نے قدم اٹھانا شوار بار کھا تھا۔ عمارت کی طرف سے کسی قسم کی بھی آوازنہ آئی۔ فضا میں عجیب قسم کی مہک موجود تھی۔ عمران نے ساجده سے کہا۔ "نقاپ چہرے پر کھینچ لو ... وہ کسی حد تک گیس ماسک کا کام بھی دیتا ہے۔"

"یہ بوکیسی ہے ...؟"

"کسی قسم کی گیس ... جو بارود کے دھاکوں کے ذریعے فضائی منتشر کی گئی ہے حالانکہ اب اس کا جنم اتنا بڑھ گیا ہے کہ وہ ہمیں زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ پھر بھی احتیاط ضروری ہے ...!"

"یہ سب کیا ہو رہا ہے ...!"

"چپ چاپ چلتی رہو ... بلکہ بہتر تو یہ ہو گا کہ ہم اس گڑھے تک اس طرح پہنچیں کہ دوڑ سے بھی نہ دیکھے جاسکیں ... پیٹ کے مل زمین پر لیٹ جاؤ۔"

پھر وہ سینے کے بل کھکتے ہوئے ایک جانب بڑھتے رہے حتیٰ کہ اسی گڑھے تک جا پہنچ جہاں پہلی بار دونوں کی ملاقات ہوئی تھی۔

گڑھے کے کنارے رک کر انہوں نے نیچو دیکھا۔ ایک انسانی ہیولی سانظر آیا جو غالباً جھکا ہوا کھڑا تھا۔

"اوہ ...!" ساجده آہستہ سے بولی۔ "یہ تو سرگ کے دہانے ہی کے پاس کھڑا ہے۔"

"خاموش رہو ... میں دیکھتا ہوں۔" عمران نے کہا اور کھلکھلا ہوا دوسری طرف چلا آیا۔ اب وہ بھکے ہوئے آدمی کے میں اوپر تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ پھر تی سے اٹھا اور گڑھے میں چھلانگ لگادی اور اس آدمی کو سیٹتا ہوا زمین سے جالا؟ گرتے گرتے عمران نے یہی کوشش جاری رکھی تھی کہ دوسرے آدمی کے منہ سے آوازنہ نکلنے پائے۔ ہونوں پر سختی سے ہاتھ جما دیا تھا اور باسیں ہاتھ سے اس کی گردن پر دباؤ ڈال رہا تھا۔ اس جدوجہد کے دوران میں اس نے محسوس کیا کہ مقابل سنگ ہی نہیں ہو سکتا کوئی اور ہے۔

عمران کی گرفت مضبوط تھی۔ دوسرا آدمی جلد ہی بے حس و حرکت ہو گیا۔ عمران نے ہاتھ بلا کر ساجده کو نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔ اور وہ پھر تی سے اس کے پاس پہنچ گئی۔ پھر ساجده نے ہی پسل نارچ کی روشنی اس سوراخ پر ڈالی تھی جو کسی بھی بھیزیے کی بھٹکتہ کا دہانہ معلوم ہوتا تھا۔

"کوئی اندر گیا ہے ...!" وہ آہستہ سے بولی۔ "ورنہ یہ کوٹے کے ڈھیر میں چھپا رہتا ہے۔"

سوراخ اتنا بڑا تھا کہ ایک آدمی لیٹ کر ہی اس سے گزر سکتا تھا۔ عمران نے اس کے ہاتھ سے پسل نارچ لے کر اندر روشنی ڈالی اور اندازہ لکایا کہ اندر جگہ کشادگی اختیار کر گئی ہے ... چند لمحے وہ روشنی کی لکیر کو ادھر اور ادھر حرکت دیتا ہا پھر دہانے کے قریب بیٹھ کر اپنی دونوں ٹانگیں اندر ڈال دیں۔ پھر اسے اپنے پورے جسم کو اندر پہنچا دینے میں دشواری نہیں ہوئی تھی۔ نارچ کی روشنی کی مدد سے اس نے ساجده کو بھی اپنے پہنچے آنے کا اشارہ کیا۔ ساجده بھی دیکھتے ہی دیکھتے اسکے قریب پہنچ گئی ... غار اندر سے اتنا کشادہ تھا کہ وہ آسانی سے سیدھے کھڑے ہو سکتے تھے۔ یہاں نارچ ساجده نے سنبھالی اور اسکی رہنمائی کرنے لگی۔ بالآخر وہ ایک بند دروازے تک پہنچے۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ عمران نے اسے دھکایا اور محنت دی سانس لیکر بولا۔ "تمت برباد ہوئی۔"

ساجده بھی پڑی اور بولی۔ "بس اتنے میں بور ہو گئے ... خیر فکر نہ کرو ... اگر یہ دروازہ بند

”یہ نہیں ہو سکتا۔ جہنم میں جاؤ۔“ سنگ ہی نے جھلا کر کہا اور عمران ساجدہ کو آنکھ مار کر مسکرا نے لگا پھر بولا۔ ”ذار لئگ پچا جان پھر تم چاہتے کیا ہو۔“

”یہ لڑکی وہ جگہ جانتی ہے جہاں پر فیرسا جہنم کے کاغذات رکھتا ہے۔“  
”کیوں بھی....!“ عمران نے ساجدہ سے پوچھا۔

”اچھا جانتی ہوں تو پھر....!“ وہ بھی جھلا کر اٹ پڑی۔ ”اس سور کے پیچے کو ہتاوں گی؟“

”آپ مجھ سے بے حد خفا معلوم ہوتی ہیں محترمہ....!“ سنگ ہی نے حاجت سے کہا۔  
”حالانکہ میں نے آپ سے کوئی برا برداشت بھی نہیں کیا۔“

ساجدہ کچھ نہ بولی۔ سنگ ہی نے اپنی جیب سے ایک روپا اور نکالا اور اسے عمران کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ”لواء بھی رکھو.... اب تمہیں مجھ پر اعتماد کرنا ہی پڑے گا۔“

”یہ اگر تمہارے ہی پاس رہے تو بہتر ہے۔“ عمران نے بُرا اسمانہ بننا کر کہا۔ ”دھماکے والی چیزیں مجھے اختلاف قلب میں بنتا کر دیتی ہیں.... ہاں ساجدہ تو پھر تم کیا چاہتی ہو....!“  
”اگر دہاں ہیرے ہی ہیں تو ہم اسے کیوں بتائیں۔“

”اس صورت میں تمہیں اپنی زندگی سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ بالکل پروفیسر ہی کی سی موتنیں واقع ہوں گی.... میرے علاوہ اور کوئی شخص انہیں اپنے قبضے میں نہیں رکھ سکتا۔“

”ارے....!“ ساجدہ نے تختیر انہیں جسے میں عمران سے کہا۔ ”تم کھڑے کیا دیکھ رہے ہو....  
ملا تے کیوں تمہیں اس مردوں کو.... کیا واقعی تمہارا اچھا ہی ہے۔“

”اب تم نے کہہ دیا ہے تو ضرور ماروں گا....!“ عمران سنگ ہی کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔  
”اچھا تو.... پھر یہ تمہاری زندگی کی آخری ہی رات ثابت ہو گی۔“ سنگ ہی الٹی جست لگا کہ پیچھے ہتا ہوا غریباً.... اسی دوران میں اس نے ایک بڑا ساچا تو بھی کھول لیا تھا۔

”تم روپا اور نکالو....!“ ساجدہ نے عمران سے کہا۔  
”نه ہو تو کہاں سے نکالو....!“ عمران نے بے بُسی سے کہا۔

”تو پھر اس کا کیوں واپس کر دیا تھا....?“  
”ہم دونوں اچھی طرح جانے ہیں کہ روپا اور سے ایک دوسرے کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔“

”یہ لو.... روپا اور تم سنبھالو....“ سنگ ہی نے اپناریوپا اور ساجدہ کی طرف اچھال دیا۔  
ساجدہ نے جک کر اسے اٹھایا۔... الٹ پلٹ کر دیکھا۔ وہ خالی نہیں تھا۔ اس کے چہرے پر حرمت کے آثار تھے اور عمران احتمالہ انداز میں کبھی ساجدہ کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی سنگ ہی کی طرف۔

”دیا گیا ہوت بھی کھولا جا سکتا ہے۔“

”کون ہے....؟“ اس نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

”میرے محترم پچا صاحب۔“ عمران نے جواب دیا۔

”میں تم سے سمجھوتہ کرتا چاہتا ہوں۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”میں بھی تیار ہوں پیارے پچا جان۔“ عمران نے جواب دیا۔

دروازہ کھل گیا اور دونوں اندر داخل ہوئے۔ یہاں روشنی تھی۔ سرگ میں بجلی کے کئی بلب روشن تھے۔ سنگ ہی سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس کے جسم پر اب بھی وہی طیشیا کی شلوار اور تمیض چھپی۔ اس وقت ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ عمران پر نثار ہو جائے گا۔... روئیں روئیں سے محبت پھوٹ پڑ رہی تھی۔

سرگ سے گزر کر وہ ایک کشادہ ہال میں آئے۔ اور سنگ ہی نے عمران سے کہا۔ ”میں ہی تمہیں یہاں لایا ہوں۔ کیا تم سمجھتے ہو میں اتنا حمق ہوں کہ کسی ایسے لباس میں سڑکوں پر مارا مارا پھر دوں گا جو دوسروں کو فوری طور پر متوجہ کرے.... میں تمہیں بتانا چاہتا تھا کہ آج میں کیا کرتا چاہتا ہوں.... پھر تمہیں ہوائیوں کا گھرد کھا کر تمہاری نظر دوں سے او جھل بھی ہو گیا تھا۔... جتنی دیر میں تم دوسری نیکی سک پہنچتے میں نے اس کے ڈرائیور سے اپنی نیکی کے پیچے آنے کو کہہ دیا تھا۔“

”بہت خوب۔“ عمران نے بھی خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ”لیکن اس کا مقصد کیا تھا؟“

”ہوائیوں کا مصرف تو تم نے دیکھ لیا.... وہ سب بیوپش پڑے ہوں گے خواب آور دھوان انہیں گھنٹوں سلاۓ گا.... اور ہم یہاں اطمینان سے سمجھوتے کی بات کریں گے۔ تم ابھی سک غلط فہمیں نہیں بنتا رہے ہو۔ مجھے کسی قسم کے کاغذات کی تلاش نہیں.... میری دلچسپی تو لاکھوں کی مالیت کے ان ہیروں تک مدد دے جو پروفیسر راشد کے قبضے میں تھے.... لیکن میں نے مصلحت ان محترمہ سے کاغذات کی بات کی تھی۔“ سنگ ہی خاموش ہو کر ساجدہ کی طرف دیکھنے لگا اور ساجدہ بُرا اسمانہ بنائے ہوئے دوسری طرف مڑ گئی۔

”تو پھر تم میرے انتظار کیوں کر رہے تھے پیارے پچا جان....!“ عمران نے پوچھا۔

”ہیروں میں سے چوتھائی تمہارے....?“

”چوتھائی کیوں سمجھتے کے پیارے.... آدھے کیوں نہیں؟“

سگ ہی نے اب ساجدہ کو غصہ دلانا شروع کیا۔ ایسی وابحات حركتیں کیں کہ وہ آپ سے باہر ہو گئی اور اس نے اس پر فائر جھوک مارا لیکن وہ تو پوزیشن بدلتے کھڑا مسکرا رہا تھا۔۔۔ پھر اس نے پر درپے ساری گولیاں ختم کر دیں۔۔۔ لیکن سگ ہی اچھل کو دکھنے کو بچا لے گیا۔ ساجدہ نبڑی طرح ہانپر ہی اور اس کا چہرہ پسینے سے بھیگ گیا تھا۔ سگ ہی نے اس سے پوچھا کہ ”اب وہ کیا کرے گی۔۔۔“ پھر قیقهہ لگا کر بولا۔ ”اور اس لوٹنے کا خشر میرے ہاتھوں پہلے بھی دیکھ چکی ہو۔“ ساجدہ نے بے بی سے عمران کی طرف دیکھا۔۔۔ عمران مایوسانہ انداز میں سر ہلاکر بولا۔

”اب جان نہیں بچے گی۔۔۔ بتائی دو وہ جگہ۔۔۔ جہاں۔۔۔!“

”خاموش رہو۔۔۔!“ ساجدہ جلا کر چینی۔ ”میں تمہیں اتنا بذل نہیں سمجھتی تھی۔ اس نے بیہیں تمہارے سامنے ایسی ذلیل حركتیں کی تھیں اور تم کھڑے دیکھتے رہے۔“

”ارے لا حول ولا قوۃ۔۔۔ وہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔۔۔ اچھا میٹے چچا صاحب اب آجاؤ اسی بات پر۔۔۔!“

عمران پینترہ بدلتے کھڑا ہو گیا اور ساجدہ نے پوچھا کہ کیا وہ واقعی خالی ہاتھ ہے۔۔۔ عمران نے سر ہلاکر اثبات میں جواب دیا لیکن نظر سگ ہی کے چاقو والے ہاتھ پر ہی جھی رہی اور پھر ساجدہ کی آنکھوں میں بھلی سی چک آگئی وہ دیکھے ہی نہ سکی کہ وہ دونوں کس طرح گھٹ کر رہے تھے۔ عمران نے دونوں ہاتھوں سے سگ ہی کا چاقو والا ہاتھ پکڑ کر کھا رہا اور سگ ہی اسی جانب جھکا رہا تھا جس طرف عمران کے ہاتھوں کا دباو تھا۔ یک بیک عمران نے اپنے ہاتھوں کو جھکا دیا اور چاقو اچھل کر دور جا پڑا۔۔۔ لیکن ساتھ ہی اس نے یہ بھی دیکھا کہ سگ ہی جوک کی طرح عمران سے لپٹ گیا ہے۔ اسے بچپنی رات یاد آئی جب اس نے عمران کو بے بس کر دیا تھا۔۔۔ دفتار اس نے عمران کی آواز سنی جو ہستا ہوا کہہ رہا تھا۔ ”اے تیار گد گدیاں کیوں کر رہے ہو۔۔۔ آج تمہیں میری ریڑھ کی ہڈی نہ ملے گی۔۔۔ مگر بھول آیا ہوں۔۔۔ جس پر زور صرف کر رہے ہو۔۔۔“ ساتھ ہی سگ ہی کے مند سے تحریزہ سی آواز نکلی۔۔۔ اور ساجدہ نے محسوس کیا کہ عمران کے گرد اس کی گرفت ڈھیلی پڑتی جا رہی ہے اور پھر وہ عمران کو چھوڑ کر ایک طرف لڑک گیا۔

”کمال ہے۔۔۔!“ ساجدہ اس کی طرف بچھی لیکن عمران نے ہاتھ اٹھا کر اسے دور ہی رہنے کا اشارہ کیا۔ اب سگ ہی بے حس و حرکت فرش پر چلتا چلا جا رہا ہو۔۔۔ وین کے پیچے دروازے کے دونوں پاٹ کھلے ہوئے تھے۔ حالانکہ اس نے دروازے کو مقفل کر دیا تھا۔۔۔ ساجدہ اور وہ دونوں ہکابکا کھڑے ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔ سگ ہی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ دوسرے دن عمران سر سلطان کے ساتھ جھک مار رہا تھا۔۔۔ پوری داستان دہرا چکا تھا اور

کو اس ہال سے ملختی ایک پتلی سی راہبداری میں لے گئی اور دروازے کی چوکھت میں کسی جگہ ہاتھ کا کر کسی قسم کے میکرزم کو حرکت دی۔۔۔ چوکھت سے ہلکی سی آواز آئی اور راہبداری کے سرے پر ہال سے ملختی حصے پر ایک شیفٹ سی سر تک نظر آئی۔ حتیٰ کہ ہال کا راستہ مسدود ہو گیا اب ہال سے کوئی اس طرف نہیں آ سکتا تھا۔ یہ حقیقتاً ایک اونچی سی تجویری ہی تھی جس نے چھٹ سے فرش تک فاصلہ گھیر لیا تھا۔

”اس میں کاغذات کے علاوہ اور کچھ نہ ہو گا۔“ عمران نے کہا۔ ”بہروں والی بات قطعی دھوکا تھی۔ اس طرح وہ جگہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ حقیقتاً سے بھی کاغذات ہی کی تلاش تھی۔“

ساجدہ نے تجویری کھوئی۔ سامنے ہی ایک موٹا سافا میکل رکھا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ تجویری میں اور کچھ بھی نہیں تھد۔

کچھ دیر بعد وہ سگ ہی کے قریب کھڑے ہوئے نظر آئے جواب بھی اسی طرح بیہوش پڑا تھا۔۔۔ عمران نے اسے اٹھا کر کاندھے پر ڈالا اور باہر نکلنے کے لئے آگے بڑھے۔۔۔ ساجدہ اسے اس راستے کے متعلق بتا رہی تھی جو ان تہہ خانوں میں اوپر کے کروں تک گیا تھا۔ عمران چاہتا تو ادھر ہی کا راستہ اختیار کرتا لیکن اس نے مناسب نہ سمجھا۔ بدقت تمام سگ کو اس سوراخ سے باہر نکال سکتا تھا۔۔۔ دوسرا آدمی اب بھی ویس پڑا نظر آیا جہاں اسے چھوڑا تھا۔ اب عمران نے اس کی طرف توجہ بھی نہ دی۔ سگ کو کاندھے پر اٹھائے ہوئے بڑی اختیاط سے آگے بڑھتا رہا۔۔۔ وہ ساجدہ کو بتا رہا تھا کہ سگ ابھی کئی گھنٹے بیہوش رہنے گا کیونکہ اس نے اس کے آرٹ کو اسی پر بڑی سختی سے استعمال کیا تھا۔

وین تک پہنچنے میں بڑی دشواری پیش آئی۔ کیونکہ اب کو تھی میں زندگی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ غالباً مدد پہنچنے پڑی تھی۔ سگ ہی کو وین کے پیچے حصے میں بند کر دیا گیا اور پھر وہ داش میں کی طرف روانہ ہو گئے۔

عمران نے ٹرانسپورٹ پر صدر کو متوجہ کر کے کہا اب وہ سب داش میں پہنچنے جائیں۔ بہر حال جب وہ داش میں پہنچا تو وہ موجود ہی ملے۔۔۔ لیکن۔۔۔ لیکن جب عمران دین روک کر پیچے اترتا تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے زمین میں دھنستا چلا جا رہا ہو۔۔۔ وین کے پیچے دروازے کے دونوں پاٹ کھلے ہوئے تھے۔ حالانکہ اس نے دروازے کو مقفل کر دیا تھا۔۔۔ ساجدہ اور وہ دونوں ہکابکا کھڑے ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔ سگ ہی کا کہیں پتہ نہ تھا۔

دوسرے دن عمران سر سلطان کے ساتھ جھک مار رہا تھا۔۔۔ پوری داستان دہرا چکا تھا اور

اب سر سلطان اُسے حقیقتاً پر لے درجے کا حمق ثابت کر دینے پر عمل گئے تھے۔

”چلنے... چلنے... پھر دیکھا جائے گا....!“ عمران سرہلا کر بولا۔ ”ان کاغذات سے یہ تو معلوم ہی ہو گیا کہ انجمن بیباکاں یہاں زیرولینڈ کی جاسوسی کر رہی ہے اور پروفیسر راشد ان کا سر برآ تھا... لیکن کسی وجہ سے زیرولینڈ کے بڑے آدمی اس کے مقابل ہو گئے تھے... اور وہ خود بھی انہیں زک دینا چاہتا تھا۔ یہاں کی تنظیم پوری طرح اس کے قابو میں تھی... اور سنگ ہی اسی لئے یہاں بھیجا گیا تھا کہ نہ صرف اس کا خاتمہ کر دے بلکہ کاغذات بحفاظت زیرولینڈ کے کار پروڈاکٹس نکل پہنچ جائیں اور یہاں کی تنظیم کے افراد کو یہ بھی نہ معلوم ہونے پائے کہ وہ اب تک زیرولینڈ کے مناد کے خلاف کام کرتے رہے ہیں۔ اگر یہ کاغذات ساجدہ کے ذریعے پروفیسر کے نائب تک جا پہنچتے تو وہ بھی پروفیسر راشد کی پالیسیوں پر عمل کر تارہتا اور زیرولینڈ کو اس سے نقصانات پہنچتے... جہنم میں گیا زیرولینڈ... میرا باب کیا ہو گا۔ کیا فیاض کے آدمی مجھے دھر رہیں گے۔“

”میں نے انتظام کر لیا ہے۔“ سر سلطان مسکرا کر بولے۔ ”تم آزادی سے حماقتوں پھیلاتے پھر وہ اور ہاں وہ لڑکی فی الحال تمہارے ہی ساتھ رہے گی۔“

(ختم شد)

# بیباکوں کی ملاش

ابن صفی

تیسرا حصہ ناول

عمران سیریز نمبر 37

سنگ ہی بھی اس کہانی میں ذہنی جنگ کے ماہر کی حیثیت میں نظر آئے گا۔ عمران اور وہ دونوں ہی ایک دوسرے کی تاک میں تھے۔ اس نے شروع سے آخر تک ذہنی جنگ ہوتی رہی ہے۔ ذہنی جنگ میں بہت زیادہ دھینگا مشتی یا ٹھائیں ٹھائیں کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا لیکن میرا خیال ہے کہ زیادہ تر پڑھنے والے اسی دھوم دھڑ کے منتظر ہے ہوں گے کیونکہ یہ اس سلسلے میں آخری مقابلہ تھا۔

کہانی ختم کرنے کے بعد آپ سوچیں گے کہ کئی معاملات کی وضاحت نہیں کی گئی۔ دیدہ و دانتہ ایسا ہوا ہے کہانی کی تکمیل اسی کی مقاضی تھی کہ کچھ سوالات کے جواب پڑھنے والے خود ہی مرتب کریں۔

اکثر پڑھنے والے بعض بہت پرانے اور غیر اہم کرداروں کی واپسی کے مطابعے کرتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر ابھی حال ہی میں ایک صاحب نے ”لاشوں کا آبشار“ والی کنوں کی فرمائش کی ہے۔

اس سلسلے میں کیا عرض کیا جائے۔ ویسے اب اگر کنوں واپس بھی آئی تو آپ بور ہو کر رہ جائیں گے کیونکہ اس کے پیچھے کم از کم سات عدد بچوں کی فوج بھی ہو گی۔ اب وہ اتنی زندہ دل اور کھلنڈری نہیں رہی۔ بچوں کو ہر وقت جھپڑنے اور آنکھیں دکھاتے رہنے کی وجہ سے چہرے کی شادابی اور شوخی رخصت ہو چکی ہے۔ شوہر پر طنز کرتے رہنے کی بناء پر آواز میں زہریلا پن پیدا ہو گیا ہے۔ کئی کئی دن لباس نہیں تبدیل کرتی۔... زیادہ تر باورچی خانے میں سر کھپاتی رہتی ہے۔ بھلا بتائیے کیا حال ہو گا آپ کی

## پیشہ

جو نک کی واپسی اور زہریلی تصویر کے بعد بیباکوں کی تلاش ملاحظہ فرمائیے۔ یہ اس سلسلہ کی آخری کتاب ہے۔  
جو نک کی واپسی مادام نشی کا کی مکمل کہانی تھی۔ زہریلی تصویر میں پروفیسر راشد کا قصہ تھا۔ بیباکوں کی تلاش میں صبیحہ کی داستان اور انہم کا طریق کار ملاحظہ فرمائیے!

مجھے یقین ہے کہ صبیحہ کا کردار پسند کیا جائے گا۔ وہ ایک ہلکی قسم کی اذیت پسندی کی شکار ہے۔ دوسروں کو جھلاہٹ میں مبتلا کر کے مسرور ہونا اس کی فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔

بھالیاتی حس کا جب اسے برتن مانجھتے دیکھیں گی اور اس وقت تو آپ آنکھیں ہی بند کر لیں گی جب وہ برتن مانجھ چکنے کے بعد ہاتھوں کو تو لئے سے شک کرنے کی بجائے تمیض کے پیچھے دامن پر پھیرتی نظر آئے گی۔ ایسی ہی بہتری باتیں جن سے آپ کا ذوق نظر مجروح ہو سکتا ہے۔ اس لئے خاص کرداروں کے علاوہ دوسرے کردار نئے ہی چلنے دیجئے۔ ویسے انور اور رشیدہ کے سلسلے میں آپ کی خواہش ضروری پوری کی جائے گی۔ عرصہ سے سوچ رہا ہوں کہ انور اور رشیدہ کا بھی ایک صخیم ناول پیش کیا جائے .... لیکن .... کب؟ دیکھئے کب موقع ملتا ہے۔

## ابن صفحہ

۱۹۷۵ء میں ۲۸

تک میں دم کر کھا تھا گھر بھر کا.... وہ ایسی ہی تھی۔ ایم اے کے پہلے سال میں پڑھتی تھی۔  
لفظ لے رکھا تھا.... باپ آزاد خیال اور جدت پسند تھے اور ماں اول درجے کی قدامت پسند۔  
نقاب ڈالے بغیر گھر سے باہر نہیں نکلتی تھیں اور شہر پر خار کھاتی تھیں کہ بیٹی کو اتنی آزادی  
کیوں دے رکھی ہے۔ صبیحہ نے انہیں اتنا پریشان کیا تھا کہ قریب قریب ماتھا کے جذبات ہی فنا  
ہو کر رہ گئے تھے اور اب وہ ان کے لئے ایک ایسی ہستی بن کر رہ گئی تھی جس کی صورت دیکھتے ہی  
غصہ آ جانا لازمی تھا۔

باپ کبھی کسی مسئلے میں دخل نہیں دیتے تھے۔ کچھ بھی ہو رہا ہو ان کے کان پر جوں نہ  
رینگت۔ صبیحہ کی شوخیوں پر صرف مکرا کر رہ جاتے تھے۔ کبھی اس سے کسی بات کی باز پر س نہیں  
کی تھی.... اگر وہ اپنے کسی بوائے فریڈ کو بھی گھر پر بلا یقین تو شاہد انہیں اعتراض نہ ہوتا۔ ویسے  
صبیحہ نے کبھی ایسا کیا نہیں تھا.... تھا ہی نہیں کوئی بوائے فریڈ۔ وہ تو محض اپنی ماں اور نالی کو  
جلانے کے لئے کسی سیلی کے بھائی کا تذکرہ لے پڑھتی.... وہ چیختی چلا تھی اور صبیحہ بڑی سخیدگی  
سے کہتی.... ”ارے بس دوستی ہے ان سے کوئی میرے عاشق تھوڑا ہی ہیں۔“

ماں لفظ عاشق پر ہزاروں سلواتیں سناتیں اور کہتیں ”ارے کجھت یہ تو بازاری عورتوں کے  
سے انداز میں کیوں باقی کرنے لگتی ہے۔“

اس پر وہ بڑے فلسفیانہ انداز میں انہیں سمجھاتی کہ عاشق کو عاشق ہی کہیں گے.... ناشتہ  
ان نہیں.... ویسے اگر ناشتہ دان کہنے سے مغموم پورا ہو جائے تو وہ مجھوں لیل کا عاشق تھا بنتے کی

بجائے مجھوں میل کا ناشتہ دان تھا، بھی کہہ سکتی ہے۔

اسی ہاتوں پر انہیں اس زور سے غصہ آتا کہ ان کی زبان ہی بند ہو جاتی اور پھر نافی جو شروع کرتیں گا اور کوئے تو ہنسنے ہستے اُس کے پیٹ میں بل پڑجاتے۔ نی نی اصطلاح میں سننے میں آتیں.... وہ آدھی اردو اور آدھی پوربی میں دیے بھی گفتگو کرتیں۔ غصے کی حالت میں پوری اور اردو پچھے اس طرح گلڈم ہوتی کہ ایک تیرزی زبان عالم وجود میں آجائی جسے شاید وہ خود بھی نہ سمجھ پاتیں۔ صیبھ دوسروں کو چڑانے میں ایک خاص قسم کی لذت محسوس کرتی تھی.... جب کسی کو اپنی ہاتوں پر جھنجلاہٹ میں بتلا دیکھتی تو اسے ایسا محسوس ہوتا ہے سارے جسم میں ہلکی ہلکی سرور انگیزی گدگدی ہو رہی ہو۔

جس دن اُسے کوئی ایسا موقع نصیب نہ ہوتا بھی بھی سی رہتی۔ کسی کام میں دل ہی نہ لگتا۔ لوگوں کو جلاہٹ میں بتلا کرنے کے لئے نی نی حرکتیں کرتی۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ ان کا انجام کہیں کسی حادثہ کی شکل میں نہ ظاہر ہو۔ آج تو ایسی حرکت کر گزری تھی کہ جس کی بناء پر کسی بھی کواری لڑکی کی شامت بلا علم و اطلاع آسکتی تھی۔

اپنے فرضی عاشق کی طرف سے خود ہی ایک خط لکھاڑا لاتھا.... کئی طرح کے انداز تحریر پر قادر تھی.... لہذا ماں کے دھو کا کھاجانے میں کوئی شبہ ہی نہیں تھا۔ یہ خط ایسی جگہ رکھا گیا جہاں ماں یا تانی کی نظر ضرور پڑے۔

اس نے اپنے فرضی عاشق کی طرف سے لکھاڑا۔

”حد سے زیادہ پیاری صیبھ!“

تم سے ملنے کی کوئی صورت نہیں رہی۔ تم تین دن سے یونورٹی کیوں نہیں آ رہیں.... متواتر تین راتوں سے جاگ رہا ہوں کیا کروں سمجھ میں نہیں آتا جس دن تم سے ملاقات نہیں ہوتی کسی کام میں جی نہیں لگتا۔ تمہارے گھر آتا مگر تم پہلے ہی تاپکی ہو کر والدہ صاحبہ بڑی حلاں ہیں، لہذا ہمت نہیں پڑتی.... دیے کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تمہارے بیٹگے کی کپاڈنڈ کی دیوار پھلانگ کر اندر چلا آؤں.... بھتی میں تو آج رات کو یہی کروں گا خواہ کچھ ہو۔ گیارہ بجے رات کو کپاڈنڈ ہی میں ملنا....

تم پہلے ہی تاپکی ہو کہ تمہارے یہاں کتے نہیں ہیں۔ پھر کیا ذر ہے کسی کا۔ کافیں کافی خبر نہ ہو گی۔ دیے مجھے اس کا علم ہے کہ تمہارے پیاہ وورے پر گئے ہوئے ہیں.... فقط تمہارا آخر....“

بہر حال خط مان کے ہاتھ لگا۔ پڑھ کر سنانے میں رہ لئیں۔ وہ چچپ کر انہیں دیکھ رہی تھی تھوڑی دیر تک وہ سر تھامے بیٹھی رہیں۔ پھر اپنی ماں کے پاس گئیں صدمہ بھی تھا اور غصہ بھی.... دونوں میں کچھ کھسر پھر ہوئی اور پھر صیبھ نے دونوں کے روئے کی آواز سنی.... بڑی بیٹی تو باقاعدہ تین کروہی تھیں لیکن کیا کہہ رہی تھیں یہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ البتہ اپنے منہ میں دوپٹہ ٹھوں ٹھوں کر ہنسی روکنے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ چھوٹے بھائی بہن اسکو گئے ہوئے تھے ورنہ پورا بیکلہ ماتم کردا بن کر رہ جاتا۔ وہ خود آج کی دنوں سے یونورٹی نہیں گئی تھی۔ مودہ نہیں تھا۔ ایک گھنٹے بعد دونوں خواتین کمرے سے باہر آتی تھیں۔ دونوں کی آنکھوں پر درم سا آکیا تھا۔ نائیں سرخ ہو رہی تھیں۔ صیبھ نے دور سے دیکھا اور لٹانی کاٹ کر دوسرا طرف نکل گئی۔ اُر تھا کہ سامنا ہونے پر اُسے ہنسی نہ آجائے۔ وہ تو اس کی منتظر تھی کہ اب وہ دونوں اس پر گرد جیں برسیں گی لیکن ایسا نہ ہوا۔... شام تک انہوں نے اس سے کوئی بات نہ کی لبس قبر آؤ دن طروں سے گھورتی رہیں.... البتہ صیبھ نے محسوس کیا کہ تینوں ملازوں کو کچھ خاص قسم کی بدایات دی جا رہی ہیں.... وہ سمجھ گئی کہ دونوں خواتین کی یہ خاموشی کسی بڑے ٹھوٹان کا پیش نہیں ثابت ہو گئی۔ پھر بھی کے مارے اس کا براحال ہو گیا۔ شام دہ دنوں اس کے ذیلیں دوست کو ٹھیرنے کی ایک بارہی تھیں.... اس نے سوچا مزہ آئے گا.... تینوں ملازوں میں گیارہ بجے رات تک پائیں باغ میں چھپے بیٹھے رہیں گے اور یہ دونوں بار بار برآمدے میں نکل کر دیکھیں گی کہ شکار پھنس گیا یا نہیں۔

چھوٹے بھائی بہن اسکوں سے آئے تو گھر میں شانا تھا۔ ان بیچاروں کو بھی تشویش ہوئی ہو گئی۔ آن یہ چھٹلی بازار تبرستان کیوں بن گیا ہے ان میں سے شاید کسی نے مال سے پوچھ بھی بیا تھا کہ باجنی کہاں ہیں۔

لہس پھر کیا تھا.... شامت آگئی اس کی.... چٹاچٹ کی طماقچے پڑ گئے اس نے چلمازاں ناشر و رکر دیا۔ پھر جو بھی دیرافت حال کے لئے قرب آیا۔ دو چار باتھ اس نے بھی کھائے۔ کافی بڑی

آواز نہیں سائی دیتی تھی..... اور صبحہ بڑے اٹھیناں سے اپنے کرے میں لہنی پڑھے ہوئے رسائل کے اشتہارات پڑھتی رہی۔

چھوٹا بھائی جس کی عمر بارہ سال تھی پنگ بڑی کے شوق میں بتلا ہونے کی بناء پر پٹے سے نج گیا تھا۔ وہ اسکول سے آتے ہی پنگ اور چرخی سنجال کر چھت پر جا چڑھاتا۔

بہر حال ہنگامہ فرو ہونے کے بعد اسے بھی فکر ہوئی تھی کہ آخر ان سکھوں کی پانی کس بنا پر ہوئی تھی۔ ماں یا نانی سے تو پوچھنے کی ہمت نہ پڑی۔ پٹے والوں سے پوچھا لیکن وہ وجہ نہ تاکے۔

آخر صبحہ سے ہی پوچھنا پڑا۔

”کبھی تھے تھا ری.....!“ صبحہ آنکھیں نکال کر بولی۔

”کیوں باجی..... میں نے کیا کیا ہے؟“

”اگر میرے بڑے بھائی ہوتے تو وہ بیچارے کیوں پتے۔“

”میں نہیں سمجھا بھائی۔“

”ارے.... میرے بڑے بھائی ہوتے تو انہیں ہی میری شادی کی فلر ہوتی.... پیا کو تو نہیں ہے.... می کو اس کا برا قلق ہے.... کہہ رہی تھیں کہ اگر انور بڑا بھائی ہوتا تو اب مکب بھی کی صبحہ یا ہی جا چکی ہوتی.... ان حضرت کو تو فکر ہی نہیں ہے کس بات کی۔“

”لیکن.... ملو پو اور گند کیوں پٹ گئے۔“

”وہ تمیوں کہہ بیٹھے تھے کہ ہم جاہے ہیں باجی کے لئے دلبہڈ سوندے۔“

”واقعی....؟“ صبحہ نے تحریر آمیز سنجیدگی سے پوچھا۔

”لیں سر...!“

”اچھا تو جاؤ.... شاباش....!“

اس نے سوچا اب برادر استہنگے کے امکانات ہیں.... وہ بھی پیکے سے اٹھ کر بھائی کے پیچے پیچے چلی آئی۔ یہاں بھائی ماں سے کہہ رہا تھا۔

”آپ خواہ مخواہ بریشان ہوتی ہیں می.... پیا کو فکر نہ ہو مجھے تو بے۔“

”کاہے کی فلر....!“ وہ جھلکر پلٹیں۔

”باجی کی فلر.... میں نے ڈھونڈ لیا ہے۔ چودھری اللدر کھا۔ مویشی نے کے مٹھی ہیں۔“

قل اس کے کہ دہ کچھ کہتیں.... صبحہ نے چک کر پوچھا۔ ”اچھا بڑی بڑی موچھیں ہیں یا نہیں.... شوار پہنچتے ہیں کہ تھہ.....!“

”ثہر تو جا... حرافہ....!“ دفعتاں جو تی اتار نے کیلئے بھیں.... اور وہ اچھل کر بھاگی۔ اب نانی اور ماں دونوں اس کے پیچھے دوپڑی تھیں۔

وہ کہ کڑے لگاتی ہوئی برآمدے سے گزر کر پائیں باغ میں پلی آئی اور وہ دونوں برآمدے ہی میں کھڑی ہانپتی رہ گئیں۔

بھر آگئی شامت اس بھائی کی جسے بہن کی فلر تھی۔ ماں نے اسے دونوں ہاتھوں سے پیٹنا شروع کر دیا تھا۔ اور صبحہ لان پر اونڈھی پڑی ہوئی بے تحاشہ بنس رہی تھی۔

پھر رات تک ہنگامہ ہی رہا تھا اور تمیوں ملازم میں پائیں باغ کے کسی گوشے میں چھپے بیٹھے تھے ماں اور نانی بار بار بیر ورنی برآمدے تک جاتیں اور پھر واپس آ جاتیں۔

صبحہ بھی بھی کبھی ان کی لا علمی میں ادھر ادھر جھانک آتی۔ پھر سازھے اس بجے وہ بھی خود کو بے چین طاہر کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ ان دونوں کی دانت میں بھی کئی بار بیر ورنی برآمدے تک گئی اور پھر اپنے کمرے میں واپس آگئی۔ ماں اور نانی اسے قہر آکوں نظروں سے گھور رہی تھیں۔

پھر گیادہ نج گئے.... اور ایک ملازم دوڑتا ہوا آیا اور اس کی ماں سے بولا۔ ”نیگم صاحب وہ باہر فٹ پا تھے پر کھڑا ہوا ہے.... دیوار پر چڑھے تو پکر لیں۔“

صبحہ برا بر والے کمرے سے سن رہی تھی۔ ہنر روکنے کیلئے اسے منہ میں دوپٹہ ٹھوٹنا پڑا۔

نوکر کو سر گوشیوں میں کچھ ہدایات ملیں اور پھر وہ واپس چلا گیا۔ صبحہ نے سوچا کہ اب اسے بھی بیر ورنی برآمدے کی طرف جانے کے لئے بیتابی ظاہر کرنی چاہئے۔

وہ بے پاک چوروں کی طرح راہداری کی طرف بڑھی.... لیکن ماں اور نانی صدر دروازے کے درمیان حائل نظر آئیں۔

وہ اس طرح ٹھٹھک گئی جیسے چوری کرتے پکڑی گئی ہو۔

”کہاں چلیں....!“ ماں نے ہاتھ پنچا کر زیر یہ لبھ میں پوچھا۔

”وہ.... ارے.... مم.... مطلب یہ کہ.... دل الجھ رہا ہے.... ذرا انہلوں گی۔“ اس نے رک رک کر کامپتے ہوئے کہا۔ بوکھلاہٹ کی بڑی شامدار ایٹنگ کر رہی تھی۔

”بند کر دیا ہے.... اشور میں....!“

”کے بند کر دیا ہے۔“ صیحہ بھی جھنجھٹا گئی۔

نور نے بیگم صاحبہ کی طرف دیکھا لیکن وہ کچھ کہے بغیر اشور روم کی طرف جھپٹی چلی گئی۔ اشور روم کیا اچھا خاصہ رہا۔ کہاں کا کہہ تھا جس میں فالتوں کاٹھ کیا ہے اور مودی خانے کا سامان بھرا رہتا تھا.... صیحہ بھی ان کے پیچھے ہی پیچھے چلی آئی۔

کھڑکی کی دوسری طرف ایک صحت مند اور وجہہ جوان سلاخیں تھامے کھڑک احمدانہ انداز میں پلکیں جھپکارہاتھا۔

اُس کی ظاہری آن بان دیکھ کر بیگم صاحبہ بھی پل بھر کے لئے ٹھنڈکیں پھر خود کو سنبھال کر سخت لبجھ میں بولیں۔ ”یہ کیا حرکت تھی۔“

”میں بھی.... میں بھی نہیں سمجھ سکا محترمہ....!“

صیحہ ان کے پیچھے کھڑی و حشمت زدہ نظروں سے اُس آدمی کو گھورے جا رہی تھی جو کافی وجہہ ہونے کے باوجود بھی پر لے درجے کا حق معلوم ہوتا تھا۔

”تمہارا نام اختر ہے۔“ بیگم صاحبہ اس کی نرم گفتاری پر شیر ہوتی ہوئی دہائیں۔ ”چلنے اختر ہی سمجھ لجھے.... کیا فرق پڑتا ہے۔“

”تم ہماری کمپاؤنڈ میں کیوں گھے تھے۔“

”میں.... نہیں تو.... میں تو گھسیدا گیا ہوں زبردستی کمپاؤنڈ میں۔“ ”کیا کہو اس ہے۔“

”جی ان سے پوچھ لجھے جنہوں نے سر پر چادر ڈال کر مجھے اس حال کو پہنچایا ہے۔“ ”کیوں....؟“ بیگم صاحبہ نوکروں کی طرف مڑیں۔

”جی گھے نہیں تھے تو گھس ہی آتے۔ بڑی دیر سے پھانک کے سامنے فٹ پاٹھ پر کھڑ تھے۔“ صیحہ کا دل اور شدت سے دھڑکنے لگا۔ وہ سوچ رہی تھی کہیں پولیس کیس نہ بن جائے۔ ”یہ شرارت دھری رہ جائے گی۔ اب کیا ہو گا۔... اب کیا ہو گا۔“

”بہر حال تم اختر ہو۔“

”جی ہاں میں اختر ہوں۔“

”پل بیٹھ...!“ وہ ہاتھ جھک کر بولیں۔ ”ورنہ آج کھال ہی گرا دوں گی۔ پھر دیکھوں گی بادا جان میرا کیا بگاڑ لیتے ہیں۔ شہدے دے دے کر سامنہ بنا دیا ہے چھپو نہ رکو۔“

”ٹھہر تو.... لینگو تھ پلیز کی بچی۔“ وہ ہاتھ اٹھا کر اُس کی طرف لپکیں... پھر وہ جو وہاں سے بھاگی تو اپنے کمرے ہی میں آ کر دم لیا۔... دروازہ مقفل کر کے بستر پر لوٹنے لگی۔ بھی کے مارے سانس نہیں سمارتی رہی۔ پیٹ دبادبا کر بہتی رہی۔

ادھر بیگم صاحبہ پچھے دور تو دوزی تھیں پھر بیر و فر آمدے کی طرف پلٹ گئی تھیں۔

صیحہ سوچتی اور بہتی رہی۔... کیا چھکایا۔... اب بارہ بجے تک کے لئے فرصت ہوئی اور وہ کمخت امیرانہ جانے کس بیچارے کو تاک بیٹھا ہے۔... انتظار ہو رہا ہے کہ دیوار چھاندے اور وہ اُسے دھر لیں۔... میاگر موجود ہوتے تو یہ شرارت کامیاب نہ ہو سکتی کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ کئی طرح کے طرز تحریر پر قادر ہے وہ خود ہی انہیں اپنے کمالات دکھا چکی تھی۔ اگر میاگے سامنے یہ خط پیش بھی کیا گیا تو وہ اس قسم کی دوسری تحریر ان کے سامنے ہی گھیثت کر کر کھو دے گی۔ تھوڑی دیر تک وہیں لیٹیں رہی پھر دروازہ کھول کر جھاناکا ہی تھا کہ یہ بیک شور سنائی دیا۔ ”پکڑ لیا۔... بیگم صاحبہ....!“ دونوں نے بیک وقت ہاں کلگائی تھی۔

”کہاں ہے؟ کہاں ہے۔“ بیگم صاحبہ نے بے ساختہ پوچھا۔

”امیرانے سر پر چادر ڈال کر گھیثت لیا تھا۔ گرا جو چاروں شانے چت تو ہم لوگ چھاپ بیٹھے۔ کھوپڑی پر چادر باندھ کر گردن میں گردہ لگادی۔ یہ بھی نہ دیکھ سکا ہو گا کہ کس نے چادر ڈالی اور کس نے گھیثت مارا۔“ ”پکڑ کیا کیا۔“

”بند کر دیا ہے سالے کو....“

سیحہ نے سا اور حواس باختہ ہو گئی۔ پتہ نہیں کے پکڑ لیا کم بختوں نے.... وہ بھی بوکھلا کر دوڑ پڑی۔ ”کیا ہوا؟“ اس نے پوچھا۔

”کیا بات ہے.... کیا ہوا؟“ اس نے پوچھا۔

”ابھی تاتا ہوں....؟“ ماں نے دانت پیس کر کھا۔ پھر نوکر سے پوچھا۔ ”کہاں ہے۔“

”تم لوگ جاؤ یہاں سے۔“ وہ ملاز مول کی طرف مڑ کر بولیں۔

ملازم چلے بھی گئے لیکن صبیحہ دہیں کھڑی رہی۔ بیگم صاحبہ کے انداز سے ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے انہیں وہاں صبیحہ کی موجودگی کا علم نہ ہو۔

بیگم صاحبہ مقید نوجوان کو چند لمحے قبر آسود آنکھوں سے گھورتی رہیں پھر ڈپٹ کر پوچھا۔ ”تم صبیحہ کو خطوط لکھتے رہتے ہو۔“

”جج... جی ہاں...!“ اُس نے احقانہ سعادت مندی کے اظہار میں سر کو جبیش دی۔

صلیحہ کا منہ جیرت سے کھل گیا۔

”کیوں لکھتے ہو۔“ بیگم صاحبہ دانت پیس کر بولیں۔

”بس جی چاہتا ہے۔“

”جی چاہتا ہے کے بچے... میں تمہیں جیل میں سڑدا دوں گی۔“

”اب جو کچھ بھی ہو۔“

”میں تم پر چوری کا بھی الزام لگاؤں گی۔“

”آپ اپنے ہاتھ سے میرا گلاد باد تجھے کاپ گر میں تو لکھوں کا خطوط۔“

”چپ رہو... کینے... ذلیل...!“

”جی اچھا...!“ اچھت نے پھر سعادت مندی کا اظہار کیا۔

صلیحہ کا سر چکرانے لگا۔ سڑی گم ہو گئی جس اختر کی طرف سے اس نے خود کو خط لکھا تھا اُس کا

سرے سے کوئی دجوہ ہی نہیں تھا۔ لیکن یہ آدمی؟

کون ہے یہ؟ کیوں اتنا برا الزام اپنے سر لے رہا ہے؟ اس کی بھی پرواہ نہیں کہ اسے پولیس

کے حوالے کر دیا جائے گا۔ یہکہ بیک صبیحہ جی کڑا کر کے آگے بڑھی اور بولی۔ ”تم کون ہو؟ میں

تمہیں نہیں جانتی... تم نے کبھی مجھے خطوط لکھیں لکھے۔“

قبل اس کے کہہ کرتا بیگم صاحبہ کا ٹھاٹھا تھا صبیحہ کے منہ پر پڑا اور وہ لڑکھڑا تھی ہوئی پیچھے

ہٹ گئی اس کے بعد تو اسے پچھے ہی نہ جل سکا کہ وہ دونوں ہاتھ بیگم صاحبہ کے تھے یا کسی مشین کے

ذریعہ چلنے والے ہتھوڑے کے... جو تراڑا اُس پر وار کئے جا رہے تھے۔ نالی پاس ہی کھڑی گایوں

اور کو سنوں کے ڈنگرے بر ساتی رہیں... بیگم صاحبہ جب اسے اچھی طرح پیٹ چکیں تو نہ

جانے کیوں خود ہی روشن اشروع کر دیا اور دوسرے رہائشی حصے کی طرف چلی گئیں۔ نالی بھی ان کے پیچھے بچپنی تھیں۔ لیکن صبیحہ پھر کھڑی ہو کر اُس مجنوٹا الحواس نوجوان کو گھوڑے جا رہی تھی۔

”مجھے اس پر حرمت نہیں ہے۔“ نوجوان نے جلدی جلدی پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔ ”میری می تو ان سے بھی زیادہ تمیز ہیں۔“

”تم کون ہو؟“

”آخر... آخر علی صدیق۔“

”یہاں کیوں آئے تھے؟“

”میری یہاں خود نہیں آیا... لا یا گیا ہوں... کسی نے پیچھے سے سر پر چادر ڈال کر گھیٹ لیا۔“

”ہمارے پھانک کے سامنے کیوں کھڑے تھے۔“

”اپنے دوست چودھری عبداللطیف کا بیٹھہ تلاش کر رہا تھا... دو پھر سے یہ وقت آگئی...“

”عادل آباد میں اُس کے علاوہ اور کسی کو نہیں جانتا۔“

”تو تم پر دلی ہو۔“

”جی ہاں۔“

”یہاں آس پاس کوئی عبداللطیف نہیں رہتا۔“ صبیحہ نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ پھر

چوک کر بولی۔ ”تم نے خواہ خواہ یہ کیوں کہہ دیا کہ مجھے خطوط لکھتے رہے ہو؟“

”نہیں تو...!“ نوجوان نے حرمت سے آنکھیں پھاڑاتے ہوئے کہا۔ ”میں نے تو نہیں

کہا... انہوں نے پوچھا تھا کہ تم صبیحہ کو خطوط لکھتے رہتے ہو... میں نے کہا جی ہاں۔“

”یہ کیوں کہہ دیا؟“

”میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔ ممی کہتی ہیں جھوٹ کے منہ سے بروز قیامت بدبو آئے گی۔“

”میں صبیحہ ہوں... سمجھ۔“ وہ جھبکلا کر بولی۔

”اوہ... ارے وہ...!“ نوجوان نے بے تھاشہ ہنسنا شروع کر دیا۔ بدقت تمام بھی رکی تو بولا۔

”احوال و لا وقارہ... میری کمزون کا نام بھی تو صبیحہ ہی ہے... میں اسے خطوط لکھتا رہتا ہوں۔“

”تم واقعی حق معلوم ہوتے ہو۔ بالکل گھاٹا... اب جیل چلے جاؤ گے... دیکھ لینا۔“

سبیحہ کو اس پر بے تھاشہ غصہ آرہا تھا۔

”تب تو واقعی بہت براہوا۔“ نوجوان نہ اسامنہ بنا کر بولا۔ ”وپھر سے اب تک بھوکا ہوں  
ٹرین پر جیب کٹ گئی.... تکٹ بھی پرس میں تھا۔ تکٹ لکٹر نے رشتہ مانگی تھی۔ کہاں سے  
دیتا۔ آخر اُس نے سامان رکھوالی اور کہنے لگا جاؤ اپنے دوست چودھری عبدالatif سے پیے لے کر  
آوت سامان دوں گا۔“

”اوہ.... تو کیا تمہیں صحیح پڑھنیں معلوم اپنے دوست کا۔“

”ایک بار پہلے بھی آچکا ہوں اس لئے بستی کا نام یاد رکھنے کی بھی ضرورت نہیں محسوس کی  
تھی اور اب توہر ایک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں۔ بھوک کے مارے دم نکل رہا ہے۔“

”میں کیا کروں.... یہاں قتل لگادیا گیا ہے.... اور چابی می کے پاس ہے۔“

”اور ڈڈی کہاں ہیں۔“ نوجوان نے خوفزدہ لمحے میں پوچھا۔

”ڈڈی ہوتے تو اس کی نوبت ہی نہ آنے پاتی۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”میں کیا کروں؟ میں کیا کروں؟“ صبح مضربرانہ انداز میں بڑا بائی۔

”آپ کیا کرنا چاہتی ہیں۔“

”آپ ایک غلط فہمی کی بناء پر اس طرح پکڑے گئے ہیں۔ لیکن ممی یقین نہیں کریں گی۔“

”کس بات پر یقین نہیں کریں گی۔“

”یہی کہ آپ وہ اختر نہیں ہیں.... اور پھر آپ کی کوئی کزن صبحی بھی ہے۔“

”بالکل سمجھ میں نہیں آیا.... اچھی بات ہے آپ مجھے سینیں بند رہنے دیجئے۔ لیکن کچھ کھلوا  
تو دیجئے.... درستہ اب میں بھوک کے مارے بیویوں ہو جاؤں گا۔“

”دفعہ پشت سے نانی کی آواز آئی۔“ اے لو.... یہ حرافہ تو کھڑی اس سے باتمی کر رہی ہے۔  
کیا فائدہ ہوا۔“

پھر انہوں نے تینوں نوکروں کو آوازیں دیں جو دوسرے ہی لمحے میں دیاں پہنچ گئے۔

نانی انہیں لیکر آگے بڑھیں اور صبحی کو پچھے دھکیلیت ہوئی بولیں۔ ”ماں صورت حرام کو۔“  
”مار پچے صورت حرام کو۔“ اجنبی نوجوان نے چڑانے کے سے انداز میں کہا۔ ”میں اتنا اکو  
نہیں ہوں.... اندر سے دروازے کی پختنی چڑھادی ہے.... مارنے سے پہلے انہیں دروازہ تو زنا

پڑے گا۔.... ادھر کے دروازے کی بھی پختنی چڑھادی ہے.... ہا۔“  
نانی کو شاید اس انداز گفتگو کی توقع نہیں تھی اس لئے ان کا منہ حیرت کے مارے کھلا دی رہ  
گیا۔ نوکروں نے بھی خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا لیکن زبان سے پچھنے کہہ سکے  
کیونکہ نوجوان ظاہری رکھر کھاد سے نہ تو نچلے طبقہ کا آدمی معلوم ہوتا تھا اور نہ کوئی لفظ الہندہ انہیں  
تو محاط رہنا ہی تھا۔

”نانی ماں.... آخر کیوں؟.... یہ کون ہیں.... کیوں پکڑا گیا ہے انہیں۔“ صبح ہر انی  
ہوئی آواز میں بولی۔

”چل یہاں سے.... چل نہیں تو سب کے سامنے جو تیاں لگاؤں گی۔“ نانی نے آگے بڑھ  
کر اسے دھکیلنا شروع کیا۔ وہ عمر ضرور تھیں لیکن صبحی عیسیٰ دس پر بھاری رہتیں۔ بڑی اچھی  
صحت تھی.... بیٹی کی بڑی بہن ہی معلوم ہوتی تھیں۔

اُبے اُس کے کمرے تک دھکیل لائیں۔ بیگم صاحبہ بھی اپنے کمرے سے نکل کر ساتھ ہوئی  
تھیں۔ لیکن اس طرح چل رہی تھیں جیسے خواب میں چل رہی ہوں۔

صبحی نے سوچا کہ اگر ان لوگوں نے اُسے بھی اُس کے کمرے میں بند کر دیا تو پتہ نہیں اُس  
اجنبی کی کیا درگست بنا نہیں۔ آزاد رہ کر وہ کم از کم اُن کی کسی ایکم میں بڑھنے توہنی ہی سکتی تھی۔  
درستہ ہو سکتا ہے ان کا کوئی غلط فیصلہ کسی نئی صیبیت کا پیش خیمہ بن جاتا۔ دفعہ ایک تدبیر سوچھ گئی۔  
اس کے متاثر بھی تباہ کرن ہو سکتے تھے لیکن اسے بھی نہیں کہ تھا نے پویس کی نوبت آجائی۔

بہر حال اُس نے نانی کے شانے پکڑے اور انہیں جھنجور کر بولی۔ ”ان کی طرفداری ہو رہی  
ہے جو ابھی کل ہی بڑی بڑی تھیں کہ چھاتی پر سوار ہیں بیٹوں کے یہاں نہیں جاتیں۔“

بڑی بیلیکھت پوک پڑیں۔ پلٹ کر بیٹی کی طرف دیکھا جو حیرت سے منہ کھونے کھڑی تھیں۔  
”کہتی ہی رہتی ہیں۔“ صبح ہر تر سے دوبارہ بولی۔ ”جہاں ناکسی بھوکے پچھے ہونے والا ہے  
کے مل دوزی چل جاتی ہیں چاہے میں مرہی کیوں نہ رہی ہوں۔“

”اُرے ناشدنی کیوں؟....؟“ بیگم صاحبہ اس سے زیادہ نہ کہہ سکیں کیونکہ بڑی بیلیکھت کیوں  
تھیں۔ ”بس بس.... وہ جھوٹی نہیں ہے اور چاہے عیسیٰ ہو.... کیا میں تجھے نہیں جانتی ہوں۔  
ہماری خصلتیں پھوٹھیوں کی پائیں تو نے۔“

”اور تو کروں کے سامنے بڑا ہتھی ہیں۔“ صبح نے مکمل الگایا۔

بیگم صاحبہ آپ سے باہر ہو گئیں۔ گھونسہ تاں کر جھپٹیں لیکن بڑی بی ان کے درمیان آتی ہوئی زہریلے لمحے میں بولیں۔ ”جھوٹ کہہ رہی ہے تو جراغ پاہونے کی کیا خودرت ہے۔“

”ارے اماں یہ کہیں... کہیا...!“

”بس بس... خبردار... جو اسے کچھ کہا۔ لعنت ہے تھے پر اور تیرے گھر پر اب جو کبھی قدم رکھوں۔“

”ارے اماں... سن تو سکی۔“

لیکن بڑی بی ان کی بھی سننے کی بجائے چینی پچھاڑاتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں اور صبح نے اپنے کمرے میں گھس کر دروازہ بند کر لیا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اب پوری رات کسی نہ کسی قسم کے ہنگامے ہی کی نذر ہو گی۔

”نکل کم بخت... نکل باہر... آج زندہ نہیں چھوڑوں گی.... دیکھتی ہوں کوئی میرا کیا بگاڑ لے گا... بادا جان آکر تیری لاش ہی دیکھیں گے.... وہ دروازہ پیٹنے لگیں۔“

”اس سے پہلے ہی یہاں پویں پہنچ جائے گی۔“ صبح نے اندر سے کہا۔ ”آپ نے خواہ مخواہ کسی شریف آدمی کو پکڑا کر بند کر دیا ہے۔“

”اب تو وہ حرام زادہ بند ہی رہے گا تاکہ وہ بھی آکر بیٹی کے کرتوت دیکھ لیں جنہوں نے اتنی ڈھیل دے رکھی ہے۔“

”میرے کیسے کرتوت...؟“

”اس میں تو نہیں جیت سکے گی۔ اس مردوں کا خط میرے پاس موجود ہے۔ جیل بھجواؤں گی۔“

”کیا اس نے آپ کو کوئی خط لکھا ہے۔“

”چپ حرام زادی... حرانہ۔“ وہ حق پھاڑ کر دہڑیں اور انہیں کھانی آنے لگی۔ اتنے میں پشت سے بڑی بی کی آواز آئی۔ ”کیوں پچھے پڑی ہے اس کے... میں کل ہی یہاں سے منہ کالا کر جاؤں گی۔“

”ارے اماں... یہ جھوٹی ہے۔“ بیگم صاحبہ کھانستی ہوئی بولیں۔ وہ روہانی بھی ہو گئی تھیں۔

”چلو جھوٹی ہی سکی۔ کیجھ نہ کھاؤ اس کا... تم بڑی صاف دل اور نیک طینت ہو۔“

”اماں قسم لے لجھے... وہ ناشدی...!“

”بند کر زبان...!“ بڑی بی دہڑیں اور بیگم صاحبہ جلدی وہاں سے چلی ہی گئیں۔

صبح نے ان کے قدموں کی دور ہوتی ہوئی چاپ سن کر ہی دروازہ کھولا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ ہیروں کے قریب کنجی گرنے سے کھانا کا ہوا اور نانی کی آواز سنائے میں گوئی۔ ”لے نکال جا کر اس خدا تی خوار کو۔“

اور پھر وہ بھی رہائشی کر دوں کی طرف چل گئیں۔ صبح نے کنجی اٹھا کر مٹھی میں دبای اور کچھ دیرو ہیں کھڑی خیالات میں کھوئی رہی۔ پھر اشور روم کی طرف روانہ ہو گئی۔ اجنبی نوجوان کھڑکی کی سلا خیں پکڑے کھڑا تھا اور تینوں ملازم اسے اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے وہ کوئی عجوبہ ہو۔

”تم لوگ جاؤ یہاں سے۔“ صبح نے غصیلے لمحے میں کہا۔

”نہیں... رہنے دیجئے۔“ اجنبی سلانوں کی دوسرا طرف سے بولا۔ ”دیکھنے دیجئے... ایسا لگتا ہے جیسے نکٹ لے کر دیکھنے آئے ہوں۔“

”سانا نہیں تم لوگوں نے۔“ صبح نے دوبارہ انہیں للاکارا اور وہ چپ چاپ لہک کے پھر وہ اجنبی کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ ”میں کنجی لائی ہوں۔“

”اوہ... تو اب آپ مجھے نکال پاہر کریں گی۔“ اجنبی نے خوفزدہ لمحے میں پوچھا۔

”ہاں... کیوں...؟“

”مقدار ہی خراب ہے اپنا۔“ اجنبی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”اس طرح پکڑے جانے پر بے حد خوش تھا کہ چلورات بسر کرنے کی جگہ تو نصیب ہی ہو گئی... شاید کچھ روکھی سوکھی کھانے کو بھی مل جائے۔“

”میں کھانا کھلاؤں گی آپ کو... لیکن اگر آپ رات بھر یہاں بند رہ گئے تو پھر آپ کو اس وقت تک یہاں بند رہنا پڑے گا جب تک کہ ڈیڈی نہ آ جائیں۔“

”کیوں آخر؟ اس کی وجہ...؟“

”میں نے کسی فرضی اختیار کی طرف سے اپنے نام ایک عشقیہ نظم کھا تھا میں کو جلانے کے لئے وہ پرانے خیالات کی ہیں۔ پایا اثرا موڈرن ہیں... انہوں نے مجھے آزادی دے رکھی ہے۔ میں اس پر کڑھتی ہیں لہذا میں انہیں اور زیادہ جلا یا کرتی ہوں۔ بھر حال میں نے اس خط میں لکھ دیا تھا۔“

کہ وہ یعنی اختر آج رات گیارہ بجے کپاٹوں وال پھلائگ کر پائیں باعث میں داخل ہو گا۔۔۔ مقصد یہ تھا کہ گیارہ بارہ بجے تک گھر میں چہل پہل رہے۔ خط می کے ہاتھ لگا کیونکہ اسے گناہی تھا۔“ اجنبی اسے تحریر آمیز نظر وہ سے گھورتا رہا تھا۔ وہ مسکرائی اور سلسہ گفتگو جاری رکھا۔“ اس طرح آپ آپ آپنے۔ اب وہ پیا کو میرے کرتوت دکھانے کے لئے آپ کو ان کی واپسی تک قید رکھنا چاہتی ہیں۔“

“میں نہایت خوشی سے قید رہوں گا۔“ نوجوان نے بڑے خلوص سے کہا۔“ کیا آپ کی اوپری منزل بالکل خالی ہے؟“ صیحہ نے بُرا اسمانہ بنا کر پوچھا۔“ ہائے پھر وہی سوال....؟“ اجنبی روہنا سا ہو کر بڑا ہوا۔

“کیا مطلب....؟“  
“پچھلی بار.... اسی سوال کی بناء پر انٹرویو میں رہ گیا ورنہ نوکری ضرور مل جاتی۔“  
“میں نہیں سمجھی۔“

“بس اسی سوال کا جواب نہیں دے سکتا حالانکہ الملاز مت نہیں ملی۔“  
“یہ سوال کیا تھا کسی نے آپ سے؟“ صیحہ نے تحریر آمیز شوخی کے ساتھ پوچھا۔  
اجنبی نے بے بسی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

“تو آپ جواب نہیں دے سکتے تھے؟“  
“سوال ہی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔“

“سوال کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی کھوپڑی عقل سے خالی ہے۔“  
“یہ پوچھا تھا اس مردوں نے۔“ اجنبی کی آواز غصیلی تھی۔  
“اور میں نے بھی یہی پوچھا ہے۔“ صیحہ آنکھیں بند کر کے مسکرائی۔

“میں تھہر مار دوں گا.... سمجھیں۔“ اس نے سلاخوں کے درمیان سے ہاتھ باہر نکالنے کی کوشش کی۔

“شٹ اپ....!“  
“اب تو چاہے بھوکا مرنا پڑے میں تمہیں ماروں گا ضرور۔“  
“بلاؤ نوکروں کو۔“

“اے جاؤ.... بہت دیکھے ہیں.... دھو کے سے پکڑ لیا۔ ورنہ مار کر تمیوں کی چنی بنا دیتا۔“  
“خفا ہونے کی ضرورت نہیں بدھو میاں۔“  
“کیا کہا! بدھو میاں.... میرا نام اختر پر دیز ہے۔“  
“اختر پر دیز صاحب براؤ کرم کچھ دیر کے لئے بکواس بند کجھے.... باہر تشریف لائیے....  
شاید میں آپ کے لئے کچھ مہیا کر سکوں؟ چند سلامیں اور تھوڑے سے پارچے.... اتفاق سے  
ہمارے بیہاں سب ہی پیٹھیں اس لئے کچھ بچنے بچانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اکثر ملازوں کو  
توری روٹوں کے ساتھ لہسن کی چنی کھانی پڑتی ہے۔“  
“میں تو باہر نہیں آؤں گا.... ہرگز نہیں.... مجھے نیند بھی آرہی ہے۔ اس شہر میں اجنبی  
ہوں.... نوکری کی تلاش میں آیا تھا۔ وہ کیا نام ہے شہر کا عادل آباد اور کوئی بھی انصاف پسند نہیں۔“  
“کیا مطلب.... کیا انصاف چاہتے ہیں آپ۔“  
“بیکی کہ زبردستی پکڑ دیا ہے تو اب دوچار دن تو قیام کرنے دیجئے۔“  
“میرے پیاڑی پی ٹکلر ہیں.... کھال کھواليں گے۔“  
“اہمی تو آپ کہہ رہی تھیں کہ بہت آزاد خیال ہیں۔“  
“اب اتنے بھی نہیں کہ میرے کسی عاشق کو برداشت کر لیں۔“  
“میں زبردستی تو عاشق ہو انہیں آپ ہی لوگوں نے پکڑ دیا ہے۔ پیٹھ بھر رہی ملے تو شاید  
عاشق بھی ہو جاؤ۔“  
“اے بکواس بند کرو مسٹر.... میں بد تیزی پسند نہیں کرتی۔“  
“اگر عاشقی بد تیزی ہوتی تو غصابلی کتابوں میں اس کا ذکر نہ ملتا۔ میر اور غالب بد تیز کہلاتے۔“  
“ہوش میں ہو یا نہیں۔“  
“پاسبان عقل نے اس وقت دل کو تہبا چھوڑ دیا ہے۔“  
“جی کہہ رہی ہوں تو کروں کو بلا کر مرمت کر دوں گی۔“  
“ضرور بلاو.... لیکن ان کی ثوٹ پھوٹ کی ذمہ داری بھی تم ہی پر ہو گی۔“  
صیحہ نے آگے بڑھ کر قفل میں کنجی لگائی.... دروازہ کھل گیا اور وہ غصیلے لمحے میں بولی۔  
“نکلو....“

جانے کے لئے بے تاب ہو۔

یہ دونوں ایک ہفت سے عادل آباد میں مقیم تھے۔ ساجدہ حبیب کی شکل کی قدر بدلتی ہوئی تھی۔ آسانی سے نہیں پہچانی جا سکتی تھی۔ اول تو اس نے اپنے بالوں کا اٹاٹک بدل دیا تھا اور پھر پلاسٹک میک اپ کی مدد سے چہرے میں بھی کچھ تبدیلیاں کی گئی تھیں۔ صدر میک اپ میں نہیں تھا۔ قیام ہوا تھا عادل آباد کے سب سے بڑے ہوٹل روڈ او میں۔ اُن کے کروں کے سامنے جوزف پہرہ دیا کرتا تھا۔

وہ یہاں ایکس ٹو کے حکم سے مقیم تھا۔ ساجدہ حبیب کے متعلق یہ معلوم کر کے کہ وہ بھی اُن کے ساتھ ہو گئی صدر نے اُس کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن تنخ بجھ میں جواب ملا تھا کہ اپنے کام سے کام رکھا جائے۔ پھر صدر نے خود ساجدہ حبیب سے بھی پوچھنے کی ہمت نہیں کی تھی کہ وہ کون ہے اور اُن کے درمیان اُس کی موجودگی کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔

البتہ اُسے یہ ضرور معلوم تھا کہ عمران یہاں کچھ کرتا پھر رہا تھا اور اُسے براہ راست اُسی کے احکامات کا پابند رہتا ہے۔ ساجدہ اُسے عمران کے متعلق بور کرتی رہتی۔ وہ کہاں ہے؟ کب آئے گا؟ اُس سے ملاقات کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔

وہ سیکرٹ سروس والوں کے چارج میں عمران ہی کے توسط سے پہنچی تھی۔ اور عمران ہی کے سلسلے میں انہیں دروس میں بتا کرتی رہتی تھی۔

”کیا عمران ہی کا پیغام ہے؟“ اُس نے صدر سے پوچھا۔

”نہیں۔!“ صدر نے جواب دیا۔ حالانکہ وہ عمران ہی کا پیغام تھا اُس نے اُسے مطلع کیا تھا کہ جیرت انگریز طور پر اُسے ٹھیک اُسی کو نہیں کے سامنے والی عمارت میں رہنے کی جگہ مل گئی ہے جس کی نگرانی کا حکم ایکس ٹو سے ملا تھا۔

”میری کچھ میں نہیں آتا کہ اب میں کیا کروں۔...؟“ ساجدہ نے کچھ دیر بعد پوچھا۔ ”کس سلسلے میں۔“

”میں کب تک اس طرح زندگی ببر کرتی رہوں گی۔“

”میں جب پوری طرح تمہارے حالات سے باخبر ہی نہیں تو کیا جواب دے سکوں گا اس سوال کا۔“

”سارے شہر میں تم سے اپنے عشق کا اعلان کرتا پھر وہ گا۔“ اُجھی نے دھمکی دی۔ ”مجھے دھمکی دے رہے ہو؟“ صبیحہ آنکھیں نکال کر بولی۔

”مر تاکیا نہ کرتا مجھے رات بسر کرنے کے لئے جگہ اور پیٹ بھرنے کے لئے روٹی چاہئے۔“ ”اچھا بابا۔۔۔ بور مت کرو۔۔۔ پھاٹک کی بائیں جانب مالی کی کوٹھری خالی ہے جا کر دیکھو۔۔۔ میں روٹی بھی پہنچاؤں گی۔ چیچھا چھوڑو کسی طرح۔۔۔!“ ”ہا۔۔۔ یہ ٹھیک ہے۔۔۔!“ اُجھی سر ہلا کر بولا۔

صبیحہ نے چپ چاپ اُسے اسٹورروم سے نکال کر پائیں باغ میں پہنچا دیا۔ وہ مستقل طور پر اُسی کے متعلق سوچے جا رہی تھی۔ صورت سے الحق ضرور معلوم ہوتا ہے لیکن اُسی کی اچھی ہی خاندان کا تعلیم یافتہ فرد ہے۔ بیچارے کا سامان ریلوے اسٹیشن پر پڑا ہوا ہے۔ اُسے اُس سے پوچھنا چاہئے کہ نلکٹ کلکٹر کا مطالبہ کیا ہے اُسے اُسی کی مدد کرنی چاہئے۔ خواہ مخواہ بیچارہ اُس کی ایک شرارت کا شکار ہو گیا۔ شریف آدمی معلوم ہوتا ہے۔ کوئی اور ہوتا تو پتہ نہیں کیا طوفان برپا کرتا۔ وہ سوچتی اور اس کے لئے کھانے پینے کی چیزیں تلاش کرتی رہی۔ بیگم صاحبہ اور بڑی بی اپنے کروں میں بند ہو کر سو گنی تھیں اس لئے عمارت میں سناتا تھا۔

وہ بہت احتیاط سے مالی کی کوٹھری کی طرف چل پڑی۔ سوچ رہی تھی کہ وہ پھر کچھ کہے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ آخر وہ وہاں سے چلی ہی آئی یہ اور بات ہے کہ مستقل طور پر اُسی کے متعلق سوچے جا رہی ہو۔

شرارت کر بیٹھی تھی۔ لیکن حقیقتاً تھی دلیر بھی نہیں تھی کہ انجمام کی پرواہ نہ ہوتی۔ اُس سے کہیں زیادہ فکر تھی مال اور نالی کے درمیان جھگڑے کی۔۔۔ جو خاندانی زندگی کیلئے پریشان کن ہوتا۔ اب اس وقت پوری عمارت میں سناتا تھا اور وہ بستر پر لیٹی بے چینی سے کروٹیں بدل رہی تھی۔



صدر ٹرانسیمیٹر پر آئے ہوئے پیغام کو جو کوڈورڈز میں تھا لفظ بلطف درج کرتا رہا تھا اور اب اسے اردو میں لکھ رہا تھا۔

قریب ہی ساجدہ حبیب بیٹھی اُسے اس طرح گھورے جا رہی تھی جیسے اُس پیغام کا مفہوم

” عمران نے تمہیں کچھ نہیں بتایا۔۔۔؟ ”

” اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ ہمیں تمہیں ان لوگوں سے محفوظ رکھنا ہے۔ ”

” کب ختم ہو گا یہ قصہ۔۔۔؟ ”

قبل اس کے صدر پر کچھ کہتا جو زف کی غراہت سنائی دی۔

” یہ کم بخت بھی مصیبت بن جاتا ہے۔ ” صدر بڑا تباہ اخدا اور دروازہ کھول کر کاریڈور میں نکل آیا۔

جوزف خواہ مخواہ کسی بھرے ہوئے کتے کی طرح غراہتا۔ صدر نے متینہ انداز میں چاروں طرف دیکھا۔ آس پاس کوئی بھی نہ دکھائی دیا۔ آخر اس نے جھنپٹا کر کہا۔ ” کیا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ”

جوزف نے ہاتھ اخدا کرنے سے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بدستور غراہتا رہا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی اس کے سامنے موجود ہو۔

” کیا بہت زیادہ پی لی ہے؟ ”

جوزف نے پھر اسی طرح ہاتھ اخدا دیا اور غراہتا رہا۔

صدر مضبوطی سے دانت پر دانت جمائے اُسے گھوڑے جارہا تھا۔ کچھ دیر بعد جوزف نے غراتے ہوئے کہا۔ ” مسراٹا کی ماں مر گئی۔ ” اور خاموش ہو گیا۔

” یہ کیا حرکت تھی۔ تماشا ہاؤ گے ہمیں بھی۔ ”

” آج ہفتہ ہے۔۔۔؟ ” جوزف نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

” ضرور چڑھ گئی ہے۔ ”

” نہیں مسٹر۔۔۔ یہ ہفتہ ہے۔۔۔ اور رات کے ڈیڑھ بجے ہیں۔ ”

” بارہ بجے کے بعد سے اتوار شروع ہو جاتا ہے۔ مگر یہ کیا لغویت تھی۔ ”

” لغویت نہیں تھی مسٹر۔۔۔ آپ کے لئے اتوار شروع ہو گیا ہو گا میرے لئے توجب تک دوبارہ سورج نہ نکل آئے ہفتہ ہی رہے گا۔ ہفتہ کی رات مسراٹا کی حکومت ہوتی ہے۔ ”

” لا حول ولا قوہ۔۔۔ کر سچیں ہو جانے کے باوجود بھی تم توہمات سے چھپنا نہیں چھڑا سکتے۔ ”

” آسمانی باپ سب کو معاف کر دیتا ہے۔ ” جوزف نے انگلیوں سے کراس بنا کر کہا۔ ” لیکن

مسراٹا۔۔۔؟ ”

” سب بکواس ہے؟ ”

” نہیں مسٹر۔۔۔ وہ اس وقت تک تم پر حادی ہو جانے کی کوشش کرتا رہے گا جب تک کہ تم کتوں کی طرح غراہ کر اس کی ماں کی موت کی اطلاع نہ دو گے۔ ”

” تو وہ تم پر حادی نہ ہو سکا۔ ” صدر نے مسکرا کر پوچھا۔

” ہرگز نہیں۔ ” جوزف نے پھر انگلیوں سے کراس بٹالا۔ ” لیکن میرے بکاس پر حادی ہو چکا ہے۔ ”

” ”

” وہ آج کل دن رات خوبصورت لڑکیوں کی تصویریں دیکھتے رہتے ہیں۔ ”

” میرے لئے نی اطلاع ہے۔ ”

” میں نے کئی بار سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ نہیں سنتے۔ ” جوزف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اس وقت سے گھر اصدامہ پہنچا ہو۔

” تم نے کیوں سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ ”

” مسٹر۔۔۔! ” جوزف کی آواز میں تحریر تھا۔ ” اگر تمہارا باپ خوبصورت لڑکیوں کے چکر میں پڑ جائے تو تمہارے کیا جذبات ہوں گے۔ ”

” تو عمران صاحب تمہارے باپ ہیں۔۔۔؟ یہ نی بات معلوم ہوئی آج۔ ”

” وہ میرے باپ کے بھی باپ ہیں۔ ”

” جوزف اب تم جا کر سو جاؤ۔ ” صدر نے ترمیم آمیز لمحے میں کہا۔ ” واقعی بہت زیادہ پی گئے ہو۔ ”

” نشہ کہاں ہوتا ہے مسٹر۔۔۔ چاہے جتنی پی جاؤں۔۔۔ ہاں میں اپنے باس کی بات کر رہا ہوں۔ جتنی شفقت مجھے ان سے ملی ہے اپنی ماں سے بھی نہیں ملی تھی۔ حق کہتا ہوں ان کی عدم موجودگی میں کسی چھاہا کے بیچ کی طرح بلکہ تارہتا ہوں۔ ”

” او خدا کے بندے اب جا کر سو بھی رہ۔ ” صدر نے کہا اور کمرے میں چلا آیا۔

” ساجدہ صونے کے بھنے سے داہنائش نہ نکائے اوں گل رہی تھی اس کی آہت پر چوک پڑی۔ ”

” یہ عمران ایسی زندگی کیوں بر کرتا ہے۔ ” اس نے صدر سے پوچھا۔

” صدر جھنگھلا گیا۔ ”

تھا۔ اس بار کیوں اس نے باڑی گارڈ کے فرائض اس کے پرداز کئے تھے۔ لاڈنخ میں پہنچ کر اس نے جوزف کے گرد بھیڑ دیکھی جو فرش پر اکٹوں بیٹھا دھاڑیں بار مار کر رورہا تھا اور ہوٹل کے منتظمین اُسے وہاں سے اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

دفعتاً اسی بھیڑ سے کسی نے کہا۔ ”اوہ اس کا بابس بھی آرہا ہے۔“

لوگ صدر کی طرف متوجہ ہو گئے اور اُسے جوزف تک پہنچنے کے لئے راستہ بھی دیا۔ ”جوزف.... جوزف....!“ صدر نے اُس کے شانے پکڑے اور اُسے نری طرح جنم جھوڑتا رہا لیکن اُس کے رو نے کی رفتار کم نہ ہوئی۔

”جباب عالی! اسے یجا یے یہاں سے.... ورنہ ہوٹل کا رپوٹیشن خاک میں مل جائے گا۔“ ایک منتظم نے ہانپتے ہوئے کہا۔

صدر نے جوزف کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اٹھانے کی کوشش کی لیکن اُس نے اپنی ناٹگیں پھیلایا۔ اور جب صدر نے ٹکھ ہار کرہا تھا اُس کی بغلوں سے نکالے تو وہ فرش پر لمبا مباریٹا ہوا تھا۔ دھاڑیں اب بھی جاری تھیں۔ کچھ کہے بغیر متواتر رونے جا رہا تھا۔

صدر کو ایسا لگ رہا تھا جیسے سر بازار کسی نے کپڑے اتر والے ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس مشین کی کون سی کل دبائی جائے کہ اس کی ”بھوں بھوں“ رکے۔

آخر اس نے بے بھی سے کہا۔ ”اوہ.... جوزف.... تجھے سمرنا کھا جائے.... خاموش ہو جا درنہ خوبصورت لڑکیوں کی جوتیاں تیرے سر پر منڈلا میں گی۔“

پھر تجھے ایسا ہی معلوم ہوا جیسے وہ کوئی چلتی ہوئی مشین ہی ہو جس میں یک بیک بریک لگ گئی ہو۔ وہ خوفزدہ انداز میں آنکھیں چھاڑے چھت کو گھورے جا رہا تھا اور دوسرے لوگ صدر کو گھور رہے تھے کیونکہ اس نے یہ چند الفاظ انگریزی ہی میں کہے تھے اور دوسرے سننے والوں نے بھی انہیں صاف سناتھا۔

”اب اٹھ بھی۔“ صدر نے کہا۔ ”ورنہ سمرنا۔“

”نہیں.... نہیں....!“ جوزف بوکھلا کر اٹھتا ہوا بولا۔ ”آج سینچر کی رات ہے ایمانہ کھو..... ہوں قادر.....“ اس نے سینے پر کراس بناتے ہوئے کہا اور چپ چاپ اپنے کمرے کی طرف

”اُنہیں سے پوچھ لیا ہوتا... میں کیا بتا سکوں گا۔“ ”میں نے اس حصی سے بھی پوچھا تھا۔“ ”پھر کیا بتایا اُس نے۔“

”کچھ نہیں.... سڑے سڑے سے منہ بناتا رہا تھا۔“

”وہ قطعی پسند نہیں کرتا کہ کوئی عورت اُس کے باس کے قریب بھی آئے۔“

”کوئی آنے ہی کیوں لگی۔“ ساجدہ نے تجھے میں کہا۔

”یہ نہ کہو... نہ جانے کتنی آئیں اور تھک ہار کر واپس چل گئیں۔ تم نے اُس لڑکی جو لیتا فشر واڑ کو دیکھا ہی ہے....!“ ”ہا.... تو پھر....؟“

”وہ عمران کے لئے جان بھی دے سکتی ہے۔“

”اوہ نہ ہو گا.... مجھے کیا... لیکن میرا مستقبل....!“

صدر کچھ نہ بولا۔ وہ سگریٹ سلاگر ہا تھا۔

دفعاً دو روازے پر دستک ہوئی۔ صدر نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

سامنے ایک یوریشین لڑکی کھڑی نظر آئی۔ جوزف کا کہیں پتہ نہ تھا۔ ورنہ اُس کی موجودگی میں وہ دستک کیسے دے سکتی۔ اُسے دروازے کے قریب آنے ہی نہ دیتا۔

”میں یہ اطلاع دینے آئی ہوں۔“ اُس نے بڑھ کر بھی روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”تمہارا باڑی گارڈ لاڈنخ میں بیٹھا دھاڑیں بار مار کر رہا ہے۔“

”کیا....؟“ صدر کے لجھے میں حیرت تھی۔

”خود جا کر دیکھ لو....!“ اُس نے کہا اور مسکراتی ہوئی دوسری طرف مڑ گئی۔

صدر بھٹایا ہوا کمرے میں آیا اور کوٹ پین کر پھر باہر جانے والا ہی تھا کہ ساجدہ بول پڑی۔

”کہاں چلے.... میں تھا نہیں رہوں گی۔“

”بیکار باتیں مت کرو۔“ وہ تجھے لجھے میں بولا۔ ”لاڈنخ تک جا رہا ہوں۔“

لاڈنخ کی طرف جاتے وقت سوچ رہا تھا کہ آخر ایکس ٹو نے یہ دونوں بلا میں اُس کے گلے میں کھل لگائی ہیں اس سے پہلے کبھی خود ایکس ٹو کی طرف سے جوزف کے جوزف کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا

”تم خواہ خواہ مجھ سے گھنگو کے موقع علاش کرتی ہو۔“ صدر نے سخت لمحہ میں کہا۔  
 ”چلو یہی سکی۔“ وہ بڑے دلاؤ زی انداز میں مسکرائی۔ ”لیکن اسکیں خفاہونے کی کیا بات ہے۔“  
 ”ہوں، تو تم ہماری اشیٹ کی ملازمت چاہتی ہو۔“ صدر نے پر تفکر لمحہ میں کہا لیکن آواز  
 میں سخت ابھی تک برقرار تھی۔  
 ”یقیناً چاہتی ہوں۔“  
 ”نی الحال کیا کر رہی ہو۔“  
 ”میں یہاں اس ہوٹل کے یہی فون ایکسچنچ پر بیٹھتی ہوں۔“  
 ”کیا یہ ملازمت پسند نہیں۔“  
 ”اگر آزاد روی پر اتر آؤں تو اس سے زیادہ منفعت بخش اور کوئی دوسرا کام ہو یہی نہیں سکتا۔“  
 ”اچھی بات ہے۔ میں غور کروں گا۔“  
 ”تو پھر میں صح کو ملوں۔“ یوریشین لڑکی نے پوچھا۔  
 ”میں خود مل لوں گا۔“ صدر بھی کسی قدر لگاؤٹ کے ساتھ مسکرا لیا۔ ”تمہارے ذیوٹی کے  
 اوقات کیا ہیں۔ کیا نام ہے۔“  
 ”رینا۔۔۔ رینا جبراائل۔۔۔ میں یہیں رہتی ہوں۔ کرہ نمبر ستائیں۔“  
 ”ٹھیک ہے امیں سوچوں گا کہ تمہارے لئے کہاں جگہ نکالی جائے۔“  
 ”صرف سیکریٹری شپ چاہتی ہوں۔“ وہ انگلی اٹھا کر بولی۔  
 ”اوہ۔۔۔ تو تم میری جگہ لینا چاہتی ہو۔“  
 ”تمہیں وہ کوئی دوسرا جگہ دے دے گا۔ مردوں کے مرد سیکریٹری اچھے نہیں لگتے۔“  
 ”خیر۔۔۔ خیر۔۔۔ دیکھا جائے گا۔“ صدر جما ہی لے کر بولا۔ ”اب مجھے نیند آرہی ہے۔“  
 ”شب بخیر۔“ وہ دوسرا طرف مرتی ہوئی بولی۔ ”خیال رکھنا۔“  
 صدر اپنے کمرے میں جانے سے پہلے جوزف کی طرف متوجہ ہوا۔ جو دروازے سے تین یا  
 چار فٹ کے فاصلے پر بھر کے کسی بت کی طرح بے حس و حرکت کھڑا تھا۔  
 ”لیکا ہو گیا تھا تمہیں۔۔۔!“ صدر نے پوچھا۔  
 ”میں تمہیں جواب دہ نہیں ہوں مسٹر۔“ صرف اس کے ہونوں نے جبکش کی۔

پھر صدر نے اسی یوریشین لڑکی کی طرف دیکھا جس نے اس دائقے کی اطلاع صدر کو دی تھی  
 لڑکی اس کے قریب آ کر بولی۔ ”تم نے اس سے جو کچھ کہا تھا اس کا کیا مطلب تھا؟“  
 ”مطلوب۔۔۔!“ صدر نے جرأت سے کہا۔ ”افریقہ کے کالے جادو کا مطلب میں کیا بتا سکوں  
 گا۔ ایک بند رچانے والے سے اسے خریدا تھا۔ اسی نے بتایا تھا یہ جادو کہ جب کوئی کل نیز ہی  
 ہو جائے اسی مفتر کے ذریعے سیدھی ہو سکے گی۔“  
 ”ایسے یہ تو فہمی کو باذی گارڈ بنانے سے کیا فائدہ۔ میں نے اسے پیتے بھی دیکھا ہے۔  
 بے تھاں پیتا ہے۔“  
 ”چجھ بو تلیں یومیہ۔“ صدر نے کہا۔ اب وہ اپنے کروں کی طرف چل پڑا تھا اور لڑکی بھی  
 اس کے ساتھ ہی ساتھ چل رہی تھی۔  
 ”چجھ بو تلیں۔۔۔!“ اس نے جرأت سے دہرا لیا۔ ”آخر اس میں کون سے سرخاب کے پر گلے  
 ہوئے ہیں کہ تم اتنے اخراجات برداشت کرتے ہو۔“  
 ”بڑے کام کا آدمی ہے۔“ صدر بولا۔ ”ہنسنے کے مقام پر روتا ہے اور رونے کے مقام پر  
 قہقہے لگاتا ہے۔“  
 ”کیا تم کسی ولی ریاست سے تعلق رکھتے ہو۔“  
 ”ہاں۔۔۔ میں رانا تھور علی صندوقی کا پرائیویٹ سیکریٹری ہوں۔“  
 ”یہ رانا تھور علی کون ہے۔“  
 ”بہت بڑا آدمی ہے۔ یہ جانور جسے ابھی تم دھڑائیں مارتے دیکھ چکی ہو اسی نے پال رکھا ہے۔“  
 ”رینا تھور علی کہاں ہے؟“  
 ”پتہ نہیں۔۔۔ سیلانی آدمی ہیں۔ کہیں نہ کہیں ضرور ہوں گے۔“  
 ”مجھے بے حد شوق ہے کہ کسی ولی ریاست کے شہزادے کی سیکریٹری بنوں۔“  
 صدر نے چلتے چلتے رک رک کر اسے غور سے دیکھا۔ وہ بھی رک گئی تھی۔  
 ”اس طرح کیا کیوں رہے ہو۔“  
 ”میں دیکھ رہا ہوں کہ کہیں تم پہلے ہی سے تو اس موقعہ کی تاک میں نہیں تھیں۔“  
 ”کیا مطلب؟“

شہادت دیں گے کہ اُس کی ماں اور نالی نے اُسے پکندا کر بند کرا دیا تھا۔ انہیں اس کا علم تو نہیں ہے کہ اُس نے رات ہی اُسے استور سے باہر نکال کر مالی کی کوٹھری میں پہنچا دیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں خدا کے حضور گڑھ زانے لگی۔ سوچ رہی تھی کہ بزرگوں کو پریشان کرنے کی سزا ملی ہے اُسے!

پھر وہ اچھل پڑی کیونکہ مالی کی کوٹھری کا دروازہ آواز کے ساتھ کھلا تھا۔

”گذمار ننگ....“ اُجھی کی بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔  
”تم.... زندہ ہو...!“ صبیح اس کی طرف جھینی۔

”اُبھی تک تو زندہ ہوں لیکن اگر دس منٹ کے اندر اندر ناشستہ نہ ملا تو تمیں ڈھیر ہو جاؤں گا۔“  
”تو تم ہی چارپائی کے نیچے پڑے تھے۔“

”جی ہاں.... بالکل.... کیا کرتا.... میں نے سوچا جس کی چارپائی ہے اگر اُس نے آکر سوتے سے انھادیا تو خواہ مخواہ کی بوریت ہو گی۔ لہذا کیوں نہ میں چارپائی کے نیچے ہی سور ہوں۔“  
”اچھا بھلے بھرتے نظر آؤ۔“ وہ اپنا اوپری ہونت بھجن کر بولی۔

”ناشستے کے بغیر ہی.... نہیں ایسا غلام نہ سمجھے.... میری جیب نہ کٹ گئی ہوتی تو کبھی نہ کہتا مجھے خود ہی بھیک مانگتے ہوئے شرم آتی ہے۔“

”تم یقیناً کوئی بھکاری ہی ہو۔“ صبیح دانت پیس کر بولی۔ ”مجھے اب تم سے ذرہ برابر بھی ہمدردی نہیں رہ گئی تم نے ابھی مجھے ڈرا دیا تھا۔“

”میں نے....!“ اُجھی نے حیرت سے کہا۔ ”کب....؟“

”جب تم چارپائی کے نیچے اوندھے پڑے ہوئے تھے میں سمجھی شاید کسی نے تمہیں قتل کر دیا ہے۔“  
نوجوان بوکھلا کر اپنی گردن نٹو لئے لگا۔ پھر پھنسی پھنسی سی آواز میں بولا۔ ”کیوں ڈرارہی میں مجھے۔“

”بس چلے جاؤ یہاں سے۔“

”کہاں جاؤ؟“ اس نے بے بسی سے کہا۔ ”سماں اگر مل بھی گیا تو وابھی کا کرا یہ نہیں ہے۔“  
”اب ایک پائی بھی نہ دون گی سمجھے....؟“

”جی سمجھ گیا۔“  
”تو پھر جاؤ۔“

”کیا مطلب...؟“  
”جو کچھ میں کر رہا ہوں بس کے حکم سے کر رہا ہوں.... لیکن تم نے اس وقت اُس منہوس بدرجہ کا نام لے کر میرا نشہ اکھاڑ دیا ہے.... چھبی بوٹل میں صرف چوتھائی رہ گئی ہے۔ سوچتا ہوں صبح تک کیا ہو گا۔“

”غم ان صاحب نے....!“  
”خاموش رہو۔ کسی کا نام لینے کی ضرورت نہیں۔ ابھی وہ سفید چیزیں تم سے کیا باتیں کر رہی تھی۔“

”اوہ تو کیا میں تمہیں جواب دہوں۔“

”نہیں لیکن ہوشیار رہنا.... سفید نسل کا خون جس میں بھی ہو اُس سے ہوشیار رہو۔ خواہ مخواہ اپناؤقت ضائع نہیں کرتے۔“

”مشورے کا شکریہ۔“ صدر نے بُر اسامنہ بنا کر کھا اور کمرے سے چلا گیا۔



صح ہوتے ہی صبیح پائیں باغ میں کلآلی۔ ابھی صرف وہی ملازم بیدار ہوا تھا جس کے ذمے باورپی خانے کے انتظامات تھے لہذا وہ باورپی خانے میں مشغول تھا۔  
وہ مالی کی کوٹھری کی طرف بڑھی۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ اس نے جھاٹک کر دیکھا چارپائی خالی نظر آئی اور اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ رات ہی نکل بھاگا ہو گا۔ اس نے سوچا۔۔۔ اندر مل گاسا اندر ہیرا تھا۔۔۔ اس نے دروازہ کچھ اور کھول کر چاروں طرف نظر دوزائی اور پھر جی دھک سے ہو گیا۔ یہ چارپائی کے نیچے کون پڑا تھا جس کی تانگیں دوسری طرف نکلی ہوئی تھیں۔  
دل شدت سے دھڑکنے لگا تھا۔ کچھ سمجھ ہی میں نہ آیا کہ کیا معاملہ ہے۔

وہ دروازہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ آئی۔ ابھی پچھلے ہی دنوں اُس نے ایک جاسوسی ناول پڑھا تھا جس میں ایک ایسے ہی اُجھی کی کہانی تھی۔ اُجھی نے کسی کے مکان میں رات برس کرنے کی اجازت چاہی تھی۔ وہاں سویا بھی تھا اور جب دوسری صح صاحب خانہ اُس کے کمرے میں گیا تو اس کی گردن دھڑ سے الگ پائی تھی۔ چاروں طرف خون پھیلا ہوا تھا۔

اسکی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ اگر کسی نے قتل کر دیا ہے تو اب کیا ہو گا۔ ملاز میں

"یا اللہ میں کھاں جاؤں۔" وہ اپنی بیٹھانی پر دو ہمدرد مار کر بلبلایا۔ "ارے میں موڑ رائیوری  
بھی کر سکتا ہوں... صرف ذی ایس سی آکسن ہی نہیں ہوں۔"

"کیا... کیا... ذی ایس سی آکسن... تم...!"

"ہاں... میں نے فرکس میں ریسرچ کی تھی۔"

"جناب نے...! وہ اس کے چہرے کے قریب ہاتھ لے جا کر بولی۔

"بب... بالکل بالکل...!"

"میرٹک تک فرکس پڑھ لی ہوگی۔"

"خدا غارت کرے مجھے۔" وہ غصہ سے اپنا سر پیٹ کر بولا۔ "کیسے لوگوں میں آپھناءوں۔"

"تم کوئی بہت بڑے فرماڈ ہو۔"

"مجھے کب انکار ہے اس سے.... لیکن میرٹک ویٹرک کی بات تو نہ کرو۔"

"تمہیں اعتراف ہے کہ تم فرماڈ ہو۔"

"بالکل ہے۔ بھوک لگی ہو تو سب کچھ کرتا پڑتا ہے۔ میری بات سنو میں دنیا میں صرف تمن کام  
کر سکتا ہوں۔ ساتھ کی پروفیسری یا موڑ رائیوری.... یا پھر بھیک مانگ کر گزار کر سکتا ہوں۔"

"تو یہاں تم پروفیسری کی تلاش میں آئے تھے یا موڑ رائیوری کی....؟"

"کسی کے لئے بھی آیا ہوں لیکن اب تو بھیک مانگتا پھر رہا ہوں۔"

"وہ بھی نہیں ملے گی۔ اب چلے ہی جاؤ ورنہ نوکروں کو بلا تی ہوں۔"

"چلا جاؤں گا.... لیکن جاؤں کہاں۔"

"تلاش کرو جا کر اپنے چودھری عبداللطیف کو۔"

"کوئی تدبیر تائیے ایسی کہ اس تک پہنچ سکوں۔"

"سر کے مل کھڑے ہو کر سوچو شایدیاد آجائے۔"

"جی بہت اچھا۔" بڑی سادگی سے کہا گیا۔

اور پھر صیحہ نے دیکھا دھپر تی سے سر کے مل کھڑا ہو گیا ہے۔

"ارے ارے... یہ کیا حرکت۔" صیحہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

اتبا جالا تو پھیل ہی چکا تھا کہ اس کی یہ حرکت دور سے بھی دیکھی جاسکتی۔

"آپ ہی نے تو کہا تھا۔" اجھی نے اُسی طرح سر کے مل کھڑے ہوئے کہا۔  
"تم بھکاری ہی نہیں مداری بھی ہو۔" صیحہ دانت پیس کر بولی۔ "سید ہے ہو جاؤ ورنہ اب  
میں ہی تم پر پھر اُشوڑ کر دوں گی۔"

"ارے... بب... باپ رے۔" وہ سید ہا ہو تا ہوا بولا۔ چند لمحے صیحہ کو گھوڑتے رہا پھر  
بولا۔ "اب مجھے بھی غصہ آجائے گا۔"  
"تو کیا بگاڑلو گے تم میرا۔"

"چینخا پھر وہن گاسارے شہر میں کہ میں اختر ہوں۔ ذی پی صاحب کی قرۃ العین صیحہ نے خط  
لکھ کر مجھے بلوایا تھا۔ رات بھر اسحور میں بندر کھا اور اب ٹھوکریں کھانے کے لئے چھوڑ دیا ہے....  
واللہ کے نام پر۔"

"اگر تم نے مجھے بد نام کرنے کی کوشش کی تو جہنم میں پہنچا دیجے جاؤ گے۔"  
"میں بھی یہیں چاہتا ہوں۔"

"میں کہتی ہوں چلے جاؤ یہاں سے۔"

"میں کہتا ہوں ناشتہ کراؤ... نہیں تو یہیں کھڑے ہو کر چینخا شوڑ کر دوں گا کہ اسحور روم  
سے نکال کر اس کو ٹھری میں بندر کھا تھا۔"

"تم عجیب آدمی ہو۔"

"عجیب ترین کہو۔ موڑ رائیوری ہی دلوادو کہیں۔ ایسے ایسے کرب دکھاؤں گا کہ جی خوش  
ہو جائے گا۔"

"آخر تم چاہتے کیا ہو۔"

"فی الحال ناشتہ اور اس کے بعد نوکری۔ لیکن نوکری بغیر اختر دیو... ورنہ ہر گز نہ ملے گی۔  
پہچلتے میںے ایک جگہ اختر دیو میں گیا۔ وہاں ایک کامنہ کا گھوڑا رکھا ہوا تھا جس پر بیٹھ کر پہنچ جو لوٹے  
ہیں۔ ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا یہ کیا ہے میں نے کہا کامنہ کا گھوڑا انہوں نے پھر پوچھا اگر  
اس پر کوئی معمر آدمی بیٹھا ہوا نظر آئے تو تم پر اس کا کیا رد عمل ہو گا۔ میں نے کہا پہلے یہ تائیے  
رد عمل کے کہتے ہیں۔ بولے رہی ایکشن کو۔ میں نے کہا میں انہیں اس حال میں دیکھ کر کامنہ کا انہوں  
نہ بٹھوں گا۔ چلو اختر دیو تو وہیں کا وہیں ختم ہو گیا اور میں بھی رات تک پرانہ تقریر کا انظفار کرتا

پھر اس نے گیراج سے گاڑی نکالی.... اور ناشتے کا سامان لینے پھر باورچی خانے میں آئی۔  
باورچی نے ناشتے کی جھابی تیار کر دی تھی۔

صیبح سوچ رہی تھی کہ آج اس کمخت کو سارا دن بھوکا مارا جائے۔ کیوں نہ وہ مالی کی کوٹھری کو باہر سے مقفل کر دے۔ شاید ہی کوئی ادھر دھیان دیتا ہو۔ دروازے میں قفل دکھ کر کسی کو بھی اس نئی تبدیلی کا احساس نہ ہو گا۔ وہ شور تو چانے سے رہا۔ چوں بھی کی تو جامست بن جائے گی۔ اتنا بھی احتمن نہ ہو گا کہ اتنی موٹی بات سمجھ میں نہ آسکے۔

بہر حال اس نے مالی کی کوٹھری مقفل کر دی۔ جلدی میں تھی۔ اکثر صبح کا ناشتہ شہر سے باہر کسی دیرانے میں کرتی تھی۔ ایسے موقع پر کار خود ہی ڈرائیور کرتی تھی۔ ویسے بھی آج کل کوئی ڈرائیور نہیں تھا۔ ڈپٹی صاحب کو ڈرائیور کی تلاش تھی لیکن ابھی تک کوئی معقول آدمی نہیں ملا تھا۔ بہت آزاد خیال تھے لیکن نہ جانے کیوں ڈرائیور کے لئے بوزھے آدمی کی تلاش تھی۔ صیبح نے کئی بار اس مسئلہ پر اُن سے بحث بھی کرنی چاہی تھی لیکن وہ ادھر ادھر کی باتوں میں اڑا جاتے۔ افک کی گہری سرخی میں چمکیلا پن آچلا تھا اور صیبح کی کار دیر انوں کی طرف اڑی جا رہی تھی۔ عادل آباد بہت برا شہر نہیں تھا۔ میل ڈیڑھ میل کے بعد ہی سے ہرے بھرے کھیتوں کے سلسلے شروع ہو گئے تھے۔

دفعتاً عقب نما آئینے میں سرخ رنگ کی ایک اسپورٹ کار نظر آئی اور اُسے یکنہ غصہ آگیا۔  
”سور کاچھ.....؟“ وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑا بڑا۔

وہ جب بھی اس طرح تھا گاڑی لے کر باہر نکلی وہ ”مردوو“ عاقب شروع کر دیتا تھا۔ لیکن آج تک چھپڑ چھاڑ نہیں کی تھی۔ جہاں وہ شہر کرنا شتر کرتی اس سے ہوڑے ہی فاصلے پر وہ بھی اپنی کار روک دیتا یا تو خود بھی ناشتہ کرتا یا سارا سلکا کر بیٹھا رہتا۔

اس سے ڈپٹی صاحب بھی خائف رہتے تھے لہذا وہ ان ہی سے شکایت کر کے اُس کا کیا بگاڑ لیتی۔ ڈپٹی صاحب بھی اُس سے اس لئے ڈرتے تھے کہ وہ ڈویشن کے کمشنز کا سالا تھا۔

عین اُن کے بیٹگلے کے سامنے والی کوئی میں رہتا تھا وہاں عورتیں نہیں تھیں۔ لیکن کبھی کبھی نظر ضرور آتی تھیں۔ ہر بار نئی نئی شکلیں۔  
بھروسہ اس آدمی تھا۔ البتہ اعضاء مضبوط تھے۔ بس ایسا لگتا تھا جیسے کسی بننے کو پہلوانی کا شوق چڑیا ہو۔

”بہاول۔“

”قیامت سک کرتے رہو گے۔ تم خود ہی کوئی جیب کترے معلوم ہوتے ہو۔ خواہ جواہ جیب کٹ جانے کی کہانی لے بیٹھے۔“

”اجلا پھیل گیا ہے۔“ اجنبی نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے جلدی سے کہا۔ ”اگر کسی نے مجھے اسٹور روم کی بجائے یہاں دیکھ لیا تو تمہاری کیا پوزویشن ہو گی.... اچھا تانا۔ اُس نے پھرتی سے کوٹھری میں گھس کر اندر سے کنڈی چڑھا دی۔

صیبحہ دانت پیشی رہ گئی۔ شدت سے غصہ آرہا تھا اس چکنے گھڑے پر۔ کوئی حیادار آدمی ہوتا تو ایسی باتیں اُسے لڑمنے پر اساتھیں۔ لیکن یہاں تو اس طرح ان کی پذیرائی ہوئی تھی جیسے کان پر چلنے والی چیزوں کی جھاڑ دی گئی ہو۔

پھر اپ وہ کیا کرے۔ کس طرح اس بلاسے پیچھا چھڑائے۔ اُس نے بھی یہ بات بڑے پتے کی کہی تھی کہ اگر وہ اسٹور روم کی بجائے وہاں پہاڑ گیا تو خود صیبحہ کا کیا حشر ہو گا۔  
وہ جھلا کر دروازہ پیٹھے لگی اور وہ اندر سے بولا۔ ”میں تمہارے پیپا کے آنے تک یہیں بند رہوں گا۔“

”اے موزی... خبیث لکھو باہر ورنہ...!“ وہ دانت پیس پیس کر بولی۔  
”شائے لاو۔“ اندر سے آواز آئی۔

”خداغارت کرے تمہیں سور کیجئے۔“

”چلو یہی دعا مانگو!“ میں بھی اس دکھ بھری زندگی سے نجات کا خواہاں ہوں۔

”مردو گے.... اللہ نے چاہا تو ائی یاں رگڑ کر مردو گے۔“

”تحوزی دیر اور ناشتہ نہ ملا تو تمہاری بد دعاویں کے بغیر ہی یہ سب کچھ ہو جائے گا۔“

صیبحہ نے سوچا اس موزی کو اب مزہ ہی چکھانا چاہئے.... تنخالی ہوئی سیدھی باورچی خانے کی طرف آئی.... یہاں ملازم چائے تیار کر چکا تھا۔ کچھ سینڈوچ بھی بنالئے تھے.... ساتھ ہی بڑی بی کے لئے دیا بھی تیار کر لکھا تھا۔

اُس نے اُس سے کہا کہ قمر ماس میں چائے بھردے اور کچھ سینڈوچ بھی پیک کر دے وہ باہر جائے گی۔

آج بھی اس نے کچھ آگے بڑھ کر اپنی اسپورٹ کار روکی تھی۔ صبیحہ گاڑی سے باہر نہ نکلی۔ وہ اس سے خائف نہیں تھی۔ اس کی بجائے کوئی اور لڑکی ہوتی تو ایک آدھ بار کے تعاقب کے بعد ہی سے ادھر آنا چھوڑ دیتی لیکن صبیحہ نے اپنی روشن نہیں بدلتی تھی۔ اب تو اسے ضد ہو گئی تھی۔ جانتی تھی کہ کبھی وہ کچھ بولے اور وہ اس کی گردان دبوچ بیٹھے۔ اس نے سوچا آج گاڑی سے باہر نہ نکلے گی۔ شاید اسی پر وہ کچھ کہے۔ صبیحہ کو اس کی بھی پرواہ نہیں تھی کہ یہاں اس دیرانے میں ان دونوں کے علاوہ دور دوڑک کسی تیرسرے وجود کا پتہ نہیں اگر اس نے کچھ شروع ہی کر دیا تو کیا ہو گا۔

دفعتاً اس نے دیکھا کہ وہ اپنی گاڑی یہک کر کے اسی طرف لا رہا تھا۔ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ہوئے وہ اس کی اسپورٹ کار کو گھوڑتی رہی۔ پھر اس کی گاڑی اس کے برابر ہی آگئی۔ اور صبیحہ کا جی دھک سے ہو گیا۔ ایک بہت بڑا چاقاؤ اس کی گود میں کھلا پڑا تھا۔ اب اسے احساس ہوا کہ وہ زبردست غلطی کرتی رہی ہے اب اگر اس دیرانے میں وہ کچھ شروع کر دیے تو اس کا کیا بگاڑ کے گی۔ اس نے اس طرف کبھی دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ اُسے خود پر غصہ آئے لگا۔ آخر اس نے اس ضد بندی کے سلسلے میں اس پہلو پر غور کیوں نہیں کیا تھا۔ وہ کیا بگاڑ کے گی اُس کا۔ جسمانی قوت اس سے زیادہ تور کھٹی نہیں۔ شاید ان دونوں ستارے ہی گردش میں تھے۔ ہر معاملے میں منہ کی کھانی پڑ رہی تھی۔

اس نے گاڑی اس کی گاڑی کے برابر وک کر انہن بند کر دیا اس کی طرف مڑا۔ اور صبیحہ نے اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ دیکھی۔ ادھ کھلی آنکھوں کے سامنے میں وہ مسکراہٹ کتنی خوفناک تھی۔ لیکن صبیحہ بھی جی کڑا کر کے اس کی طرف دیکھے ہی جا رہی تھی۔ کبھی کبھی اس چاقو کی طرف بھی دیکھتی جاؤ اس کی گود میں پڑا چمک رہا تھا۔

دفعتاً اس نے صبیحہ کے چہرے سے نظر ہٹائی اور اپنی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر رکھی ہوئی جھابی سے ایک سینڈوچ نکلا اور خاموشی سے کھانے لگا۔

صبیحہ بھی چوکی۔ زندگی میں شاید پہلی بار وہ اتنی خوفزدہ ہوئی تھی اور اس نے اسٹارٹر کی طرف ہاتھ انھلیا تھا کہ اسپورٹ کار سے آواز آئی۔ اسے بھی دیکھ لو۔

صبیحہ نے بوکھلا کر دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا بڑا ساری یو اور نظر آیا۔ ”چاروں پیسوں پریے۔ بیکار کر دوں گا۔ ذرا آگے بڑھ کر تو دیکھو۔“

لغت ہے ایسی ضدی طبیعت پر۔ اس نے دل ہی دل میں لرزتے ہوئے سوچا۔ اب بھلا اس میں ضد بندی کی کیا ضرورت تھی۔ اگر اس نے ایک آدھ بار تعاقب کیا تھا تو ادھر آتا ہی چھوڑ دیتی۔ ایسا نہ کرنی تو زندگی کے معمولات میں کیا فرق پڑتا۔

پچھلی رات اختر کے معاملے میں پریشان ہو چکی تھی تو صحیح محتاط ہی رہنا چاہئے تھا لیکن یہ دوسری حماقت سر زد ہو ہی گئی۔

وہ ایک نک اس خوفناک یو اور کو دیکھے جا رہی تھی کہ دفعتاً پشت سے ایک ہاتھ یو اور پر پڑا اور ساتھ ہی یو اور والے کے سر پر ایک میلا سا پڑا بھی۔

اس نے یہ بھی دیکھا کہ یو اور اچھل کر گاڑی کے نیچے آگرا ہے۔ ایک تیرا آدمی اس نا معموق آدمی کو دبوچے ہوئے تھا۔ وہ اس کی صورت نہ دیکھ سکی کیونکہ پشت اسی کی طرف تھی پھر جب وہ اس کی طرف مڑا تو اس کی آنکھیں حرمت سے پھیل گئیں۔ یہ تو وہی پچھلی رات والا لفڑا تھا جسے وہ مالی کی کوٹھری میں بند کر کے قفل لگا آئی تھی۔ اس نے جمل کر یو اور انھلیا اور اسے تعاقب کرنے والے کی گردان سے لگائے کہہ رہا تھا۔ ”دوسری طرف گوم جاؤ اگر ادھر مڑے تو گولی مار دوں گا۔“

دوسرے ہاتھ سے اس نے اس کی گود میں پڑا ہوا چاقو بھی انھلیا تھا۔ صبیحہ نے دیکھا کہ اس نے وہی میلا کپڑا جو اس نے سر پر ڈالا تھا اگر دن میں اس طرح باندھ دیا ہے کہ سر اور چہرہ چھپ کر رہے گئے ہیں۔

”اب کرو اٹا شتے۔۔۔!“ اس نے صبیحہ کی طرف مڑ کر کھا۔

اور وہ بے ساختہ نہ پڑی۔۔۔ انھنی نے بھی احتمانہ انداز میں دانت نکال دیئے۔

”تم یہاں کیے پہنچ گئے۔۔۔“ اس نے اپنی گاڑی سے اترتے ہوئے پوچھا۔

لیکن احتمنے بائیں آنکھ دبارے اس مسئلے پر کچھ کہنے سے باز رہنے کا اشارہ کیا۔

صبیحہ چیچ کھلی پڑ رہی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس انھنی کو عرصہ سے جانتی ہو۔

انھنی نے یو اور اور چاقو صبیحہ کی گاڑی میں ڈال دیئے اور تعاقب کرنے والے کے سر پر سے وہ کپڑا بھی کھٹخ لیا۔ لیکن انھنی دوسری ہی جانب مڑا بیٹھا رہا۔

”اب تم ادھر دیکھ سکتے ہو۔“ انھنی نے احتمانہ انداز میں خوش ہو کر کھا۔

کچھ دیر بعد وہ منہ چلاتے چلاتے رک کر اس سے بولا۔ ”ہوش میں آنے کا انتظار کرو گی یا  
چلتے پھرتے نظر آئیں۔“

”میں کہتی ہوں اب بھاگو یہاں سے۔ اگر کوئی آگیا تو.... یہ کشز کا سالا ہے۔“  
”تبھی اتنا کالا ہے۔“ وہ سر ہلا کر بولا۔

”جلدی سے گاڑی پر بیٹھ جاؤ۔“  
”اسے تینیں چھوڑ جاؤ گی۔“

”نہیں تو پھر کیا خود ہی ہستال پہنچائیں گے۔“ وہ جھنگلا کر بولی۔ ”چلو جلدی کرو۔“  
”ٹھہر دو۔۔۔“ اجنبی نے اسپورٹ کار کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔  
بونٹ اٹھا کر کچھ دیر تک انجمن پر جھکا رہا۔ پھر بونٹ گرا کر صیحہ کی گاڑی کی طرف آیا۔  
ریو اور اچاو پچھلی سیٹ پر پڑے تھے انہیں اٹھا کر رومال سے صاف کیا اور زخمی کی گاڑی میں  
ڈال کر پھر پلٹ آیا۔۔۔ اس بارہہ سیدھا صیحہ کی گاڑی کے اسٹریمگ پر جا بیٹھا تھا۔  
”کیا مطلب؟“ صیحہ آگے بڑھتی ہوئی بولی۔ ”تم ڈرائیور کیسا ہوں۔“  
”باکل۔۔۔ یہ بھی دیکھ لو کہ ڈرائیور کیسا ہوں۔“

صیحہ چپ چاپ پچھلی سیٹ پر جا بیٹھی۔۔۔ وہ سوچ رہی تھی شائد وہ اسے اپنے قریب بیٹھنے  
کو کہے لیکن ایسا نہیں ہوا۔  
”یہاں چلوں۔۔۔!“ اجنبی نے پوچھا۔  
”میں تو کہہ رہی تھی کہ۔۔۔ یہ یہاں۔۔۔!“  
”آئے چھوڑو۔۔۔ ہوش آگیا تو اس کی قسم۔۔۔ نہ آیا تو گیدڑ سمجھ بوجھ لیں گے آخر  
انہیں بھی تو بھوک لگتی ہے۔“  
”یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ دراصل۔۔۔ ڈویٹل کمشز کا سالا ہے۔“  
”پوری سرال کا کشز ہو میری بلاسے۔“  
”تم سنو تو سکی۔“  
”سناو۔۔۔!“ اجنبی جملائے ہوئے انداز میں پلٹ پڑا۔  
”ہمارے بنگلے کے سامنے رہتا ہے۔“

وہ اس کی طرف مڑا اور اس کے ہاتھ میں روپا اور نہ دیکھ کر شیر ہو گیا۔ گاڑی میں بیٹھے ہی  
بیٹھے تیک لگا کر چھلانگ لگائی اور اجنبی پر جھپٹ پڑا۔ صیحہ ذری سی آوازیں نکالتی ہوئی ایک  
طرف ہٹ گئی۔ تعاقب کرنے والا اس کی دانت میں اس احمق نوجوان سے کہیں زیادہ مضبوط اور  
طاقوت رکھا۔۔۔ دونوں الچھے ہوئے زمین پر آئے۔۔۔ پھر صیحہ نے دپھا کا حصہ ترپ کر اس کی  
گرفت سے نکل گیا ہے۔

اس کے بعد اس نے اسے بھی زمین سے اٹھ جانے کی مہلت نہیں دی۔ بس ٹھوکروں پر  
رکھ لیا تھا اور تعاقب کرنے والا کسی بے بس بھینیے کی طرح ڈکراتا ہوا بار بار اپنی پوزیشن تبدیل  
کئے جا رہا تھا۔ لیکن شاید ہی اجنبی کی کونئی ٹھوکر خالی گئی ہو۔۔۔ اور ہر ٹھوکر پر اس کے چہرے پر کچھ  
ایسے ہی تاثرات نظر آتے جیسے وہ اسے ٹھوک مار کر پچھتا رہا ہو۔ بے حد شرمندہ ہوا پنی اس حرکت  
پر جو مشینی طور پر متواتر سر زد ہوتی چلی جا رہی ہو۔۔۔ مار کھانے والے کی پیشانی سے خون بہہ بہہ  
کر پورے چہرے پر پھیل رہا تھا اور وہ بار بار اپنی آنکھیں صاف کر رہا تھا۔  
”بس کرو۔۔۔ اب بس کرو۔“ صیحہ بوکھلائے ہوئے لمحے میں بولی۔  
”چلو بس ہو گئی۔“ اجنبی پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔  
پٹنے والا اونڈھے منہ پڑا تھا۔  
وہ دونوں خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔ خون دیکھ کر صیحہ پہلے سے بھی زیادہ خوفزدہ ہو گئی  
تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اسے کیا کہنا یا کرنا چاہئے۔  
وغفتگی رہا نی آواز میں بولا۔ ”ارے اس دریش کی وجہ سے تو بھوک اور زیادہ چمک  
اٹھی ہے۔“

صیحہ نے بوکھلائے ہوئے انداز میں ناشتے کی جھابی پچھلی سیٹ سے اٹھائی اور اس کی طرف  
خاموشی سے بڑھا دی۔ اس نے تیک وقت دو تین سینڈوچ نکال لئے اور ایک سینڈوچ پر منہ مارتا  
ہوا زخمی آدمی کو پر تشویش نظروں سے دیکھتا رہا۔  
صیحہ آنکھیں چھاڑ پھاڑ کر خود اسے دیکھ رہی تھی۔ آخر کس قسم کا آدمی ہے۔ کوئی اور ہوتا تو  
سینڈوچ کھانے کی بجائے یہاں سے چپ چاپ کھکھ جانے کی فکر کرتا کیونکہ پٹنے والا بہت زیادہ  
زخمی بھی ہو گیا تھا۔

”اچھا تو پھر....!

”تم سمجھتے کیوں نہیں۔ میرے والدہ پڑی گلکشہ ہیں۔“

”بہت سی لاکوں کے والدہ پڑی گلکشہ ہوں گے پھر میں کیا کروں؟“

”مطلوب یہ کہ وڈویٹل کمشنر کے ماتحت ہیں.... اور یہ ان کا سالا۔“

”ہو گا سالا....!“

”اچھا چلو....!“ وہ مردہ سی آواز میں بولی۔ ساری شخصی اور شوخی دھری رہ گئی تھی۔ اب تو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ہمیشہ سے اُس اجنبی کی غلائی کرتی چلی آئی ہو۔ گازی چل پڑی اور صبیحہ نے کچھ دیر بعد اسے مخاطب کیا۔

”میں تو کوھری کو مقفل کر آئی تھی۔“

”اب بھی مقفل ہی ہو گی۔“

”کیا مطلب....؟“

”میں کیا جانوں.... کیا مطلب....!“

”ارے تم کوھری سے نکلے کیسے تھے۔“

”جب تم گازی گیراج سے نکال کر اندر چل گئی تھیں تو میں باہر نکلا تھا۔ ذ کے اٹھائی تھی اور اندر.... ذ کے ہمیشہ مقفل رہنی چاہئے۔“

”اوہ.... تو میں نے کوھری میں اس وقت قفل لگایا تھا جب تم اندر نہیں تھے۔“

”یہی بات رہی ہو گی۔“

”تم نے ابھی تک مجھ سے اُس آدمی کے متعلق کچھ نہیں پوچھا۔“

”کیا ضرورت ہے۔ مجھے تو نوکری چاہئے۔ ڈرائیوری ہی سہی.... ورنہ میرے ہونے والے سالے تو مجھے ذبح ہی کر دالیں گے۔“

”مگر تم میرے بیہاں کیسے ڈرائیوری کر سکو گے۔ تمہیں تو سب جانتے ہیں۔“

”مجھے کوئی نہیں پہچاتا....!“ اجنبی نے عقب نما آئینے کی پوزیشن کسی قدر بدلتے ہوئے کہا۔ صبیحہ کی نظر آئینے پر پڑی اور وہ دم بخود رہ گئی۔

”یہ کون ہے؟ آئینے میں کس کی خلک نظر آ رہی ہے۔ وہ اجنبی تو نہیں ہو سکتا ہے پچھلی رات

اسٹور روم میں بند کر دیا گیا تھا ابھی کچھ دیر پہلے جس نے اُس موزی سے نجات دلاتی تھی۔  
وہ تو برا خبر و تھا.... یہ کون ہے.... پھولی ہوئی ناک والا.... گھنی موچھیں خم کھا کر نپلے  
ہونٹ کو بھی پار کر بچکی تھیں۔

”مجھے پہچانا....؟“ اجنبی نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔  
”مم.... تم.... یعنی کہ....!“

”نہیں پہچانا.... جب تم نہیں پہچان سکیں تو دوسرا کیا پہچانیں گے۔“  
”تم کون ہو....!“ صبیحہ پر دوسری بار خوف مسلط ہو گیا۔  
”میں وہی اختر ہوں جس نے رات چار پائی کے نیچے گذاری تھی۔“  
”لیکن یہ ناک.... یہ موچھیں۔“

”بھیک ماٹکنے کے لئے ایک آدھ شعبدہ جیب میں پڑا ہی رہتا ہے۔ تم نہ مل جاتیں اس طرح تو اٹیشن سے سامان لانے کے لئے بھیک ہی تو مانگنی پڑتی۔ اس طرح آسانی ہوتی ایک گلی میں بھیک مانگی اور دوسری گلی میں اکٹھا پھرا۔... ہٹ جانا بھی اختر صاحب جا رہے ہیں۔“

”بہت تیز چلار ہے ہو گاڑی۔“  
”فکر نہ کرو۔“

”تو تم اس طرح بھیں بدل کر ہمارے بیہاں ملازمت کرو گے۔“  
”بالکل بالکل....!“  
”اگر کبھی میں کوشہ ہو گیا تو۔“

”نہیں ہو گا.... ہو جائے تو میرے منہ پر تھوک دینا۔“  
”میں سخت الجھن میں پڑ گئی ہوں۔“

”پڑی رہو۔“ اس نے لاپرواٹی سے کہا۔  
”اس کے لئے نہیں۔“ وہ جھنجلا گئی۔ ”میں تو اس کے لئے کہہ رہی تھی جسے مار پیٹ آئے ہو۔ اگر مر گیا تو کیا ہو گا۔“

”مسلمان ہوا تو فن کر دیا جائے گا۔ ہندو ہو گا تو شمشان کے حوالے۔“  
”اوہ.... تم سمجھتے کیوں نہیں.... یہ بہت نہ اہوا....؟“

کیوں نہ اسے ہی ملازم رکھ لیا جائے۔  
”بالکل ٹھیک...!“

”لیکن تم وہی رات والے کپڑے پہنے ہوئے ہو۔“  
”آن کا حلیہ بھی بدلت کر رکھ دوں گا.... تم فکر نہ کرو۔“



جوزف ریٹا جیرائیل کو کھا جانے والے انداز میں گھور رہا تھا۔ غصے کے مارے آنکھیں ابی پر  
رہی تھیں اور ہونٹ معمول سے زیادہ موٹے اور ابھرے ہوئے لگتے تھے۔  
”میں کہتی ہوں یہ کیا تھی کو میری آدمی کی اطلاع دو۔“ ریٹا نے بھی غصیلے لمحے میں کہا۔  
”جاو... چلی جاؤ... اندر دوسرا لڑکی موجود ہے۔“  
”میا بتتا ہے۔“

”آدمیوں کی طرح بات کرو.... ورنہ تمہاری ماں زندگی بھر روئے گی۔“  
استنسیں صدر بھی دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

”اس بد تمیز کو سمجھاؤ...!“ ریٹا اُسے دلکھ کر شیر ہو گئی۔

”سفید کیتا... شائد زندگی سے بیزار ہو گئی ہے تو....!“ جوزف نے اُسکی طرف ہاتھ بڑھایا۔  
”جو زوف...!“ صدر نے اُسے لکڑا۔ اور اُس کا پھیلا ہوا ہاتھ جوں کا توں رہ گیا۔  
”میں تمہیں مزہ چکھاؤں گی۔“ وہ صدر کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے جوزف کو گھونٹہ دکھا کر یوں۔ لیکن جوزف پتھر کے بہت کی طرح بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ ہاتھ اُبھی تک اُسی طرح پھیلا ہوا تھا اور پلکنیں تک نہیں جھپک رہی تھیں۔

”کیا بات ہے۔“ صدر ریٹا کی طرف مڑا۔

”تم سے ملے آئی تھی.... میں تو ایسے بد تمیز آدمی...!“

”اُسے چھوڑو... کیا بات ہے۔“

”اوہ.... یہاں بھی ایک جیسے ہیں۔“ وہ اُس کے کھر درے لجھے کا اُمان کر یوں۔  
”نہیں ایسی کوئی بات نہیں.... جوزف ہاتھ یچھے گراو۔“

”تو کیا وہ سب مذاق ہا... وہ ریو اور... وہ چا تو...!“  
”پتہ نہیں کیا تھا۔“ صبیحہ نہ اسامنہ بنا کر یوں۔  
”میا پہلے بھی تعاقب کرتا رہا ہے۔“

”میں جب بھی اس طرف نکلی ہوں وہ ضرور تعاقب کرتا ہے۔“  
”اوہ... جب تو ٹھیک ہے۔ تم خود ہی اُس کی حوصلہ افزائی کرتی رہی ہو۔“  
”قطعی غلط.... محض ضد میں ایسا ہوا تھا ہے.... میں اسے دکھانا چاہتی تھی کہ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔“

”اور نہیں بگاڑ سکا.... کیوں؟“  
”میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس حد تک بڑھ جائے گا۔“  
”آئندہ سوچ لیا کرنا۔“  
وہ کچھ نہ یوں۔ تھوڑی دیر بعد اُجھی نے پوچھا۔ ”تو تم یہ سب کچھ دوسروں کی ضد میں کیا کرتی ہو۔“

”ہاں.... بھی بات ہے۔“  
”خبردار مجھے اپنے یہاں ملازم نہ رکھوں۔“  
صبیحہ نہ پڑی۔ پھر یک بیک سنجیدہ بھی ہو گئی۔ وہ مستقل طور پر زخمی آدمی کے بارے میں سوچے جا رہی تھی۔ اب تو وہ کھلماں کھلاد شمنی پر کمر بستہ ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے اُسے بدنام کرنے کی بھی کوشش کرے۔ اس مار پیٹ کی روپورٹ تودرخ کرانے کی ہست نہیں کرے گا اگر ایسا ہوا بھی تو وہ روپورٹ کسی نامعلوم را ہزنہ ہی کے خلاف ہو گی۔

”پھر کیا نہیں میری نوکری کی۔“ پکھد دیر بعد اُجھی نے پوچھا۔  
”ہو جائے گی۔“ اُس نے مردہ سی آواز میں کہا اور عقب نما آئینے میں دیکھنے لگی اُجھی کی پھوپھوی ہوئی تاک اور گھنی موچھیں بڑی کریہ لگ رہی تھیں۔

”تو پھر میں سیدھا گھر ہی چلوں نا...!“  
”ہاں.... ہاں.... میں کہہ دوں گی راستے میں گاڑی خراب ہو گئی تھی اگر یہ آدمی مدد نہ کرتا تو گھر تک نہ پہنچ سکتی۔ تجربہ کارڈ ایور اور اعلیٰ درجہ کا مکملہ ہے۔ بیکار ہے آج کل بیچارہ....“

جوزف مشین انداز میں ”ائین شن“ ہو گیا اور ریٹا کو بے ساختہ بھی آئی۔ جوزف صرف آنکھوں کو جبکش دے کر گھور تارہل۔

”آؤ....!“ صدر نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

ریٹا اندر داخل ہوئی۔ صدر اس کے پیچے تھا۔

”یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ وہ چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

”کس کی تلاش ہے۔“

”کسی کی بھی نہیں۔ اُس کا لے نے کہا تھا تم اندر نہیں جا سکتیں پہلے سے ایک لڑکی موجود ہے۔“

”اوہ.... وہ میری سیکریٹری کے بارے میں کہہ رہا ہو گا۔“

”تمہاری سیکریٹری....!“

”ہاں.... یہاں تو سیکریٹریوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ میں براہ راست راتا صاحب کا سیکریٹری ہوں۔ وہ میری سیکریٹری ہے.... اور اُس کا سیکریٹری فی الحال چھٹی پر ہے چونکہ وہ چھٹی پر ہے.... اس لئے اس کے سیکریٹری کی بھی چھٹی ہی سمجھو اور اس کے بعد کے بھی بقیہ سیکریٹری موقع کر رہے ہیں.... بنیتوں... تم کھڑی کیوں ہو۔“

”تو گویا میں براہ راست راتا صاحب کی سیکریٹری نہ بن سکوں گی۔“

”ناممکن.... قطعی ناممکن.... تو آپ مجھ پر دانت لگائے بنیٹھی ہیں۔“

”کیا یہ ضروری ہے کہ براہ راست ایک ہی سیکریٹری ہو۔“

”محترمہ.... محترمہ.... آپ براہ راست ہمارے معاملات میں دخیل ہونے کی کوشش کر رہی ہیں۔“

”نہ جانے کیوں اپناست محسوس کرتی ہوں۔“

”ذر آہستہ....!“ صدر نے چاروں طرف چور نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب....!“

”مم.... میری سیکریٹری....!“ اُس کا لہجہ خوفزدہ تھا۔

”ارے.... کیوں؟ اوہ تمہی.... یہ بات ہے۔ سیکریٹری کیوں.... مسٹر لیں ہو گی تمہاری۔“

وفقاً دروازہ زوردار آواز کے ساتھ کھلا اور جوزف دھڑکتا ہوا اندر گھس آیا۔۔۔ ایڈیاں بجا کیں اور تن کر کھڑا ہو گیا۔

”کیا بات ہے۔“ صدر رجیح جھنجلا گیا۔

”اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔“

”باہر جاؤ۔“

”ہرگز نہیں.... میں باڑی گارڈ ہوں۔“

”باہر ہھہر....“ صدر گرج کر بولا۔

”ہرگز نہیں جتاب.... میں باس کو جواب دہ ہوں۔“

”کس باس کی بات کر رہا ہے۔“ ریٹا نے آہستہ سے پوچھا۔

”راتا صاحب کی۔“ صدر نے بھرائی ہوئی سپاٹ آواز میں جواب دیا۔

اُسے حقیقتاً غصہ آگیا تھا کیونکہ جوزف کے ”باس“ سے عمران مراد تھی.... کیا عمران نے اس قسم کی چوکیداری پر لگایا ہے؟ وہ سوچتا اور تاؤ کھاتا رہا۔ اس سے پہلے تو اس نے کہی ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی۔

”تم کیا سوچنے لگے۔“ ریٹا بولی۔ ”کیا تم اس سے خائف ہو۔“

”تم غلط سمجھیں۔ یہ مجھے اپنے پالتوکتے کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔“ صدر کے بولنے سے پہلے یہ جوزف بول پڑا۔

”میں تم سے بات نہیں کر رہی۔“ ریٹا نے جھنجلا کر کہا۔

”یہاں تم میرے علاوہ اور کسی سے بات نہیں کر سکتیں۔“

”تم سن رہے ہو۔“ وہ جھلا کر صدر کی طرف مڑی۔ جو سر جھکائے سگریٹ سلگا رہا تھا۔

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس کے اختیارات کتنے وسیع ہیں۔“

”کیا مطلب....!“

”راتا صاحب ایک خارش زدہ کتے کو بھی مجھ پر حاکم بنا کتے ہیں۔“

”تب تو یہ ملازمت میرے لئے قطعی فضول ہو گی۔“

”ہاں ہاں.... بالکل فضول ہو گی۔ تم جاؤ یہاں سے۔“ جوزف ہاتھ ہلا کر بولا۔

ذراتی سی دیر میں مکاپزی کے سارے گر آزمادا لے اور نبڑی طرح ہاتھ پنے لگا۔

”بس کرو ماسٹر....!“ جوزف بُر اسمانہ بنا کر بولا۔ ”اس قسم کی ورزشیں میر ان شر اکھاڑ دیتی ہیں.... چھ بو تکوں میں پورا نہیں ہوتا۔“

”نکل جاؤ.... نکلو.... خبیث....!“ صدر دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر دہاز ر جوزف دانت نکالے ہوئے دروازہ کی طرف مزگیا۔



اس بارہ سب الگ الگ ایک دوسرے کی گرانی کر رہے تھے اور ایک کو دوسرے کی خبر نہیں تھی۔ انہیں ایکس ٹو سے ہدایات ہی اس قسم کی ملی تھیں۔

صدر جوزف اور ساجدہ جبیب کی گرانی کیٹھنی خاور اور سارجنٹ نعمانی کے ذمے تھی۔ لیکن صدر وغیرہ کو اس کا علم نہیں تھا۔

وہ دونوں بھی ہوٹل روanonی میں مقیم تھے۔ ایرانی تاجروں کے روپ میں۔ میک اپ ایسا تھا کہ پیچاں لئے جانے کا خدشہ نہیں تھا۔ صدر وغیرہ نے متعدد بار انہیں دیکھا ہوا گا لیکن پیچاں نہیں سکے تھے۔

اس وقت نعمانی اور خاور اس ٹیلی فون آپریٹر کی گرانی کر رہے تھے جس نے صدر سے مل بیٹھنا چاہتا تھا۔

وہ ڈیوٹی پر نہیں تھی۔ سر شام ایک آدمی اسے روanon سے باہر لے گیا تھا۔ یہ دونوں اس کا تعاقب کرتے ہوئے ہوٹل شوار میں آئے تھے۔

ریٹا اور وہ آدمی ایک ایسی میز کے گرد بیٹھے تھے جہاں ایک معمر اور بار عب آدمی پہلے سے موجود تھا۔ اس نے کرسی سے اٹھ کر ان کا استقبال نہیں کیا تھا بلکہ ایسے انداز میں بیٹھا رہا تھا جیسے وہ خود ہی ان سے اپنا احراام کرانے کا عادی ہو۔

خاور اور نعمانی ان کے قریب ہی کی ایک میز کے گرد جا بیٹھے.... دونوں میزوں کا درمیان فاصلہ اتنا ہی تھا کہ وہ ان کی گفتگو بہ آسانی سن سکتے۔

”رپورٹ....!“ معمر آدمی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”حد ہوتی ہے۔“ ریٹا پیر ٹھیکر چنچتا۔ ”میں تمہیں دیکھ لوں گی کاملے خبیث!“

جواب میں جوزف نے بھی اسے کتیا کی پچی کے خطاب سے نوازا اور وہ تیزی سے باہر نکل گئی.... صدر جوزف کو تھر آکو نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔ جوزف بھی واپس جانے کے لئے

”ایکٹ ٹرن“ ہوا۔

”ٹھہر و....!“ صدر غریا اور جوزف آگے بڑھنے کی بجائے وہیں ٹھہم گیا۔

”یہ کیا حرکت تھی تمہاری۔“ صدر نے پوچھا۔

”باس کا حکم....!“ جوزف نے اس کی طرف مڑے بغیر جواب دیا۔

”بکواس ہے۔“

”یقین کرو یا نہ کرو۔ میں مجبور ہوں۔“

”کیا کہا گیا تھا تم سے۔“

”یہی کہ کسی اجنبی لڑکی کو تمہارے قریب نہ آنے دوں۔“

”میں اپنی ٹھہداشت خود کر سکتا ہوں۔“

”میں بھی جانتا ہوں۔“

”پھر....؟“

”باس کا حکم....!“

”یہ کھلی ہوئی بکواس ہے۔ تم اپنی کوئی حرکت نہیں کرو گے۔“

”دوسری بار اس سے بھی زیادہ بُراؤ یہ اختیار کروں گا۔ وہ تمہارے قریب آکر تو دیکھے۔“

”میں تمہارے جیزے تو ٹوڈوں گا۔“

”وہ پہلے ہی سے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ ایک بار اور سکھی.... اکھڑے جیزوں کو دوبارہ سٹ کر لینے کی مشتی ہے مجھے۔“

صدر کاغذے کے مارے بُر احال ہو گیا۔

”ارے تو خود کو کیا سمجھتا ہے۔“ وہ گونہ تان کر اس کی طرف چھپتا اور جوزف نے بڑے خاکسارانہ انداز میں دانت نکال دیئے۔ وہ کچھ اس طرح صدر کے ملنے روکتا رہا جیسے کوئی معمر آدمی کسی پچے کو کھلا رہا ہو۔ خود اس نے ایک بار بھی صدر پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔

”اے ختم کرو۔“ م عمر آدمی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ وہ زندہ نہیں پچے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ پولیس کو کسی قسم کا پیان نہ دینے پائے۔“  
”میاں اسے بھی دیکھوں؟“ ریٹا نے پوچھا۔  
”نہیں اسے دیکھ لیا جائے گا۔ تم لڑکی کو شوئے کی کوشش کرو۔ کیا وہ آج صحیح سماں کی طرف گئی تھی۔“

”اس سے میری معمولی سی جان پہچان ہے.... میں بھی کہتی ہوں۔ اگر میری اسکم کے مطابق کام ہوا ہوتا تو اس کی نوبت نہ آتی۔ میں اسے آسانی راہ پر لے آتی۔ لیکن ایم۔ نائیں میں جو غالباً اس کے بنگلے کے سامنے والی عمارت میں رہتا تھا یہ کام اپنے ذمہ لے بیٹھا۔“  
”بلیں.....“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اب جاؤ۔ غالباً اس لڑکی سے تمہاری اس حد تک جان پہچان ہے کہ تم اس کے گھر بھی جاسکو۔“

”نہیں بھی ہے تو میں اس کے لئے جوان پیدا کر لیں گی۔“  
خادوں کا غذہ کے ٹکڑے پر لکھ رہا تھا۔

”نعمانی تم لڑکی کا تعاقب کرو۔ میں اس آدمی کو دیکھوں گا۔“  
نعمانی نے دیکھوں سے تحریر پڑھی اور انھا ہوا خاور سے بولا۔ ”اچھا دوست اب اجازت دو۔ میں کلم بے ضرور ملوں گا۔“

دونوں نے مصافی کیا اور نعمانی ریٹا کے باہر نکلنے سے پہلے ہی فٹ پاٹھ پر اتر گیا۔ خاور میں بیٹھا رہا۔ م عمر آدمی اب اپنی میز پر تھا تھا۔ یہ م عمر ضرور تھا لیکن صحت قبل رٹک تھی۔ کوٹ کی آسٹنبوں کے اوپر سے بھی بازوؤں کی مچھلیوں کی اکڑن واضح نظر آتی تھی۔ چہرے پر رعب تھا، اسی ایسا لگتا تھا جیسے سر کے بال قبل از وقت سنید ہو گئے ہوں۔ ذرا ہمی اور موچھوں سے بے نیاز چہرہ تاچکنا نظر آتا تھا جیسے اس کے رکھ رکھا پر دقت کا کافی حصہ صرف کیا جاتا ہو۔ آنکھوں میں بجلیاں کی کونڈتی محسوس ہوتی تھیں۔ ورنہ عموماً اس عمر کے لوگوں کی آنکھیں کسی قدر دھندا ہی جاتی ہیں۔ خواہ صحت کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو وہ کسی کی پشت سے نکا ہوں۔ آنکھوں سے خلاء میں دیکھ رہا تھا۔ دانتوں میں دبا ہوا سگار شاید بھچا تھا۔  
خادر نے سگریٹ سلاکی اور سوچنے لگا کہ کچھ طلب کرے یا نہیں۔ م عمر آدمی اپنی میز پر تھا۔

”وہ نیگر و... ہمارے درمیان حائل ہو رہا ہے۔“ ریٹا بولی۔  
”تم نے اس آدمی کا نام معلوم کیا یا نہیں۔“ م عمر آدمی نے پوچھا۔  
”جی ہاں... اس کا نام صدر سعید ہے... اور اس کی سیکریٹری کا نام نغمائے ہے۔“  
”اور وہ نیگر و... جوزف ہے! کیوں...؟“  
”جی ہاں... وہ اسے جوزف ہی کے نام سے پکارتا ہے۔“  
”یہاں تک تودرست ہے۔ لیکن اس کے مالک کا نام صدر سعید کی بجائے علی عمران ہوتا چاہئے۔ مجھے یہی اطلاع ملی ہے۔“ م عمر آدمی خاموش ہو کر سگار سلاکنے لگا۔  
”لیکن صدر کہہ رہا تھا کہ ان کے مالک کا نام تھور علی ہے۔“  
”ہوں...!“ م عمر آدمی سگار دانتوں میں دبائے ہوئے کسی سوچ میں گم ہو گیا۔  
تھوڑی دیر بعد اس نے کوٹ کی اندر ورنی جب میں ہاتھ ڈال کر پرس نکالا اور اس میں سے ”تصویریں نکال کر ریٹا کے سامنے ڈال دیں۔“  
”دہ نہیں غور سے دیکھتی رہی پھر بولی۔“ نہیں ان دونوں میں سے تو کوئی بھی ان کے ساتھ نہیں دکھائی دیا۔“  
”م عمر آدمی نے ایک تصویر پر انگلی رکھ کر کہا۔ ”یہ علی عمران ہے۔“  
”پھر دوسری کی طرف اشارہ کر کے بولا۔“ یہ ساجدہ حبیب ہے۔ جس نے انجمن کے مفاد کے غلاف کچھ کام کئے ہیں اور اب عمران کے ساتھ ہے۔“  
”میں دیکھوں گی... ابھی تک تو... یہ دونوں نہیں دکھائی دیتے۔“  
”لیکن یہ جوزف جس کی تصویر تم پہلے ہی شاخت کر بچکی ہو۔ عمران ہی کا آدمی ہے۔“  
”آپ یہ دونوں تصویریں میرے پاس رہنے دیجئے۔ میں دیکھ لوں گی۔“  
”رکھ لو... دوسری بات... ایم نائیں میں آج صحیح سول بیستاں میں داخل کیا گیا ہے۔ اس کی حالت بہتر نہیں۔ وہ سماں کے ویرانے میں زخمی اور بیہوش پڑا پیا گیا تھا۔“  
”اوہ...!“ ریٹا کے چہرے پر ریٹانی کے آثار نظر آئے۔ ”میں بھج گن۔ وہ لڑکی سماں ہی کی طرف تھا جیا کرتی تھی۔ ایم نائیں میں نے جو طریقہ اختیار کیا تھا اس کی مخالفت میں ہمیشہ سے کرتی رہی ہوں۔“

بہت معزز ہستی نے وہاں قدم رکھا ہو۔۔۔ جس سے بھی اس کی نظر ملتی بڑے ادب سے سلام کرتا اور وہ خالی الذہنی کے سے انداز میں سر کو خفیف سی جگہ دے کر سلام کا جواب دیتا۔

لگڑے آدمی کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ بمشکل پینتیس سال کا رہا ہو گا۔ خود خالد لکش تھے۔

صحت بھی اچھی تھی۔ بہر حال اُسے بیساکھیوں کی مدد سے چلتے دیکھ کر افسوس ہوتا تھا۔

دونوں کے درمیان چند رسمی باتیں ہوئیں۔ پھر عمر آدمی نے کہا۔ ”حالات کسی طرح بھی قابو میں نہیں آرہے۔“

”میں پہلے ہی کہتا تھا۔۔۔؟“ لگڑے نے نہ اسامنہ بنا کر کہا۔

”اوہ۔۔۔ ہم جس بات کا بھی عہد کرتے ہیں۔۔۔!“

”ختم بھی کرو۔۔۔!“ لگڑا ہاتھ اٹھا کر بولا۔

”آپ سمجھنے کی کوشش کیجئے۔۔۔ ہمارا ایک آدمی اس وقت ہپتال میں پڑا ایڈیاں رکڑ رہا ہے۔ بچنے کی امید نہیں۔۔۔ پسلیوں کی کمی ہڈیاں ٹوٹ کر پھیپھی دوں میں گھس گئی ہیں۔“

”بھلا یہ کیسے ہوا۔۔۔؟“ لگڑے نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر پوچھا۔

”خدا جانے۔۔۔ لیکن یہ سلسلہ وہی تھا۔“

”سلسلہ وہی تھا۔۔۔!“ لگڑے نے کہہ کر قہقہہ لگایا۔

عمر آدمی کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے۔ لیکن ایسا لگتا تھا کہ وہ کسی وجہ سے اظہار خیال نہیں کر سکتا۔۔۔ لگڑا اپنے تھا۔۔۔

”آپ کیا پہنس گے۔“ بالآخر عمر آدمی نے غالباً اس کی ندر کرنے والی بھی سے آتا کر پوچھا۔

”اُس آدمی کا جام صحبت جو سول ہپتال میں دم توڑ رہا ہے۔۔۔ یاد کیوں مجھے انوبانے کی کوشش کر رہے ہو۔“

”مت یقین کیجئے۔۔۔ لیکن، ہم نے جس کام کا پڑھہ اٹھایا ہے اُسے تمکیل کو پہنچا کر ہی دم لیں گے۔“

”مجھے جلدی ہے۔“ لگڑے نے بہت سنجیدہ ہو کر کہا۔

”جلدی ہو گا۔۔۔ میرا خیال ہے کہ طریق کار میں کوئی خاری رہ جانے کی بنا پر اتنی دیر ہوئی ہے۔“

لگڑا کچھ نہ بولا۔۔۔ عمر آدمی نے دیٹر کو اشارے سے بلا کر کچھ کہا اور وہ موڈ بانہ انداز میں سر کو جمیش دے کر چلا گیا۔

ہے ضروری نہیں کہ وہ وہاں بیٹھا ہی رہے۔ ہو سکتا ہے وہ اس وقت اٹھے جب دیٹر خود اس کی طلب کی ہوئی چیزیں میز پر لگا رہا ہو۔ پھر وہ کیسے اس کا تعاقب کر سکے گا۔ اچاک اس کا اٹھنا کسی طرح بھی مناسب نہ ہو گا۔

دوسری طرف یہاں بیکار بیٹھنا اور کچھ دیر بعد یونہی رخصت ہو جانا بھی نہیک نہیں۔ ہو سکتا ہے اس آدمی نے خود اپنی نگرانی کے لئے بھی کسی کو مقرر کر رکھا ہو۔ پھر ایسی صورت میں محتاط رہنا کھیل بگاڑ دینے کے متادف ہو گا۔

وہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک تدبیر سمجھ میں آگئی۔ اُس نے جلدی جلدی میزو پر نظر دوڑا کر کھانے کی کچھ چیزیں منتخب کیں اور اشارے سے دیٹر کو بلا کر کہا۔ ”یہ چیزیں پیک کر ادو۔۔۔ میں یہاں کچھ دیر بیٹھ کر اخبار دیکھوں گا۔“

”بہت بہتر جناب عالی۔“

ویٹر چلا گیا اور صدر نے دوسری خالی میز پر پڑا ہوا اخبار اٹھا لیا۔

عمر آدمی اب بھی اُسی پوزیشن میں بیٹھا ہوا تھا جس میں کچھ دیر پہلے نظر آیا تھا۔ کچھ دیر بعد ویٹر پیک کیا ہوا سامان میز پر رکھ کر چلا گیا۔ خاور نے اخبار سے نظر ہٹائے بغیر اس سے کہا تھا کہ وہ مل لانے میں دیر نہ کرے۔

وہ اخبار دیکھا رہا۔۔۔ ویٹر حسب ہدایت جلدی ہی مل لے آیا۔ دام چکانے کے بعد وہ اخبار پر اسی طرح جھک پڑا جیسے کوئی بہت اہم چیز پڑھتا رہا تھا اور ویٹر کی دخل اندازی گراں گزری ہو۔

عمر آدمی اب میز پر جھکا ہوا تازہ سگار سلگا رہا تھا۔

خاور کے اندازے کے مطابق شاید وہ کسی کا فاختر تھا۔

وہ اور زیادہ انہاک کے ساتھ اخبار پر جھک پڑا۔ اُس کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ عمر آدمی ایک لگڑے کے استقبال کے لئے اپنی کرسی سے اٹھتا ہوا نظر آیا۔ یہ لگڑا بیساکھیوں کی مد سے چل رہا تھا اور بیساکھیوں کی کھٹ کھٹ ہاں کی پر سکون فضا میں گونج رہی تھی۔۔۔ لباس کے کرک رکھا و سے باسیقہ اور ذی حیثیت آدمی معلوم ہوتا تھا۔

عمر آدمی نے سہارا دے کر اسے کرسی پر بٹھایا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اُس لگڑے کا بے حد احترام کرتا ہو۔۔۔ ہو میں شہوار کا عملہ بھی کچھ اس طرح چاق و چوبند نظر آنے لگا تھا جیسے کسی

بھی روشنی پھیلت اور خود برآمدے میں نیٹھی نے ڈرائیور کو غور سے دیکھ رہی تھی جو سامنے والے روشن پر گاڑی کی صفائی کر رہا تھا۔

وہ سوچ رہی تھی۔ سبے حد چلاک معلوم ہوتا ہے۔ وہ پہر ہی سے گاڑی میں لگے گئے رات کر دی۔ اس کے گھروالوں پر اپنی مستعدی کا سکھ جہانا چاہتا ہے۔ لیکن یہ حقیقتاً کون ہے؟ اُس کا بہر و پیپان تختیر کر دینے والا تھا۔ رات اختر بننے تھے۔ اس وقت صورت بدلت کر رہی گئی ہے اور پیشہ ور ڈرائیور معلوم ہو رہا ہے اس کے چہرے پر وہ پھولی ہوئی تاک اور گنجان موچھیں قطعی نقلی نہیں لگتی تھیں۔ مال سے جب اس کی مشافی کا تذکرہ کیا تھا تو وہ فوراً اسی اسے ملاز مت دینے پر آمادہ ہو گئی تھیں اور اس مکار نے بھی خوب تی باتیں بنائی تھیں۔ کہنے لگا۔ ”نہ پیسوں کی پروادا ہے اور نہ کھانے کی۔۔۔ اسی گفتگو نہ کی جائے مجھ سے کہ میں خود کو ازاں غلام محسوس کرنے لگوں۔ عزت دار گھرانے کا آدمی ہوں۔ بس پڑھنے لکھنے میں جی نہیں لگتا تھا اس لئے یہ درگست بنی ہے۔ اگر آپ حوالے چاہیں تو بہت بڑے بڑے آدمیوں کے حوالے دے سکتا ہوں جن کے ساتھ رہ چکا ہوں۔“

اور پھر اس نے سب سے پہلے ہوم سکریٹری سر سلطان کا حوالہ دیتے ہوئے کہا تھا۔

”آن سے پوچھ لجئے کہ عبد المنان کیسا ذرا ایمور ہے اور کیسا آدمی ہے۔“

مال اس حوالے پر کافی مرعوب ہوئی تھیں اور انہوں نے چاہا تھا کہ تنخواہ کا مسئلہ بھی طے کر لیں۔۔۔ لیکن وہ یہی کہتا رہا تھا جو مناسب سمجھنے گا دے دیجئے گا۔ مجھے تو وہ وقت کی روئی اور رہنے کو جگہ چاہئے پھر یہ معاملہ باپ کی واپسی تک کے لئے مل گیا تھا۔

وہ سوچتی اور اسے گھورتی رہی جو ایک ٹکلی کو ہونوں میں دبا کر پھونک رہا تھا۔

”اے عبد المنان.... ادھر آؤ۔“ دفعتاً صبح نے اسے مخاطب کیا۔

اور وہ کسی پاتوتکتے کی طرح اس کی طرف چلا آیا۔

”اب ختم بھی ہو گایہ کھڑاگ.... یا نہیں۔“ اس نے کسی قدر جھلا کر کہا۔

”لبی بھی.... ہم کیا کرے۔“ وہ آسمیں سے تاک گھستا ہوا بولا۔ ”پچھلے ڈرائیور نے برا کیا ز کر رکھا ہے۔ سلف کا بیش بالکل خلاص ہو چکا ہے۔ نیا بیش نہیں پڑتا تو ہینڈل بازی کرنی پڑے گی۔“ ”ارے تو تم مسرتی بھی ہو۔“

خاور کی نظر اخبار پر جبی رہی۔۔۔ تھوڑی دیر بعد ویرہاتھوں پر ایک ٹرے اٹھائے ہوئے ان کی میز کے قریب آیا۔۔۔ ٹرے میں شمپن کی بوتل، سوڈے کا سائیفن اور دو گلاس تھے۔

معمر آدمی نے بوتل کی سمل توڑتے ہوئے لنگڑے سے کہا۔ ”آپ کو قطعی مطمئن رہنا چاہئے۔“ ”یقیناً۔۔۔ لیکن اگر اس سے پہلے ہی کوئی کامیاب ہو گیا تو۔“

”آس پر بھی ہماری نظر ہے۔۔۔ ہم کچا کام نہیں کرتے۔“ ”اچھا اگر کوئی کامیاب ہی ہو گیا تو۔“

”اجمن آپ کی رقم پاپی کا حساب کر کے واپس کر دے گی۔“ ”مجھے رقم نہیں چاہئے۔“ لنگڑے نے کسی قدر غصے میں کہا۔ ”اور جو کچھ چاہو دے سکتا ہوں۔“

”مجھے علم ہے جتاب۔۔۔ آپ کی مالی حیثیت کس سے پوشیدہ ہے۔ بس تھوڑا وقت اور دیجھ۔۔۔“ معمر آدمی نے کہا۔ لنگڑا اسامنہ بیٹائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

معمر آدمی نے گلاسوں میں تھوڑی تھوڑی اٹھیلی اور یکے بعد دیگرے اُن میں سوڈے کی دھار مارتا رہا۔

خاور سوچ رہا تھا دیکھوں میں سے کب کون انتہا ہے۔ شہر کے کسی ذی حیثیت لنگڑے کو ڈھونڈ نکالنا مشکل کام نہ ہوتا۔ لیکن اگر معمر آدمی نظر وہی سے او جھل ہو جاتا تو دوبارہ سراغ ملنے میں یقیناً دشواری پیش آتی۔

تقریباً پون گھنٹے تک ان کا ٹھفل جاری رہا۔۔۔ پھر لنگڑا اٹھ گیا تھا۔ لیکن معمر آدمی جما بیٹھا رہا۔۔۔ آدمی بوتل سے کچھ کم شراب باقی پیچی تھی۔ معمر آدمی نے بوتل پر ڈھکن جما کر اسے کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ خاور سمجھا شاید اب اٹھے گا لیکن وہ تو کری کی پشت سے نکل کر بھر نیا سگار سلاگا رہا تھا۔ اس نے سوچا ب خود اس کا مزید بیٹھنا دوسروں کو شہمات ہی کی طرف لے جاسکتا ہے۔ لہذا اٹھنا چاہئے۔ باہر کہیں رک کر اس کی آمد کا منتظر رہے گا۔

اس نے ہوٹل سے خریدی ہوئی چیزیں سکیں اور اخبار کو دیہیں چھوڑ کر اٹھ گیا۔



رات خوشنوار تھی۔۔۔ صبح نے برآمدے کے وہ بلب روشن کر دیئے تھے جن سے لائن پر

جرائیل نام تھا۔ ریڈ کراس تنظیم کے ہمدردوں میں سے تھی اور اس کے لئے فنڈ اکٹھا کرنے میں کارکنوں کو مدد دیتی تھی۔

صیبھ نے اُس کے چہرے پر حرمت اور خوشی کے ملے جلے آثار دیکھے۔

”بیلو صیبھ... یہ تم ہو...!“ وہ قریب بھنگ کر مصنفوں کے لئے ہاتھ بڑھاتی ہوئی چکی۔ ”کیا معلوم تھا کہ اس طرح ملاقات ہو گی۔“

”آؤ... آؤ... بیلو...؟“

”ضرور بیٹھوں گی... بہت تھک گئی ہوں۔“ وہ کری سمجھنے کر بیٹھتی ہوئی بولی۔ ”وپھر سے ان اطراف کے چکر لگ رہے ہیں۔“

”کیوں...؟“

”ارے وہی مسز آر تھر کا چکر ہے ریڈ کراس والا... فنڈ جمع کرنے نکلے ہیں۔“

”کافی بیٹھو گی یا چاۓ۔“

”کچھ بھی نہیں... تم تو یہ بتاؤ کہ کتنا دبے رہی ہو۔“

”کافی بیٹھو... وہ پھر سوچیں گے۔“ صیبھ نے کہا اور ڈرائیور کو مخاطب کر کے کہا۔ ”کافی کے لئے کہہ دو۔“

”جی اچھا...!“ ڈرائیور نے سر ہلا کر کہا اور چلا گیا۔

”کہو کیسی گذر رہی ہے۔“ ریٹانے پوچھا۔

”کوئی خاص نہیں۔ یہاں بوریت کے علاوہ رکھا ہی کیا ہے۔“

”کیوں... کیا اب ڈرائیور گئے نہیں کرتیں۔ شاکنڈا ایک بار تم نے بتایا تھا کہ اکثر صبح ہی صبح دور تک تھا نکل جاتی ہو۔“

”وہ... تو... ہاں... بب... بہت دونوں سے ایسا کوئی اتفاق نہیں ہوا۔“ صیبھ نے کسی قدر پر پیشانی کے ساتھ کہا کیونکہ اچانک آج کا اندھہ پھریاں آگیا تھا۔

”ضرور جایا کرو... اس قسم کی تبدیلیاں صحت کے لئے مفید ہیں۔“

”اب تو وقت ہی نہیں ملتا۔“

”کہو تو میں بھی ساتھ چلا کروں۔“

”ہاں ہاں بی بی جی... اب یہ گاڑی کسی درکشہ میں نہیں جائے گی۔“  
”کمال کے آدمی ہو بھتی۔“

”ارے ہم کیا... ہمارا باب تو آنکھوں پر پیٹی باندھ کر انہیں اور ہاں کرنا تھا۔“

”ہاں... ہاں ایسی ہی بات ہو گی۔“ صیبھ نے اوپنی آواز میں کہا اور پھر آہستہ سے بولی۔ ”میں نے نہیں نہیں کیا۔ اُس کی حالت بہت خراب ہے۔“

”مرنے دو...!“ اُس نے لاپرواپی سے شانوں کو جنبش دی۔

”میں بہت پریشان ہوں۔ اگر اُس نے پولیس کو بیان دے دیا تو۔“

”دیکھا جائے گا... اُس نے مجھے اس حیلے میں نہیں دیکھا تھا۔“

”مجھے تو دیکھا تھا۔ کیا وہ یہ نہ سمجھ گیا ہو گا کہ تم میرے ہی ساتھ آئے تھے۔“  
”سمجنے دو...!“

”ارے میری بدناہی...!“

”بدناہی...!“ وہ طنزیہ لجھ میں بولا۔ ”بدناہی کی پرواہ ہوتی تو تم کسی اختر کا گھیڑا کر تیں۔“

”ارے... اپنا الجہ ٹھیک کرو... عبد المنان...!“

”بہت بہتر مس صاحب۔“

”تم آخر ہو کیا بلہ۔“

”ڈرائیور مس صاحب... فی الحال۔“

”میں سوچتی ہوں کہیں تم ہم لوگوں کے ساتھ کوئی فراہمہ کرو۔“

”بلیں سوچتی رہئے... اُس وقت تک جب تک کہ میں کوئی فراہمہ کر بیٹھوں۔“

”کیا مطلب...?“

”آپ لس سوچتی ہی رہ جائیے گا... اُدھ... وہ دیکھئے... کوئی میم صاحبہ آڑی ہیں۔“

صیبھ چونکہ کر چھانک کی طرف مڑی... چھانک پر کوئی سفید فام عورت تھی۔ سفید بلاوز اور نارنجی اسکرٹ میں ملبوس تھی۔

”وہ برآمدے کی طرف بڑھتی رہی۔ کچھ اور قریب آئی تو صیبھ نے اُسے پہچان لیا۔ اکثر ریڈ کراس کے درائیور پروگراموں کے سلسلے میں پہلے بھی اُس سے ملاقات ہو چکی تھی۔ ریٹا

"مشکل ہے... پیانے پابندی لگادی ہے۔ پھر اب ڈرائیور کو کون ساتھ بٹھائے پھرے۔"

"مجھے اپنے پیانے ملاؤ... شاید میں ان سے کچھ زیادہ وصول کر سکوں۔"

"وہ تو پچھلے ہفتے درے پر گئے تھے ابھی تک واپس نہیں آئے۔"

"اوہ... تب تو آزادی ہے... چلوکل صبح چلیں۔"

"اور می جو چیز۔"

"وہ کیا کریں گی۔"

"پیاسے کئی گناہ زیادہ خونخوار ہیں۔"

"اُن سے ملاؤ۔"

"اس وقت تو مشکل ہے۔ وہ عبادت کر رہی ہوں گی۔"

"بہت ذرتی ہو والدین سے۔"

"ڈرنا ہی چاہئے... والدین کا خوف ہمارے لکھر کا جزو لازم ہے۔"

"بُونم... تم آج ہی گاڑی لے کر حسب عادت ویرانے کی طرف نکل گئی ہو گی۔ کونکہ میدان صاف تھا۔"

"هم لوگ والدین کو دھوکا دینا برا سمجھتے ہیں۔"

"اچھا نہیں گئی تھیں۔"

"ہرگز نہیں۔"

"میں یقین نہیں کر سکتی۔"

قبل اس کے کہ صیحہ کچھ کہتی ڈرائیور کی آواز سن کر پوک پڑی جو کہہ رہا تھا۔ "پاکل ہو گیا ہے... کہہ رہا ہے ہرگز نہ باؤں گا کافی... بینا ہو تو چائے بیس۔"

"کیا مطلب....؟"

"مطلوب بھی اسی سے پوچھئے گا... میں کیا جاؤں۔"

"ٹھہرو... میں دیکھتی ہوں۔" صیحہ نے کہا اور بینا سے انگریزی میں بولی "ٹھہرو میں ابھی آئی۔"

وہ تیری سے صدر دروازے سے گذر گئی۔ پھر پکن کی طرف بڑھ رہی تھی کہ ڈرائیور کی آواز سن کر رک جاتا پڑا۔

"خواہ خواہ باور پر نالٹ پڑتا۔ میں تمہیں وہاں سے ہٹا کر ایک بات کہنا چاہتا تھا۔"

"تم آدمی ہو یا گھن چکر...!" صیحہ کو تاؤ آگیا۔

"سن لو میری بات درست کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گی۔" وہ شیطان کی غالہ تم سے صرف یہ معلوم کرنے آئی ہے کہ تم نے آج صبح ڈرائیور کی تھی یا نہیں۔"

"تم کیا جانو... ہم انگریزی میں گفتگو کر رہے تھے۔"

"فرانسیسی اور جرمن میں بھی کر کے دیکھ لو... اگر نہ سمجھ لوں تو موچھیں اکھلا لینا... کیا سمجھتی ہو ہاں...!؟"

"وہ کیوں اعتراف کرنا چاہتی ہے۔"

" بتاتا ہوں... پہلے تم یہ بتا دکر اسے کب سے جانتی ہو۔"

"عرصہ سے جانتی ہوں لیکن وہ میرے گھر پہلی بار آئی ہے۔"

"آج بھی نہ آتی اگر وہ واقعہ پیش نہ آتا۔"

"تو کیا... تو کیا... اس کا تعلق خفہ پولیس سے بھی ہو سکتا ہے؟"

"میں تو یہی سمجھتا ہوں۔"

"پھر مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

"ہرگز اعتراف نہ کرنا کہ تم آج صبح گاڑی لے کر گئی تھیں۔"

"اور... اور... کافی۔"

"تیار ہو رہی ہے... بس اب جاؤ... باور پر تو کسی فرشتے کی اولاد معلوم ہوتا ہے۔"

"تو تم محض بتانے کے لئے مجھے ادھر لائے تھے۔"

"بالکل... بالکل... اب جاؤ... میں کچھ دیر تمہاری تانی اماں کو سن اٹھا رہ سو ستادوں کے ندر پر کمثری سناوں گا۔"

صیحہ سوچ میں ذوبی ہوئی پھر وہیں واپس آگئی جہاں ریا اس کی منتظر تھی۔

"کتنے کی رسید کاٹوں؟" رینا نے دیکھنے لیکر سے رسید بک نکالتے ہوئے پوچھا۔

"پیسے لینے نہیں گئی تھی۔ میرا باور پر خست تانی اور کام چور ہے۔ اس نے کافی تیار کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ رہا تھا کہ رات کو کافی پینے سے ملیرا ہو جاتا ہے۔"

”میں اس گندی موچھوں والے نے یہی اطلاع دی تھی۔“  
”ہاں...!“  
”وہ بھی تمہارا کوئی ملازم ہے۔“  
”ہاں...ڈرائیور ہے۔“

”میں تو ایسی گندی موچھوں والے کو ایک منٹ کے لئے بھی برداشت نہ کر سکوں۔“  
”پسند اپنی اپنی... مجھے اس کی موچھیں ہی تو اچھی لگتی ہیں۔“  
”شش.... خیر.... کتنا وے رہی ہو۔“

”دوسروپے لکھوں... پیاکی واپسی سے پہلے میری ذائقی مالی حالت بہتر نہیں ہو سکے گی۔“  
”اچھی بات ہے۔“ رینا نے کہا اور رسید بک پر کچھ لکھنے لگی۔ پھر رسید چھاڑ کر اس کی طرف بڑھاتی ہوئی بوی۔ ”میرا خیال ہے کہ صبح کی سیر میں کبھی نہ کبھی میرا اور تمہارا ساتھ ضرور ہو گا۔“  
صیبھ کچھ نہ بوی۔ اب تو کچھ جو اسے سوچنا پڑا تھا کہ آخر وہ صبح کی سیر کے پیچے کیوں پڑ گئی ہے۔  
”اچھا تو پھر....!“ رینا اٹھتی ہوئی بوی۔

”بیٹھو.... بیٹھو.... کافی پلاۓ بغیر نہیں جانے دوں گی۔“  
”بہت کام کرتا ہے صیبھ....!“

”فکرنے کرو... کام تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔“

”وہ پھر کچھ کہنے والی تھی کہ ایک ملازم ٹرالی دھکیلتا ہوا آگیا۔  
صیبھ نے رینا کے لئے کافی اٹھی۔ لیکن اس کی الجھن بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ وہ نکلکیوں سے رینا کی طرف دیکھتی اور کافی کی چکیاں لیتی رہی۔ سوچ رہی تھی کہ کیا وہ کچھ خفیہ پولیس سے تعلق رکھتی ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو آج ہی یہاں کیوں آئی تھی۔ پہلے کیوں نہیں آئی تھی۔  
متعدد بار اس علاقے سے ریڈ کراس کے لئے فنڈ اکٹھا کیا گیا تھا۔

خدا خدا کر کے کافی ختم ہوئی اور رینا رخصت بھی ہو گئی۔ لیکن صیبھ وہیں بیٹھی رہی۔ اس کے چہرے پر پینے کی نہیں نہیں بوندیں بچوت رہی تھیں۔

نیا ڈرائیور گاڑی گیرا ج میں ہند کر کے تھوڑی دیر بعد اور سے گزراد۔ صیبھ نے ہاتھ انٹا کر اُسے رکنے کا اشارہ کیا۔ وہ قریب آگیا۔

”میں بہت پریشان ہوں اختر...!“ صیبھ رو مال سے چہرے کا پسند خلک کر تی ہوئی بوی۔  
”مجھ سے زیادہ نہ ہو گی۔“  
”اوه.... تواب تمہیں پریشان ہے۔“  
”بالکل.... تمہاری نانی مجھے زندہ نہ رہنے دیں گی.... کہنے لگیں یہ گلوڑ ماری موچھیں کافروں کی ہیں.... مسلمانوں کو بضرور کرتا وہی چاہئیں۔“  
”بس اسی کی پریشانی۔“ صیبھ جبرت سے بوی۔  
”اور کیا.... لب کرتا نے بیٹھا تو ناک سے بھی ہاتھ دھو بیٹھوں گا۔“  
”ارے اس کی فکر نہیں... وہ.... جو.... وہ جو پوتہ نہیں زندہ بھی ہو یا مر گیا ہو۔“  
”نہیں....!“ ڈرائیور نے غصیلے لہجے میں کہا۔  
”وہ لڑکی رینا کچھ خفیہ پولیس ہی کی معلوم ہوتی ہے۔ بار بار مجھ سے اعتراض کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ آج میں ویرانے کی طرف گئی تھی یا نہیں۔“  
”پھر تم نے کیا کہا۔“  
”اس پر اڑی رہی کہ یہ عادت عرصہ ہواترک کر چکی ہوں۔“  
”چلو بس ٹھیک ہے۔“  
”لیکن آج صبح مجھے گھر سے نکلتے بہتوں نے دیکھا ہو گا۔“  
”پرواہ مت کرو.... مخفی اتنی کی چیز تمہارے خلاف ثبوت کے طور پر نہیں پیش کی جاسکتی.... بس اپنی زبان بذرکھو....!“  
”ہوں.... اچھا خیر.... تم اپنا سامان اسٹشن سے لائے یا نہیں۔“  
”موقع کہاں ملا.... کہو تواب چلا جاؤ۔“  
”ضرور جاؤ.... ورنہ آج پھر جھلکتی ہی پر سوتا پرے گا تمہیں۔ بستر کا انظام نہیں کیا جاسکتا۔“

  
خادر سونے کی تیاری کر رہا تھا۔ دیر مک نعمانی کا منتظر رہنے کے بعد اُس نے محسوس کیا تھا کہ اب شاید بیٹھے ہی بیٹھے نہ آجائے۔

پھر وہ لیٹا ہی تھا کہ دروازے پر کسی نے دستک دی۔ انھ کر دروازہ گھول آنے والا نعمانی ہی تھا۔ اُس کی آنکھوں سے تھکن ظاہر ہو رہی تھی۔ آتے ہی جو توں سمیت بستر پر ڈھیر ہو گیا۔  
”کیا ہوا...!“ خاور نے پوچھا۔

”یار تھا ذلا اُس کمخت نے۔ بیدل چل کر رینڈ کراس کے لئے چندہ اکٹھا کرنا شروع کر دیا تھا۔ لہذا میں اس کا اندازہ ہی نہ کر سکا کہ اُس کی منزل مقصدوں کہاں تھی۔ تقریباً ذیہ درجن بیگلوں اور کوشیوں میں کھسی تھی۔ لہذا اندازہ کرنا مشکل ہے کہ وہ کس لڑکی کا قصہ تھا۔ البتہ ایک بات ہے۔“

”کیا... ذرا جلدی سے یہ کہانی ختم کرو۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔“

”ایک بنگلے میں مجھے عمران بھی نظر آیا تھا۔ اپنے رینڈی میڈ میک اپ میں تھا۔ یعنی جھکی ہوئی موچھیں اور پھولی ہوئی ناک پلاسٹک والی۔“

”تب پھر یقین کر لو کہ وہ بنگلے منزل مقصدوں شی۔ کون رہتا ہے وہاں...!“

”ظاہر صدقیقی میڈ پیکلکٹر...!“

”ہوں....!“

”تم نے کیا کیا...!“ نعمانی نے پوچھا۔

”وہ عمر آدمی یہاں کا ایک کامیاب ترین ایڈ کیٹ ہے۔ اس سے زیادہ کسی کی بھی پریکش نہیں چلتی۔ جمیش کیانی نام ہے اور ایک لنگڑا آدمی ہے۔ اس کا تعاقب نہیں کر سکا تھا کیونکہ جمیش کیانی مجھے اس سے زیادہ اہم معلوم ہوتا ہے۔“

”آخر عمران وہاں کیا کر رہا ہے۔ اب اُس پر بھی نظر رکھنی پڑے گی۔ ورنہ ہو سکتا ہے وہ کھیل ہی بگاڑ دے۔“

”کیا مطلب۔“

”ہمارے معاملات میں پہلے ہی سے اُس کی ناگزیری رہتی ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ ہم اُسی کے تحت کام کر رہے ہیں۔“

”یار آب تو کھلنے لگی ہے یہ بات۔“

”کیوں...?“

395  
”وہ صرف ایک ایجنت ہے۔ آخر ایکس ٹوہم میں سے کسی کو انچارج کیوں نہیں بتاتا۔“  
”ختم کرو۔“ خاور جماہی لے کر بولا۔

”نہیں میں بڑی شدت سے بور ہوتا ہوں اکٹھا اس مسئلے پر۔“ نعمانی نے ناخوش گوار لیجھ میں کہد

  
ساجدہ حبیب کو جوزف کی حرکتوں پر غصہ نہیں آتا تھا۔ البتہ صدر پر بھی آتی تھی جب وہ جوزف پر دانت پیٹتا تھا۔

جوزف کا معمول تھا کہ جب تک صدر کمرے میں رہتا ہو باہر پہرے کے سپاہی کی طرح ”ایٹ ایٹ“ لکھا نظر آتا اور اس کی عدم موجودگی میں ساجدہ حبیب کے ساتھ سائے کی طرح لگا رہتا۔ اس وقت بھی صدر کہیں باہر گیا تھا۔ ساجدہ تھا تھی اور جوزف اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر بیٹھا خلاء میں گھورے جا رہا تھا۔

ساجدہ سویٹر بن رہی تھی۔ جوزف بھی کبھی اُس کے ہاتھوں کو غور سے دیکھنے لگتا۔ ایک بار ساجدہ نے بھی اُسے اپنے ہاتھوں کی طرف گھورتے ہوئے دیکھ لیا اور ہنس کر بولی۔ ”کوئی بذریعہ تو نہیں منڈلارہی ان ہاتھوں پر۔“

”میں یہ نہیں دیکھ رہا۔“ جوزف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔  
”پھر کیا دیکھ رہے ہو۔“

”کچھ بھی نہیں میں.... اپنا کام کرو۔“  
”تم آخرات نے چڑچڑے اور لکھنے کیوں ہو۔“

”میرے حصے کی خوش مزاجی بھی باس ہی کو مل گئی ہے۔“

”اچھا جوھ سے اپنے بارے میں باتیں کرو۔“ ساجدہ نے اون کا گولا اور سلائیں ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔  
”کیا باتیں کروں۔“

”تم اُس کے سامنے کیوں بھیگی بلی بنے رہے ہو۔“

”اکٹھا بنتی خوش مزاج آدمیوں کو بھی غصہ آ جاتا ہے۔“

”تم اس سے ڈرتے ہو۔“ ساجدہ نے حیرت سے پوچھا۔

”وہ ڈرنے ہی کی چیز ہے مسی۔“

”ارے جاؤ...!“ ساجدہ نہ پڑی۔

”یقین کرو مسی اسے بہت کم لوگ جاتے ہیں۔“

”اور جانے والوں میں سے ایک تم بھی ہو۔“

”ہاں میں جانتا ہوں انہیں۔“

”اچھا تباہ اس کی نظر وہ میں کسی کی اہمیت بھی ہے یا نہیں۔“

”ان کی نظر میں خود ان کی بھی کوئی اہمیت نہیں۔“

”وہ خود کو احتمل کیوں پوز کرتا ہے۔“

”میں تھیں جانتا۔“ جوزف نے کسی قدر باخوبی ٹگوار لجھ میں کہا۔

”پھر کیا جانتے ہو۔“

”کچھ بھی نہیں۔ خاموش رہو۔ یا کوئی اور بات کرو۔“

”وہ فتحاً دروازہ پر کسی نے دستک دی۔ جوزف نے انھے کر دروازے کے قریب سے غراثی ہوئی

آواز میں پوچھا۔ ”کون ہے؟“

”ویژہ نمبر گیارہ جناب۔“ باہر سے آواز آئی۔

”کیا چاہتے ہو۔“

”مجھے بلا بیا گیا ہے جناب....!“

”کس نے بلایا ہے۔“

”اسی کمرے سے کسی نے فون کیا تھا؟“

”بھاگ جاؤ کسی نے نہیں بلایا۔“

”بہت بہتر جناب۔“

اور پھر جوزف قدموں کی دور ہوتی ہوئی چاپ کی طرف کان لگائے رہا۔

”یہاں سے تو کسی نے بھی فون نہیں کیا تھا۔“ ساجدہ بولی۔

”مجھے باہر ہی ٹھہرنا چاہئے۔“ جوزف سر ہلاکر بولा۔

”کیوں کیا تم کسی قسم کا خطہ محسوس کر رہے ہو۔“

”ہم یہاں تفریجاً تو نہیں آئے مسی۔ باس نے کسی مقصد ہی کے تحت بھیجا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ تمہاری کہانی کیا ہے۔“

”مم... میری کوئی کہانی نہیں نہیں۔“

”ہو بھی تو مجھے کیا۔“ جوزف نے لاپرواٹی سے شانوں کو جنبش دی۔

دروازہ کھول کر وہ باہر نکلا لیکن قبل اس کے کہ معاملے کی نوعیت سمجھ میں آتی سر پر قیامت گزر گئی۔ دو وزنی موگریاں یکے بعد دیگرے اتنی تیزی سے سر پر پڑی تھیں کہ وہ ایک کی بھی چوٹ نہ بچا سکا۔

حملہ آور دروازے کی دونوں جانب دیوار سے چپکے کھڑے تھے۔

جوزف کسی قسم کی آواز نکالے بغیر بے صورت ہو گیا۔ دروازے کے دونوں پاٹ کھل گئے تھے اور ساجدہ حیرت سے آنکھیں چھڑائے کھڑی تھی۔ حملہ آوروں میں سے ایک نے اس سے کہا۔ ”میرا داہنا ہاتھ کوٹ کی جیب میں ہے۔ انگلی بے آواز ریو اور کے ٹریگر پر ہے... باہر نکلو اور باہمیں جانب چلتی رہو۔“

”مل... لیکن...!“

”خاموش... چلو...!“

وہ لڑکھاتے قدموں سے باہر آئی۔ جوزف بے صورت ہو کر کٹ پڑا نظر آیا۔

”بانیں طرف چلو...!“ پھر کہا گیا۔

پوری راہداری سننان پڑی تھی۔ وہ جلدی تیری منزل کے زینے طے کر رہے تھے۔ اُر کوئی راہ میں بھی مل جاتا تو اسے ذرہ برابر بھی کسی قسم کا شہر نہ ہو پاتا کیونکہ ساجدہ ان دونوں سے کافی فاصلے پر چلتی رہی تھی... یہ سوچ کر اس کا دل ڈوب رہا تھا کہ وہ بالآخر پہچان لے گی۔ تیری منزل پر پہنچ کر دھمکی دینے والا اس سے کسی قدر قریب ہوتا ہوا بولا۔

”کرہ نمبر انہاون میں چلو۔“

وہ کھلے ہوئے دروازے میں مڑ گئی۔ اس کے پیچے وہ دونوں بھی کمرے میں داخل ہوئے اور دروازہ بند کر دیا گیا۔

اب دھمکی دینے والے کی جیب سے روپا اور بھی نکل آیا تھا۔ اُس نے اُس کا رخ ساجدہ کی طرف کیا ہی تھا کہ دوسرا بول اٹھا۔ ”ٹھہر و... فائزہ کرنا۔“  
”کوں...!“ پھلا غریا۔

”پتے نہیں یہ ساجدہ حسیب ہے بھی یا نہیں۔“

”وہی ہے۔ تصویر نکالو اور آنکھوں کی بیاٹ ملاو۔ محض ناک اور دہانے کے پلاسٹک میک اپ سے کیا ہوتا ہے۔ پیشائی کی بیاٹ دیکھو۔“

”پچھے بھی سبی... اس طرح مارڈالنے سے کیا فائدہ....؟“

”تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ زندہ رکھ کر ہی کیا کریں گے۔“

”حق آدمی اس کے علاوہ اور کون عمران کا پتہ بتائے گا۔“

”اوہ ٹھیک ہے۔ لیکن کیا تمہیں اس حکم کا علم نہیں ہے کہ اگر نہ بتائے تو فوراً گولی مار دی جائے۔“

”مجھے علم ہے اور تم شاید یہ بھول رہے ہو کہ بتادینے کی صورت میں اگر یہ بے گناہ بھی ثابت کر سکے تو زندہ رہے گی۔“

”مجھے سب معلوم ہے تم خاموش رہو۔“ روپا اور والے نے ہاتھ انداخت کر کھا اور ساجدہ سے پوچھا۔ ”باتا عمران کھاہ ہے۔“

”میں نہیں جانتی۔ یقین کرو۔“

”یہاں آنے کا مقصد ہی بتا دو۔“

”میرے خیال سے وہ اس طرح انجمن کے سر بر آور دلوگوں کا پتہ لگانا چاہتا ہے۔“

”بھلاکس طرح۔“

”اس طرح کہ میں اس میک اپ میں پہچان لی جاؤں گی اور انجمن والے مجھے مارڈالنے کی کو شش کریں گے۔ اس کے لئے انہیں بہر حال سامنے آتا پڑے گا۔“

”تو اس نے تمہیں قربانی کا بکرا بنا لیا ہے۔“

”اب اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتی ہوں جبکہ اتنی آسانی سے پہچان لی گئی۔ مجھے مل جائے تو۔“

خود بھی اس کی بُڈیاں چباڑاں۔“

”اُلو بنا رہی ہو ہمیں۔“

”یقین کرو۔ میں نے زبردست دھوکا کھایا ہے۔ دراصل اُسے انجمن ہی کا کوئی رکن سمجھ بیٹھی تھی۔ پروفیسر کے قتل کے بعد میں ضروری کاغذات نکال لانے کی فکر میں تھی۔ جہاں چھپی تھی وہیں وہ بھی موجود تھا۔ اس طرح کی باتیں کیس اس نے کہ میں اُسے عادل آباد شاخ کا صدر سمجھ بیٹھی۔ پھر اُس نے میرے اور مقامی سیکریٹری کے درمیان اس قسم کی غلط فہمیاں پیدا کر دیں کہ میں انجمن کی طرف سے بھی نری بن گئی۔ پھر بتاؤ میں اپنی جان بچانے کے لئے کیا کرتی۔“  
”اس کے باوجود بھی تم نے کاغذات نکل اُس کی رہنمائی کی تھی۔“

”پھر میں کیا کرتی۔ انجمن کی نظر میں تو میں غداری کی مرکب ہو ہی چکی تھی۔ حالانکہ ایسا نہ پہلے تھا اور نہ اب ہے۔“

”تو پھر اپنی وفاداری کا ثبوت دو...!“

”کہہ تو رہی ہوں کہ میں نہیں جانتی۔ نہیں جانتی کہ وہ کھاہ ہے۔ مجھے صدر اور جوزف کے ساتھ یہاں بھیج کر دوبارہ نہیں ملا۔“

”یہ بتا یا ہی ہو گا کہ تمہیں کیا کرتا ہے۔“

”پچھے بھی نہیں.... قطعی نہیں۔“

”پھر سوچ لو... ہم تمہیں گولی مار سکتے ہیں۔“

”جو تمہارا دل چاہے کرو... میں موت سے نہیں ڈرتی۔ تم کیا ہو۔ تمہاری حقیقت کیا ہے؟“  
”کیا مطلب....؟“

”میں ایک ناگے والے کی بیٹی ہوں۔ گھوڑے نہیں ملتے تو آدمیوں کو ہائک کر کھو دیتی ہوں۔“  
”بکواس مت کرو۔“ وہ غریا۔

ساجدہ بنس پڑی۔ اب وہ انہیں مر عوب کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ان دونوں کی آپس کی گفتگو سے اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ زیادہ ڈین لوگ نہیں ہیں۔ انہیں بے آسانی لوہا بنا کرے گی۔ یہ الحق اُسے بچوں کی طرح نریث کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ انہیں جھکائی دینے کی ترکیبیں سوچنے لگی۔

”تم ایسی ہی معلوم ہوتی ہو۔“ دوسرے نے دانت پر دانت جما کر کہا۔ ”وراپنی اصلی شکل تو تو۔“

”پچھے کرو بھی خدار جلدی سے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ان دونوں سکھ کی نیند سو سکی ہوں گی۔“  
دونوں پر فکر انداز میں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔  
ساجدہ باری باری سے انہیں گھورے جا رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ تیر شاید نشانے پر میٹھا ہے۔ لہذا پھر بولی۔

”میں خود ہی اس فکر میں ہوں کہ کسی طرح مجھے اس مرد دو دکا پتہ نشان معلوم ہو سکے۔ میری مٹی پلید کر کے رکھ دی اُس نے۔ لیکن وہ بھی کیا یاد کرے گا۔“

”کیا یاد کرے گا۔“ پہلے نے پوچھا۔

”اگر یہ میری زندگی کا آخری دن نہیں ہے تو خود ہی دیکھ لیں۔“

”ختم کر دیہ قصہ.....!“ دوسرے نے پہلے سے کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ یہ لڑکی جھوٹ نہیں بول رہی۔“

”پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے۔“

”دوسرے احکامات تک ہمیں اسے نہیں روکنا چاہئے۔“

”اس کی کیا ضمانت ہے کہ یہ ہمیں دھوکا نہیں دے گی۔“

”کیوں.....؟“ دوسرے نے ساجدہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”میں اب ان لوگوں میں واپس نہیں جانا چاہتی۔“

وہ دونوں پچھے نہ بولے۔ اُن کے چہروں پر ایسے آثار تھے جیسے جلد سے جلد کوئی فیصلہ کرنا چاہتے ہوں لیکن عقل رہنمائی نہ کر رہی ہو۔



نعمانی نے جوزف کو فرش پر نیہوش پڑے دیکھا تھا۔ لیکن وہ اس کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا کہ ہونٹ کے ذمہ داروں کو اس کی اطلاع پہنچا کر خود قطعی بے تعلق ہو جاتا۔

اس کے بعد اسے تیری منزل کے کمرہ نمبر اٹھاون کی گرفتاری شروع کر دینی پڑی تھی۔

وہ دونوں ساجدہ کو اندر لے گئے تھے اور پھر پچھے دیر بعد وہ باہر بھی نکل آئے تھے۔ کمرہ مغلل کیا تھا اور کہیں چلے گئے تھے اور وہ اب یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین تھا کہ ساجدہ پر کیا

”میں نہیں جانتی کہ یہ میک اپ کیسے ختم ہو گا۔“ اُس نے جھنجھلا کر کہا۔

”فکر نہ کرو۔ اس کا اندازہ تھا کہ ان دونوں میں سے ایک قطعی طور پر رام کیا جا سکتا ہے۔“

وہ پچھے نہ بولی۔ اُس کا اندازہ تھا کہ ان دونوں میں سے ایک قطعی طور پر رام کیا جا سکتا ہے۔ پہلا آدمی الماری کھول کر پچھے تلاش کرنے لگا اور دوسرا ساجدہ کو گھورتا رہا۔ اسی کے متعلق اس کا خیال تھا کہ قابو میں کیا جا سکتا ہے۔

”انجمن نے مجھے خدار قرار دے کر اپنا ہی نقصان کیا ہے۔“ ساجدہ آہستہ سے بولی لیکن آواز اتنی دھیمی بھی نہیں تھی کہ پہلانہ سن سکتا۔۔۔ وہ بھی مزکر ساجدہ کو گھورنے لگا تھا۔

”خاموش کیوں ہو گئیں..... بولتی رہو۔ تمہاری آواز کافوں کو بھلی لگتی ہے۔“ اُس نے کہا۔

”میں خداری کی مرحلہ نہیں ہوئی ہوں۔ انجمن ہی کے ارکان نے مجھے ان لوگوں کے پنجے میں پھنسایا ہے۔ میں عمران سے واقف نہیں تھی۔ صرف اُس کا نام پروفیسر کی زبانی سنا تھا۔ عمران نے خود کو عادل آباد شاہ کا صدر ظاہر کر کے مجھے دھوکا دیا میں اسے مقامی سکریٹری کے پاس لے گئی۔ اُس نے عمران کو پہچان لیا۔ میں اُسے کسی طرح بھی یقین نہ دلا سکی کہ عمران کو اُس حیثیت سے نہیں جانتی جو انجمن کے مفاد کے خلاف تھی۔ پھر وہاں جھگڑا ہوا اور میں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ عمران ہی کے ساتھ چلی جاؤں۔ میں اب بھی انجمن کی وفادار ہوں۔ میں ان لوگوں میں رہ کر بھی انجمن کی پھر خدمت کر سکتی ہوں۔“

ساجدہ خاموش ہو کر ان کے چہروں پر اپنی گفتگو کا رد عمل تلاش کرنے لگی۔ وہ دونوں ہی کسی گھری سوچ میں معلوم ہوتے تھے۔

”پچھے دیر بعد پہلے نے کھکار کر کہا۔ ”ہوں..... اوں..... بات تو قاعدے کی ہے۔ لیکن ہم اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتے۔“

”کیوں.....؟“

”ہم سے صرف اتنا ہی کہا گیا تھا کہ تمہیں قابو میں کر کے عمران کا پتہ معلوم کریں۔“

”میں بتا دیتی لیکن فی الحال مجھے خود علم نہیں ہے۔“

”ہمیں تمہارے متعلق دوسرے احکامات حاصل کرنے پڑیں گے۔“

گزیری۔ اس طرح کمرہ بند کر کے چلے جانے کا مطلب تو ہمی تھا کہ یا تو انہوں نے اُسے بے بس کر دیا ہے یا پھر قتل۔

ایکس ٹوکی طرف سے کسی معاملے میں دخل اندازی کی اجازت نہیں مل تھی۔ صرف گمراہی کرنے اور رپورٹ دینے کے لئے کہا گیا تھا۔

زرور مگکے کاغذ پر کوڈ و روز میں رپورٹ لکھی جاتی تھی اور پھر وہ کاغذ توڑ مردڑ کر ہوٹل کے ایک مخصوص ڈسٹ بن میں ڈال دیا جاتا۔ اسکے بعد ان میں اتنی بہت نہیں ہوتی تھی کہ وہ اس ڈسٹ بن کی گمراہی بھی کر سکتے۔ یہ دیکھتے کہ اکی مرتب کردہ رپورٹ ایکس ٹوکن کیسے پہنچتی ہے۔ اُس نے خاور کو رہداری کے سرے پر رکنے کا اشارہ کیا اور خود کمرہ نمبر اٹھاون کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

ادھر اور ہر دیکھ کر قفل کے سوراخ میں آنکھ لگادی۔ سامنے ہی ساجدہ نظر آئی لیکن اس حال میں کہ ہاتھ پیرو کری کے پایوں اور ہتھوں سے جکڑ دیے گئے تھے اور منہ پر پی بندھی ہوئی تھی۔ کبھی آئھیں مکھ جاتیں اور کبھی وہ انہیں طویل دفعے کے لئے بند کرتی۔

نعمانی نے قفل کے سوراخ سے آنکھ بٹالی اور زینوں کی طرف بڑھا۔

”کیا بات ہے۔“ خاور نے بھی زینوں کی طرف مڑتے ہوئے پوچھا۔

”زندہ ہے۔ لیکن وہ اُسے کری سے باندھ گئے ہیں اور منہ پر پی بندھی ہوئی ہے۔“

”تب تو زبردست غلطی ہے۔ غالباً وہ اُس کے لئے کسی سے احکامات لینے گئے ہیں اُن کا تعاقب کیا جانا ضروری تھا۔“

”یہ بھی ممکن ہے کہ کفن دفن کا انتظام کرنے گئے ہوں۔“ نعمانی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ”لیکن تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ کسی سے احکامات لینے گئے ہوں۔ کیا تم اس سلسلے میں کچھ زیادہ جانتے ہو۔ مجھے تو اس سب کے مقدمہ کا علم نہیں۔“

”عقل کو تھوڑی سی جنبش دینے پر سب کچھ سمجھا جاسکتا ہے۔ ہمیں صرف ان کی گمراہی کرنے کو کہا گیا ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ساجدہ میک اپ میں ہے لیکن صدر اور جوزف کیلئے لازمی قرار نہیں دیا گیا ہم دونوں بھی میک اپ ہی میں ہیں ہیں ساجدہ کامیک اپ میری دامت میں مکمل نہیں ہے۔ وہ اپنی پیشانی اور آنکھوں کی بناوٹ سے صاف پہچانی جاسکتی ہے۔ ایسی صورت

میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ ایکس ٹوکی بڑی مچھلی کے لئے یہ چارہ لگایا ہے۔“  
نعمانی کچھ نہ بولا۔ وہ زینے طے کر کے پخی منزل کی طرف جا رہے تھے۔ دوسرا منزل پر پہنچ کر اُس نے پوچھا۔ ”جوزف کو کہاں لے گئے ہیں۔“

”غالباً ہسپتال.... سرچھت گیا ہے۔“

”ہوش آگیا تھا....؟“

”کسی قدر.... اور وہ بڑا بڑا تھا کہ خون بہہ جانے کی وجہ سے نہ اکھڑ گیا ہے۔ تھوڑی سی پی لینے دو.... پھر کہیں لے چلو۔“

”پتہ نہیں کیا چکر ہے۔ ادھر وہ اس قسم کی حرکتیں کرتا رہا ہے کہ ہوٹل میں اُس کی خاصی شہرت ہو گئی ہے۔“



اُس کے لئے دوپھر کا کھانا وہ خود تھی لائی تھی۔ لیکن پر اسر اڑ رائیور نے اس پر ذرہ برا بر بھی حیرت ظاہر نہ کی۔ بالکل اسی طرح اکثر ایضاً مارہ جیسے خلاف موقع کوئی بات نہ ہوئی ہو۔ صیہون اُس کے رو یہ پر جھنجھلانگی۔

”اب اٹھ کر سنبھالوڑے.... یا میں یونہی لئے کھڑی رہوں گی۔“

”اُدوب.... اچھا....!“ وہ اٹھتا ہوا بولا اور کھانے پر نظر پڑتے ہی ایسا برا سامنہ بنا یا جیسے اوبکائی روکنے کی کوشش کر رہا ہو۔

کیوں؟ کیا بات ہے؟“ صیہون نے تیز لمحے میں پوچھا۔

”پھر وہی ارہر کی دال....“ ذرائیور بسوار کر بولا۔ ”وہ بھی برداشت کی جاسکتی ہے اگر اُنہوں کا بگھانہ لگا ہوا ہو۔“

”بڑے لاث صاحب ہو۔“

”اور میں ہر کھانے کے بعد پیٹنگ پسند کرتا ہوں۔ وہ نہ ہو تو کشر ڈ فرود ہی سمجھی۔“

”ہوش میں ہو یا نہیں۔“

”شراب قطعی نہیں پیتا۔... البتہ تغذیہ طبع کیلئے چیزوں کیا کو کا کو لا۔“ شوق کر لیتا ہوں۔“

لفافے پر کچھ تحریر نہیں تھا۔ دبالت باتی تھی کہ اندر بھی کاغذ موجود ہے۔ لفافے کھلا ہوا بھی نہیں تھا۔ وہ چند لمحے اُس کے متعلق سوچتی رہی۔ شامک کبھی رکھ کر بھول گئی ہو۔۔۔ لیکن کبھی اُس نے بزرگ کے لفافے استعمال نہیں کئے تھے۔

پھر اس نے کھول ہی ڈالا۔ اندر سے انگریزی حروف میں تائپ کیا ہوا خط برآمد ہوا۔

”صیحہ.... میں تمہارے جرم سے واقف ہوں ہوں.... سہیل کو مرنے سے قبل ہوش آگیا تھا۔ اس نے اپنے بیان پر خود تحفظ کئے تھے۔ اس کا بیان میرے پاس محفوظ ہے۔ بیان اُسی کی آواز میں ریکارڈ بھی کیا گیا تھا۔ ٹیپ میرے پاس محفوظ ہے۔ یہ دونوں چیزیں عدالت میں تمہارے خلاف استعمال کی جا سکتی ہیں۔ اسے کبھی نہ بھولنا۔۔۔ فی الحال رخصت۔ تم اب پوری طرح میری مٹھی میں ہو۔“

صیحہ کے ہاتھ کا پہنچ اور خط چھوٹ پڑا۔۔۔ سرچ کرانے لگا۔ میز کا سہارانہ لیتی تو گردی پڑی ہوتی۔ کئی منٹ تک وہ میز کے گوشے پر ہاتھ نکالے جمکی کھڑی رہی۔۔۔!

تو وہی ہوا۔۔۔ اس مردوں نے آخر کار بلیک مینگ کا مسلسلہ شروع کر دیا۔ اب کیا ہو گا۔ اب تو میں واقعی اُس کی مٹھی میں ہوں۔ کاش، مجھ سے وہ شراحت سرزد نہ ہوتی۔ ماں کا جی جلایا تھا۔۔۔ یا اللہ معاف کر دے۔۔۔ سزا نہ دیجو۔۔۔ میرے مالک۔ وہ سوچتی رہی پھر پے در پے ہارن کی آواز سن کر چوکی۔ دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ لفافے فائل میں رکھتی ہوئی باہر نکل آئی۔ لیکن قدم لاڑکھر رہے تھے۔

وہ اشیزگ پر بیٹھا نظر آیا۔ کتنا خوفناک لگ رہا تھا اس وقت۔ آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک نے چہرے کو پہلے سے زیادہ بھیانک بنادیا تھا۔ وہ پچھلی سیٹ پر نیم مردہ ہی گر گئی۔

کارپھائیک سے نکل کر سڑک پر آگئی تھی۔ ڈرائیور خاموشی سے اشیزگ کرتا رہا۔ صیحہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ اگر اس کے بارے میں پولیس کو اطلاع دیتی تو خود اس کی ذات بھی اس معاملے میں ملوث ہو کر رہ جاتی۔ خاموشی اختیار کرنے کی صورت میں نہ جانے کیا خاشر ہو۔۔۔ آخر یہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔ لیکن وہ بہاں اپنی مرضی سے کہ آیا تھا۔

”ڑے سنبھالو۔۔۔!“  
”اس طرح ڑے لئے پھرنا بھی تمہارے لئے مناسب نہیں۔“ ڈرائیور نے ڑے لے کر اسٹول پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”بیگلے سے اس کو ٹھری تک ایک پختہ روشن بناں چاہئے تاکہ میرا کھانا ٹرالی پر لا جائے۔“

”تمہیں دھکے دلو اکر نکال ہی نہ دیا جائے۔“  
”دھکے کے بغیر نہیں اشارت ہو گی۔ بیٹھی ڈاؤن ہے۔ گاڑی رنگ میں تور ہتی نہیں۔“

”جلدی کھاؤ۔۔۔ مجھے یونور مٹی جانا ہے۔“  
”یہی تو میں کہوں کہ دوپہر کا کھانا گیارہ بجے ہی کیسے آگیا۔“ اُس نے کھات پر بینچ کر اسٹول اپنی طرف کھکاتے ہوئے کہا۔ پھر سالم کا نوالہ لیا ہی تھا کہ منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

”اب کیا ہے۔۔۔!“ وہ جھلا کر بولی۔  
لیکن وہ کچھ کہے بغیر دروازے کی طرف چھپتا اور دوسرے ہی لمحے میں نوالہ تھوک کر نری طرح منہ پیٹ رہا تھا۔

”ارے مر گیا۔۔۔ اتنی مر جیں۔۔۔ ہائے۔۔۔ سوسوسو۔۔۔ ارے۔۔۔ پپ۔۔۔ پانی۔۔۔ کی سی کی سی۔“

”اب میں پانی بھی پلاوں گی تمہیں؟“ وہ آنکھیں نکال کر بولی۔  
”میں ہی پی لوں گا۔ مگر یہ کھانا میرے دادا تک کو قبر سے اکھڑانا نے کے لئے کافی ہو گا۔“

”تم دفع ہو جاؤ یہاں سے اتنے خرے نہیں برداشت کئے جاسکتے۔“  
”ارے تو میں کچھ کہہ رہا ہوں۔۔۔ روکھی بچپانیاں پانی کے گھوننوں سے اتار لوں گا۔“

”جہنم میں جاؤ۔“ وہ کو ٹھری سے نکلی ہوئی بولی۔ ”میں ابھی آرہی ہوں۔ گاڑی نکالو۔“  
عجیب آدمی تھا۔ اس طرح ملازمت حاصل کی اور اب اس طرح دھونس جمارہا ہے۔ کیسے پیچھا چھوٹے گا اس سے۔۔۔ کہیں کچھ دنوں کے بعد بلیک میل نہ کرنا شروع کر دے۔۔۔ وہ سوچتی ہوئی کمرے میں آئی۔

نوش کا فائل اخھیا اور پھر وہ لفافے اٹھانے کے لئے جمکی جو فائل سے گرا تھا۔ بزرگ کا لفاف۔۔۔ وہ سوچنے لگی کہ اس نے تو کوئی لفافے فائل میں نہیں رکھا تھا۔ بھریے کہاں سے آیا۔

خود اس کے ملازمین پکڑ لائے تھے۔ لہذا یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی آمد کسی سوچی سمجھی انسکم کے تحت ہوئی ہو۔ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ کیا برادر اس سے گفتگو شروع کر دے؟ پھر اسے سہیل یاد آیا۔ جو اس کا قاتلب کیا کرتا تھا۔ کیسے مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ جسے اس نے ٹھوکر دیا پر رکھ کر موت ہی کی طرف دھکیل دیا؟ لیکن کون جانے یہ بھی محض فراہ ہو۔ سہیل زندہ ہو۔

صیبح کی الجھن بڑھتی رہی۔ پھر اسے اس پر غصہ آنے لگا۔ اس نے سوچا جو کچھ ہونا ہو گا ہو کر رہے گا اس سے دودو باتیں تو ہوں یا جائیں۔ کاریونورٹی والی سنسان سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ سڑک کے کنارے لٹا کر گاڑی کھڑی کر دو۔ فتح اس نے اپنے لہجے میں تخت پیدا کر کے کہا۔ رفقار کم ہو گئی اور گاڑی سڑک کے کنارے جا گئی۔ لیکن ڈرائیور نے مزک نہیں دیکھا۔ اسٹریٹ گ پر جھکا بیٹھا رہا۔

”میں تم سے خائف نہیں ہوں..... سمجھے....!“ صیبح غرائی۔ ”ند میں شیر نہ بھیڑیا..... پھر خائف ہونے کا کیا سوال؟“ بواب ملا۔ ”سبحیدگی سے گفتگو کرو۔“ ”بالکل سبھیدہ ہوں۔“ ”تم مجھے بیک میل نہ کر سکو گے۔ میں کسی چیز سے بھی نہیں ڈرتی۔ بدنا یا یانک نامی کا خیال بزرداں کو آیا کرتا ہے۔“ ”اطلاع پا کر خوشی ہوئی..... اور کچھ.....؟“ ”شٹ اپ یوذر نی سوائیں۔“

”اگر یہی میں گالیاں بھی بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ البتہ اردو کی بات دوسرا ہے۔ تمام کو ائف کھل کر سامنے آ جاتے ہیں۔“ ”میں کہتی ہوں خاموش رہو۔“ وہ غصہ سے پاگل ہوئی جا رہی تھی۔

”تم گالیاں دیئے جاؤ اور میں پسندیدگی کا انٹھاڑ بھی نہ کروں۔“ ”تو تم اگر یہی سمجھ لیتے ہو۔“ وہ اپری ہونٹ بھیجنگ کر بولی۔

”جر من اور فرانسیسی بھی۔“ ”لیکن تم مجھے بیک میل نہیں کر سکتے۔“ ”بہت دری سے تم بیک میل کی رٹ لگائے ہو لیکن میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ اچھو تا خیال آیا کیسے۔“ ”اُس کے قائل تم خود ہو۔ میں نہیں.... میں نے تم سے مدد بھی نہیں مانگی تھی۔“ ”میرے خدا.... میں اپنابر کہاں دے ماروں....؟“ ”مکاری کی باتیں مجھ سے نہیں چلیں گی۔ تم میرا بچھہ نہ بگاڑ سکو گے۔“ ”اب اگر تم اصل معاملے کی طرف نہ آئیں تو میں خود اپنا حلیہ بگاڑ کر رکھ دوں گا۔“ ”مجھے اس خط کا مقصد بتاؤ۔“ ”کس خط کی بات کر رہی ہو؟“ ”جو تم نے میرے فائیل میں رکھ دیا تھا۔“ ”میں نے تمہارے کسی فائیل میں کوئی خط نہیں رکھا۔“ ”تم جھوٹے ہو۔“ ”فائیل کہاں تھا تمہارا۔“ ”میرے سونے کے کمرے میں۔“ ”میرا خیال ہے کہ پرسوں رات کے علاوہ میں بیکلے کے اندر نہیں گیا۔“ صیبح نے سوچا یہ بات تو تھیک ہی ہے۔ اشور روم سے رہائی کے بعد سے وہ بیکلے کے اندر پھر بھی نہیں گیا تھا۔ لیکن کیا پتہ گھر کا کوئی ملازم بھی تو اس کا مدد گار بن سکتا ہے۔ مفت ہاتھ آنے والے پیسوں میں بڑی قوت ہوتی ہے۔ ”تم نے میرے کسی ملازم کو بھی بد طینت بنا دیا ہو گا۔“ ”وہ تو بھی صورت حرام اور بد طینت ہیں....!“ ”تو تم نے ایسے ہی بد طینت کے ذریعہ وہ خط میرے فائیل میں رکھوایا تھا۔“ ”میں نے اس قسم کی کوئی حرکت نہیں کی۔ کیا میں تم سے کوئی زبانی بات نہیں کہہ سکتا۔“ ”تو یہ لفافہ تم نے نہیں رکھوایا تھا۔“ اس نے فائیل سے بزرگ نگ کا لفافہ نکال کر اسے

دکھاتے ہوئے کہا۔ ڈرائیور نے پر تشویش انداز میں سر کو منی جبکہ دی لیکن لفاظ اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھنے کی خواہ ظاہر نہیں کی۔

”دیکھو...!“ صیحہ نے لفاظ اگلی سیٹ پر ڈال دیا۔

ڈرائیور نے لفافے سے خط نکالا اور اسے آواز بلند پڑھنے لگا۔

صیحہ جدت سے سن رہی تھی۔ لہجہ اور تنفس سے معلوم ہو رہا تھا ہیسے واقعی اُس کی تعلیم بڑے سلیقے سے ہوئی ہو۔

خط ختم کرنے کے بعد اُس نے ایک طویل سانس لی اور مژکر صیحہ کی طرف دیکھنے لگا۔

”بھلا مجھے اس کی کیا ضرورت تھی۔ جب کہ وہ میرتی ہی ضربات کی وجہ سے مرا ہو گا۔“

”پڑھے لکھے بد معашوں کی بنائی ہوئی اسکی میں دور رہ ہوتی ہیں۔ میں خود بھی نہیں سمجھ سکتی کہ تمہیں اس سے کیا فائدہ پہنچے گا۔ جب کہ میں اس کا اعتراض کر سکتی ہوں کہ وہ میری موجودگی ہی میں پناھا اور جس نے پناھا ہی نہیں بلکہ میں کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔“

”چلو ٹھیک ہے... اس سے یہی تو نتابت ہوتا ہے تاکہ اس خط کا تعلق میری ذات سے نہیں۔“

صیحہ کچھ نہ بولی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اُسے کیا کہنا چاہئے۔

دفعتاً ڈرائیور نے کہا۔ ”گھر واپس چلو۔“

”کیوں...؟“

”میں دیکھوں گا کہ یہ خط تمہارے کمرے تک کس ذریعہ سے پہنچا ہو گا... ہاں... آج کوئی باہری آدمی بھی آیا تھا؟“

”نہیں کوئی بھی نہیں۔“

”تب تو تمہارے تینوں ملازموں میں سے کوئی ہو سکتا ہے۔“

”پڑھ نہیں۔“

”تمہارے چھوٹے بھائی بھن تو تمہارے لئے دوسروں کے خطوط نہیں لاتے رہے۔“

”بھی نہیں۔“ وہ کھسیا کر غصیلے لہجے میں بولی۔ ”عشق کرتا ہو گا تو عالمیہ کروں گی۔“

”شباش شباش... عمر دراز... لیکن ہو سکتا ہے کہ بچوں ہی میں سے کسی کو دروغ لایا گیا ہو۔“

”میں نہیں جانتی۔“

”تو پھر چلو واپس۔“

”جبیجا جی چاہے...!“

”لیکن اتنی جلدی واپسی کا جواز کیا پیش کرو گی۔“

”پروفیسر پچھل میں بتا ہیں۔ کلاس نہیں لیں گے۔“

”سجان اللہ سجان اللہ... اچھی بات ہے۔“

ڈرائیور نے انہیں اشارت کر کے یونیورسٹی اور گاڑی پھر گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ دونوں ہی خاموش تھے۔ بقیہ راستہ خاموشی ہی سے طے ہوا۔

گھر پہنچ کر گاڑی سے اترتے ہوئے صیحہ نے آہستہ سے پوچھا۔ ”کیسے پڑھ لگاؤ گے۔“

”تمہاری دانست میں تمہارے ملازمین میں سب سے زیادہ خبیث کون ہے۔“ ڈرائیور نے سوال کیا۔

”مجھے بھی خبیث معلوم ہوتے ہیں۔“

”اچھا تو تینوں خبیثوں کو کسی بہانے سے میرے پاس بھیج دو۔“

”لیکر دے گے تم...!“

”اگلوں اگلوں گا ان سے... اور تم صرف آدھے گھنٹے کیلئے میری کوٹھری سے دور ہی رہتا۔“

صیحہ اندر چل آئی۔ پہلے ایک ملازم کو بلا کر اُس سے کہا کہ وہ ڈرائیور کو بلا لائے پھر دس منٹ بعد دوسرا کے کو بھیجا اور ان دونوں کی واپسی کی منتظر رہی لیکن ان میں سے کوئی بھی نہ پلنا۔ پندرہ منٹ بعد تیسرا کے کو ردانہ کیا۔

پورا ایک گھنٹہ گذر گیا۔ لیکن ان میں سے کسی کی بھی واپسی نہ ہوئی۔ اُس نے سوچا بخود ہی پل کر دیکھا چاہئے۔

وہ کوٹھری جہاں ڈرائیور کا قیام تھا ہندی کی قد آدم باڑھ کی اوٹ میں تھی اس لئے بیٹھ کے برآمدے میں کھڑے ہوئے کسی آدمی کی نظر میں آئے بغیر وہ اسکے دروازے تک پہنچ سکتی تھی۔

کوٹھری کا دروازہ بند ملا۔ اندر سے کندھی چڑھادی گئی تھی۔ وہ چند لمحے خاموش کھڑی سن گئی تھی رہی۔ لیکن اندر سے کسی قسم کی بھی آواز نہ آئی۔ پھر اسے دروازے کی جھری سے جھانکنا ہی پڑا۔ اندر کے حالات تشویش کن تھے۔ تینوں ملازموں کے ہاتھوں اور ناگلوں میں ڈنٹے پھنسا کر

اس طرح باندھا گیا تھا کہ وہ جبکش بھی نہیں کر سکتے تھے۔ منہ میں کپڑا بھی نہ ٹھوںس دیا گیا ہوتا تو وہ غل غپڑا چاکر آسمان سر پر اٹھا لیتے۔

اور ڈرائیور سامنے والے چھلنگ پر انہیں کے رخ کروٹ لئے سور ہاتھ۔

صیحہ چکر اگئی۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟ آخروہ کیا کرنا چاہتا ہے؟

دفعتا ایک ملازم کے ہلت سے عجیب سی گھنٹی آوازیں نکلتے گئیں اور ڈرائیور نے اس طرح آنکھیں کھول کر دیکھا جیسے بچوں کے شور میں بھی گھری نیند سونے والے کسی عیال دار بوڑھے کے کانوں میں کوئی نئی آواز پڑی ہو۔

اُس نے سیدھے ہو کر پورا جسم تان لیا۔ لیئے ہی لیئے انگوٹی لی اور اٹھ کر اُس شور مچانے والے کو پر تشویش نظروں سے دیکھنے لگا۔

”ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔“ ڈرائیور نے سر ہلا کر کہا۔ ”میں سمجھ گیا۔ اس لئے تمہارے علاوہ اور سب کی چمنی۔۔۔۔۔ تم میں سے کوئی بھی دوسرا کے متعلق نہیں جانتا کہ میں نے اس سے کیا پوچھا تھا۔ لہذا اس کا تذکرہ کوئی کسی سے نہ کرے۔ ورنہ جان سے مار دوں گا۔ مجھے ڈپٹی صاحب نے گھر کی نگرانی کے لئے بھجوایا ہے۔ سمجھے۔“

پھر اُس نے ان دونوں ملازموں کو آزاد کر دیا جنہیں صیحہ نے بے حس و حرکت اور خاموش دیکھا تھا۔

”ایک ایک کر کے یہاں سے چلے جاؤ۔۔۔۔۔ تمہارے کسی معمول میں فرق نہ آنا چاہئے سمجھے۔“ ڈرائیور نے دونوں کو مخاطب کر کے کہا۔

صیحہ نے سوچا اب وہ باہر نکلیں گے۔ لہذا اُن کی نظروں میں نہ آنا چاہئے۔ وہ قریب کی بے ترتیب جہازیوں کی اوٹ میں ہو گئی۔

کچھ دیر بعد اُس نے انہیں مالی کی کوٹھی سے نکلتے دیکھا۔ چھوٹ پر ہو ایسا اڑ رہی تھیں۔ وہ آگے پیچھے چلتے ہوئے نظروں سے او جمل ہو گئے۔

صیحہ جہازیوں کی اوٹ سے نکل کر پھر دروازے کے قریب آگئی۔

جھری سے آنکھ لگائی ہی تھی کہ اندر سے ڈرائیور کی آواز آئی۔ ”اب آپ بھی اندر آئکتی ہیں بی بی جی۔۔۔۔۔ کندھی نہیں لگی ہے۔“

وہ سنائے میں آگئی اور غیر ارادی طور پر ہاتھوں نے آگے بڑھ کر دروازے کو دھکا دیا۔ دونوں پاٹ کھل گئے۔ تیسرا ملازم بھی اب آزاد ہو چکا تھا۔ صیحہ نے اُس پر اچھتی سی نظر ڈالی اور ڈرائیور کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”یہ ہے وہ ملازم جس نے لفافہ آپ کی فائل میں رکھا تھا۔۔۔۔۔ اُس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”کیوں۔۔۔۔۔؟“ صیحہ اُس کی طرف مڑی لیکن وہ سر جھکائے کھڑا رہا۔ چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔

”کس نے دیا تھا تمہیں وہ لفافہ۔“ صیحہ نے پھر کانپتی ہوئی آواز میں سوال کیا لیکن اس کا بھی جواب اُسے نہ مل سکا۔

”کسی نے دس روپیوں کے لئے اس سے یہ خدمت لی تھی۔“ ڈرائیور نے نیک لمحہ میں کہا۔

”کس نے۔۔۔۔۔؟“

”اُسے پہچانتا نہیں۔“ ڈرائیور بولا۔

”تم نے یقین کر لیا۔“

”یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اسے یہاں سے جو تنخواہ ملتی ہے اس کے گذر اوقات کے لئے کافی نہیں ہوتی۔ لہذا یہ دس روپیوں کے لئے قلت بھی کر سکتا ہے یہاں تو صرف ایک خط رکھنا تھا اُس فائل میں جسے تم عام طور پر استعمال کرتی ہو۔“

”میں اسے پولیس کے حوالے کر دوں گی۔“

”وہ اس سے کچھ دصول کر کے چھوڑ دیں گے۔۔۔۔۔ ان بیچاروں کی تنخواہیں بھی ان کے لئے کافی ہوتی ہیں۔ لہذا اس بیچارے کو دس روپیوں کے نفع ہی میں رہنے والے لیکن پیارے کہیں تم بھی تو نہ را کایوں نورٹی کے ایل ایل ڈی نہیں۔“

”فضول با توں میں نہ پڑو۔۔۔۔۔ اسے پولیس کے حوالے کر دو۔“

”نہیں اس کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ فوری طور پر یہاں سے منہ کالا کر جائے۔“

”کنجت نمک حرام۔۔۔۔۔ اتنے دونوں سے یہاں تھا۔“

ڈرائیور نے ہاتھ ہلا کر اُسے ہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا اور وہ اسی طرح سر جھکائے ہوئے باہر نکل گیا۔ صیحہ نے اُس کے پیچے جانا چاہا تھا۔

”ٹھہرو۔“

”نہیں.... میں اسے ضرور پڑاؤں گی۔“

”اور دوسروں کو اس کی وجہ بتاتے ہوئے یہ بھی بتاؤ گی کہ اس خط کی نوعیت کیا تھی... کیوں؟“  
صیبھ کے قدم رک گئے وہ دم بخود کھڑی رہی۔ پھر بولی۔ ”سمجھ میں نہیں آتا کس مصیبت  
میں پھنس گئی ہوں اور اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔“



صفدر کو جوزف پر غصہ آرہا تھا۔ آخر کمرے میں بیٹھنے کی ضرورت تھی۔ بدستور دروازے  
ہی پر کھڑے رہ کر پھرہ دیتا رہتا۔

اس نے جوزف سے بھی اس کی وجہ دریافت کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے اس کے  
علاوہ اور کچھ نہیں کہا تھا۔ ”مقدار مسٹر مقدر....!“  
پھر صدر نے کافی دیر تک اس سے بات نہیں کی۔ جوزف کا سرزشی تھا۔ ڈاکٹر کے بیان کے  
مطابق وافر مقدار میں خون ضائع ہو گیا تھا۔

جوزف والے واقعہ کا علم ہوئی کے باشندوں کو ہو چکا تھا۔ لیکن یہ بات کسی کو بھی نہ معلوم  
ہو سکی کہ اسکے بعد کیا ہوا تھا۔ ساجدہ کی گمشدگی کے بارے میں صدر نے بھی اپنی زبان بند ہی رکھی۔  
جوزف اس وقت ہوئی کے اس کمرے میں تھا جہاں وہ اسرائیل کے شکار و قتی طور پر رکھے  
جاتے تھے.... اور پھر انہیں کسی ہپتال میں منتقل کر دیا جاتا تھا۔

کچھ دیر بعد یہی مسئلہ جوزف کے لئے بھی پیدا ہو گیا۔ ہوئی کے ذمہ دار ان کا اصرار تھا کہ  
اُسے پھر ہپتال بھیج دیا جائے۔

”کیا میں مر رہا ہوں؟“ جوزف نے سپروائزر سے جھلا کر پوچھا۔

”یہ میں کچھ نہیں جانتا مسٹر.... قانون بہر حال قانون ہے۔“

”نہیں میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم کسی کا لے آدمی کا وجود برداشت نہیں کر سکتے۔“

”ایسی کوئی بات نہیں۔“

”میں یہاں سے کہیں نہ جاؤں گا سمجھے۔ کیا میں بیمار ہوں۔ جاؤ ان کا پتہ لگاؤ جنہوں نے مجھ پر  
حملہ کیا تھا۔ وہ یقین طور پر دو آدمی تھے۔“

”پولیس پتہ لگائے گی۔ یہ میرے فرائض میں داخل نہیں۔“

”ہپتال بھجوادینا تمہارے فرائض میں داخل ہے؟“

سپروائزر جھنجھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ریٹا جر ایکل کمرے میں داخل ہوئی۔

”اے یہ کیا ہوا؟“ اس نے مصلحہ اڑانے والے انداز میں جوزف سے پوچھا۔

”وہی جواب تک ایسے حالات میں ہوتا آیا ہے۔“ جوزف غریباً

”کیا بکر ہے ہو.... میں کچھ نہیں سمجھی۔“

”تمہارے کسی سفید فام ہما تھی نے میر اسر پھاڑ دیا۔“

”بکواس ہے۔“

”یقین کرو.... مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے کسی دن تمہاری تو چین کی تھی۔“

”میا پولیس کو بھی بیان دیا ہے۔“

”اے مسٹر اب تم جاؤ۔“ جوزف نے ہاتھ ہلا کر سپروائزر سے کہا۔  
سپروائزر نے ریٹا کی طرف دیکھا اور ریٹا نے آنکھوں سے اشارہ کیا کہ وہ چلا جائے۔

”تم خواہ مخواہ میر امام کیوں لے رہے ہو۔“ ریٹا نے اس کے چلے جانے کے بعد جوزف سے  
غصیل لمحے میں پوچھا۔ ”کیا تم نے حملہ آوروں کو پہچانا تھا۔“

”بھی تو مشکل ہے کہ پہچان نہیں سکتا۔“ ورنہ اب تک یہاں خون کی ندیاں بے جاتیں۔“

”پھر میر امام کیوں لے رہے ہو۔“

”تمہاری نسل کے لوگ کیسے تو زاویر کہنے ہوتے ہیں۔“

”میں کہتی ہوں خاموش رہو۔ ورنہ اچھانہ ہو گا۔“

”اب اس سے بھی کیا نہ رہو گا۔“

”میں خیریت دریافت کرنے آئی تھی اور تم یہ ذلالت لے بیٹھے۔“

”تو خیریت دریافت کروتا۔“ جوزف نے خلاف توقع دانت نکال دیئے۔ اگر اس کے جانے

والوں میں سے کوئی یہاں موجود ہوتا تو اس کی آنکھیں فرم جرت سے پھیل گئی ہوتیں۔ یہ

جوزف تھا جو اسی نگاہ کی نظر وہ ریٹا کو دیکھ رہا تھا۔

جوزف جو کسی عورت کے قرب کو ملک الموت کی ہم شتنی سے کم نہیں سمجھتا تھا۔ اچانک اس

طرح بدل گیا تھا۔

”یہ سب کیسے ہوں۔“

”میں نہیں جانتا مسی۔ کسی نے دروازے پر دستک دی تھی۔ میں پانی پینے اندر گیا تھا۔ دروازہ کھول کر باہر کھوڑی نکالی ہی تھی کہ آنکھوں میں انہیں چھا گیا۔ کئی وار کے لئے تھے۔“ وہ خاموش ہو کر سر پر بندھی ہوئی پٹی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

”میرا خیال ہے کہ تمہاری دل دھلادیئے والی حرکتیں کسی کو گراں گذری ہیں۔“

”میں تو ایسی کوئی حرکت نہیں کرتا۔“ جوزف نے تحریر آمیز مخصوصیت کا مظاہرہ کیا۔

”تم کرتے ہو۔۔۔ جب بہت زیادہ پی جاتے ہو۔“

”پتہ نہیں۔۔۔!“ جوزف مختلہ سانس لے کر بولا۔ ”میں بہت بد قسمت آدمی ہوں۔ ماں باپ دونوں مر چکے ہیں۔“

”افسوس۔۔۔ مجھے افسوس ہے۔“ ریناڑ صرف سنجیدہ بلکہ کسی قدر رنجیدہ بھی نظر آنے لگی۔

”بچپن میں جن لوگوں کے ہاتھ پر اتحادہ مجھے جلتی زمین پر لٹا کر سینے پر پھر رکھ دیا کرتے تھے۔“

”رنہے دو۔“ ریناڑ اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”ایسی باتوں سے مجھے دکھ ہوتا ہے۔“

”ٹھیک ہے مسی۔“ جوزف نے طویل سانس لی۔ ”کون ہے اس دنیا میں جو میری رام کہانی سن کر میرے جی کا بوجھ ہلاک کرے۔“

”ضرور سنتی۔۔۔!“ وہ کلائی کی گھری پر نظر ڈالتی ہوئی بولی۔ ”لیکن تین منٹ بعد میری ڈیوٹی شروع ہو جائے گی۔“

”تم یہاں کیا کام کرتی ہو مسی۔“

”ٹیلی فون آپریٹر ہوں۔“

”اچھا کام ہے مسی۔۔۔ تم میرے باس رانا کو نہیں جانتیں برا جابر آدمی ہے۔ کاش میں بھی ٹیلی فون آپریٹر ہوتا۔“

”تم ہوتے۔۔۔؟“ ریناڑ نے غالباً بھی روکتے کی کوشش کی تھی۔

”ہاں ٹیلی فون آپریٹر۔۔۔ گالیاں دینے والے سامنے تو نہیں ہوتے کہ ان کا سرچ چاہزادے ہے کو جی چاہے۔“

”تو کیا رانا۔۔۔ تمہیں گالیاں بھی دیتا ہے۔“

”ہاں سکی۔۔۔ بہت گندی گندی۔ لیکن کیا کروں۔۔۔ اب وہ میرا آقا ہے۔۔۔ میرے پہلے آقا نے مجھے اس کے پاس رہن رکھا ہے۔“

”رہن رکھا ہے۔۔۔ تم کو۔۔۔ یعنی ایک آدمی کو۔۔۔ یہ تو سراسر غیر قانونی ہے۔۔۔“  
”لیکن مجھے اپنے اس آقا سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔“

”آخر وہ کون تھا ظالم۔۔۔!“

”اُسے ظالم نہ کہو بہت اچھا آدمی ہے۔“

”اُس کے باوجود بھی کہ اس نے تمہیں یعنی کہ ایک آدمی کو رہن رکھ دیا۔“

”ہاں۔۔۔ ہاں مجھے اس سے مجت ہے۔ وہ میری کھال کے جوتے بھی پہن سکتا ہے۔“  
”دراجچے اس کا نام اور پتہ بھی تو بتاؤ۔ میں دیکھوں گی۔“

”میاد یکھوگی۔“

”یقیناً۔۔۔ وہ آدمی بیسوں صدی کے لئے جو بہ ہو گا۔“

”نہیں وہ نہ آدمی نہیں ہے۔“ جوزف نے برا مان کر کہا۔

”ویسے اس وقت تم بھی عجوبہ ہی معلوم ہو رہے ہو۔“

”کیوں۔۔۔؟“

”میں نے تمہیں اتنے شریفانہ مودوں میں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔“

”اتا خون بہہ جانے کے بعد تو وہ بھی شریف ہو جائیگا جس نے آدم کو جنت سے نکلوا یا تھا۔“

”خیر پھر سکی۔۔۔ اُدھے صرف ایک منٹ باقی ہے۔ مجھے پہنچ جانا چاہئے۔“ وہ گھری دیکھتی ہوئی بولی اور کمرے سے نکل گئی۔



ساجدہ کو تین گھنٹے تک وہاں اُسی حال میں بیٹھے رہنا پڑا تھا پھر وہ دونوں واپس آئے تھے اور انہیں دیکھ کر ساجدہ نے اپنی آنکھوں کو غضب آلود بنانے کی کوشش شروع کر دی تھی۔  
ان میں سے ایک نے اس کے مند سے پٹی کھول کر حلقت کم خون سا ہوا کپڑا انکالا اور وہ انہیں

”کچھ دن گزارنے کے بعد ان جمن کے رموز و اسرار پر نظر پڑتی ہے۔“

”پھر پروفیسر راشد کون تھے؟“

”صدر کا ایک ادنیٰ اجھٹ۔ جو صدر سے باغی ہو گیا تھا اور دارالحکومت والی شاخ کو اپنے تابع فرمان بنانا چاہتا تھا۔“

”لیکن ان کے پاس کچھ بہت ہی اہم قسم کے کاغذات تھے۔“

”رہے ہوں گے۔ لاپرواٹی سے جواب دیا گیا۔“

”لیکن وہ تو پولیس کے ہاتھ لگ گئے ہیں۔“

”ان جمن کو اس کی ذرہ برابر بھی پروادہ نہیں۔ خیر ختم کرو۔۔۔ اب ہمیں سوچنا ہے کہ تمہیں یہاں سے کس طرح لے جایا جائے۔“



رات کے آٹھ بجے تھے۔ صدر جوزف کو اپنے کمرے میں واپس لایا تھا اور دیر سے زیر دنائیں کا سفری ٹرانسپریٹ سنجالے کسی پیغام کا منتظر تھا۔ یہ پیغامات اُسے عمران ہی کی طرف سے کوڈ و رذ میں ملتے تھے۔ جوزف اس سے واقع تھا لہذا اُس کی آنکھیں بھی ٹرانسپریٹ کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ دفتہ گسل موصول ہوا اور صدر کا غند پنسل سنجال کر بیٹھ گیا۔

پیغام کی ابتداء ہوئی۔ اب پنسل تیزی سے کاغذ پر چلے گئی تھی۔ جوزف احتقانہ انداز میں آنکھیں چھاڑے بیٹھا تھا۔

پیغام کے اختتام پر ٹرانسپریٹ بند کر دینے کا اشارہ ملا اور صدر کو ٹرانسپریٹ کا سوچ آف کرتے دیکھ کر جوزف نے طویل سانس لی۔

”وہ تیسرا منزل کے کمرہ نمبر اندازوں میں ہے۔“ صدر نے کہا۔ ”اُسے دو آدمی روپا اور دکھا کر یہاں سے لے گئے تھے۔ اب تک وہیں ہے۔“

”اور وہی دونوں حملہ آور بھی تھے۔“

”اس کے علاوہ اور کیا سمجھا جاسکتا ہے۔“

”اوور۔۔۔!“ جوزف نے غرا کر بستر سے چھلانگ لگائی اور کمرے کے وسط میں کھڑا ہو کر

نہ ابھلا کہنے لگی۔

”اگر میں اسی وقت چیخنا شروع کر دوں تو کوئی میرا کیا بکار لے گا؟“

”کچھ نہیں۔۔۔ اب تو تمہارا کچھ بھی نہیں بکار جا سکتا۔ ویسے تمہارے ساتھیوں کا خیال ہے کہ تم بھی ہوٹل سے باہر نہیں گئیں۔“

”ساتھیوں سے کیا مراد ہے۔ میرے ساتھ صرف دو آدمی صدر اور جوزف تھے۔ ان کے علاوہ میں کسی تیرے کو نہیں جانتی۔“

”انہی دونوں کی بات کر رہا ہوں۔“

”وہ کلوٹا نہ ہے یا مر گیا؟“

”اُس کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو کم از کم دوبار مر اہوتا۔“

”تو وہ زندہ ہے۔“

”نہ صرف زندہ ہے بلکہ باقی بھی بن سکتا ہے۔“

”جہنم میں جائے۔ یہ بتاؤ کہ میرے لئے کیا طے پالا۔“

”تمہیں یہاں سے چلتا پڑے گا۔ ہیڈ کوارٹر میں پہنچادینے کا حکم ملا ہے۔“

”ہیڈ کوارٹر کہاں ہے؟“

”میا کسی کو علم ہے اس کا؟“

”میں نے کہا شاہزاد عادل آباد والے جانتے ہوں۔“

”اور عادل آباد والوں کا خیال ہے کہ وہ دارالحکومت ہی میں کہیں ہے۔“

”ہوتا تو یہی چاہئے کیونکہ صدر ان جمن کا قیام دار الحکومت ہی میں تھا۔“

”صدر ان جمن۔۔۔!“ ایک نے مضکانہ انداز میں کہا اور دونوں ہنس پڑے۔

”کیوں۔۔۔؟“

”تو کیا تم پروفیسر راشد ہی کو صدر ان جمن جھجھتی رہی تھیں۔“

”کیوں نہیں۔۔۔ وہ تو تھے تھا۔“

”غالباً یہ تمہاری مجرش پ کا ابتدائی دور تھا۔“

”ہا۔۔۔ تو پھر۔۔۔؟“

اپاکم کسی نے پشت سے گردن پکڑ لی اور وہ گردن چھڑا کر پلت پڑنے کی کوشش میں اُس سے پلت ہی پڑا۔

”اب شام کو تو اپنے سر کا بھرتا بھی بنانا چاہتا ہے۔“ گردن پکڑنے والے نے کہا۔  
”اوہ.... بب.... بب.... باس.... یعنی کہ باس....!“ جوزف کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور اُس نے دانت بکال دیے۔

”شٹ اپ.... بھاگو یہاں سے۔“

”مل.... لیکن.... باس....!“

”جاو....!“ اُس نے اُسے دوسری طرف دھکادیا۔

جوزف لڑکھ راتا ہوا ایک دروازے سے ٹکرایا.... دروازہ کھل گیا.... اور وہ دھرام سے اندر کمرے کے فرش پر جا گرا۔ دھکادینے والا بھی بڑی پھرتی سے کمرے میں داخل ہوا تھا۔

دروازہ بند کر کے وہ جوزف کی طرف مڑا۔ کوٹ کا کالر یعنی گراتے ہوئے فلت ہیٹ کا گوشہ بھی اوپر اٹھایا۔ یہ عمران تھا۔

”مم.... میں غصہ سے پا گل ہو رہا ہوں باس۔“ جوزف نے غصیل آواز میں کہا۔

”تم یہاں کیا کرتے پھر رہے تھے۔“

”خود پر لعنت بیٹھ رہا تھا کہ وہ میرے سر پر سوار تھے اور میں بستر میں پڑا ہائے کرتا رہا ہوں۔“

”کیا کرنا چاہتے ہو۔“

”کمرہ نمبر اٹھاون کے ایک تنفس کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔“

عمران نے تفکر نظر وہ سے اُسے دیکھا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ”یہی سامنے والا کمرہ ہے۔“

”ان کم بختوں نے آخر نمبر کیوں نہیں ڈالے دروازوں پر۔“

”صحیح بھر کو مشورہ دینا کہ نمبر ضرور ڈالوادے ورنہ ہو سکتا ہے کہ تم کسی دوسرے کمرے کو قبرستان بنانے کر رکھ دو۔ اوشب دیکھو کے بچے.... تجھے کب عقل آئے گی۔“

”میں انہیں ضرور ماروں گا باس چاہے کچھ بھی ہو۔ اگر دو بدوجنگ میں میرا قیمه بھی ہو جاتا تو مجھے پرواہ نہ ہوتی۔ مگر انہوں نے چھپ کر وار کیا تھا۔“

سینہ پینٹے لگا۔

”میں مر دوو.... رو سیاہ۔“ وہ سینہ پینٹ پیٹ کر کہتا جا رہا تھا۔ ”اتنی دیر تک اپنے دشمنوں کو سر پر اٹھائے پھر اہوں.... میں جو تھا دس پر بھاری ہوں اُس کی چھت کے یعنی زندہ کیوں رہا جس کے سامنے میں میرے دشمن عیش کر رہے ہیں۔“

پھر وہ دروازے کی طرف چھپتا ہی تھا کہ صدر نے اُس کی کر پکڑ لی۔

”چھوڑو.... مجھے چھوڑو....!“

”تم پاگل ہو گئے ہو.... پورا پیغام تم نے نہیں سن۔ ہمیں صرف دیکھنا اور موقع کا منتظر رہنا ہے۔“  
”میں دیکھنے جا رہا ہوں تم موقع کے منتظر ہو۔ اب یہ ذاتی معاملہ ہو گیا ہے مسٹر.... اُس کمرے میں جو بھی نظر آیا اُس کا سر ضرور پھٹے گا۔“

”جوزف.... ہوش میں آؤ.... اگر کھلیں بگر گیا تو تمہارا بابا پ زندہ نہ چھوڑے گا۔“

”مجھے جنت ملے گی اگر باس کے ہاتھوں مارا گیا۔ چھوڑو مجھے ورنہ بعد میں مجھے بھی افسوس ہو گا۔“  
صدر نے اُسے پیچھے کھینچنے کی کوشش کی.... لیکن جگہ سے ہلا بھی نہ سکا اور پھر وہ ہاپنے لگا۔

جسم تھا یا پھر کی چیز۔

”بس اب چھوڑو....!“ جوزف نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔  
”نہیں.... ہرگز نہیں.... تم نہیں جاسکتے۔“ صدر کو غصہ آگیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اچھل کر دور جا پڑا جیسے کسی برق رفارگاڑی کو دھکا گا ہو۔

جوزف کمرے کے باہر تھا۔ صدر بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھا اور اُس کے پیچھے دوڑ پڑا۔  
دروازہ کھولنا چاہا۔ جو پہنچ لگھانے کے باوجود بھی نہ کھل سکا۔

کنجی تو جوزف ہی کے پاس تھی۔ اُس نے سوچا۔ تواب وہ خود کو مقید سمجھے۔ اوہ یہ مر دوو...!

وہ دانت پیس کر رہا گیا اور شام کو ایک مکار دروازے پر بھی رسید کر دیا تھا۔



”کمرہ نمبر اٹھاون.... کمرہ نمبر اٹھاون....!“ جوزف زیر لب غراٹا ہوا تیسری منزل کی راہ مداریوں میں دوڑتا پھر رہا تھا۔

”چیخو تم.... اب آواز نکلی تو اسی طرح کوئی گولی تمہارے دل میں اتر جائے گی۔“  
 ”نن .... نہیں ... نہیں!“ چیخنے والا ہکلایا۔  
 ”تم نے دروازے سے حملہ کر کے میری سخت توہین کی ہے۔“  
 ”ہم کچھ... لگ... کچھ نہیں جانتے۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔“  
 ”غلط نہیں کے بچھ میرے پاس کالا جادو ہے۔ اسی نے مجھے کرہ نمبر اٹھاون کے متعلق اطلاع دی ہے اور میرا کالا جادو کہتا ہے کہ تم نے لڑکی کو غسل خانے میں بند کر کھا ہے۔“  
 ان کی نظریں بے اختیاری میں غسل خانے کے دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔  
 ”میں جھوٹ نہیں کہتا.... اُسے نکلو۔“  
 ”ہم بالکل نہیں سمجھے تم کیا کہہ رہے ہو۔“  
 ”اچھا تواب تم سن جاؤ!“ جوزف نے دوسرا کو گھوڑتے ہوئے کہا۔  
 ”ارے نہیں .... نہیں.... نہہر د۔“  
 ”نکلو!... جلدی!... تم دونوں چلو دروازے کی طرف!... اب اٹھ ٹرن۔“  
 وہ غسل خانے کے دروازے کی طرف گھوم گئے۔  
 ”کوئیک مارچ!... ہالٹ!...“  
 وہ بند دروازے سے ٹکراتے ٹکراتے بچ۔  
 ”اب!... دروازہ کھولو!...!“  
 ”اندر کوئی نہیں۔“

”دروازہ کھولو!...!“ جوزف نے ایک کی کمر پر لات رسید کرتے ہوئے کہا۔ وہ دروازے سے ٹکراتے کرہا اور دوسرے نے جلدی سے بینڈل گھما کر دروازہ کھول دیا لیکن غسل خانہ خالی تھا۔  
 ”تم میں سے ایک اندر جائے۔“ جوزف غریا اور قبل اس کے کہ پہلے لات کھانے والا قدم بلھاتا پھر ایک لات کر پر کھا کر غسل خانے میں جا پڑا۔ جوزف نے رویا اور کارخ دوسرے کی طرف کے ہوئے دروازہ کھینچ کر باہر سے عکسی چڑھا دی۔  
 اب یہاں اس کے سامنے ایک ہی رہ گیا تھا۔  
 ”لگ... کیا!... م... مطلب!...!“ وہ ہکلایا۔

”مارے گا نہیں!...؟“ عمران نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔  
 ”ہاں بس خدا کے لئے مجھے مت روکو۔“  
 ”جاو!...!“ وہ دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”لیکن شرط ہے کہ خون خرابہ نہ ہو اور نہ کسی کی ہڈی نٹے۔“  
 ”چلو... کسی کسی!... احتیاط سے ماروں گا۔“  
 جوزف دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اور اپنی پشت پر دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔  
 سامنے والے کمرے کے دروازے پر رک کر مڑا۔ جس کمرے سے نکلا تھا اُس کا دروازہ بند ہی تھا۔  
 اُس نے سامنے والے دروازے پر دستک دی۔ قفل کے سوراخ میں روشنی نظر آرہی تھی۔  
 ”کون ہے۔“ اندر سے کسی نے پوچھا۔  
 لیکن جوزف نے کوئی جواب دیئے بغیر پھر دستک دی۔  
 ”آجاو!... دروازہ مقفل نہیں ہے۔“  
 جوزف نے بینڈل گھما کر دروازے کو دھکا دیا۔  
 سامنے دو آدمی بیٹھے کھاتا کھا رہے تھے۔ اس سے پہلے شاید پیتے بھی رہے تھے کیونکہ نیچے فرش پر سوڈے اور ہسکی کی خالی بو تلیں پڑی نظر آرہی تھیں۔  
 جوزف کو دیکھتے ہی ان کے منہ حیرت سے کھل گئے۔ جوزف کے ہولش سے رویا اور نکل آیا تھا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔  
 جوزف نے ایک کو مخاطب کر کے کہا۔ ”لڑکی کہاں ہے؟“  
 ”کسی لڑکی!... کون ہوتا!... کیا چاہتے ہو!...!“ اُس نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔  
 ”لڑکی!... جلدی بتاؤ!... اور وہ ہتھیار بھی نکلو جس سے تم نے میرا سر پھاڑا تھا۔“  
 وہ دونوں کچھ نہ بولے۔  
 ”دیکھو خبیث!... یہ رویا اور بے آواز ہے!... یہ دیکھو۔“ جوزف نے ٹریگر دبادیا اور ایک آدمی کے حلق سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ بے آواز گولی اس کے بغل کے نیچے کوٹ سے رگڑ کھاتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی تھی۔

جوزف نے دانت نکال دیئے اور پر شفقت لبھ میں بولا۔ ”بھی بتاتا ہوں تم اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ... چلو... یوں نہیں... منہ دیوار کی طرف کرو... ٹھیک ہے۔“

اس نے ریو اور اس کی کمر سے لگا کر جامد تلاشی لی۔ پھر اپناریو اور جیب میں ڈال کر بولا۔ ”ہاتھ پیچے گرالو... اور میری طرف مڑ جاؤ۔“

وہ سہمے ہوئے انداز میں مڑا اور ایک بار پھر جوزف کے دانت نکل پڑے۔

”آخر... آخر...!“ وہ ہکلایا۔ ”تت... تم... چاہتے کیا ہو...؟“

”میں تمہیں پہنچاہتا ہوں... اگر تمہارے حلق سے ذرا سی بھی آواز نکلی تو پھر قتل بھی کر دیا چاہوں گا۔“ جوزف نے کھا اور اسے دونوں ہاتھوں سے پہنچا شروع کر دیا۔ ”اوہ...!“ جوزف نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ”باقاعدہ طور پر فائنسنگ کرو گے، لویہ بیاں سن جاؤ...!“

گھونسہ پڑتے ہی مقابل کئی فٹ کے فاصلے پر جا پڑا۔

”اٹھو... اٹھو...!“ جوزف ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”بھی دوسرا سے بھی پہنچا ہے۔“ لیئے ہی لیئے اس نے اگالا ان اٹھایا اور جوزف پر کھینچ مارا لیکن وہ بے خبر تو نہیں تھا۔... جھکائی دے کر صاف چاگیا۔

”اب تو میں پیر بھی استعمال کروں گا۔“ جوزف نے کہتے کہتے چلا گئے لگائی اور اس کے سر پر ٹھوکر لگاتا ہوا دوسرا طرف نکل گیا۔ پھر پلٹا اور اسے ٹھوکروں ہی پر رکھ لیا۔ پھر جیسے ہی اس نے کہا ناشروع کیا جوزف غرایا۔ ”کھوپڑی میں گولی ہی اتار دوں گا اگر آواز نکل۔“

اسکے بعد وہ اسے بے دردی سے پینتارہا اور وہ خاموشی سے پشتے پشتے بالآخر بیہوش ہی ہو گیا۔ جوزف نے اسے جھک کر دیکھا اور دانت نکال دیئے۔ پھر وہ غسل خانے کے دروازے کی طرف بڑھا۔ لکنی کھسکائی اور ایک دم دروازہ کھول دیا لیکن...؟ غسل خانہ خالی تھا۔ فوراً ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ دوسرا سے آدمی کو اس نے غسل

خانے میں بند تو کر دیا تھا۔ لیکن اس دروازے پر اس کی نظر نہیں پڑی تھی جو غالباً برابر کرے میں کھلتا تھا۔ اب بھی وہ دروازہ اسے بند ہی نظر آیا۔ اس نے تیزی سے ادھر کے دروازے کو دوبارہ بند کیا اور لکنی چڑھا دی۔

بیہوش آدمی پر نظر ڈالتا ہوا بہ وہ نکاہی کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

جوزف پیدا کئی سپاہی اور سخت جان قسم کا جنگجو تھا۔ لیکن عمران کی صحبت نے اسے اتنا محظوظ تھا۔ بنا ہی دیا تھا کہ وہ غسل خانے کے دوسرا سے دروازے کو کھولنے کی محاجت نہ کر بیٹھتا۔

کمر سے باہر نکل کر اس نے شکاریوں کے زرنے میں گھرے ہوئے کسی درندے کے سے انداز میں چاروں طرف دیکھا اور اس کمر سے کی طرف توجہ دیئے بغیر جہاں عمران سے ملاقات ہوئی تھی آگے بڑھ گیا۔

تیری منزل کے زینوں سے اتر کر دوسرا منزل پر آیا۔ پھر یہاں سے زینوں کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ ریٹا سے مدد بھیڑ ہو گئی۔

”ارے....!“ وہ اسے دیکھ کر ٹھکلی۔

”ارے ورے کیا....!“ وہ غرما تھا اور آگے بڑھتا چلا گیا۔

”ٹھہر د... جوزف ... ٹھہر جاؤ۔“

”کیا ہے۔“ وہ رک کر جھلانے ہوئے انداز میں مڑا۔

”کیا تمہیں علم ہے کہ تمہارے سر سے خون بہہ رہا ہے۔“

”بہہ رہا ہو گا....؟“ وہ زینے طے کر کے پہلی منزل پر جا رہا تھا۔

ریٹا اس کے پیچھے پیچھے اترتی رہی۔

پھر کچھ دیر بعد جب وہ اپنے کمر سے کی طرف جا رہا تھا ریٹا نے اسے دوبارہ روکنا چاہا۔

”بولومت... مجھے جانے دو۔“

”ارے یہ زخم سڑ جائے گا۔“

”تو تمہارا کیا بگزے گا۔“ اس نے خنک لبھ میں کہا۔

”اچھا اچھا... جاؤ... میں تمہارے لئے دکھی ہوں۔“ ریٹا کھیا کر بولی۔

جوزف نے اندر داخل ہو کر زور دار آواز کے ساتھ دروازہ بند کیا۔



ساجدہ اس وقت ایک صاف سترہے ڈرائیکٹ روم میں بینگھی چائے پی رہی تھی۔ بظاہر اتنی عی بیش نظر آرہی تھی جیسے اُس کے ذہن میں اس قسم کا کوئی سوال ہی نہ ہو کہ یہاں تک کیسے پہنچنی ہو گی۔

ایک خوش اخلاق آدمی میزبانی کے فرائض انعام دے رہا تھا۔ ویسے ابھی تک معاملے کی بات نہیں چھڑی تھی۔

ساجدہ کو اس اتنا ہی یاد تھا کہ اُس نے ہوٹل کے کمرے میں ان دونوں کی پیش کی ہوئی چائے پی تھی اور تھوڑی دیر بعد اس کا سر چکرانے لگا تھا۔

”ہمیں اپنی غلط فہمی پر بے حد افسوس ہے مس جیب۔“ دفتار میزبان نے کہا۔

”کوئی بات نہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ انجمن والوں کی غلط فہمی رفع کر سکی اور اب میں اس مردوں کو بتاؤں گی کہ یہ قوف کیسے بنایا جاتا ہے۔“

”وہ کس طرح محترمہ...!“

”اوہ....!“ ساجدہ مفطر بانہ انداز میں بولی۔ ”آن لوگوں نے ان کا تعاقب ضرور کیا ہوا جو مجھے یہاں لائے تھے۔“

”مطمئن رہئے محترمہ آپ اس طرح لائی گئی تھیں کہ کسی کو کانوں کاں خبر بھی نہ ہوئی ہو گی۔“

”بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟“

”آپ بیوہش کی گئی تھیں۔“ میزبان مسکرا کر بولا۔ ”آپ کا بندل بنا کر باورچی خانے پہنچادیا گیا تھا.... اور وہاں سے ایک دین اس بندل کو یہاں تک لائی تھی۔“

”بے حد چالاک لوگ ہیں۔“ ساجدہ سر ہلا کر پر تشویش لجھے میں بولی۔ ”آخر انہوں نے میرا میک اپ ایسا کیوں کیا تھا کہ میں بہ آسانی پہچان بھی لی جاؤں۔“

”ہاں یہ بات قابل غور ہے۔“ میزبان کے چہرے پر بھی تشویش کے آثار نظر آئے اور کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ ”مجھے یقین ہے انہیں یہی نہ معلوم ہوا کہ آپ اتنی دیر تک اُسی ہوٹل میں رہی تھیں۔“

”ایسا ہی ہو تو بہتر ہے۔“ ساجدہ کی آواز کا نپر رہی تھی۔

دفتار کی دور افتادہ حصے سے دروازہ پینٹنے کی آواز آتی اور میزبان اس طرح چونک پڑا جیسے وہ انہوں ہو۔

”ایک منٹ محترمہ.... میں ابھی حاضر ہوں۔“ وہ مفطر بانہ انداز میں اٹھتا ہوا بولا۔ ساجدہ اُسے کمرے سے جاتے دیکھتی رہی۔

سخت الجھن میں تھی کہ اب کیا ہو گا۔ انہیں اس کی باتوں پر یقین آکیا ہے یا نہیں! اگر نہیں آیا تو کیا اب تک وہ محض اس لئے زندہ رہنے دی گئی ہے کہ انہیں اُس سے عمر ان کا سراغ طلب کی امید ہے؟ کچھ بھی ہو وہ توار کی دھنڈ پر سے گذر رہی ہے۔ اُس کی نظر آمد و رفت کے دروازے پر تھی۔ اچانک میزبان آتا دکھائی دیا۔ اس کے چہرے پر سر ایسیگی کے آنداز تھے۔

”انہیں خبر ہو گئی ہے۔“ اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ ساجدہ کچھ بولی نہیں۔ سو ایسے نظروں سے دیکھتی رہی۔

میزبان نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”نیکو نے ایک کوشاید جان ہی سے مار دیا۔ دوسرا بدقت پیچ کر جھاگا ہے۔ آپ کا خیال بالکل صحیح تھا۔ انہوں نے ان کی نقل و حرکت پر گمراہی رکھی تھی۔ ورنہ نیکو اُس کمرے تک ہرگز پہنچ سکتا۔“

”کس سے اطلاع ملی۔“

”انہیں میں سے ایک یہ اطلاع یہاں لایا ہے جنہوں نے آپکو انکے پیچے سے رہائی دلائی تھی۔“

”حماقت.... کھلی ہوئی حماقت۔“ ساجدہ میز پر گھونسہ مار کر بولی۔ ”اگر پہلے وہ مجھ تک نہ پہنچے ہوں گے اب پہنچ جائیں گے۔ آخر سیدھا یہیں کیوں دوڑا آیے۔ وہ آدمی اس کی اطلاع فون پر بھی دے سکتا تھا۔“

”در اصل وہ بہت زیادہ خائن ہے۔ نیکو کسی خونوار درندے کی طرح دوسرا آدمی سے چمنا ہوا تھا۔ غالباً وہ باری باری سے دونوں کو مارنا چاہتا تھا اس لئے ایک کو غسل خانے میں بند کر دیا تھا۔ لیکن وہ دوہرے کر کروں کا مشترکہ غسل خانہ تھا اور دونوں کمرے انہی کے قبضے میں تھے اس لئے دوسرا نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔“

”بس تو پھر وہ جلد ہی یہاں پہنچ جائیں گے۔“

دفتارہ چوک پڑی۔ یقیناً کسی قسم کی آواز ہی تھی۔ پھر قدموں کی چاپ صاف سنائی ویسے گی۔ پچھے دیر بعد دروازہ کھلا اور عجیب سا چہرہ دکھائی دیا۔ لیکن عجیب سا کیوں؟ وہ تو کوئی نقاب پوش تھا۔ اُس نے صوفے کے قریب آکر اُس کے ہاتھ پیر کھولے اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”باہر سرخ رنگ کی ایک اسپورٹ کار موجود ہے۔ غالباً تم ذرا بیو کر سکتی ہو۔“

”تم کون ہو....؟“

”وقت نہ ضائع کرو۔“ وہ دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر تحکمانہ بجھ میں بولا۔ آواز ساجدہ کے لئے بالکل نئی تھی۔ پھنسی پھنسی بھرائی ہوئی آواز۔

”مجھے کہاں جانا ہو گا....؟“

”میکنی میں اتنا پڑوں موجود ہے کہ تم صح تک شہر میں چکر لگا سکتی ہو۔ کہیں کسی جگہ بھی تمہیں بتادیا جائے گا کہ کہاں جانا ہے۔ جلدی کرو۔... اس دروازے والی راہداری کے سرے پر صدر دروازہ ہے۔“

شہر کی سڑکوں پر مارے پھرزنے کا مقصد اُس کی سمجھ میں نہ آسکا لیکن کرنا وہی تھا جس کے لئے کہا گیا تھا۔

عمارت سے باہر نکلنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ سڑک کی دوسری جانب سرخ رنگ کی اسپورٹ کار کھڑی دکھائی دی۔ اُس نے اطمینان سے سڑک پار کی اور گاڑی کا دروازہ کھول کر اسٹریکر میگ کے سامنے بیٹھ گئی۔ سوچ رہی تھی کہ کہاں جائے اس کا بھی تو خطرہ تھا کہ کہیں ٹرینیک پولیس کے ہتھے نہ چڑھ جائے۔ پوری طرح شہر دیکھنے کا اتفاق آج تک نہیں ہوا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ ٹرینیک کے کسی قانون کی خلاف ورزی ہی سرزد ہو جائے۔ ایسی صورت میں اُس سے ذرا بیوگ لائننس کا مطالبہ بھی کیا جائے گا۔ پھر وہ کیا کرے گی.... اونہہ.... اُس نے سوچا۔ جن لوگوں کے ہاتھوں وہ کھلونا بن کر رہ گئی ہے وہی اس پر بھی نظر رکھیں گے۔ اب تو زندگی طوفان کی نذر ہو ہی چکی ہے۔ کسی بھی دوسرے لمحے کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

اُس نے لاپرواٹی سے شانوں کو جنبش دی اور انہجن اشارت کر دیں۔ عقب نما آئینے کی پوزیشن تبدیل کرتے وقت وہ سوچ رہی تھی کہ انجمن والے بھی اتنے احمق نہیں ہو سکتے۔ اُس کا تعاقب ضرور کیا جائے گا۔

”یعنی.... یعنی.... کیا مطلب....!“ میربان کسی قدر خوفزدہ بھی نظر آنے لگتا تھا۔ ”اُرے یہ سب کچھ کسی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہوا ہو گا۔ نیکرو کسی گینڈے کی طرح مضبوط اور سخت جان ہے۔ اُس نے یہ سوچ کر ہی ایک کو غسل خانے میں بند کیا ہو گا کہ وہ وہاں سے فرار ہو جائے۔ پھر وہ دیکھیں کہ بھاگ کر کہاں جاتا ہے۔ ایک کو بند کر کے دوسرے کو پیشے کا کوئی جواز نہیں جب کہ وہ ان دونوں کو ساتھ ہی پیش کرتا تھا۔“

”اوہ.... اوہ.... یقیناً یہی بات ہو گی۔ پھر اب کیا کیا جائے۔“

”میرے ہاتھ پیر باندھ کر یہیں ڈال دو اور خود فرار ہو جاؤ۔“

”کیوں....؟ کیوں....؟“

”اوہ اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ اس طرح میں پھر ان میں واپس چلی جاؤں گی اور مجھ پر ان کا اعتقاد بدستور برقرار رہے گا۔ پھر میں دکھوں گی کہ انجمن کے لئے کیا کر سکتی ہوں۔“

”بالکل ٹھیک ہے محمد۔... بالکل ٹھیک ہم آپ سے رابطہ قائم رکھیں گے۔“ میربان نے کہا اور تیزی سے کرنے سے چلا گیا۔ پھر واپسی میں بھی دیر نہیں لگائی اُس کے ہاتھ میں ریشم کی ڈور کا لچا ہتا۔

دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے ساجدہ کے ہاتھ پیر باندھ دیئے اور لجاجت سے بولا۔ ”مجھے افسوس ہے محترمہ...!“

”اوہ.... جلدی کرو.... عمارت خالی کر دو۔“

ذرا احتی سی دیر بعد وہاں قبرستان کا ساستا چھا گیا۔ ساجدہ سخت سے ہونٹ پر ہوت جائے صوفے پر پڑی رہی۔ اُس کا اندازہ غلط بھی ہو سکتا تھا۔ پھر ایسی صورت میں تو وہ اسی طرح بندھی فائدہ نہ اٹھا سکیں تو پھر وہ کرہی کیا سکیں گے.... ویسے جو زف کے ہاتھوں اسی طرح ان دونوں کی پٹائی عمران ہی کی ٹکر کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ اس ایک کو غسل خانے میں بند کرتے وقت دوسری طرف کا دروازہ نظر انداز تو نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا مقصد اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ دوسرਾ آدمی فرار ہو جائے.... اور دوسرے آدمی کے فرار کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ اُس کا تعاقب کیا جائے۔ پھر اتنی دیر کیوں لگ رہتی ہے؟ وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے اس کا تعاقب کیا ہو گا۔

دفعاً ذلیل بورڈ کے کسی حصے سے آواز آئی.... "پروانہ کرو۔ چلتی رہو۔" اور یہ آواز سو نیم عمران ہی کی تھی۔

ساجدہ کا دل دھرنے لگا۔ اُس کی آواز اُس کا مخصوص بجھے....!

ساجدہ کے ذہن میں وہ خوبصورتی لینے لگی جس کا تجربہ اُسے عمران کی موجودگی میں عموماً ہوتا رہتا تھا۔ پتہ نہیں وہ کسی مخصوص قسم کا سینٹ استعمال کرتا تھا یادہ خوبصورتی طور پر اُس کے وجود سے تعلق رکھتی تھی۔

"تم مجھ سے گفتگو بھی کر سکتی ہو۔" آواز پھر آئی۔

"تم کہاں ہو.... عمران....!" اُس نے بے ساختہ پوچھا۔

"یہ نہیں بتاؤ گا.... فی الحال۔"

"میں کیا کروں....؟" ساجدہ نے پوچھا۔

"جو کچھ کہا گیا ہے؟" جواب ملا۔

"وہ کون تھا....؟"

"مجھے نہیں معلوم....!" جواب ملا۔

"کس مصیبت میں پھنسا دیا ہے تم نے اور پھر یہ مصیبت بھی نہ معلوم ہو اگر تم روذہ ملتے رہو۔"

"سہی تو مصیبت ہے۔"

"اوہ تو یہ مصیبت ہے تمہارے لئے۔"

"بالکل ہے.... اسی لئے میں نے شاعری شروع کر دی ہے ایک شعر سنو۔ ابھی ابھی کہا ہے.... کچھ اڑکیاں مجھے گھورتی ہوئی تریب سے گذری تھیں۔ کہا ہے۔

اے زہرہ جی بنو مجھے اس طرح نہ دیکھو

میں ہوں تو تماشا مگر اتنا بھی نہیں ہوں"

"اوہ.... تو تم محسوس کر سکتے ہو کہ تمہیں کوئی گھور رہا ہے۔" ساجدہ نے پوچھا۔

"بھئی گھورے جائیں گے تو ضرور محسوس کریں گے اُن میں مجھے ایک چھوٹے قدر کی لڑکی بہت اچھی لگی تھی، جو غالباً گاؤں پہنچنے لگتی رہی۔ میرا خیال ہے کہ تم بھی اپنے پست لباس پر گاؤں پہنچنے لگتا کردو۔"

"تم مجھے باتوں میں بہلانے کی کوشش کیوں کر رہے ہو۔"

"پھر بتاؤ کیا کروں....؟"

"تم نے مجھ سے یہ بھی نہ پوچھا کہ کس حال میں ہوں....؟"

"پوچھنے کی کیا ضرورت ہے جب کہ میں تمہارے حالات سے ہر وقت باخبر رہا ہوں۔"

"تو یہ کلوٹے والی ایسیم تمہاری ہی تھی۔"

"ہرگز نہیں.... یہ اُس کی اپنی جدت تھی.... اُس کا لیکن کھوپڑی میں بعض اوقات بڑے زور کی بجلی چمکتی ہے۔"

"اب مجھے کیا کرنا ہے۔"

"چکر لگاتی رہو۔"

"مقصد کیا ہے.... اس کا....؟" وہ کسی قدر جھنجھلا کر بولی۔

"اچھا بس.... بیقیہ پھر....!" ڈلیش بورڈ سے عجیب طرح کی سرسریہ سنائی دی اور پھر سناٹا چھا گیا۔ ساجدہ عمران کو پکارتی ہی رہ گئی لیکن کوئی جواب نہ ملا۔

براسامنہ بنا کر اُس نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔ اتنی دیر میں ایک بھی کام کی بات نہ ہو سکی۔ وہ اُسے شاعری اور لڑکیوں کے تذکرے میں الجھائے رہا تھا۔ وہ اور شاعری۔ عمران اور لڑکیاں؟ مفہوم خیز.... پتہ نہیں اس کی دلچسپیاں کیا ہیں۔ اُس کی جگہ کوئی دوسرا نوجوان ہوتا تو اب تک.... تواب تک پتہ نہیں کیا ہو چکا ہوتا۔



"اوہ کیا ہو گیا ہے مجھے۔" صبح نے سلکے پر ہاتھ مار کر بلند آواز میں غالباً سوچا ہی تھا پھر انھی تھی۔ ناممٹیں تین بخارا تھا۔

وہ ٹھیک دس بجے سو جانے کی نیت سے لیٹی تھی لیکن ابھی تک تو آئی نہیں تھی نہیں۔ خیالات کا تار تھا کہ نوٹے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔

لبھن.... البھن.... کیا کرے؟ کس سے کہے....؟ اور یہ آدمی.... یہ بہر و پیاپیہ نہیں کس چکر میں ہے۔

طرف جاری تھی۔

بہ آہنگی دروازہ کھول کر برآمدے میں آئی اور غیر ارادی طور پر قدم لان کی طرف اٹھتے رہے۔ لس وہ چلی جاری تھی.... کچھ سوچے سمجھے بغیر.... اور جب مالی کی کوہڑی کے قریب پہنچ گئی تو خیال آیا کہ وہ کیوں آئی ہے؟ کیوں آئی ہے؟

اس سوال پر وہ اسی طرح چوکی تھی جیسے کسی نے بہ آواز بلند یہ سوال کیا ہو؟ دروازے کی درزوں سے کیروں میں یہ پر کی روشنی بچوٹ رہی تھی۔ اس نے اندر جھانک کر دیکھا۔ وہ پلٹنگزی پر بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ اتنی رات گئے اب تک جاگ رہا ہے۔ صبح نے سوچا۔

وہ اس وقت ڈرائیور والے بد نام میک اپ میں نہیں تھا۔ کتنی مخصوصیت تھی چہرے پر۔ غالباً مخصوصیت کی بہتانہی نے حماقت کا روپ دھار لیا تھا۔ بالکل بے ضرر.... بالکل بے ضرر.... صبح نے سوچا یہ کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ کبھی نہیں.... لیکن.... لیکن؟

اُسے وہ آدمی یاد آگیا جسے اس نے صرف گھونسوں اور لا توں سے ادھر اکر دیا تھا اور پھر وہ ہسپتال میں مر رہی گیا تھا۔

کون ہے یہ؟ کون ہے یہ؟ اودھ خدا.... اب کیا ہو.... یہ یہاں سے کیسے جائے گا۔ جب بیا آجائیں گے تب کیا ہو گا۔

غیر ارادی طور پر اُس نے دروازے پر تھکل دی اور اُسے چوکتے دیکھا۔ یہ بھی دیکھا کہ چہرے کی مخصوصیت یکنفٹ غالب ہو گئی ہے اور آنکھوں میں ایسی ہی چک نظر آرہی ہے جیسے.... کوئی تشبیہ یاد نہ آسکی لیکن چیزیاں گھر کا وہ پیٹا ضرور یاد آگیا جسے ایک بار اُس نے ایک لوڑی کو دبوچے دیکھا تھا۔

لوڑی کسی طرح اپنے کٹھے سے نکل کر بدحواسی میں چیتے کے کٹھے میں جاگھی تھی اور چیتا اُس پر جھپٹ پڑا تھا۔ صبح کو اچھی طرح یاد نہیں تھا کہ اس کے بعد کیا ہوا تھا لیکن چیتے کی آنکھیں اُس کے ذہن میں جم کر رہے تھیں۔ پھر جب بھی وہ ان کا تصور کرتی پورا جنم ہل کر رہا تھا۔ اور اس وقت بھی کانپ کر رہے تھی جب اُس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا تھا۔ اُسی قسم کا احساس ذہن کے کسی گوشے میں جاگ اٹھا جیسا اُس چیتے کی آنکھوں کے تصور سے بیدار

وہ نئے ڈرائیور کے متعلق سوچتی رہی۔ خود اُس کے لئے وہ ابھی تک بے ضرر ہی ثابت ہوا تھا۔ اُس کا یہ شبہ بھی خود اُس نے ہی رفع کر دیا تھا کہ وہی اُسے بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پھر اگر وہ ان مفعکہ خیز حالات میں اس کے گھر تک نہ پہنچا ہوتا تو کہا جا سکتا کہ کسی خاص مقصد کے تحت وہ اُس کے خاندان سے رابطہ قائم کرنا چاہتا ہے۔

ابھجن بڑھتی ہی رہی۔ بستر سے اٹھ کر کھڑکی کے قریب آئی۔ لان پر ملکجہ ساندھر ارسل طاری تھا۔ آج تو شاید مسلسل جھائیں جھائیں کرنے والے جھینگر بھی سو گئے تھے۔ عجیب سانسنا فضا پر طاری تھا۔

وہ یوں نی خیر ارادی طور پر بیوں کے مل اوپر اٹھ کر مہندی کی باڑھ کے پیچھے دیکھنے کی کوشش کرنے لگی جہاں مالی کی کوہڑی تھی۔ لیکن باڑھ کی اوپرائی بدستور رکاوٹ بنی رہی اور اسے خواہ مخواہ غصہ آگیا۔ آخر اتنی اوپنی باڑھ لگادینے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ بیا بھی کریک ہیں.... پہنچ نہیں اجلاس کیسے کرتے ہوں گے۔ بات کرنے کی تمیز ہے نہیں۔ گھر پر کوئی عزیز آجائے تو اس طرح دانت نکال کر پیشوائی کریں گے جیسے اُس کی آمد کے منتظر ہی بیٹھے رہے ہوں۔ وہ بات کرے گا تو آپ سر ہلاہلا کر ”جی ہاں.... اور کیا.... بھلا دیکھئے“ کرتے رہیں گے۔ پی۔ سی۔ الیں کا وائیو۔۔۔ اسی میں کیا کیا ہو گا۔ ضرور داؤ ابا کی سفارشیں کام آئی ہوں گی۔ ورنہ یہ حضرت تو گلرکی کے قابل بھی نہیں تھے۔ زرینہ اُس دن کہہ رہی تھی کہ تمہارے بیا بھا چاہے کچھ لگتے ہوں ذپی ٹکٹر توہر گز نہیں لگتے۔

اوہ نہ یہ بیا کہاں سے آکو ہے۔ سوال تھا اس مردوں کا جس کا نام اختر ہے۔ اور اختر کے بچے تم کون ہو۔ آخر یہ بھر و پیا پن کس لئے۔ ارے غصب.... کہیں سی۔ آئی۔ ذی کا آدمی نہ ہو.... اس کا تو خیال ہی نہیں آیا تھا۔ پہلے ہی رشوت کے معاملے میں بیا بڑے بیا بک واقع ہوئے ہیں۔ دوست شاید ہی کوئی ہو۔ دشمن ہزاروں ہوں گے۔ ہو سکتا ہے ان کی بھی اسکریننگ ہو رہی ہو۔ اچھا تو میئے سی۔ آئی۔ ذی والے تمہیں بھی دیکھ لیا جائے گا۔ بیا کو بات کرنے کی تمیز ہو یا نہ ہو لیکن ان کی بیٹی تمہیں ضرور دیکھ لے گئی اور بیا بھی اتنے گھاٹر تو نہیں ہیں۔ اتنا سارا وقت لکھنے پڑھنے ہی میں گذر رہے۔ قلم کے پکے ہیں۔

اُس نے کمرے کا دروازہ کھولا اور چپ چاپ راہداری میں نکل آئی۔ اب صدر دروازے کی

”تم ہی نے مجھے اس بجھال میں پھنسایا ہے۔“

”مجھے یہ بتاؤ کہ اس نے تمہیں دھمکایا کیوں تھا...؟“

”میں کیا جانوں۔“

”بہر حال وہ کچھ کر گذر نے کا رادہ رکھتا تھا۔“

”پتے نہیں۔“

”کوئی بھی شریف آدمی اُس صورت حال کو برداشت نہیں کر سکتا۔“

”تم کیوں چھپ گئے تھے ذکر میں.... میرے ساتھ جانے کی کیا ضرورت تھی؟“

”ذکر میں پھٹے وقت تو بے ایمانی ہی تھی دل میں۔“

”میا مطلب....؟“

”سوچتا ہا کہ کسی جگہ موقع ملنے پر انہیں میں کچھ گھپلا کر دوں گا۔“

”کیوں....؟“ صیحہ نے غصیل آواز میں پوچھا۔

”تاکہ پھر تمہیں پریشانی میں بٹلا دیکھ کر تمہاری مدد کرتا اور تمہیں اپنا منون احسان بنا کر تمہارے بیہاں ملازمت حاصل کرتا۔“

”آخر کیوں؟ تم یہ فراڈ کیوں کرتا چاہتے تھے؟“

”پیٹ پالنے کے لئے۔“

”غلط.... قطعی غلط.... میں سب صحیح ہوں۔“

”میں صحیح ہو۔“

”نہیں بتائی۔“ صیحہ کو غصہ آنے لگا تھا۔ کیونکہ اب اُس نامحکوم آدمی کی آنکھوں میں حمات آمیز سنجیدگی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔

”مت بتاؤ.... لیکن اب جاؤ۔“

”نہیں جاتی.... یہ کوئی میری ملکیت ہے۔“

”اچھی بات ہے.... تم تشریف رکھو اپنی ملکیت میں۔ میں اندر جا کر تمہارے کمرے میں سو جاؤں گا۔“

”میں نوکروں سے بے تکلف ہوتا پسند نہیں کرتی۔ خاموش رہو۔“

ہو جاتا تھا۔

پھر وہ بڑی احتیاط سے چلتا ہوا دروازے کے قریب آیا اور بہ آہنگی پوچھا۔ ”کون ہے۔“

”صیحہ....!“ اُس نے کاپتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

”کیا بات ہے۔“ دروازہ کھولے بغیر اُس نے اندر ہی سے پوچھا۔

”ور.... دروازہ کھلو....!“

”کیوں....؟“ اندر ہی سے پوچھا گیا۔

صیحہ کو کوئی جواب نہ سمجھا۔ اس یونی کہہ بیٹھی۔ ”مجھے الجھن ہو رہی ہے۔“

”کیا دروازہ کھلنے سے رفع ہو جائے گی۔“

”ہاں....!“ یہ جواب بھی بس زبان ہی سے نکلا تھا۔ ہن سے اُس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

ہلکی سی آواز کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔ صیحہ نے ذرتے ذرتے اُس کے چہرے پر نظر ڈالی۔

لیکن اُب وہاں پھر حماقت کے ڈو گرے بر سر رہے تھے۔ آنکھوں میں پھر وہی پہلے کی سی حماقت آمیز سادگی نظر آرہی تھی۔

”تم کیوں جاگ رہے ہو؟“ صیحہ نے پھر یونی سوال برائے سوال کر دیا۔

”یہی سوال تو میں تم سے بھی کر سکتا ہوں۔“

”میں الجھن میں جتنا ہوں۔“

”اور میں آج تک کسی الجھن میں جتنا ہی نہیں ہوا۔“

”پھر کیوں جاگ رہے تھے؟“

”میں اور ڈینی یاد آگئے تھے؟“

”خدا کے لئے مجھے اس الجھن سے نجات دلاؤ۔“

”کس الجھن سے....؟“

”اُرے پوچھتے ہو کس الجھن سے؟“ دروازہ نئی ہو کر بولی۔

”میں تو اس الجھن کا ذمہ دار نہیں۔“

”تمنی نے تو اُسے مارا تھا۔“

”کتنی بار دہراؤگی.... جاؤ سو جاؤ۔“

”بھی مزہ آگیا.... کل تک روٹی کو محتاج تھا اور سوچ رہا تھا کہ کس کی جیب کاٹوں اور آج اینٹی کر پش پولیس میں بھرتی ہو گیا۔“

”پھر کون ہوتا...؟ چلے جاؤ یہاں سے۔“

”میں اختر ہوں۔ تم سے خط و کتابت تھی۔ پکڑا گیا۔ پانی ہوئی اور اب بھیں بد کر تمہارے یہاں ڈرائیوری کر رہا ہوں۔ ایسا بھی ہوتا ہے۔ مگر یہ چکر عموماً قلمی ہی والدین کے ساتھ کامیاب ہوتے ہیں.... جیسی جاگتی زندگی میں تو گھر بیلوں نو کر بھی ڈپنی کشنزی ہی کے خواب دیکھتے رہتے ہیں۔“

”ادھ... تم تو واقعی بلیک میلر ہو۔“

”میں کہتا ہوں اب جاؤ یہاں سے اگر کسی نے اتنی رات گئے تمہیں یہاں دیکھ لیا تو...!“

”میں کوئی بچہ ہوں۔“

”نہیں تم تو اپنی نانی سے بھی سینٹر ہو۔“

”تم بہت بد تیز ہو۔“

”کھکھو یہاں سے۔ کیوں میری روزی پر لات مارنے کی کوشش کر رہی ہو۔ کسی کی نظر پڑ گئی تو اسی وقت نکال دیا جاؤں گا۔“

”صورت دیکھی ہے آئینے میں۔“ وہ کھسپا کر بولی۔ ”تو میں اسلئے آتی ہوں... لفٹنے کہیں کے۔“

”ارے تم کسی لئے بھی آتی ہو۔ لیکن دوسرے تو یہی سمجھیں گے۔“

”میں تم سے صرف یہ معلوم کرنے آتی تھی کہ تم سے چھکارے کی کیا صورت ہو گی۔“

”اس نے ایک طویل سانس لی۔ چند لمحے منہ چلا تارہ۔ پھر بولا۔ ”کوہ قاف میں ملکہ کھٹل گلکوں پوش کا باغ ہے۔ نیچے اس باغ کے ایک باؤلی ہے کہ جس کے گرد اڑھے پھرہ دیتے ہیں۔ اندر اس باؤلی کے ایک بچرہ ہے اور اس بچرے میں ایک زانگ کہیں سال بیٹھا پے درپے صداد دیتا ہے اب اگر کوئی ایسا تاک کر تیر مارے کہ منقار سے گذرا کر علق میں ترازو ہو جائے تو اُھ تو وہ پرند ملش بیزم جل کر خاک ہو جائے گا اور اُھر میں کافی ہاؤز کی راہ لوں گا۔“

”بکواس بند کرو۔ میں تمہارے بھائی پن سے محظوظ ہونے نہیں آتی تم نے ملاز موں سے کہا ہے کہ پیاس نے تمہیں بھیجا ہے اب اگر وہ آتی گئے تو کیا ہو گا۔“

”یہ سب مجھ پر چھوڑ دو۔“

”ارے تو تم زبرد تی رہو گے یہاں؟“ وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

وہ سچ بچ خاموش ہو گیا۔ کمی منت گز رکے۔ اس کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ آخر صبح

ہی بولی۔ ”تم یہاں کس کی ٹوہ میں آئے ہو۔“

”محترمہ میں خود آیا نہیں لایا گیا ہوں۔ کتنی بار یاد دلاؤں کہ آپ کی والدہ محترمہ نے مجھ پر کمبل ڈلاؤ کر اٹھوا منگایا تھا۔“

”وہ ایک غلط فہمی کے تحت ہوا تھا لیکن تم یہ بتاؤ کہ اتنی رات گئے میرے بیگلے کے سامنے تمہاری موجودگی کا مقصد کیا تھا۔“

”میرے خدا۔“ وہ دانت پیس کر بولا۔ ”میں کیا کروں.... تو نے عورت بنائی تھی تو ایک سائیلنسر بھی فٹ کر دیتا کہیں؟“

”کیا بکواس ہے؟“

”یا پھر میرے دوست عبد اللطیف کو سرے سے پیدا ہی نہ کیا ہوتا.... میں کس طرح یقین دلاؤں ان محترمہ کو...!“

”بس اب بکواس بند کرو۔ اور حفظ مراتب کا خیال رکھو.... ورنہ....!“

”میں کہتا ہوں جاؤ یہاں سے مجھے سونے دو.... ورنہ....!“

”کیا کرو گے تم....؟“

”نہیں سوؤں گا؟“ اُس نے مردہ کی آواز میں کہا اور وہ جھنجلاہٹ کے باوجود بھی نہ پڑی۔ اور پھر وہ کسی بچے ہی کے سے انداز میں پھولا بیٹھا رہا۔

”اب میں بتاؤ تم کون ہو؟“

”بے حد منون ہوں گا۔“ اس نے جلے کئے لبھ میں کہا۔ ”کیونکہ ابھی تک خود مجھے اطلاع نہیں مل سکی کہ میں کون ہوں۔“

”تمہارا تعلق اینٹی کر پش پولیس سے ہے۔“

”واہ....!“ وہ بچکانہ انداز میں نہ پڑا۔

”میری بات سنو.... تم مجھے اکو نہیں بناتے۔“

”اس کے باوجود بھی میرا یہاں کیا کام...!“

”ہو سکتا ہے.... میرے والد کی اسکریننگ ہو رہی ہو۔“

اس جواب سے وہ اس قدر محظوظ ہوا کہ دیر تک بہتارہ اور صبیحہ دانت بیشتر رہی۔

"اور نہیں تو کیا بھیک مانگتا پھر دل گا۔"

"پھر کچھ کہنے والی تھی کہ اُس نے ہاتھ اٹھا کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی آواز پر چونکا ہو۔ لیکن صبیح نے تو کچھ بھی نہیں ساختا۔

دفلٹ اُس نے کیروں میں لیپ بجھادیا اور صبیح ہکلائی۔ "مک... کیا... بت... تم... لک کیا۔"

"خاموش رہو۔" اُس نے بلکل سی غربت سنی۔ پتہ نہیں کہی آواز تھی۔ اس کی تو نہیں تھی بہر حال صبیح کی حکھڑی بندھ گئی۔

دروازہ کھلا اور ایک سایہ تیزی سے باہر ریگ گیا۔ وہ ایک گوشے میں دکی کھڑی رہی۔ کئی منٹ گذر گئے۔ لیکن آس پاس کسی قسم کی بھی آواز نہ سنائی دی۔ پھر یک بیک دروازہ کھلا اور تین سائے باہر کی نیم تاریک فضا کے پیش منظر میں اندر داخل ہوتے نظر آئے۔

دروازہ بند ہو گیا۔ ایک نارچ روشن ہوئی۔

"اوہ....! آنے والوں میں سے کسی کی تحریز دہ آواز تھی۔"

نارچ کی روشنی صبیح پر پڑی اور اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کے اعصاب جواب دے گئے ہوں۔ آنے والے تین تھے لیکن ان کے چہرے صاف نظر نہیں آ رہے تھے۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔" کسی نے آہستہ سے پوچھا۔ آواز اُس کے لئے نئی تھی۔ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دے۔ لہذا خاموش ہی رہی۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔"

"تم کون ہو؟" صبیح نے سہی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"کوھری کی تلاشی لو۔" وہی آواز پھر سنائی دی اور دو آدمی نارچ کی روشنی میں ادھر ادھر پکھ تلاش کرنے لگے۔ اب صبیح نے دیکھا کہ وہ نقاب پوش تھے۔ نقابوں میں پورے جسم چھپے ہوئے تھے صرف آنکھیں نظر آئی تھیں۔

اُسی آواز نے صبیح کو پھر مخاطب کیا۔ "لڑکی وہ کون ہے؟"

"مک.... کون....؟"

"وہی جو تمہارے ساتھ تھا اور جس نے سہیل کو زخمی کیا تھا....؟"

"وہ.... وہ.... پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔"

"پرسوں صح کی بات ہے جب تم گاڑی لے کر دیرانے کی طرف گئی تھیں۔"

"ہاں.... میں گئی تھی.... پھر....؟"

"وہاں.... سہیل کو کس نے مارا تھا....؟"

"کس سہیل کی بات کر رہے ہو۔"

"وہی جو اکثر تمہارا تعاقب کرتا تھا۔"

"اوہ.... اچھا.... وہ سامنے والا لفگا....!"

"تو تم نے اُسے پہنچا تھا؟"

"ایسا کوئی اتفاق نہیں ہوا۔ ویسے تمنا تو یہی ہے کہ کبھی ایسا ہو سکے۔"

"تم خود کارڈ ایکور کر رہی تھیں اُس دن۔"

"تم ہو کون۔ میں کیوں تمہاری بات کا جواب دوں۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"اس لئے کہ تم صبیحت میں پھنس گئی ہو۔ کسی وقت بھی پولیس اور ادھر کا رخ کر سکتی ہے۔

سہیل ایک آدمی کو اپنا تحریری بیان دے کر مراد ہے۔"

"کیا وہ بیان میرے خلاف ہے۔"

"نہ ہوتا تو کسی کو علم ہی کیسے ہوتا کہ تم نے اُسے پہنچا تھا۔"

صبیح کچھ نہ بولی۔

اُسی نقاب پوش نے پھر کہا۔ "بہتری اسی میں ہے کہ اپنے معاون کا نام بتا دو۔"

"میں پوچھتی ہوں تم لوگ کس کی ابادت سے اس کپاؤٹ میں دخل ہوئے ہو۔"

"غیر.... بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ تم کن خطرات سے دوچار ہو۔" اس نے کہا۔

پھر اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔ "کوئی خاص چیز۔"

"نہیں....!" کسی نے جواب دیا۔

وہ پھر صبیح کی طرف مڑ کر بولا۔ "ڈرائیور.... تمہارا ذرا ایکور کہاں ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ

ابھی حال ہی میں تمہارے یہاں آیا ہے۔"

"تمہارا خیال درست ہے.... لیکن میں کیا بتا سکوں گی کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔"

"حالانکہ اس وقت یہاں اس کوھری میں تمہاری موجودگی بہت کچھ بتا رہی ہے۔" طنزیہ

لنج میں کہا گیا۔

"شٹ اپ....!" صبیح کو پھر غصہ آگیا۔

"اوہ چلیں....!" غالباً اس نقاب پوش نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا۔

دروازہ کھلا اور وہ تینوں ایک کر کے باہر نکل گئے۔

صلیح جہاں تھی وہیں کھڑی رہی اب پھر فضا پر وہی پہلے کامابو جمل سنا طاری ہو گیا تھا۔  
وہ سوچ رہی تھی کہ آخر اختر کہاں غائب ہو گیا۔ کچھ دیر اُس کی منتظر رہی پھر عمارت کی  
طرف چل پڑی۔ صدر دروازے سے گذر کر اُسے بند کیا اور اپنے کمرے میں آئی۔  
لیکن جیسے ہی مسہری پر نظر پڑی آگ بولتا ہو گئی۔ اختر تو یہاں پڑا سورہ تھا۔

بے اختیار مسہری کی طرف چھپنی اور سونے والے کو اس بے دردی سے چھوڑا کہ وہ ترپ  
کر مسہری کے نیچے آپڑا۔

”کہیں نہ سوکوں گا...!“ وہ آنکھیں ملتا ہوا بڑایا۔  
”یہ کیا حرکت تھی۔“

”ارے تم نے دہال پہنچ کر ڈسٹر ب کیا تھا تو پھر کیا کرتا۔“

”جاو... نکلو... عتلے جاؤ یہاں سے۔“ وہ آہستہ مگر تیز لمحے میں بولی۔  
”اب میں جا کر کسی کنوں میں پھانڈ پڑوں گا۔“

”میری طرف سے جہنم میں چھلانگ لگادو۔ نکلو... جلدی چلو۔“

”شب بخیر۔“ وہ دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

صلیحہ ڈر رہی تھی کہ کہیں کسی کی آنکھ نہ کھل جائے اس وقت تو یہ بہروپیا ڈرائیور والے  
بہروپ میں بھی نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر صدر دروازے کی طرف آئی اور اُسے بولٹ کر کے  
کمرے میں واپس چلی آئی۔



صدر تھی اس انداز میں ساجدہ کی کہانی سن رہا تھا۔ اُسکے خاموش ہوتے ہی بولا۔ ”پھر کیا ہوا؟“  
”کچھ بھی نہیں... خواہ مخواہ پورے شہر میں چکراتی رہی تھی۔ چلو اسی بہانے پورا شہر تو دیکھا  
لیا۔ تقریباً ڈھانی بجے رات کو گاڑی کے ٹرانسیور پر وہی بھرائی ہوئی کی آواز سنائی دی تھی اور مجھے  
اس سے ہدایت ملی تھی کہ میں گاڑی کو ہوٹل کے قریب ہی چھوڑ کر اپنے میں چل جاؤں۔“  
”کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ آواز اسی نقاب پوش کی تھی جو تمہیں اُس عمارت میں ملا تھا۔“  
”سو فیصدی یقین ہے۔“

”ہاں...!“ صدر کسی سوچ میں پڑ گیا اور ساجدہ نے پوچھا۔ ”وہ کون تھا؟ اُس کا تحکمانہ یہ  
مجھے بڑی طرح کھل رہا تھا لیکن کیا کرتی۔“

”پتہ نہیں کون تھا؟“ صدر نے لاپرواں سے کہا اور سگریٹ سنبھالنے لگا۔  
ساجدہ نے تھوڑی دیر خاموش رہ کر کہا۔ ”اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میری کیا پوزش  
ہو گی۔“

”میک اپ میں رہنا فضول ہی ہو گا۔“ صدر بولا۔ ”ہمیں احکامات کا منتظر رہنا چاہئے۔“

”کس کے احکامات کا؟“

”پتہ نہیں۔“

”کیوں الجھن میں ڈال رکھا ہے مجھے۔“

”صبر سے کام لو۔“

قل اسکے وہ کچھ بولتی ٹرانسیور پر اشارہ موصول ہوا اور صدر کا غذ پسل سنبھال کر بیٹھ گیا۔  
کوڈور ڈر میں کوئی پیغام تھا۔ اختتام کا اشارہ ملے ہی اُس نے پسل رکھ دی اور کاغذ کو اس  
طرح گھوڑے لگائیں سب کچھ لکھ لینے کے باوجود بھی کچھ نہ سمجھ سکا ہو۔

”کیا بات ہے۔“ ساجدہ نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

”وہی حضرت ہیں۔“ صدر نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”فرماتے ہیں کہ اب ساجدہ کے  
لئے میک اپ میں رہنا ضروری نہیں۔ اگر ان میں سے کوئی اس کے متعلق پھر کچھ پوچھے تو وہ اُسے  
 بتائے کہ آج شام کوچھ بجے عمران اُس سے پیلک گارڈن میں ملنے والا ہے! اور تم آج شام کوچھ  
بجے پیلک گارڈن میں پہنچ جاؤ۔“

”تو کیا دوچھانچہ دہاں ملے گا۔“ ساجدہ نے اپنے کپڑوں کو پوچھا۔

”میں کیا تاکتا ہوں؟“ صدر کا یہ بے حد خشک تھا۔

”عجیب چکر ہے؟“

”ویسے کیا تمہیں یقین ہے کہ اُن لوگوں کو تھہارے بیان پر یقین آگیا ہو گا۔“ صدر نے پوچھا۔  
”نہ آیا ہو گا تو اب آجائے گا۔ ویسے عمران کو یقین آگیا ہے شاید کہ وہ لوگ مجھے جھوٹی  
نہیں سمجھے۔ اُن میں سے کوئی مجھ سے رابطہ ضرور قائم رکھے گا۔“

”ہو گا... ختم کرو... میرا خیال ہے کہ اب تم سونا چاہتی ہو۔“

”آ... ہاں...!“ وہ جماہی لے کر بولی۔ ”یقیناً... پچھلی رات ایک پل کے لئے بھی آنکھ  
نہیں لگی تھی۔“

صدر کچھ دیر بعد زید نامیں کافری ٹرانسیور سنبھالے ہوئے باہر چلا گیا اور وہ سونے کے

”ہوں.... اچھا.... کیا تم شام کی جائے میرے ساتھ پلی سکو گے۔“  
”میں کسی کے ساتھ کبھی کچھ نہیں کھاتا پیتا۔ کھانا بھی اس طرح چپ کر کھاتا ہوں کہ  
کہیں کسی کی نظر نہ پڑ جائے۔“

”یہ کیوں....؟“

”بل عادت ہے!“ جوزف نے کہا۔ ” حتیٰ کہ شراب بھی چپ کر پیتا ہوں۔“  
یک یہک ساجدہ نے دیکھا کہ ریٹانے اپنی پشت ساجدہ کی طرف کر لی ہے اور ایک ہاتھ پیچھے  
لے جا کر دو انگلوں سے فتح کا نشان بنایا ہے۔ اجمن کے میر جو ایک دوسرے سے پوری طرح  
واقف نہ ہوں اسی نشان کے توسط سے ایک دوسرے کو پیچاں لکتے تھے۔

”آپ بیٹھ جائیے تا.... کھڑی کیوں ہیں۔“ ساجدہ نے آگے بڑھ کر کہا۔ ”حالانکہ میں آپ  
سے متعارف نہیں ہوں لیکن آپ بہر حال میرے کمرے میں آئی ہیں۔“  
”اوہ شکریہ۔“ وہ ساجدہ کی طرف مژکر مسکرائی۔ ”میں رینا جر ایکل ہوں۔“

”مجھے ساجدہ عجیب کہتے ہیں۔“

ریٹانے اُس سے مصافحہ کیا اور کسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

”اب تم باہر جا سکتے ہو۔“ ساجدہ نے اُس سے کہا۔

”اوے مسی۔“ جوزف نے ایڑیاں بجا کیں اور باہر چلا گیا۔ دیسے اُس کی آنکھوں سے صاف  
ظاہر تھا جیسے اُسے ساجدہ کا رویہ پسند نہ آیا ہو۔

”مجھے ہدایت لی ہے کہ تمہاری دیکھ بھال کروں۔“ ریٹانے آہستہ سے کہا۔  
ساجدہ نے غسل خانے کی طرف چلے کا اشارہ کیا پھر دونوں اٹھ کر غسل خانے میں آئیں اور  
ساجدہ نے دروازہ بند کر کے چھٹی چڑھادی اور مضطربانہ انداز میں کہا۔ ”یہ بہت اچھا ہوا میری کبھی  
میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں کے اور کس طرح اطلاع بھجواؤں۔“

”کوئی خاص اطلاع۔“ ریٹانے پوچھا۔

”ہاں.... آج صبح مجھے عمران کا پیغام ملا ہے۔“

”کیا....؟“

”آج پانچ بجے شام کو مجھ سے پلک گارڈن میں ملے گا۔“

”تمہیں یقین ہے؟“

”جو پیغام مجھے ملنا تھا میں نے دہرا دیا ملے گا بھی یا نہیں۔ اس کے بارے میں وثوق کے ساتھ۔“

لئے بس تبدیل کرنے لگی۔ اتنے میں جوزف نے دروازے پر دستک دے کر کہا۔ ”میں آسکا  
ہوں مسی۔“

”شہر و....!“ وہ حسم پر سلپنگ گاؤن ڈالتی ہوئی بولی۔  
کچھ دیر بعد اس نے اُسے اندر آنے کی اجازت دی۔

”مجھے بے حد افسوس ہے مسی۔“ وہ مسکی صورت بنا کر بولا۔ ”میری غفلت کی بنا پر تمہیں  
تکلیف اٹھانی پڑی۔“

”مجھے افسوس ہے جوزف کہ تم نے میری وجہ سے اتنی مہلک چوتھا کھائی مگر تم اُس کمرے  
میں کیوں جا گئے تھے کیا اُسے مار دی ڈالا۔“

”اُسکی قسمت مسی مر گیا ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ مار ڈالنے کی نیت سے ہرگز نہیں مارا تھا۔“  
”کس نے مشورہ دیا تھا۔“

”کسی نے بھی نہیں مسی۔ بس غصہ آگیا تھا۔“  
دفعتا پھر کسی نے باہر سے دستک دی.... اور جوزف کسی زخمی اور محتاط بھیزیے کی طرح  
آہستہ آہستہ دروازے کی جانب بڑھنے لگا۔

”ارے کیا کوئی ہے یہاں۔“ باہر سے نسوی آواز آئی۔ زبان انگریزی تھی۔  
”کون ہے؟“ جوزف غرابا۔

”ریٹا۔“  
جوزف نے نہ اسامنہ بنا کر طویل سانس لی اور ساجدہ نے اُسے اشارہ کیا کہ دروازہ کھول  
دے۔ جوزف نے اس طرح دروازہ کھولا کے کھلتے ہوئے پاٹ کی اوٹ میں ہوتا چلا گیا۔

ریٹا جر ایکل اندر آگئی اور دروازے کی طرف مژکر مسکرائی۔

”اب بہت محتاط ہو گئے ہو۔“ اُس نے جوزف سے کہا۔  
”ہونا ہی چاہئے مسی۔“

”پتہ نہیں اس ہوٹل میں کیا ہو رہا ہے۔ آج صبح کمرہ نمبر اٹھاون سے ایک نیم مرہ آدمی کو  
بحالت بیہو شی بہتال پہنچایا گیا ہے.... ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ کسی نے اُسے بے دردی سے پینا تھا۔“

”بد معاشوں کا اڑا ہے یہ ہوٹل۔“ جوزف نے غصیل آواز میں کہا۔  
”اوہ.... یہ کون ہیں۔“ ریٹا پہلی بار ساجدہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

”یہ بھی بس کی سکریٹری ہیں۔“

کچھ نہیں کہا جاسکتے۔

”کسی قسم کا شہر تو نہیں ظاہر کیا تمہارے خلاف۔“ رینا نے پوچھا۔

”نہیں یہ سب یہیں کہ جو رہے ہیں کہ مجھے انہیں کی کوششوں کی بناء پر رہائی ملی ہے۔“

”یہ بہت اچھا ہے۔ اچھا بھجے اجازت دو۔ میں تم سے رابطہ قائم رکھوں گی۔“

”جوزف اور صدر سے ہوشیار رہنا۔“ ساجدہ بولی۔ ”دونوں ہی اپنی اپنی حیثیت کے اعتبار سے بہت چالاک ہیں۔“

”تم فکر نہ کرو۔“ رینا نے کہا اور دروازہ کھوٹ کر کرے میں آگئی۔

پھر وہ سید ہی باہر کے دروازے کی طرف گئی۔ پینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور باہر نکل ہی رہی تھی کہ جوزف رکاٹ بن کر سامنے آگیا۔ اسکے دانت لٹکے پڑ رہے تھے اور اس کا مطلب تو ساجدہ ہی سمجھ سکتی تھی۔ عام حالات میں لوگ یہی سمجھتے تھے کہ وہ اس طرح خوشی کا اظہار کرتا ہے۔

”کیا بات ہے۔“ رینا نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کچھ نہیں مسی.... بائی بائی۔“ وہ ایک طرف ہٹتا ہوا بولتا۔

رینا اسے گھورتی ہوئی چلی گئی۔ کچھ دیر بعد جوزف اندر آیا اور دروازہ بولٹ کر کے ساجدہ سے بولा۔ ”تم نے اسے کیوں روکا تھا مسی۔“

”بس اکیلے میں جی المحتا ہے۔ سوچا اسی سے دوستی ہو جائے۔“

”اسی کوئی بات نہ ہونی چاہئے مسی باس کا حکم نہیں ہے۔“

”جادا اپنا کام کرو۔“ ساجدہ جھلا گئی۔

”تم جانو.... وہ کسی سے بھی مردوں نہیں کرتا۔“

”ارے تو کیا میں اس کے باپ کی نوکر ہوں۔“ وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

اس جواب پر جوزف کے ہونٹ صرف ہل کر رہ گئے۔ اس نے کچھ کہا نہیں۔ لیکن چرے پر ایسے ہی تاثرات تھے جیسے اس جواب سے گھر احمدہ پہنچا ہو۔

کچھ دیر بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”مسی مجھے افسوس ہے۔ میں نے تمہیں غلط سمجھا تھا۔ میں دراصل ایک ایسا کتا ہوں جو مالک کے دوستوں اور شمنوں کو بخوبی سو نگہ سکتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے.... مجھے افسوس ہے۔“

وہ مغموم انداز میں دروازے کی طرف مڑا اور باہر نکل گیا۔

ساجدہ نے جھلاہٹ میں دروازہ بند کر کے بولٹ کیا اور بستر پر آگئی۔

صبح دن چڑھے تک سوتی رہی۔ جگائی نہ جاتی تو شاید ابھی بیدار ہونے کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا کیونکہ فجر کی اذان سے پہلے آنکھ نہیں لگی تھی۔

آنکھ کھلتے ہی سب سے پہلے ڈرائیور کا دھیان آیا اور وہ یوکھا کراٹھ بیٹھی۔ اس نے اچھا نہیں کیا تھا اسے باہر نکال کر؟ وہ لوگ اس کی مزاج پر سی کے لئے تو آئے نہ ہوں گے۔ انہیں اس آدمی کی تلاش تھی جس نے سہیل کو مار ڈالنے کی حد تک مارا تھا تو پھر انہوں نے اسے کہ زندہ چھوڑا ہو گا۔

وہ بے اختیاری میں بیرونی برآمدے کی طرف چھپی۔ لیکن روشن پر نظر پڑتے ہی اپنی اس بوکھلاہٹ پر غصہ آگیا۔ وہ تو بڑے اطمینان سے گاڑی کی صفائی کر رہا تھا۔ چہرے پر ایسا ہی سکون تھا جیسے پچھلے کئی دنوں سے کوئی غیر معمولی واقعہ پیش ہی نہ آیا ہو۔ نظریں ملتے ہی اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے سلام بھی کیا تھا اور وہ دانت پیشی ہوئی پھر اپنے کرے کی طرف واپس آگئی تھی۔

اس کم بخت کے متعلق اس کے دل کی عجیب حالت تھی کہی تو ایسا لگتا جیسے وہ اس کے لئے بہت زیادہ فکر مند ہو اور کبھی اس شدت سے طیش آتا کہ کھڑے کھڑے نکال دینے کو جی چاہتا۔ کبھی صورت حرام لگتا اور کبھی تو تجھ پرید ہی آنے لگتا اور وہ اس کیفیت سے پیچھا چڑھانے کے لئے ادھر ادھر کی باتیں سوچنے لگتے۔

آج مطلع ابر آلود تھا۔ ہوا میں خنکی تھی۔ بادلوں کے پرے کے پرے آتے اور بڑی دیر تک دھوپ نہ دکھائی دیتی۔ بارہ بجے کے قریب بار بار گاڑی کے ہارن کی آواز آنے لگی اور وہ جھلا کر پھر برآمدے میں نکل آئی۔

اُسے دیکھتے ہی ڈرائیور نے ہاٹک لگائی۔ ”انور شی چلے گا۔“

”ہیزی سے گاڑی کے قریب آئی اور دانت پیش کر بولی۔“ توہن بجائے کی کیا ضرورت تھی۔“

”میں سمجھا شائد آپ پھر سو گئی ہیں۔“ اس نے بڑی مخصوصیت سے جواب دیا۔

”پوندر شی کی فکر مجھے ہونی چاہئے تمہیں نہیں۔“

”میں سمجھا۔... شاید مجھے بھی ہونی چاہئے۔“ وہ مسکی صورت بنا کر بولा۔

”تم بہت بڑھتے جا رہے ہو۔“

”نہیں اب تو نہیں بڑھ رہا۔ عرصہ ہوا اطلاع ملی تھی کہ قد پورا ہو چکا ہے۔ میں ہاں۔“

ڈاکو قسم کے لوگ چہرے نقاب میں چھپائے ہوئے تھے۔

”خود میری سمجھ میں بھی نہیں آتا کہ کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔“

ٹھیک اُسی وقت کچھ لوگ چھاک میں گھٹے چلے آئے۔ ان میں ایک سب انسپکٹر اور دو کانسٹیبل بھی تھے۔

سادہ لباس والوں میں سے ایک نے چیخ کر کہا۔ ”بھی ہے۔“

پولیس والے ڈرائیور کی طرف چھپئے اور صبیحہ اندازہ ہی نہ کر سکی کہ ڈرائیور کس طرح اچھل کر کار کے اوپر سے گذرتا ہوا دوسرا طرف چلا گیا تھا۔ کار دراصل ایسی جگہ کھڑی تھی جس کے دونوں اطراف میں مہندی کی باڑھ تھی۔ لہذا اُب ڈرائیور تک چھپنے کے لئے وہ یا تو وہی کرتے دھکلتے جو ڈرائیور نے دکھایا تھا پھر مہندی کی قد آدم باڑھ چاگلتے۔

جتنی دیر میں سب انسپکٹر گاڑی کے دروازے کی طرف متوجہ ہوتا ڈرائیور کمپاؤٹر کی دیوار چھلانگ کر نظروں سے او جھل ہو چکا تھا۔

گاڑی کے دروازوں سے گذر کر وہ دیوار کی طرف بھاگتے چلے گئے۔ عجیب افراتفری کا عالم تھا۔ گھروالے سمجھی برآمدے میں نکل آئے تھے اور صبیحہ وہیں ہا باکا کھڑی تھی۔

”ارے کیا ہوا.... کیا ہے۔“ بیگم صاحبہ نے چیخ کر اُسے اپنی طرف متوجہ کیا اور وہ مردہ سی چال چلتی ہوئی برآمدے میں آئی۔

”ڈرائیور کو پولیس نے دوڑایا ہے۔“ اُس نے مضمحل سی آواز میں کہا۔

”کیوں....؟“

”پتہ نہیں۔ پولیس والوں کے ساتھ اور لوگ بھی تھے اور انہوں نے ڈرائیور کی طرف اشارہ کر کے کھایا تھا ہی۔“

”پھر کیا ہوا۔“

”ڈرائیور بھاگ لکلا۔.... وہ اُس کے تعاقب میں گئے ہیں۔“

”صورت ہی سے ڈاکو معلوم ہوتا تھا۔“ تانی کھر کھر ایسیں اور زہریلی نظروں سے صبیحہ کو گھورنے لگیں۔

”اب دیکھو کیا ہوتا ہے۔“ بیگم صاحبہ بینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر بولیں۔ ”یہ لڑکی جو کچھ نہ کرائے تھوڑا ہے۔“

”میں نے کیا کیا ہے۔“

”شٹ اپ....!“

”ایز یو پلیز....!“

وہ اُسے بدستور غصیل نظروں سے گھوڑتی رہی پھر غرامی۔ ”چھلی رات وہ لوگ کون تھے۔“

”کون لوگ۔“

”جنہیں تمہاری تلاش تھی اس حد تک کہ انہوں نے کوئی کھڑی کی باقاعدہ تلاشی لی تھی۔“

”میں نہیں جانتا کون تھے۔“

”تم کو کھڑی سے بھاگے کیوں تھے۔“

”سوئے کے لئے لیکن وہ تمہارے کمرے میں بھی نصیب نہ ہو سکا۔“

”بکواس ہے۔ تم نے کسی قسم کی آہٹ محسوس کر کے وہ حرکت کی تھی۔“

”چلو بھی سمجھ لو.... اگر وہ مجھے پاجاتے تو کیا سمجھتی ہو کہ کوئی اس سے زیادہ اچھی ملازمت دلوادیتے۔“

”تم ہمیں کسی بہت بڑے جنجال میں پھنساؤ گے۔ انہیں اس آدمی کی تلاش بھی تھی جس نے سہیل کو اداحتا اگر پیا کو علم ہو گیا تو میری شاست ہی آجائے گی۔“

”لیکن یہ تو سوچو کہ وہ لوگ تمہیں کیوں بلیک میل کرنا چاہتے ہیں۔“

”اپنی تو سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر وہ پیسے ایٹھنا چاہتے ہیں تو بھلامیرے پاس کیا ہے۔ اس کے لئے.... وہ پیا کو بلیک میل کرتے اور مجھے پہلے سے ہرگز نہ مطلع کرتے کہ ان کے پاس میرے خلاف بلیک میلنگ کا کچھ مواد بھی ہے۔ وہ تو پیا ہی کے ذریعہ مجھے اس کا علم ہونے دیتے کہ میری وجہ سے انہیں بلیک میل کیا جا رہا ہے اور چونکہ اچاک وہ بات میرے سامنے آئی اس لئے میں اپنے اعصاب پر قابو نہ پا سکتی اور بے دھڑک اعتراف کر لیتی کہ ہاں مجھ سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ اب تو میں نہایت صفائی سے انکار کر سکتی ہوں بلکہ اپنی صفائی پیش کرنے کے سلسلے میں کوئی پلاٹ بھی گھر سکتی ہوں۔“

”بہت ذہین معلوم ہوتی ہو۔“ ڈرائیور مسکرا یا۔

”لیکن حقیقتاً میں اس معاملے میں خود کو بے حد نزد محسوس کر رہی ہوں۔“

”یونیورسی چلو گی یا نہیں۔“

”میں کہیں نہ جاؤں گی۔ خصوصیت سے تمہارے ساتھ تو ہرگز نہیں جا سکتی۔ وہ لوگ نہارے خون کے پیاسے ہیں۔ اگر تمہاری بجائے میرے گولی لگ گئی تو کیا ہو گا وہ تھے بھی فلمی“

"میں لائی تھی اسے...؟" بیگم صاحبہ پھلاڑکھانے والے لجھ میں بولیں۔ "میں نے تو کری دی تھی؟"

"اُس کی پیشانی پر تو کچھ لکھا ہوا نہیں تھا۔" صبیحہ بھی جھنجھلانی۔

"اب دیکھ کیا ہوتا ہے۔ پتہ نہیں قاتل ہے یا ڈاکو۔"

پھر وہ ان کی بک جنک کی پرواہ کے بغیر سیدھی اپنے کمرے میں پلی آئی تھی۔ اس واقعہ سے دل کو اچانک دھپکا سالاگا تھا۔

وہ اُس کے متعلق قطعی نہیں سوچ رہی تھی کہ اُسے کہاں ہونا چاہئے۔ پہلی ہی بارہ وہ اس پوچھ گچھ کرے گی۔ وہ تو بس ڈرائیور ہی کے متعلق سوچے جا رہی تھی؟ کیا وہ کوئی بہت برا مجرم تھا؟ پولیس سے پتے کے لئے یہاں پناہی تھی؟ اُس تک پولیس کی رہنمائی کرنے والے وہی لوگ تھے جنہیں پہلی رات اُس کی تلاش تھی وہ لوگ تو پولیس سے متعلق نہیں معلوم ہوتے تھے۔ پھلاڑک پولیس والوں کو کیا پڑی ہے کہ چرے نقابوں میں چھپائے پھریں۔

وہ مسہری پر اونڈھی پڑی سوچتی رہی تھی۔ وقت کا بھی احساس نہیں رہا تھا۔ پھر دروازے پر دستک سن کر چوکنی تھی۔ اٹھ کر دروازہ کھولا تھا اور بیگم صاحبہ غرائی تھیں۔ "چل اب کر جوابدہ ہی۔ وہ لوگ ڈرائیور کو روم میں بیٹھے ہیں۔ غصب خدا کامارے یہاں پولیس آئی ہے۔"

وہ ڈرائیور کو روم میں آئی تھی اور پولیس انپکٹر نے بے حد نیاز مبتداہ لجھ میں ڈرائیور کے متعلق پوچھ گچھ شروع کی تھی۔

صبیحہ نے اُس کی گفتگو سے اندازہ کر لیا کہ ڈرائیور ہاتھ نہیں آسکا۔ پھر صبیحہ کا موذیکفت بدلت گیا تھا اور وہ کھل کر باتیں کرنے لگی۔ پولیس انپکٹر کو تفصیل سے بتاتی رہی کہ کمپریج اچانک اُس کی گاڑی رک گئی تھی اور اُس نے نیچے اتر کر بونٹ اٹھایا تھا لیکن پر زدہ کے متعلق معلومات نہ ہونے کی بنا پر گاڑی رک جانے کی وجہ نہ معلوم کر سکی تھی۔ پھر کسی طرف سے وہ آنکھا تھا اور تھوڑی دیر کی جدو جہد کے بعد انہیں پھر کام کرنے لگا تھا۔ اُس نے اُسے کچھ دینا چاہا تھا لیکن اس نے لینے سے انکار کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ ملازمت کی تلاش میں ہے اگر کسی بھلے انس کی گاڑی پر کام مل جائے تو وہ اپنے لواحقین کا پیش پال سکے گا ورنہ اب فاقوں کی ہی نوبت آنے والی ہے۔

پھر جب وہ اپنی کہانی ختم کر چکی تھی تو سب انپکٹر کی زبانی یہ سن کر اُسے اپنے چرے پر گھرے صدمے کے آثار پیدا کرنے پڑے تھے کہ وہ ایک بہت بڑی ڈیکٹی کے کیس میں مانعوڑ تھا۔

بیگم صاحبہ نے چھوٹتے ہی پوچھا تھا کہ کیا وہ اُسے پکڑنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن جواب نہیں

میں سن کر ان کے چہرے پر مایوسی بکھر گئی تھی۔



شام کو پہلک گارڈن میں خاصی بھیز رہتی تھی۔ اس کے باوجود بھی بعض حصے بالکل دیران تھے.... بہت بڑا باغ تھا۔

سام جدہ وہاں پہنچ تو گئی تھی لیکن سوچ رہی تھی کہ اُسے کہاں ہونا چاہئے۔ پہلی ہی بارہ وہ اس طرف آئی تھی کسی مخصوص جگہ کے لئے ہدایت بھی نہیں ملی تھی، ویسے اُسے یقین کامل تھا کہ انجمن کے افراد اس کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک ضرور آئے ہوں گے۔ اُنہیں عمران کی تلاش تھی۔ وہ اُس کے خون کے پیاسے تھے۔

وہ سوچ رہی تھی کیا عمران پہنچ اُس سے یہاں ملے گا؟ یا کوئی اور چکر ہے؟  
وہ باغ کے مختلف حصوں میں گھومتی پھری۔ ابھی پانچ نہیں بجے تھے۔ وہ تقریباً نیس منٹ پہلے یہاں پہنچ گئی تھی۔

پانچ بجے کیا ہو گا؟ وہ سوچتی رہی اور دل کی دھڑکنیں آہستہ تیز ہوتی رہیں۔

اس نے سوچا تھوڑی عقل بھی استعمال کی جائے۔ ظاہر ہے کہ وہ کسی دیران کی گوشے میں ملے گا۔ مخالفین بھی یہی موقع رکھتے ہوئے پھر بھرے ہوئے حصوں میں ٹھیٹے پھرنے سے کیا فائدہ۔ وہ ایک دیران حصے کی طرف چل پڑی۔ اُس کا خیال تھا کہ اس طرح وہ انجمن کے ان افراد کی تعداد بھی معلوم کر سکے گی جو اس کے تعاقب میں ہوں گے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ دور دور تک کسی تنفس کا پتہ نہ تھا۔

اُس نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ پانچ بجے میں صرف پانچ منٹ باقی تھے۔ دل کی دھڑکن تیز بے تیز تر ہوتی رہی۔

دفعہ تقریب ہی جھاڑیوں میں سرسر اہٹ ہوئی اور وہ چوک پڑی۔ پھر ایک ہاتھ نظر آیا جس میں سیاہ رنگ کا خوفناک ریو اور تھا۔ اُس کا منہ حیرت اور خوف سے کھل گیا لیکن وہ فوری طور پر نہ تو کچھ سمجھی اسکی اور نہ فیصلہ کر سکی کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔

پھر یہیک اُسی ریو اور سے دھواں نکلا دھا کہ ہوا اور وہ چیخ کر گر پڑی۔

بدھوا کی میں اس کا بھی احساس نہیں تھا کہ وہ گر پڑنے کے بعد بھی بڑے بے ڈھنگے پن سے چیخے جا رہی ہے.... گولی تو گلی نہیں تھی.... فائر ضرور ہوا تھا اور اُس نے اپنے کان کے قریب

سنناہٹ کے ساتھ ہی آجھ بھی محسوس کی تھی۔

چاروں طرف سے لوگ دوڑپڑے۔ کچھ بدحواسی میں بتا ہو کر نکاسی کے راستے کی طرف دوڑے... کئی ان جھاڑیوں میں جاگھے جہاں سے فائز ہوا تھا۔

ساجدہ کے گرد بھیڑ لگ گئی اور شاید بھیڑ ہی اُس کے ساکت ہو جانے کی وجہ بی تھی۔ اب وہ زمین پر بے سہی پڑی اس طرح پلکیں جھپکاری تھی جیسے پھونکن کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر کسی نے اُس سے پوچھا تھا۔ ”آپ ٹھیک تو ہیں....؟“ اور وہ کراہ کر انھی بیٹھی تھی۔

”کس نے فائز کیا تھا....؟“ مجھ میں ہی سے کسی نے پوچھا۔

”آپ کو میڈی یکل ایڈ کی ضرورت ہے۔“ اُن میں سے ایک نے جلدی جلدی کہا پھر دوسرے سے بولا۔ ”گاڑی فور ایکیں لاو۔ اس وقت یہاں کا عملہ مفترض نہ ہو گا۔ جلدی کرو۔“

ساجدہ نے دیکھا کہ وہ انگلیوں سے انجن کا نشان و کنزی بھی بنائے ہوئے ہے۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

جلد ہی اُس نے کسی گاڑی کے انجن کی آواز سنی اور خلاف قاعدہ وہ گاڑی روشن سے لان پر اتر کر اُس کے قریب آگئی۔

”چلے اٹھے....!“ اُس آدمی نے ساجدہ کا بازو پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

وہ گاڑی میں بیٹھنے تو گئی لیکن ذہن کچھ سوچنے سمجھنے سے قاصر تھا۔

اتنے میں ایک آدمی جو شاندگار ڈن کے ذمہ دار ان میں سے تھا الجھ پڑا۔ وہ اسٹریگ پر بیٹھے ہوئے آدمی سے کہہ رہا تھا کہ پولیس کے آئے بغیر وہاں سے نہیں جا سکتے۔

”میں ڈاکٹر ہوں۔“ اُسے جواب ملا۔ ”میں سمجھ سکتا ہوں کہ ان کے اعصاب اس صدمہ سے کس درجہ متأثر ہوئے ہیں۔“ نیرافرض ہے کہ انہیں میڈی یکل ایڈ ملنے میں تاثر نہ ہونے دوں۔

میرا ساتھی پولیس کے آنے نکل یہیں نہ ہوئے گا۔ میں ہسپتال پہنچ کر خود ہی پولیس کو مطلع کر دوں گا۔“

پھر قبل اس کے کہ وہ کچھ اور کہتا انہیں دوبارہ بیدار ہوا اور گاڑی تیزی سے روشن پر چڑھ گئی۔ گارڈن کے گیٹ سے باہر نکل آنے کے بعد ڈرائیور کرنے والے نے پوچھا۔ ”تم زخمی تو نہیں ہوئے میں۔“

”نہیں....!“ ساجدہ نے بھرا کی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

”میڈی یکل ایڈ کی ضرورت تو نہیں۔“

”نہیں.... میں ٹھیک ہوں۔“

”کیا تم فائز کرنے والے کی شکل دیکھ سکتی تھیں۔“  
”نہیں....!“

”پنج کر نہیں جا سکتا۔ جو کوئی بھی ہو۔“

”میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ....!“

”تمہیں یقین ہے کہ وہی تھا۔“

”کیا کہہ سکتی ہوں جب کہ صورت نہیں دیکھ سکتی تھی۔ بس ایک ہاتھ جھاڑیوں سے نکلا تھا۔ قبلى اس کے کہ کچھ سوچ بھی سکتی فائز ہو گیا تھا۔“  
”ہوں....!“

پھر کوئی کچھ نہ بولا۔ گاڑی تیزی سے راستے طے کرتی رہی۔ ساجدہ سوچ رہی تھی دیکھے اب کیا ہوتا ہے؟ کہاں لے جائی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اب وہ اُسے اس کے ہوٹل تک پہنچانے سے تو رہا۔ ان جمن ہی کے کسی نہ کانے پر لے جائے گا۔ جی تو چاہا کہ اس سلسلے میں استفار کرے لیکن پھر خاموش ہی رہی۔ اس وقت تو سب کچھ ہی غیر متوقع طور پر ظہور میں آیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اُسے ان حالات سے گذرنا پڑے گا۔

وہ سوچتی رہی اور پھر ڈرائیور کی آواز سن کر چونکہ پڑی یہ  
وہ کہہ رہا تھا۔ ”میں تمہیں ایک سنان عمارت میں آنکھ دوں گا۔“

”سنان عمارت میں۔“ ساجدہ نے حیرت سے دہرایا اور خود اُسے اپنی آواز اجنبی اجنبی سی گل۔  
”ہاں کوئی فکر کی بات نہیں۔“

”لیکن سنان عمارت میں کیوں؟“

”در اصل میں خود فیصلہ نہیں کر سکا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ لہذا پورٹ دے کر تمہارے پہے سے آگاہ کر دوں گا۔“

ساجدہ نے بدقت خود کو روکا۔ ورنہ اس کے بعد تو وہ یہی پوچھتی کہ کس کو آگاہ کرے گا۔  
کے روپورٹ دے گا.... اُس نے ایک طویل سانس لی اور نشست کی پشت سے نکل گئی۔

تن بے تقدیر ہو جانے کے علاوہ اور کیا چارہ تھا۔

کچھ دیر بعد گاڑی ایک عمارت کی کپاؤنٹ میں داخل ہوئی۔ عمارت منظر ہی سی تھی لیکن اس کے گرد بہت بڑے رقبے میں لان اور بالغ تھے۔

”یہ کنجی ہے۔“ ذرا یور نے جیب سے ایک کنجی کاں کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔  
”اندر ضروریات کی ساری چیزیں تمہیں مل جائیں گی۔“

”ت... تو میں یہاں بالکل تنہا ہوں گی۔“ ساجدہ نے پوچھا۔

”شامک زیادہ دیر تک کے لئے نہیں۔ اچھا بگاڑی سے اتر جاؤ۔“

وہ طوعاً و کرہاً بگاڑی سے اتری۔ انہیں اچھی لگا تھا لیکن ابھی اتنا اجالا تو تھا ہی کہ وہ بیرونی برآمدے کا جائزہ لے سکتی۔

اس کے اترتے ہی بگاڑی ریورس گیٹ میں چھانک کی طرف دوڑتی چلی گئی تھی۔ بس چھانک ہی چھانک تھا اس میں کواہ نہیں تھے۔

ساجدہ نے مژ کر دیکھا۔ بگاڑی نے چھانک سے بھی گذر کر رخ بدلا تھا اور تیزی سے ایک طرف روانہ ہو گئی تھی۔

”کیا مصیبت ہے؟“ وہ بڑا ہتھی ہوئی برآمدے کی میڑ ہیاں طے کرنے لگی۔

صدر دروازے پر قفل نظر آیا۔ آگے بڑھ کر اس نے کنجی لگائی۔ قفل کھول کر دروازے کو دھکایا۔ شم تاریک کی راہداری نظر آئی۔ اندر داخل ہوتے ہی بائیں جانب سونچ بورڈ نظر آیا جس پر صرف ایک ہی سوچ تھا۔

سوچ آن کرنے پر راہداری روشن ہو گئی اور وہ دروازے کو بند کئے بغیر آگے بڑھتی رہی۔

عمارت صرف چار کروں پر مشتمل تھی۔ روزانہ زندگی کے سارے لوازم سے متعلق چیزیں وہاں موجود تھیں۔ کچھ میں پہنچ کر یہر یہر یہر کھولا تھا تو اس میں دودھ کی بو تلیں تک ملی تھیں۔

پوری عمارت کا جائزہ لینے کے بعد وہ سوچنے لگی کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ وقت کاٹنے کے لئے کچھ تو ہونا ہی چاہئے۔

وہ بھر باور پی خانے میں واپس آئی۔ اس نے سوچا سب کچھ موجود ہے تو پھر جائے ہی کیوں نہ بنائی جائے۔ بچل کا پولہ جلا کر پانی سے بھری ہوئی کیتی اس پر رکھ دی۔

کچھ دیر بعد ایسا محسوس ہوا جیسے اس نے کسی قسم کی آواز سنی ہو۔ وہ بہت تن گوش ہو گئی۔ دوسری بار یقین ہو گیا کہ وہ قدموں کی چاپ ہی تھی اور زیادہ دور نہیں معلوم ہوتی تھی۔ غالباً قریب ہی کے کمرے میں کوئی چل رہا تھا۔ وہ تیزی سے باور پی خانے سے نکلی اور اُسی کمرے کی طرف چل پڑی۔

اب آواز تو نہیں سنائی دے رہی تھی لیکن چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ یہاں اس کے علاوہ

بھی کوئی موجود ہے.... اُس کمرے میں کوئی بھی نہ ملا۔ پھر اُس نے دوسرے تین کمرے بھی چھان مارے لیکن لا حاصل۔

کچھ دیر بعد وہ اُسے واہمہ سمجھ لینے پر مجبور ہو گئی۔ پھر خیال آیا کہ پانی تو اعلیٰ لگا ہو گا اس نے دوبارہ باور پی خانے کی طرف واپس آتا چلا۔ ایک بارے پانی میں چائے کی پی ڈالی اور پھر کان کسی آہٹ کی طرف لگادیے۔

جلد ہی وہ بھر کر دوں کی جانب واپس آئی۔ چائے کا کپ بھی ساتھ ہی لیتی آئی تھی۔ اُسے میز پر رکھ کر بیٹھ گئی۔ بائیں جانب کتابوں کی الماری تھی جس میں خوش نماگٹ اپ۔ والی کتابیں چنی ہوئی تھیں۔ ہاتھ بڑھا کر ایک کتاب نکالی اور اُسکی ورق گردانی کرتی ہوئی چائے کی چلکیاں لیتی رہی۔

دفعتاً ایسا محسوس ہوا جیسے کتاب کے حروف کا پہنچنے لگے ہوں۔ رفتہ رفتہ سطہ میں آپس میں گذہ ہونے لگیں اور اس نے بوکھلا کر چائے کا کپ میز پر رکھ دیا۔ اور اب اُسے محسوس ہوا کہ اس کا سر چکر اڑا ہے۔ کتاب بھی ہاتھ سے چھوٹ پڑی اور دوبارہ نہیں اٹھائی جا سکی اس کا سر صوفے کی پشت سے جلا گا تھا۔ پلکیں جھکتی چلی گئیں.... وہ کوشش کر رہی تھی کہ آنکھیں کھولے رکھے مگر ممکن نہ ہوا۔

پھر وہ گرد و پیش سے بے خبر ہو گئی۔ پتہ نہیں کتنی دیر تک اس حال میں رہی تھی۔ بہر حال دوبارہ سر اٹھانے کے قابل ہوئی تو اندازہ کرنا دشوار تھا کہ کتنی دیر تک بے خبری کے عالم میں رہی ہے؟ لیکن یہ وہ کمرہ تو ہرگز نہیں تھا اگر ہوتا تو بائیں جانب والی کتابوں کی الماری ضرور دکھائی دیتی۔ وہ صوفہ سیٹ بھی نہیں تھا۔ وہ میز کھاں گئی جس پر اُس نے چائے کی پیالی رکھی تھی۔

آنکھیں پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگی اور پھر یہکہ ایک اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اس کمرے میں تو دروازہ بھی نہیں تھا۔ چاروں طرف سپاٹ دیواریں کھڑی تھیں اور سر پر سادہ سی چھت تھی۔ کہیں کوئی روشنی ان بھی نہ دکھائی دیا۔

کمرہ کافی کشاوہ تھا لیکن اس کی ساخت کی بناء پر دم گھٹنے لگا تھا۔ اس نے دیوار کو چھوٹے ہوئے پورے کمرے کا چکر لگایا۔ دیواریں بھی سخت تھیں۔ انہیں ٹھوک بجا کر بھی دیکھا لیکن وہ لکڑی یا ہارڈ بورڈ کی نہ ثابت ہو سکیں۔

اوہ.... تو کیا یہ اس کا مقبرہ ہے؟ اس نے سوچا اور پھر قریب تھا کہ اس کے حلقت سے ہٹریاں انداز کی چینیں نکلنے لگیں تیر قدم کی سر سراہٹ سنائی دی اور سامنے والی دیوار درمیان سے شق ہو کر ادھر اور ہر سمنی چلی گئی۔ اب اس کے سامنے ایک بہت بڑا ہاں تھا۔

اس نے بڑے اطمینان سے رومال نکال کر چہرہ صاف کیا اور بے حد سبجدگی سے بولا۔ ”میں اس کا مستحق تو نہیں تھا لیکن بڑی قدر افواہی ہوئی۔ علیا حضرت۔“

”ہمارے سینڈل بھی بہت مضبوط ہیں۔“

”جو مزاج سن میں آبے۔“ اس نے سر جھکا کر کہا۔

”بکواس بند کرو۔“ ساجدہ شیر ہوتی جا رہی تھی۔

”پھر علیا حضرت کیا ساعت فرماتا پسند فرمائیں گی۔“

”میں نہیں سمجھ سکتی کہ ایسے یہودہ لوگ کیسے الجمن میں بارپاتے ہیں۔“

”میں خود ہی ایک علیحدہ الجمن ہوں علیا حضرت۔ آپکی الجمن سے میرا کوئی تعلق نہیں۔“

”لیکن میں یہاں الجمن ہی کے ایک فرد کے ہمراہ آئی تھی۔“

”کہیں اور گئی ہوں گی... یہاں تو آپ نے محض اس خادم کی کوششوں کی بناء پر قدم رنج فرمایا ہے۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”حضور جس کی آہٹ پر باور پی خانے سے نکل آئی تھیں وہ یہی خادم تھا۔“

”اوہ سمجھی۔“ وہ دانت پیس کر بولی۔ ”پھر جب میں کمرے میں پہنچی تو تم دوسرا طرف سے باور پی خانے میں جا پہنچی تھے اور چائے کے پانی میں کوئی خواب اور چیز ڈال دی تھی۔“

”چائے کے پانی میں نہیں بلکہ دودھ کی بو تکوں میں ڈالی تھی۔“

”کیوں....؟“

”اس لئے کہ علیا حضرت کو یہاں لانا چاہتا تھا۔“

”تو پھر ریو الور سے فائز بھی تھیں نے کیا ہو گا۔“

”اس کہانی کے سننے کا اشتیاق ضرور ہے کیا آپ اسے دہراتا پسند فرمائیں گی۔“

”مت بکواس کرو تم نے ہی فائز کیا ہو گا درنہ عمران کیا جانے کہ میں اسے دھوکا دے رہی ہوں۔“

”ایک بات ہے علیا حضرت! عمران کسی عورت پر فائز نہیں کر سکتا۔“

”یہ مطلب۔“

”وہ کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔“

”پھر وہ کون تھا....؟“

”ہو سکتا ہے عمران ہی رہا ہو۔“

ہال کے اختتام پر اسکی سانظر آیا جس پر صرف ایک آدمی کھڑا کھائی دے رہا تھا۔ دبلا پتالا بسا آدمی... فاصلہ زیادہ ہونے کی بناء پر اس کے خدوخال نظر میں واضح نہیں تھے۔

وہ ساکت و سامت کھڑی رہی۔ دفتار لے بے آدمی نے ہاتھ ہلا کر اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا اور غیر ارادی طور پر اس کے قدم اسکی جانب اٹھتے رہے۔

کچھ اگے بڑھنے پر لے آدمی کا چہرہ جاتا پچانہ سما معلوم ہونے لگا۔ اور پھر جہاں سے اس نے اسے پوری طرح پچانابس دیہیں کی ہو کر رہ گئی۔

کوشش کے باوجود بھی قدم آگے نہیں بڑھ رہے تھے۔

یہ تو... یہ تو وہی ہے جس نے پروفیسر راشد کے کاغذات نکال لے جانے کی کوشش کی تھی؟ وہی جو خود اسے اٹھا لے گیا تھا اور اسی یہودہ حرکتیں کی تھیں کہ وہ اس کی طرف دیکھ بھی نہیں سکتی تھی۔

پہلے عمران نے اسے اس کا نام داور بتایا تھا لیکن پھر بھی داور پروفیسر راشد کے تہہ خانوں میں کسی دوسرے روپ میں نظر آیا تھا۔ لیکن صورت سے تو ہر حال میں حرام زدگی ہی ظاہر ہوتی تھی۔

”آؤ.... آؤ....!“ دفتار اس نے پیدار بھرے لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ ”ذرو نہیں۔ میں ایسا مرد نہیں ہوں جس سے عورتیں خوف کھائیں۔ بعض اوقات صح سے شام تک عورتوں کی جو تیار کھاتا رہتا ہوں۔“

وہ پھر بھی اپنی جگہ سے نہ ملی اور خود اسے اپنی طرف آتے دیکھا۔

قریب پہنچ کر وہاںی طرح خادمانہ انداز میں جھکا تھا۔ جیسے ساجدہ کا زر خرید غلام ہو۔

”آخر ملکہ عالیہ اس خادم سے خفا کیوں ہیں۔“ اس نے گر گڑا کر کہا۔

ساجدہ سوچ رہی تھی یوں کامنہ بنے گا۔ اگر تم پچانی رہیں تو اپنا سب کچھ کھو بیٹھو گی؟ وہ بڑے دلاؤ بیز انداز میں مسکرائی اور خالص شہابانہ لہجے میں بولی۔ ”ہمیں یاد نہیں کہ ہم نے تجھے کہاں دیکھا تھا۔“

”تموں کی خاک پر کس کی نظر رہتی ہے علیا حضرت۔“ وہ کم بخت بھی ڈایلگ ہی بولنے پر تل گیا تھا۔

”حاضر جوابی پر ہم خوش ہوئے۔ لیکن فی الحال کنگال ہیں ورنہ انعام ضرور دیتے ہیں۔“

”خزانہ حسن سے کچھ عطا ہو جائے۔“

”یہ لو.... ٹھو....!“ ساجدہ نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔

”کیسی بے تکمیل کر رہے ہو۔ کہ بھی سکتا ہے.... نہیں بھی کر سکتا؟“

”حضور کو مارڈالنے کی نیت سے اس نے فائزہ کیا ہوگا۔“

”پھر وہی بکواس۔ اُس نے مجھے وہاں ملنے کے لئے بلا یا تھا۔“

”ہو سکتا ہے؟“ اُس نے لاپرواں سے شانوں کو جنبش دی۔

”تو پھر....؟“

”بھلا میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ حضور عمران کی وفادار ہیں یا اپنی انجمن کی۔“

”اچھا تو پھر....!“

”میں تو حضور کو اس انجمن کی اثر سیکرٹری بنانا چاہتا ہوں۔“ اس نے اپنی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”شٹ اپ....!“

”خوبصورت عورتوں کی ذات پھٹکار بھی میرے لئے لذت آگیں ہوتی ہے۔“

”حد سے زیادہ نہ بڑھو داور....!“

”داور نہیں سُنگ ہی۔ میرا تم سُنگ ہی ہے.... میں چنی ہوں۔“

”تم کوئی بھی ہو بکواس بند کرو اور مجھے وہیں پہنچا دو جہاں مجھے ہونا چاہئے تھا۔“

”تمہیں تو یہیں ہونا چاہئے تھا۔“ سُنگ نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ اور تم یہیں ہو۔ ہمیشہ یہیں رہو گی۔“

ساجدہ کچھ نہ بولی۔ اُسے قبڑ آکوں نظروں سے گھوڑے جارہی تھی اور سُنگ کے ہونٹوں پر ہڈیاں جھلسائے والی مسکراہٹ تھی۔

”میں اپنی محبوباؤں کی بے حد عزت کرتا ہوں۔“

ساجدہ کی کچھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُس سے کس طرح پیش آئے۔ اس سے زیادہ ذہیت آدمی آج تک اُس کی نظر سے نہیں گذر اتھا۔ وہ خود بہت زیادہ اسٹریٹ فارورڈ تھی لیکن اس وقت کئی جارہی تھی۔

”تو پھر کیا فیصلہ کیا علیا حضرت نے....؟“

”خاموش رہو۔“

”چلے یہ بھی سی۔....!“ وہ اُس کے بیرون کے قریب فرش پر بیٹھتا ہوا بولا اور وہ بوکھلا کر

بچھے ہٹ گئی۔

اب دونوں ہی خاموش تھے۔ سُنگ اُس کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کرتا اور وہ نظریں چراتی.... آخر دو کچھ کہے بغیر اٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا پھر اٹھ کی طرف چلا گیا۔ ساجدہ وہیں کھڑی رہی۔ عجیب پوزیشن میں تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ دفعٹا ہلکی سی آواز میں ساز بجھنے لگا اور یہ آوازیں چاروں طرف سے آتی محسوس ہوتی تھیں۔ ہو سکتا تھا دیواروں کے اندر نایک فٹ رہے ہوں۔

سُنگ اٹھ پر کھڑا سازوں کی آواز پر تھر ک رہا تھا۔ اُس کے ہاتھوں میں بوٹیں اور گھاس تھے.... وہ اسی طرح تھر کتا اور ناچتا ہوا اٹھ سے اتر کر اُس کی طرف بڑھنے لگا۔ قریب آکر بولا۔ ”بہترین.... کئی برسوں کی پرانی پر ہنگالی شراب ہے۔ تم بھی بیٹھو اور مجھے بھی پلاو۔... اسی کاتام زندگی ہے:... لو اندیلو۔... پیٹو۔... پلاو۔...“

”بچھے ہٹو....“ ساجدہ قریب پڑی ہوئی ایک کر سی اٹھائی ہوئی بولی ”ہٹو.... ورنہ سر پھوڑ دوں گی۔“

”چلو یہ بھی برداشت کر لوں گا اگر مجھ سے محبت کرنے پر آمادہ ہو جاؤ۔“ ”بہن نہیں ہے تمہاری کوئی....!“ ساجدہ نے جل کر پوچھا۔

”صرف مار تھی۔“ سُنگ نے مغموم لمحے میں کہا۔ ”وہ بھی عرصہ ہوا مر چکی ہے۔“ ”بچھے ہٹو سور....!“ ساجدہ نے کر سی گھمائی کیونکہ وہ آہستہ آہستہ اُس سے قریب ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ سُنگ اچھل کر بچھے ہٹ گیا اور پھر آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا کر بولا۔ ”تم عمران کو چاہتی ہو۔“

”ہاں تو پھر.... تجھ سے کیا۔“ ”میں بہت جلد اسے مارڈالوں گا۔“

”تو میرا کیا بگرے گا۔“ ساجدہ نے سینچل کر کہا۔ یہ اختیاری میں وہ عمران سے اپنی محبت کا اعتراف کر بیٹھی تھی۔ حالانکہ ان لوگوں کے سامنے تو اُس کی مخالفت ہی کا بہر و پھر تھا۔

”تم اُس کے لئے روؤگی.... تو پوچھ۔“ ”میں تو اُس کی ہڈیاں اپنے دانتوں سے چبانا چاہتی ہوں کیونکہ اُسی کی بدولت اس حال کو پہنچی ہوں۔“

”تو پھر آؤ۔... میرا کچھ بخند اکرو۔“ سُنگ ہی نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا۔

کیوں پولیس والوں نے اُس کا سامان دیکھنے کے لئے نہیں کہا تھا۔ صرف پوچھ گچھ کر کے چلے گئے تھے۔ ممکن ہے وہ پھر آئیں... اور سامان کا بھی مطالباً کریں۔

سامان ہی کیا تھا ایک پرانا سوت کیس اور ایک میلا سامسٹر۔ پچھلی رات ان نقاب پوشوں نے بھی اُس کے سامان کی ملائشی لی تھی۔

اوہ.... اختر.... اختر.... اختر.... اگر واقعی اُس کا نام اختر ہی تھا تو اس اتفاق کو کیا کہا جائے۔ میرے خدا کیا ہونے والا ہے۔

گھڑی نے گیارہ بجاءے اور وہ بستر سے اٹھ گئی۔ آج تو نہ بھوک یاد رہی تھی اور نہ پیاس۔ اس کا خیال تھا کہ گھر کے سب لوگ سو گئے ہوں گے۔

خیال غلط بھی نہیں تھا۔ وہ دبے پاؤں اپنے کرے سے نکلی اور احتیاط سے چلتی ہوئی صدر دروازے تک آئی۔ بے آہنگی دروازہ کھولا اور برآمدے سے روشنی میں اتر آئی۔

کچھ دیر بعد مالی کی کو گھڑی کا دروازہ کھولا۔ اور اندر داخل ہو کر دروازہ بند کرنے کے بعد نارچ روشن کی۔

پھر بدقت تمام اپنے حلتوں سے نکلنے والی آواز کو روک سکی تھی کیونکہ وہ تو چارپائی پر پابے خبر سورہ تھا۔

لیکن اس وقت اپنی اصلی صورت میں تھا۔ تغیر پیدا کرنے والی موچیں چہرے پر نہیں تھیں.... وہ دم بخود گھڑی اسی کو دیکھتی رہی۔ اس کا خیال رکھا تھا کہ نارچ کی روشنی براؤ راست آنکھوں پر نہ پڑنے پائے۔

کتنی معصومیت تھی چہرے پر جیسے کوئی شریر پچھے تھک کر سو گیا ہو۔ اب اگر ایسے میں کوئی آکر گردن تاپ جائے تو.... مگر واہری دلیری.... کتنے مرے میں آکر سوئے ہیں حضرت۔ ایسا لگتا ہے جیسے یہ ان کے باپ کی جاگیر ہو۔ اس کا بھی دھیان نہ آیا کہ کس حال میں فرار ہوئے تھے۔ اچھا گی.... ابھی قدر و عافیت معلوم ہو جائے گی۔

رگ شرات پھر اسکی بھی تھی۔ نارچ بجھا کر بغل میں دبائی اور گھنٹوں کے بل چارپائی کے نیچے گھس گئی۔ پھر اچھل کر نیچے سے نکل مارنے ہی والی تھی کہ اوپر سے آواز آئی۔ ”میں مر پکا ہوں۔ اس لئے کیا فائدہ۔“

”مر بھی چوک کی صورت سے...!“ وہ جھلا کر بولی اور چارپائی کے نیچے سے نکل آئی۔ شرات سے قبل والے لذت اگنیز یہجان پر اوس پر بچھی تھی۔

”میں تمہیں ساری دنیا کی ملکہ بنادوں گا۔“

”میں تمہارا بھی منہ کچل دوں گی سمجھے۔“

”دنیا میں کسی مرد کی ہو بھی سکو گی یا نہیں۔“

”نہیں.... کیونکہ میں بھی مرد ہی ہوں۔“

”نہیں چلے گی۔“ وہ انگلی اٹھا کر بولا۔ ”تمہاری پوری ہستی سے واقف ہوں۔“

”ہوا کرو... لیکن تم جیسے چکا گڑ ٹھکل کے مردوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔“

”ادھر دکھو...!“ سنگ نے آہستہ سے کہا۔

اس نے اُسکی طرف دیکھا اور کسی پھینک ماری۔ اور اب تو اس کے منہ سے بے تکی گالیوں کا طوفانِ امنڈ رہا تھا۔ سنگ ہی دور کھڑا ابھتارہ۔ لیکن سا بددہ اُس کی طرف دیکھے نہیں رہی تھی۔

◆

پولیس کی پوچھ گچھ کے بعد بھی صبیحہ کو کافی دیر تک بور ہونا پڑا تھا اس اور نانی کی ڈانت پھٹکار قریب قریب دو گھنٹے تک جاری رہی۔

سر شام ہی وہ اپنے کرے میں بند ہو گئی۔ رات کا کھانا بھی نہ کھایا اور پھر کسی نے پرواہ کب کی تھی۔ پھوٹے منہ پوچھا بھی نہیں تھا۔

وہ مسٹر پر پڑی اُس نہ اسرار آدمی کے متعلق سوچے جاری رہی۔ اُس کے اس طرح جانے سے اُسے گھر احمدہ پہنچا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی اب کیا ملاقات ہو سکے گی۔ بھی... اب اس الزام کی بنا پر وہ خود ہی ادھر کارخ نہیں کرے گا۔ لیکن وہ یہیں کیوں رہ پڑا تھا۔ آخر اسی بنگلے کے سامنے کیوں کھڑا ایسا گیا تھا اور پھر کار کی ڈکے میں چھپ کر اُس کے ساتھ اُس مقام تک کیوں گیا تھا جہاں سہیل کی پناہی ہوئی تھی۔

پھر اس بلک میلگ اسٹاف کا خیال آیا اور وہ پہلے سے بھی زیادہ بوریت محسوس کرنے لگی۔ اختر نے تو پہنچا گیا تھا کہ وہ خط اس کے فائل میں کس نے رکھا تھا لیکن اگر اب کچھ ہوا تو کیا ہو گا۔ آخر وہ بلک میلر اُس سے کیا چاہتا ہے؟

کچھ دیر تک وہ بلک میلر ہی کے متعلق سوچتی رہی اور پھر خیالات کی رو دوبارہ ذرا ایمور کی طرف مڑ گئی۔ اس کا سامان کو گھڑی ہی میں پڑا رہ گیا تھا۔ کیا اُس کے سامان میں کوئی ایسی چیز مل جائے گی جو اُس کی اصلاحیت پر روشنی ڈال سکے؟ اوہ کیوں نہ اُس کا سامان دیکھا جائے۔ پتہ نہیں

وہ ویسے ہی چت لیٹا رہا۔ صبیح نے پھر مارچ روشن کر لی۔

”نہیں اسے بھاڑاو۔“ اُس نے کہا۔ ”ورنہ اگر کوئی روشنی دیکھ کر ادھر آگیا تو؟“

”تم نے دوبادہ یہاں آنے کی جرأت کیے کی؟“

”پھر کہاں جاتا۔۔۔ رات بس کرنے کے لئے چھت ضروری ہوتی ہے۔“

”اگر میں پولیس کو اطلاع دے دوں تو۔“

”جتنی دیر اطلاع دینے میں لگے گی میں سان فرانسکو جا پہنچوں گا۔“

”میں پوچھتی ہوں تم آئے کیوں....؟“

”دن کے اجائے میں تم مجھے یہاں نہ پاؤ گی۔“

وہ کچھ نہ بولی۔ تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد کہا۔ ”آخر تم نے کون سا جرم کیا ہے جس کی بناء پر پولیس تمہیں گھیرتی پھر رہی ہے۔“

”اس کا خیال ہے کہ میری شادی میں الاقوامی تعلقات پر اثر انداز ہو گی لیکن میں فی الحال شادی نہیں کرتا چاہتا۔ کیونکہ خود میں ابھی تک ایک یوز لس تان سن آر گناہ زیشن یعنی.... یو۔ این۔ او ہوں۔“

”بیکار باشیں نہ کرو ٹھیک سے بتاؤ۔“

”اچھا تو سنجیدگی سے سنو۔“ وہ اٹھ کر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”میں عرصہ سے اُس بلیک میلر کو جلاش کر کے قتل کر دینے کی فکر میں ہوں۔ اس نے بھیری زندگیوں کو جنم بنا رکھا ہے۔“

”وہ.... وہ.... یعنی کہ وہ....؟“

”ہاں.... اوہی جس نے تمہیں لکھا تھا۔....؟“

”لیکن.... لیکن.... تم سیدھے یہیں کیوں چلے آئے۔ کیا تمہیں معلوم تھا کہ مستقبل قریب میں بلیک میل کی جانے والی ہوں۔“

”یہ محض اتفاق تھا۔ مجھے شب تھا کہ سامنے والی عمارت کا اُس بلیک میل سے تعلق ہے اُس رات بھی اُس کی تاک میں تھا کہ تمہارے ملازموں نے بے خبری میں چادر ڈال کر اٹھا لیا۔“

”اوہ.... تو تم اُسی عمارت کی بات کر رہے ہو جس میں سہیل رہتا تھا۔“

”ہاں اُسی عمارت کی۔“

”عجیب اتفاق ہے۔ عجیب اتفاق ہے۔“ وہ مضطربانہ انداز میں بڑ بڑائی۔

”اور اب میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم اس سلسلے میں میری کافی مدد کر سکتی ہو۔“

”میں کیا مدد کر سکوں گی۔“

”چونکہ اس عمارت کا ایک فرد تمہارا تعاقب کرتا رہتا تھا۔ اس لئے تم نے اس عمارت میں خاص طور پر پچھی لی ہو گی۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”کیا سہیل وہاں تھا رہتا تھا۔“

”نہیں.... اکثر میں نے دوسروں کو بھی دیکھا ہے لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی کہ وہاں مستقل طور پر رہتے تھے یا محض ان کی آمد و رفت تھی۔“

”بکھی کوئی دبلا پڑا اور لمبا سا آدمی بھی دکھائی دیا تھا جسکے چہرے کی بنادث تمہیں عجیب لگی ہو۔“

”میں نے قریب سے تو تکسی کو بھی نہیں دیکھا۔“

”غالباً یقین کے ساتھ یہ بھی نہ بتا سکو گی کہ سہیل یہاں تھا ہی رہتا تھا۔“

”بھی بات ہے۔ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی۔“

”یہ کس نے بتایا تھا کہ وہ ڈویٹھل کمشٹر کا سالا ہے۔“

”پیالا نے بتایا تھا۔۔۔ وہ خود ہی ہاتھ اٹھا کر اسے سلام کیا کرتے تھے۔“

”تم نے اپنے پیالا کو بھی بتایا ہو گا کہ وہ تمہارا تعاقب کیا کرتا ہے۔“

”بتایتی تو پھر بھی گاڑی نہ لے جانے پاتی۔ اسلئے کسی سے بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔“

”اچھی بات ہے۔ میری سب سے بڑی مدد یہی ہو گی کہ مجھے اسی کو ٹھری میں راتیں سر کرنے دو۔“

”میر اکیا جاتا ہے۔۔۔ رہو لیکن اگر پکڑے گئے تو میں اس سے اپنی لا علمی ہی ظاہر کر دوں گی۔“

”بالکل.... بالکل۔“

”لیکن پولیس نے تمہیں کیوں گھیرنے کی کوشش کی تھی۔“

”وہ بلیک میل جانتا ہے کہ میں اس کی تاک میں ہوں۔ پچھلی رات اُسی کے آدمیوں نے مجھے

گھیرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن بس نہیں چلا تھا۔ لہذا آج انہوں نے پولیس کی آڑی۔“

”وہ خود ہی مجرم ہوتے ہوئے بھی پولیس کے پاس گئے تھے؟“

”جب تک کسی کے جرام منظر عام پر نہ آ جائیں قانون کی نظر میں وہ محترم ہی رہتا ہے۔“

انہوں نے مجھ پر کوئی الزام رکھ کر....!“

”آہا....!“ وہ بات کاٹ کر جلدی سے بولی۔ ”پولیس نے تم پر کسی ذمیتی میں حصہ لینے کا

الراہم عائد کیا ہے۔

”پچھے بھی کہہ سکتے ہیں.... میں صفائی پیش کرنے سے تو رہا۔“

وہ چند لمحے خاموش رہ کر بولی۔ ”تمہیں بھوک تو نہیں لگی۔“

”نہیں آج بالکل ٹھیک ہوں۔“

”ایک بات بتاؤ.... بتاؤ کے؟“

”پوچھو....!“

”صورت سے تو بالکل احمد معلوم ہوتے ہو۔ لیکن یہ اتنے سارے داؤں پیچ کہاں سے آگئے تھیں۔“

”ویسے بھی احمد ہی ہوں۔ اب یہ حادثت نہیں تو اور کیا ہے کہ خواہ مخواہ اتنا برا اخطرہ مول لے بیجا ہوں۔“

”تم حقیقت کوں ہوا رکیا کرتے ہو؟“

”دوسروں کے پھੇے میں ناگ اڑانا میری ہابی ہے محض دچپی کی خاطر کنوں میں بھی چھلانگ لگاسکتا ہوں۔“

”تم بتانا نہیں چاہتے اپنے متعلق۔ کیا میں کسی سے کہتی پھر ووں گی۔“

”میں کیا بتاؤ اپنے بارے میں۔ میں صرف میں ہوں۔ اپنے علاوہ دنیا میں کوئی میرا نہیں ہے۔“

”مال باپ....!“

”ضرور ہوں گے ورنہ میں پھر کہاں ہو تا؟“

”میں پوچھ رہی ہوں زندہ ہیں یا مر گئے....!“ وہ جھنجلا کر بولی۔

”زندہ ہیں۔“

”کیا نہیں تمہاری پرواہ نہیں ہے۔“

”پرواہ تو ہے۔ لیکن وہ بہت زیادہ شریف لوگ ہیں۔ میری طرح کسی کو قتل نہیں کر سکتے۔“

”تم قائل بھی ہو۔“

”ضرور تا قتل بھی کر دیتا ہوں۔ لیکن ابھی تک میرے ہاتھوں کوئی بے گناہ نہیں مرا۔“

”تمہاری صورت دیکھ کر کوئی تمہیں قائل نہیں کہہ سکتا۔“

”اور یہی چیز میرے لئے آسانیاں پیدا کرتی ہے۔“

”تم پڑھے لکھے بھی ہو۔“

”کہہ تو دیا کہ آکسفورڈ سے سائنس میں ڈاکٹریٹ لی تھی۔ دیے فلسفہ بھی بہت پڑھا ہے۔“  
 آج کل تم کے پڑھ رہی ہو۔“  
 ”ہیگل کو....!“  
 ”مجھے شے پند ہے۔“  
 ”کیوں نہ پند ہو۔“ صحیح نے کہا اور سوچنے لگی کہ اب اُسے کیا پوچھنا چاہئے۔ آخر اُس نے کہا۔ ”اگر پولیس نے تمہارے سامان کا مطالباہ کیا تو....!“  
 ”شوق سے حوالے کر دینا۔“  
 ”کوئی قیمتی چیز ہو تو نکال لے جاؤ۔“  
 ”زندگی سے زیادہ قیمتی چیز اور کیا ہو گی۔“  
 ”کیا میں نارچ روشن کر لوں۔“  
 ”کیوں....؟“  
 ”تت.... تمہیں دیکھا چاہتی ہوں۔“ اُس نے کہا اور پھر جھینپھے ہوئے انداز میں بھی پڑی۔  
 ”وہ کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد صحیح نے پوچھا۔ ”تو تم جاگ رہے تھے۔“  
 ”ہرگز نہیں.... بے خبر سورہا تھا۔“  
 ”میں نہیں مان سکتی۔ کیونکہ میری دانست میں.... چار پائی میں ہلاکا سا بھی دھکا نہیں لگا تھا۔“  
 ”لیکن میری آنکھ کھل گئی اور فوری طور پر خیال آیا تھا کہ تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔“  
 ”کیوں کیا ان لوگوں میں سے کوئی نہیں ہو سکتا تھا جو چھپلی رات آئے تھے۔“  
 ”ہرگز نہیں.... وہ سوچ بھی نہیں سکیں گے کہ میں پھر ادھر کارخ کر دوں گا۔“  
 ”سامان لینے آسکتے ہیں۔“  
 ”لے جانا ہوتا تو کل ہی لے جاتے۔“  
 ”تو تمہاری اس مطہن نے تمہیں مطہن کر دیا تھا اور تم سیدھے یہیں چلے آئے۔“  
 ”میرے اندازے عموماً غلط نہیں ہوا کرتے۔“  
 ”اب کیا کرو گے۔“  
 ”پھر سو جاؤں گا.... لہذا اب سو ہی جانے دو۔“  
 ”بھگا رہے ہو....!“  
 ”اکھی شرافت سے کہہ رہا ہوں پھر کاشنے دوزوں گا۔“

”اچھی بات ہے میں جارہی ہوں۔“ وہ اسامنہ بن کر بولی۔  
”شکر یہ۔“

صفدر زیر نامیں کے ٹرانسپر پر کوڈورڈ میں کہہ رہا تھا۔ ”پلک گارڈن سے ایک آدمی اسے لے گیا تھا اور وہ اسی عمارت میں پہنچا دی گئی جہاں سہیل رہتا تھا۔ مکان مقفل تھا۔ پہنچانے والا بھی کچھ دیر بعد وہاں سے چلا گیا تھا۔ اب وہاں تھا ہے۔ نگرانی ہو رہی ہے.... اور ایندھ آں۔“  
سوچ آف کر کے وہ جوزف کی طرف مڑا، جو قریب ہی دانت نکانے کھڑا تھا۔

”کیا بات ہے؟“

”وہ کتنا کی بیکی مجھے اپنے ساتھ کہیں لے جانا چاہتی ہے۔“ جوزف نے خنک لبجے میں کہا۔  
صفدر نے گھری پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ”سائز ہے بادہ بجے رات کو۔“

”ہاں....!“

”ہاں لے جائے گی۔“

”خداجانے کرتی ہے سفید سوت پہن کر چلنا۔ مجھے تماشا بانا چاہتی ہے۔“

”اندھیرے میں بھی چکو گے سفید سوت میں۔“

”میں تو ہرگز نہیں جاؤں گا۔“

”تمہارے باس کا حکم ہے۔“

”میں کیسے یقین کروں۔“

”تمہارا داماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔“

”دیکھو مسٹر میں ابھی تک محض تمہارے کہنے سے اُسے منہ لگاتا رہا ہوں۔ اب وہ اس قدر آگے بڑھ گئی ہے کہ مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہے.... کیا یہ اچھی بات ہے۔“

”میں نے اپنی مرضی سے تمہیں اس پر آمادہ نہیں کیا تھا۔ تمہارے باس کا حکم تھا۔“

”اویس رے باپ....!“ جوزف نے دانت پیش کر اپنی پیشانی پر مکامارا۔

”تم ذرتے ہو کیا اس نے۔“ صفر نے چھیننے کے سے انداز میں پوچھا۔

”میں ذرتا ہوں.... جوزف....!“ وہ چھاتی ٹھوک کر دہرا۔

”یقیناً یہی بات ہے۔“

”ہاں میں ذرتا ہوں۔“ جوزف نے جانے کیوں مضمحل ہو گیا۔

”ذرتے ہوتا....!“

”یہ بات نہیں ہے۔“ وہ چھیننے لگا۔ ”مجھے عورتوں کی مسکراہٹ سے خوف معلوم ہوتا ہے۔ جب وہ خاص انداز میں مسکراتی ہیں اور آنکھیں اُس میں کی آنکھوں سے مشابہ ہوتی ہیں جسے بیداری میں چھپزوں کے خواب آرہے ہوں۔“

”تمہیں جانا پڑے گا.... تم جاؤ گے۔ سفید سوت میں.... تمہارے باس کا حکم ہے۔ نہ کر جرای نہ کرو۔“

یک بیک جوزف کے چہرے پر گھری سنجیدگی نظر آنے لگی پھر ہونٹ کا پنے اور صرف اتنا نکلا.... ”نمک جرای....!“

اور وہ اپناء سپیٹ پیٹ کر کہنے لگا۔ ”جاوں گا.... جاوں گا.... جاوں گا۔“

اور یہی رثنا ہوا کمرے سے کلک بھی گیا۔ آواز بے بی اور جھلاہٹ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

صفدر نے ٹرانسپر کا سوچ آن کر کے فریکوپنی تبدیل کی لوڑ کوڈورڈ میں بولا۔ ”بیلو ہیٹو.... بیلو ہیٹو.... گلران کرنے والوں کو ہدایت دی جائے کہ جوزف کا تعاقب ہرگز نہ کیا جائے.... اور ایندھ آں....!“



سفید سوت میں وہ اتنا نمایاں ہوا کہ تماشہ بن کر رہ گیا۔... ریٹا اس کے ساتھ تھی اور وہ ہوش سے کلک کر فٹ پاٹھ پر رک گئے تھے۔

”میں نہیں بھج سکتا کہ اس وقت مجھے کہاں لے جانا چاہتی ہو۔“ جوزف نے نکھیوں سے ادھر اور دریکھتے ہوئے پوچھا۔

”بہت لمبا بزنس ہے.... تم فائدے ہی میں رو گے۔“

”کیسا بزنس....?“

”اُبھی معلوم ہو جائے گا۔ تم رے کیوں جارہے ہو میں تمہیں اتنا ذر پوک نہیں بھتی تھی۔“

”مجھے غصہ نہ دلاؤ۔“ جوزف غریب۔ ”اب کچھ نہ پوچھوں گا۔“

”شباش.... میں تمہیں سکھاؤں گی کہ عورتوں کے ساتھ کیسے رہا جاتا ہے۔“

”وہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔“

”میں اس کی احسان مند بھی ہوں۔ اس لئے اپنی بات پر اڑی نہ رہ سکوں گی۔“

”اچھا تو پھر....؟“

”تمہاری کھوپڑی میں عقل بھی ہے یا نہیں۔“

”ہے کیوں نہیں۔ لیکن اس ساخت کی نہیں جس میں کوئی عورت فتوح کا بیج بو سکے۔“

”تو اس میں مصیبت کیا ہے کہ میں تمہیں جواہرات کا مالک ظاہر کروں تم اپنا کیسٹن لے لیند۔“

”اُس کی شرح کیا ہو گی۔“

”چلو اچھا ہے.... تم نے پوچھ لیا۔ ورنہ بعد میں جھگڑا کرتے۔ میں تین فیصد سے زیادہ نہ دے سکوں گی۔“

”لیکن ہزاروں میں سودا ہونے کے امکانات ہیں۔“

”تقریباً یہڑھ لاکھ کا چکر ہے۔“

”اس کا مطلب ہوا سازھے چار ہزار روپے۔“

”بالکل....!“

”مجھے منظور ہے.... لاو....!“

”اُس نے پر سر ریٹا سے لے کر اپنے ہاتھ پر تولا اور لاپرواں سے جیب میں ڈال لیا۔“

”کچھ دیر خاموشی رہی پھر ریٹا نے کہا۔ ”کچھ بولتے بھی رہو۔ سانپ کیوں سونگھ گیا۔“

”مجھے سوچنے دو۔ سازھے چار ہزار کا مصرف....!“

”اوہ.... اس اتنے ہی میں مگن ہو گے۔“

”ایک بات ہے مسی.... کیا بتاؤ گی مجھ۔“

”پوچھو....؟“

”جب تم لاکھوں کا بزنس کر سکتی ہو تو نو کری کرنے کی کیا ضرورت ہے۔“

”محض اس لئے کہ اکم نیکس ادا کرنا چاہتی۔“

”تم تھا ہواں بزنس میں یا اور کوئی بھی ہے۔“

”صرف میری بہن.... جو کو لو ہو میں رہتی ہے۔“

”تو وہی تمہیں جواہرات بھیجنی ہے۔“

”ہاں....!“

”اس ملک....؟“

”کیا جانتے ہو....!“

”چڑے کا چاک بھی ساتھ ہوتا ہے۔“

”جنگلی....!“

”جنگلی ہونا ہمارا طرہ امتیاز ہے....!“ جوزف غریا۔

”اب آؤ....!“ ریٹا ایک طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

”میں سمجھا تھا تم شائد نیکسی کا انتظار کر رہی ہو۔“

ریٹا کچھ نہ بولی۔ جوزف اس کے ساتھ چلتا رہا۔

ایک موڑ پر وہ پھر رک گئی اور دوسرے ہی لمحے میں ایک بھی سی کار سامنے آکر فٹ پا تھے سے آگئی۔

”چلو بیٹھو....!“ ریٹا نے پچھلی نشست کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

جوزف نے چپ چاپ قیمیں کی..... ریٹا نے اس کے برابر بیٹھتے ہوئے دروازہ بند کر دیا اور کار چل پڑی۔

”یہ لو....!“ ریٹا نے چڑے کا ایک پرس جوزف کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”اسے اپنے پاس رکھ لو۔“

”اس میں کیا ہے۔“ جوزف نے پوچھا۔

”جو اہرات....!“ ریٹا آہستہ سے بولی۔

”تو پھر میں کیوں رکھ لوں....؟“

”میں دراصل جواہرات کی دلائی کرتی ہوں۔“

”ضرور کرو.... لیکن میں....!“

”تم سمجھے نہیں.... میں تمہیں ان جواہرات کا مالک ظاہر کروں گی.... تم نایخیرا کے ایک تاجر کا روں ادا کرو گے۔“

”لیکن میں ایسا کیوں کروں گا....؟“

”یہ جواہرات میری ملکیت ہیں۔ جس آدمی کے پاس تمہیں لے چل رہی ہوں میرا پرانا گہب ہے۔ لیکن اگر اسے شب بھی ہو گیا کہ میں ان جواہرات کی مالک ہوں تو وہ انہیں کم سے کم قیمت پر خریدنے کی کوشش کرے گا۔“

”اچھا تو پھر....؟“

اپنا کارڈ دیا۔۔۔ کچھ دیر بعد اندر طلبی ہوئی۔ ذرا لگک روم شامدار تھا۔ فرش پر قیمتی ایرانی قالین میں جوزف کے پیدھن رہے تھے۔

انہیں زیادہ دیر انتظار نہ کرتا پڑا لیکن ذرا لگک روم میں داخل ہونے والے پر نظر پڑتے ہی جوزف کا دل ہمدردی کے جذبہ سے لبریز ہو گیا۔ کیما حسین اور صحت مند نوجوان تھا۔ لیکن پیروں سے محفوظ۔ بیساکھیوں کی کھٹ کھٹ اس کی زندگی پر نوحہ کرتی معلوم ہوتی تھی۔

”شیخ حمزہ کو وہاں...!“ رینا نے جوزف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”اور آپ عادل آباد کے سب سے زیادہ دولت مند آدمی کر غل حیدر صدیقی۔“

جوزف نے ہونت بھیجن کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ آدمی جاندار ہے۔

”بڑی خوشی ہوئی شیخ صاحب۔“ کر غل حیدر نے کہا۔ ”تشریف رکھئے۔“

”بیساکھیاں ہے کہ تکلفات میں وقت ضائع نہ کرنا چاہئے۔“ رینا بولی۔ ”مسٹر کو وہاں...! اپنی چیزیں نکالئے۔“

جوزف نے جیب سے پرس نکال کر رینا کی طرف بڑھا دیا۔۔۔ رینا نے چھوٹی میز کر غل کے صوفی کی طرف کھسکا کر پرس اُس پر خالی کر دیا۔

جو اہرات میز کی سطح پر بکھر گئے۔ کر غل حیدر انہیں توجہ اور دلچسپی سے دیکھتا رہا۔ پھر بیساکھیاں سید ہی کرتا ہوا بولا۔ ”ہمہرے میں ذرا میکدینا نگ گلاس لے آؤں۔“

”میں ملازم کو بلاوں۔“ رینا جلدی سے بولی۔

”نہیں میرا کھا ہوا ہے۔ کسی ملازم کو نہیں ملے گا۔“

جوزف نے محسوس کیا کہ رینا اُس کے اس رویہ پر کچھ بے چین سی نظر آنے لگی ہے۔ اس نے متعنی خیز انداز میں جوزف کی طرف بھی دیکھا تھا۔ کر غل کے چلے جانے کے بعد اُس نے آہستہ سے جوزف سے کہا۔ ”میں خطرہ محسوس کر رہی ہوں۔“

”کیوں...؟“

”پہلے کبھی وہ میکدینا نگ گلاس ساتھ لانا نہیں بھولا کر سکتا تھا۔“

”پھر کیا خیال ہے۔“

”پتے نہیں میں اس کی اس حرکت کو سمجھ نہیں سکی۔“

”کیا خیال ہے... وہ پولیس کو مطلع کرنے گیا ہو گا۔“

”جو چاہو کبھی لو...!“

”تم ان کے عیوض کو لبوب کیا بھیجنی ہو۔“

”چھس...!“

”اوی... وہاں کیا ریٹ چل رہا ہے؟“

”سازھے چار ہزار روپے سیر...!“

”مائی گلڈنس...!“

”میا تم کبھی رہ پکے ہو اس بُرنس میں۔“

”کافی عرصہ سک رہا ہوں۔“

”کب سے غالی ہو۔“

”پانچ سال ہوئے ہیروں کی آخری کھیپ ہاگ کاگ سے لا یا تھا۔“

”اپنے راتا صاحب کے لئے کام کرتے تھے۔“

”اڑے نہیں.... وہ بہت شریف آدمی ہے۔ لاکھوں ایکڑ میں بھیت باڑی کرتا ہے۔“

”پھر کب سے شروع کر رہے ہو۔ ہاگ کاگ میں چھ بڑا کاریٹ چل رہا ہے۔“

”چھ س کا...!“

”ہاں...!“

”جیلن کے سارے چھ سی شامد ہاگ کاگ ہی میں اکٹھا ہو گئے ہیں۔ خیر میں سوچوں گا۔“

”پھرے داری مجھے بھی پسند نہیں ہے۔“

”بائیں موڑو...!“ رینا نے ذرا سیور کو ہدایت دی۔

”لیکن میں وہاں بات کیا کروں گا۔“

”پکھہ بھی نہیں۔ بات تو میں کروں گی۔ میری بتائی ہوئی قیمتوں میں اگر کاپک تخفیف کرانے

کی کوشش کرے تو تم انکار کر دیتے۔ جب میں تم سے کہوں کیوں شیخ کیا خیال ہے.... تب تم کہتا...“

”خیر دے دو.... بس لفظ شیخ کا خیال رکھنا اگر میں لفظ شیخ نہ استعمال کروں تو انکار ہی کرتے رہنا۔“

”چلو ٹھیک ہے.... مجھے زیادہ نہ بولنا پڑے گا۔“

”پچھے دیر بعد گاڑی ایک عمارت کی کپاؤ ٹھنڈی میں داخل ہوئی۔“

”چلو... اترو...!“ رینا نے کہا۔

”وہ گاڑی سے اتر کر برآمدے میں آئے۔ رینا نے دروازے پر کھڑے ہوئے باور دی ملازم کو

”ہم لوگ کچھ بھی ہوں تمہیں اس کی پرواہ نہ ہوئی چاہئے کیونکہ میں نے ابھی تک تمہیں ان کے دام بھی نہیں بتائے۔“

”کچھ بھی ہو۔“ سب انپکٹر نے کہا۔ ”تم دونوں حرast میں لئے جاتے ہو۔“  
”دونوں کیوں؟“ جوزف نے آنکھیں نکالیں۔ ”ان گینوں کا مالک میں ہوں یہ نہیں۔ اس بیچاری نے تو صرف فروخت کرادی ہے کا وعدہ کیا تھا اور اسے بھی اس کا علم نہیں کہ گئی نظری ہے۔  
”کیوں....؟“ سب انپکٹر نے ریٹا کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔ لیکن ریٹا سے جواب دینے کی بجائے جوزف کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

”تم صرف مجھ سے بات کرو۔“ جوزف نے سب انپکٹر سے کہا۔  
”تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو۔“  
”میں شیخ گوڈانہ اہوں... ناگیر یا کا باشندہ۔“  
”پاپورٹ دکھاؤ۔“

”پاپورٹ ساتھ لئے نہیں پھرتا۔ وہ میرے ہوٹل میں ہے۔“  
”تم خاموش رہو شیخ۔“ ریٹا بول پڑی۔ ”جب تک میرا وکیل یہاں نہ پہنچ جائے تم ان لوگوں سے کسی قسم کی گفتگو نہیں کرو گے۔“

”جب آپ کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے تو آپ کیوں ناگ اڑا رہی ہیں۔“ سب انپکٹر غصیلے لہجے میں بولا۔

”میں نے تو نہیں کہا کہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“ ریٹا کا نبی ہوئی آواز میں بولی۔  
”نہیں میں تم خاموش ہی رہو۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں دھوکے میں رکھا تھا۔ تم خواہ خوہ نہیں میں نہ آؤ۔“ جوزف نے کہا اور ریٹا کے چہرے پر عجیب سے آثار دیکھنے جیسے وہ کسی اندر ورنی کنکش میں جتنا ہو۔

کچھ دیر کے لئے کمرے کی فضاض پر جمل سا سکوت طاری ہو گیا۔  
”جھکڑیاں لگا دو۔“ آخر سب انپکٹر نے جوزف کی طرف اشارہ کر کے کہا اور ایک کا نشیل نے جھکڑیوں کا جوڑا نکال کر جوزف کے ہاتھوں میں ڈال دیا۔  
”آپ میرے وکیل کے آنے سے پہلے انہیں یہاں سے نہیں لے جائیں گے۔“ ریٹا نے کسی تدریغی آواز میں کہا۔  
”تھا نہیں میں لے آئیے گا وکیل کو....!“ سب انپکٹر نشک لہجے میں بولا۔

”سوچا بھی نہیں جا سکتا کیونکہ میں پہلے بھی کسی بار اس سے بزن کر چکی ہوں۔“

”تو پھر خاموش بیٹھو....!“

”مجھے اب جس ہو رہی ہے۔“

”چپ رہو۔“

ریٹا خاموش ہو گئی۔ لیکن وہ بار بار بے جیقی سے دروازے کی طرف دیکھنے لگتی تھی۔ کچھ دری بعد پھر بیساکھیوں کی کھٹ کھٹ سنائی دی۔

ایک بڑا سماں گیڈیفائنگ گلاس اس کے ہاتھ میں تھا۔

وہ میز کے قریب بیٹھ کر خاموشی سے جواہرات کا جائزہ لینے لگا۔ ان میں چھوٹے بڑے ہر قسم کے گئنے تھے وہ ان دونوں کی طرف دیکھے بغیر گینوں کے متعلق اطمینان خیال بھی کرتا جا رہا تھا۔ جوزف نے کئی بار بیساکھیوں سے ریٹا کی طرف دیکھا لیکن اس کے چہرے پر بے اطمینانی ہی کے آٹھا پا رہا۔

کرٹل حیدر قریب میں منٹ تک گینوں کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر یہ یک سر اٹھا کر اوپنی آواز میں بولا۔ ”آپ لوگ اندر آ سکتے ہیں۔ میں اپنا اطمینان کر چکا ہوں۔“

دفتار چار باور دی پولیس والے کمرے میں گھس آئے ان میں ایک سب انپکٹر بھی تھا۔ ”یہی ہیں۔“ کرٹل حیدر ان دونوں کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔

”کیا مطلب....؟“ ریٹا کی آواز کا نپر رعنی تھی۔

”میری آنکھوں میں دھوں جو کئے آئے تھے تم لوگ..... یہ سارے گئنے نظری ہیں۔“

کرٹل حیدر دہڑا۔

جوزف کامنہ حیرت سے کھل گیا تھا۔

”میرا خیال ہے کہ یہ وہی اسٹمبل ہیں۔“ سب انپکٹر نے ان دونوں کو گھوڑتے ہوئے کہا۔

”لیکن یہ گئنے نظری ہیں۔“ کرٹل حیدر دہڑا۔

”تمہیں کس بات کی فکر ہے۔“ جوزف نے غرا کر کہا۔ ”میں نے کب کہا تھا کہ اصلی ہیں۔ کیا تم ان میں سے کچھ اصلی کے دھوکے میں خرید پچھے ہو۔“

”نہیں۔“

”تو پھر اس بھگائے کی کیا ضرورت تھی۔“

”تم لوگ فراز ہو۔“

”بہت بہتر۔“ رینا کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

سب انسپکٹر نے کرتل حیدر سے کہا۔ ”کرتل صاحب! محترم کو بیان لکھواد کراپنے و سختکر دیجئے گا۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔“ پھر رینا کی طرف ہاتھ انھا کر بولا۔ ”ان کا بھی تمہیری بیان۔“ وہ کرتل سے مصافحہ کر ٹکے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ جوزف اس کے پیچے چل رہا تھا اور دو کاشیبل اس کے پیچے تھے۔



جوزف کو پندرہ بیس منٹ تک ایک بند گاڑی میں سفر کرنا پڑا تھا۔ اس لئے اس کا اندازہ کرنا ممکن ہی نہیں تھا کہ اسے کن راستوں سے کہاں لے جایا جائے ہے۔

کچھ دیر بعد گاڑی کسی جگہ رکی اور اس سے نیچے اتنے کو کہا گیا۔ وہ بے چوں و چراگاڑی سے اتر آیا۔... باہر چاروں طرف انہیں اپھیلا ہوا تھا۔ کچھ دور پیدل چلنے کے بعد وہ ایک عمارت میں داخل ہوئے اور بالآخر ایک کمرے میں پہنچ کر رک گئے۔ سامنے ہی ایک پروقار محترم جوزف آدمی بینا نظر آیا۔ اس نے جوزف کو تیکھی نظروں سے دیکھا تھا۔

”کیوں کیا ہے؟“ اس نے سب انسپکٹر سے پوچھا۔

”جناب عالی۔ کرتل حیدر نے جس سلسلے میں ہم سے مدد طلب کی تھی اُس فرماڈ کا ذمہ دار یہی شخص ہے۔ اپنا نام شیخ حمزہ کو دئنا بتاتا ہے اور نائجیریا کا باشندہ ہے۔“

”کیا بک رہے ہو۔“ محترم جوزف نے تیز لمحے میں پوچھا۔

”جی ہاں جناب۔“

”کیا نام بتاتا ہے۔“

”حمزہ کو دئڑا...!“

”ارے یہ ہیوی دیٹ چیمپن جوزف ہے کیوں بد معاش تم پھر دکھائی دیئے۔“

”میرا خیال ہے کہ میں پہلے کبھی نہیں آیا۔“

”تو کیا شکوہ آباد کے ڈاکٹر طارق کا ملازم نہیں تھا؟“

”بالکل تھا...!“

”ڈاکٹر طارق کو کس بنا پر سزا ہوئی تھی۔“

”جملی نوٹ چھاپتا تھا اور انہیں مشرق و سطحی کے لئے اسکل آؤٹ کرنا تھا۔“

”پھر....!“ محترم آدمی نے سوالیہ انداز میں آنکھیں نکالیں۔

”کچھ بھی نہیں جناب.... وہ جیل میں ہے اور میں کچھ دیر پہلے بالکل آزاد تھا۔“ جوزف نے لارپووالی سے کہا اور جماں لے کر منہ چلانے لگا۔

”مجھے اس کا بھی علم ہے کہ تم بڑے پیکر ہو۔“ محترم آدمی زہریلے انداز میں مسکرا یا۔ ”شاید نہ اکھڑ رہا ہے۔“

”ہاں بہت دیر سے نہیں پی۔“

پہلے تو ایسا معلوم ہوا تھا جیسے محترم آدمی کچھ اور بھی کہے گا لیکن پھر وہ کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ دھنٹا چونک کر بولا۔ ”فائل ٹی سی سکشی تحری لاؤ۔“

سب انسپکٹر کرے سے چلا گیا اور محترم آدمی جوزف کو نہ تکر نظر وں سے دیکھا رہا۔

تحوڑی دیر بعد سب انسپکٹر فائل سیست و اپن آیا۔

محترم آدمی نے مضطربانہ انداز میں فائل اسکے ہاتھوں سے جھپٹ لیا تھا اور دیر تک اسکی درق گردانی کرتے رہنے کے بعد پھر جوزف کی جانب اس طرح متوجہ ہوا تھا جیسے چھاڑتھی تو کھائے گا۔

”ہوں! تو تم عمران کے ساتھ ہو آج کل....!“ اس نے غصیل لمحے میں کہا۔

جوزف نے اعتراف میں سر ہلا دیا لیکن اس کا چہرہ بالکل ساپٹ تھا....

”عمران کہاں ہے۔ ہمیں عرصہ سے اس کی تلاش ہے۔“

”ان کی تلاش کیوں ہے آپ کو۔“ جوزف نے نہ سکون لمحے میں پوچھا۔

”اس لئے کہ عادل آباد کی ایک عدالت کا سمن آج تک اس پر قبیل نہیں کر سکا ہد سمن لینے سے گریز کر رہا ہے۔“

”ہو گا....!“ جوزف نے لاپووالی سے شانوں کو جبکش دی۔ ”اپنے معاملات وہ خود ہی جانیں۔“

”نہیں تم بھی جانو۔... تمہیں بتانا پڑے گا کہ وہ کہاں مل سکے گا۔“ محترم آدمی میر پر ہاتھ مار کر دھڑا۔

”میں نہیں جانتا۔... وہ کہاں ہیں۔“

”لے جاؤ۔“ محترم آدمی حلقت کے مل چینا۔ ”مرمت کرو۔“

ٹھیک اسی وقت وہ محترم رینا سیست کرے میں داخل ہوا جو کرتل حیدر کا بیان لکھنے کے لئے وہیں رہ گیا تھا۔

”کیوں؟ کیا ہے؟“ سب اسپرٹ نے پوچھا۔  
”جباب مجھے اس حورت کو بھی ساتھ لانا پڑا مجھے شبہ ہے کہ یہ محفل برداشت کی حیثیت نہیں رکھتی۔“

”یہ کون ہے؟“ معمراً دی نے سب اسپرٹ سے پوچھا۔

”جی وہی حورت جس کا نذر میں نے کیا تھا۔“

”اوہ....!“ وہ اُسے گھوڑتا ہوا بولا۔ ”تم بتاؤ عمران کہاں ہے؟“

”مم... میں... یہ نام میرے لئے بالکل نیا ہے۔“

”یہ ٹھیک کہتی ہیں۔ میری ان سے آج ہی ملاقات ہوئی تھی۔“ جوزف نے پاٹ آواز میں کہا۔

”تم جواہرات کی برداشت کرو۔“ معمراً دی نے رینا سے پوچھا۔

”جی ہاں۔“

”یہ اپنے فعلی جواہرات تمہارے توسط سے فروخت کرنا چاہتا تھا....!“

”جج....جی ہاں....جی ہاں۔“

”اور اس نے تمہیں اپنا نام شیخ حمزہ کو دیا۔ بتایا تھا۔“

”نن... نہیں... جی ہاں۔“

”اوہ.... سب بکواس ہے۔“ معمراً دی پھر میز پر گھونسہ مار کر دہازد۔

”دونوں کو لے جاؤ.... انہیں اگلنا پڑے گا۔“



ٹرانسپلر پر ایک نوکی بھرائی ہوئی آواز کوڈ ورز میں پیغام نشر کر رہی تھی اور اس کے سارے ماتحت مختلف مقالات سے اُسے نوٹ کر رہے تھے۔

”وپنی کلکٹر طاہر صدیقی کے بنگلے کے ساتھے والی عمارت بے حد اہم ہے۔ لڑکی وہاں لے جائی گئی تھی لیکن اُسے دوبارہ نکلتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ اس کے باوجود بھی عمارت خالی پڑی ہے۔ لڑکی کا سراغ اب تک نہیں مل سکا۔ عمارت کی کڑی مگر انکی کی جائے.... اور....!“

پیغام وصول کرنے والوں میں صدر بھی تھا۔ لیکن یہ پیغام خاص طور پر اس کیلئے نہیں تھا۔ اُسے تو پہلے ہی حکم مل چکا تھا کہ وہ ہوٹل ہی میں رہے۔ مقدمہ جو کچھ بھی رہا ہو۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک نوکی ہدایت کے مطابق اُسے دوسروں کیلئے پیغام نشر کرنے پڑتے تھے۔ مثلاً

کچھ دیر پہلے اس نے جوزف سے ”تعلق پیغام نشر کیا تھا کہ جوزف اور رینا کا تعاقب نہ کیا جائے۔ یہ پیغام اُسے الفاظ کی بجائے صوتی اشاروں میں موصول ہوا تھا اور اس نے متعلق لوگوں کو کوڈ ورز میں مطلع کیا تھا۔ یہ صوتی اشارے صرف صدر کے لئے مخصوص تھے۔ ایکس نو کے دوسرے ماچتوں کو ان کا علم نہیں تھا۔

لیکن صدر کو حیرت تھی کہ آخر جوزف کا تعاقب کرنے سے کیوں روکا گیا ہے جبکہ رینا کے بارے میں یقین کیا جا چکا تھا کہ وہ انجمن پیاساکاں کی ایک سرگرم رکن ہے اور ان لوگوں سے تعلق رکھتی ہے جو عمران کی علاش میں ہیں۔

پہنچنے والے کہاں لے گئی ہو؟ کیا لگزدی ہو اُس پر؟

بڑی دیر تک وہ ان کے بارے میں سوچتا اور الجھتا رہا۔ پھر خیال آیا ممکن ہے خود ایکسلو نے ان کا تعاقب کیا ہو۔ اس معاملے کو دوسروں پر چھوڑنا مناسب نہ سمجھا ہو۔



جوزف ایک ستون سے بندھا کر اقتدرا۔ پشت بندگی اور اس پر لمبی لمبی انہری ہوئی دھاریاں سی نظر آرہی تھیں۔ جوزف کامنے ستون کی طرف تھا اور قریب رینا کھڑی سکیاں لے رہی تھیں۔ آخر اس نے رفت آمیز آواز میں کہا۔

”جوزف جھوٹ موت ہی کسی جگہ کا نام لے دو۔“

”کیوں....؟“

”ورنہ یہ لوگ مارڈا میں گے۔“

”مارڈا میں۔“ جوزف نے لاپرواں سے کہا۔

”میرے خدا کتنی بے دردی سے پیٹ رہے تھے.... شائد چوپا ہوں پر بھی انہیں رحم آجائنا لیکن تم پر نہ آیا۔“

”مارا اور مار کھانا میرا پیشہ ہے۔“ جوزف نے غصیلی آواز میں کہا۔

”میں فائز ہوں۔“

”لیکن مجھ سے نہیں دیکھا جاتا۔ میں نے ہی تمہیں اس مصیبت میں پھنسایا ہے۔“

”بھول جاؤ۔“ جوزف غریا۔ ”بُرنس میں اکٹھ خارہ بھی ہو جاتا ہے۔“

”تم نہیں سمجھے۔ نہیں سمجھ سکتے.... تم بہت اوپنے آدمی ہو جوزف.... تمہارے سیاہ قام

سینے میں ایک پُر نور دل ہے۔  
”میں نہیں جانتا۔۔۔ تم اگر مجھے پٹنے نہیں دیکھ سکتیں تو ان سے کہو کہ تمہیں کہیں اور لے جائیں۔۔۔“

”اوہ۔۔۔ جوزف۔۔۔ جوزف۔۔۔ میں آدمی کی بچی ہوں۔۔۔ مجھے کسی کہتیانے نہیں جنم دیا تھا۔۔۔ میں کیا کروں۔۔۔“

”کچھ سمجھ میں نہیں آتا تو یہ کرو کہ میرے سامنے کھڑی ہو کر اس قسم کی باتیں نہ کرو۔ کسی دوسرے گوشے میں چل جاؤ۔۔۔“

”اوہ۔۔۔ پھر آرہے ہیں۔۔۔ اوہ خدا۔۔۔!“

دفاتر روازہ کھلا اور سب اسپنٹر کمرے میں داخل ہوں۔  
وہ چند لمحے جوزف کو حقارت آمیز نظروں سے دیکھا رہا پھر بولا۔ ”یہ تو بہت ہلکی قسم کی ورزش تھی اب جو محشرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔“

”مجھے ہٹاؤ ہیاں سے خدا کے لئے میرے سامنے۔۔۔“

”تم خاموش رہو۔ دیکھو اور اسے مجبور کرو کہ عمران کا پتہ بتادے۔“

”میں قسم کھا سکتی ہوں کہ یہ نام میرے لئے بالکل نیا ہے۔“

”لیکن اس کلوٹے سے تو بہت پرانی دوستی رکھتی ہو۔“

”ہم آج یہی ملے تھے۔“ جوزف غریا۔ ”لیا تم سن نہیں سکتے۔ بہرے ہو۔“

”ابھی بتا ہوں کہ میں کیا ہوں۔“ سب اسپنٹر نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

دروازہ پھر بند ہو چکا تھا۔

”میں کیا کروں۔ میں کیا کروں۔“ ریٹا اپنے بال مٹھیوں میں جکڑتی ہوئی بڑی بڑی پھر جوزف سے بولی۔ ”خدا کے لئے کوئی اتنا سیدھا پتہ بتادو۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ہمیں چھوڑ دیں گے اور جو اہرات والے معاملے کو بھی آگے نہ بڑھائیں گے۔ تمہارا نقشان ہی کیا ہے اگر وہ تمہارے بتائے ہوئے پتہ پر اسے نہ پاسکے تو تم کہہ سکو گے ممکن ہے وہ تمہیں اطلاع دیئے بغیر کہیں اور چلا گیا ہو۔“  
”وہ اسے پالینے کے بعد ہی مجھے چھوڑیں گے۔“ جوزف نے کہا۔

”اس کی ذمہ داری میں لیتی ہوں۔۔۔ اچھا میں تمہیں ایک پتہ بتائی ہوں تم وہی دہرا دینا۔“

”تم کس طرح ذمہ داری لے سکتی ہو۔“ جوزف نے اسے گھوڑتے ہوئے پوچھا۔

”وہ قریب آکر آہستہ سے بولی۔“ جس طرح تم نے ہیروں والا معاملہ قطعی طور پر اپنے سر

اوڑھ لیا تھا۔“

”وہ تو بزرگ تھا۔ اس پاریا اس پار۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ میں خود کو ان ہیروں کا مالک ناہر کروں گا۔ لہذا اب تک کتنے جارہا ہوں۔“

”لیکن یہ تو سوچوں کے میں نے تم سے فراڈ کیا تھا۔ تمہیں بتایا نہیں تھا کہ ہیرے نقلی ہیں۔“

”کچھ بھی ہو۔۔۔ جوزف بالا صول آدمی ہے جو بات ایک بار زبان سے کہہ دی اسے پتھر کیلیں سمجھو۔۔۔ میں کہہ تو رہا ہوں کہ میں اس کو خارے کا سودا سمجھ کر سب کچھ برداشت کروں گا۔ بزرگ میں خارہ ہونے کی بنا پر ہم فریق غالی کو مار تو نہیں بیٹھتے۔“

”تم کچھ بہت اونچے ہو۔۔۔ نجی ہٹاؤ میرے حسن سے تو متاثر نہیں ہوئے۔“

”چھی۔۔۔!“ جوزف بُر اسامہ بتا کر بولا۔ ”مجھے ہر سفید قام سے نفرت ہے خواہ دہ مرد ہو خواہ عورت۔۔۔!“

”اس کے باوجود بھی۔“

”ہاں۔۔۔ زبان۔۔۔ زبان دے چکا تھا تمہیں۔۔۔ اب چاہے گردن کٹ جائے۔“

”میں نے تمہیں بہت بڑا دھوکا دیا ہے۔ خدا مجھے معاف کرے۔ زندگی میں پہلی بار اپنی کسی حرکت پر پچھتاوا ہوا ہے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”سب کچھ بتا دوں گی خدا کے لئے تم میرا بتایا ہوا پتہ انہیں بتا دو۔“

جوزف جیرت سے آنکھیں چھاڑے تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ ”اچھی بات ہے۔ میں انہیں تمہارا بتایا ہوا پتہ بتا دوں گا۔“



صیبح نے وہ رات اپنے کمرے میں ٹھیل کر گزاری جیسے ہی کلاک نے پانچ بجائے کمرے سے باہر آگئی۔ ابھی گھر والے سور ہے تھے۔ اس نے سوچا کہیں وہ گھری نیند سور ہا ہو۔ سوتا ہی رہ جائے اور گھر کا کوئی فرد اسے کوٹھری میں دیکھ لے۔

وہ برآمدے سے گذرتی ہوئی لان تک آئی۔ چند لمحے کھڑی ادھر ادھر دیکھتی رہی پھر کوٹھری کی طرف چل پڑی۔

وہ سوچ رہی تھی کہ بچپنی رات وہ اتنا مظلوم تھا کہ سونے سے قبل دروازے کی کنڈی بھی

نہیں چڑھائی تھی۔ حالانکہ اُسے جھاتا رہنا چاہئے تھا۔  
اس وقت بھی اُس نے جیسے ہی دروازے پر ہاتھ رکھا و نوں پاٹ کھل گئے۔ وہ اندر آئی  
تارچ روشن کی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اچھل کر پیچے ہٹ گئی۔ چارپائی پر اختیر کی بجائے کوئی  
اور چوت پڑا ہوا تھا۔  
وہ بوکھلا گئی۔ لیکن جلد ہی اپنی اس بوکھلاہست پر ہنسی بھی آنے لگی۔ اُس نے سوچا اے  
بہر و پ بھی تو بھر سکتا ہے وہ۔ کہیں اب کوئی دوسرا میک اپ نہ اختیار کیا ہو۔  
دبے پاؤں چلتی ہوئی وہ چارپائی کے قریب آئی اور موچھ کے سرے کو چنگی سے پکڑ کر زور کا  
جھٹکا مارا۔ خیال تھا کہ نعلیٰ موچھ اکھڑتی چلی آئے گی۔ لیکن وہاں تو اُس جھٹکے کے ساتھ سر ہی اوپر  
اختیاڑا چلا آیا تھا۔  
بوکھلاہست میں گرفت ڈھلی پڑ گئی اور سر تکنے پر جا پڑا۔ لیکن جسم میں جنبش تک نہ ہوئی۔

اس حرکت پر شاید بیہوش آدمی کی بھی چیخ نکل چاہی۔  
یہ اختیر نہیں ہو سکتا۔ ہرگز نہیں۔۔۔ اُس کی موچھ تو نعلیٰ ہی ہو سکتی تھی۔ جو نہایت آسانی  
سے اکھڑتی۔ پھر یہ کون ہے۔ اس کے کان پر توجہ بھی نہ رکھی۔  
اُس نے پھر تارچ روشن کی لیکن ٹھیک آئی وقت کسی نے آہستہ سے کہا۔ ”تارچ بجھاد و اور  
یہاں سے چلی جاؤ۔“

وہ اچھل کر مڑی۔ اختیر سامنے کھڑا ٹپکیں جھپکا رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر تارچ اس سے لے  
لی اور اس کا سونچ آف کر دیا۔

”یہ کون ہے؟“  
”خاموش رہو۔۔۔ بلکہ یہاں سے چلی ہی جاؤ تو بہتر ہے۔ اجالا پھینے سے پہلے میں اسے یہاں  
سے نکال لے جانا چاہتا ہوں۔“

”یہ کون ہے۔ اسے کیا ہوا ہے۔ کیا بیہوش ہے۔“  
”نہیں مر چکا ہے۔“  
”کیا مطلب۔۔۔!“  
”یہ انہیں لوگوں میں سے ہے۔ پولیس کے ساتھ یہ بھی تھا غالباً صرف اسے ہی خدا شے تھا  
کہ میں رات بیٹھیں بس کروں گا۔ تھا آیا تھا۔“  
”لیکن مرا کیسے۔۔۔!“ وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

”وہ نہ مرتا تو میں مر جاتا۔ اب جاؤ۔“ وہ اُسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔  
صیبیہ کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ ذہن میں آندھیاں سی اٹھ رہی تھیں۔ وہ بے چوں و چڑا  
دروازے کے باہر نظر آئی اور پھر قریب ہی جھاڑیوں میں چھپ رہنا بھی مشینی ہی طور پر عمل  
میں آیا تھا۔ ارادے کو اس میں دغل نہیں تھا۔  
کچھ دیر بعد اُس نے دیکھا کہ اختیر ایک بڑا سائبیل اپنی پشت پر لادے کو ٹھری سے برآمد  
ہو رہا ہے۔ اتنا اندر ہیرا بھی نہیں تھا کہ وہ دیکھے ہی نہ سکتی۔  
وہ چھاٹک کی طرف جانے کی بجائے اُسی طرف جا رہا تھا جدھر سے دو پھر کو دیوار پھلا گکر  
بھاگا رہا۔



صحیح ہوتے ہوتے ایک بار پھر جوزف کی پٹائی ہوئی اور اُس نے ریٹا کا بتایا ہوا پتہ دھرا دیا۔۔۔  
لیکن اُسے یقین نہیں تھا کہ وہ اُسے چھوڑ دیں گے۔ ایک جرم میں بھر حال ملوٹ ہو چکا تھا۔  
سب ان پکڑا پنے ساتھیوں سمیت باہر چلا گیا اور جوزف نے ریٹا سے سکرا کر کہا۔ ”تمہارا  
خیال تھا کہ پتہ بتاتے ہی وہ ہمیں رہا کر دیں گے۔“  
”تم فکر نہ کرو۔۔۔ انہیں اپنا اطمینان کر لینے دو۔۔۔ ٹھیک ہے وہ ہمیں اُسی وقت چھوڑیں  
گے جب ہمارے بتائے ہوئے پتہ پر دیکھ بھال کر لیں۔“  
”میں نہیں سمجھ سکتا کہ ناکاہی کے بعد وہ کیسے یقین کر لیں گے کہ میں نے صحیح پتہ بتایا تھا۔“  
”میں دیکھ لیں گی۔“  
”تمہارا دیکھ کیل کہاں ہے۔“  
”اب کیا بتاؤں۔ کچھ دیر کے لئے خاموشی ہی اختیار کرو۔“  
”اگر کچھ دیر اور شراب نہ ملی تو ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جاؤں گا۔“  
”تم اتنی زیادہ کیوں پتیتے ہو۔“  
”میں نے آج تک اس پر غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں بھی۔ اچھا ب مجھے کچھ دیر  
سو نے دو۔“  
”اس طرح کھڑے کھڑے نیند آجائے گی اور یہ لمبے لمبے زخم۔۔۔ کیا تم ان کی موجودگی میں  
سو سکو گے۔“

محوس کر رہی تھی۔ اُس نے گلاں میں انٹیل کر پہلے جوزف کی طرف بڑھائی۔ جسے وہ ایک ہی سانس میں پی گیا اور گلاں دوبارہ ستائی کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ تمہیں جتنی لیتی ہو لے کر بتوں میرے حوالے کرو۔“

رینا نے اپنے گلاں میں تھوڑی سی انٹیلی تھی۔ شاید اُس سے زیادہ پی بھی نہ سکتی کیونکہ پانی ملائے بغیر پینے کی عادت نہیں معلوم ہوتی تھی۔

رینا جوزف کی طرف پھر بتوں بڑھاہی رہی تھی کہ ڈرائیور غریل۔ ”میں قارون نہیں ہوں۔۔۔ لاو بوقت اور ہر دو۔“

”مجھے افسوس ہے۔“ رینا نے کہا اور بوقت ڈرائیور کی طرف گھادا۔ جسے جھیکے کے ساتھ اُس کے ہاتھ سے لے لیا گیا۔

رینا نے سر بھاری سامحوس کیا۔۔۔ جوزف کی طرف دیکھا وہ بھی پھر اوگنھنے لگا تھا۔ آہستہ آہستہ دونوں کی آنکھیں بند ہو گئیں۔



دوبارہ رینا کی آنکھ کھلی تو بدھواس ہو گئی کیونکہ اُس اجنبی کی گاڑی میں ہونے کی بجائے خود کو ایک آرام دہ مسہری پر پیالا تھا۔۔۔ اور جوزف کا کہیں پتہ نہ تھا۔ وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھی۔ یہ کسی کی خواب گاہی تھی۔

دروازہ کھلانظر آیا۔ وہ تیزی سے اٹھی اور نئے چیرہ دروازے کی طرف چھپی۔ دروازے سے گذر کر دوسرے کمرے میں آئی یہاں جوزف کو دیکھا جو مسہری پر پڑا جسم تان کر جمایاں لے رہا تھا۔

”ہم کہاں ہیں۔“ وہ اُس کی جانب چھپتی ہوئی بولی۔

”ایں۔۔۔!“ وہ بھی بوکھلا کر اٹھ بیٹھا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔

”اب ہم یقیناً کسی بڑی مصیبت میں پڑنے والے ہیں۔“ رینا نے آہستہ سے کہا۔

”میں نہیں سمجھا۔“

”ہم اُسی گاڑی میں تھے تا۔“

”ہا۔۔۔ ہا۔۔۔!“ جوزف نے احتمانہ انداز میں آنکھیں نکال کر سر ہالا۔

”تو پھر یہاں کیسے پہنچ۔“

”ہاں مجھے نہیں آجائے گی۔۔۔ تم فکر نہ کرو۔“ رینا خاموش ہو گئی۔ جوزف نے اُس سے یہ بھی نہ کہا کہ اگر وہ چاہے تو اُسے اُس رہی سے نجات دل سکتی ہے جس نے اُسے ستون سے جکڑا کھا تھا ذرا اسی دیر میں وہ گھری نہیں سو گیا۔

پھر اُسی وقت آنکھ کھلی تھی جب اُسے رہی کے بلوں سے آزاد کیا جا رہا تھا۔ آنکھ کیا کھلی تھی لب وہ اسی قدر بیدار تھا کہ چونکاۓ جانے پر اپنے جسم کو پولیس والوں کے احکامات کے مطابق حرکت دے سکے۔

انہوں نے کسی کاغذ پر اُس کے دستخط بھی لئے تھے۔ اس کے بعد ان دونوں کو پھر اُسی بند گاڑی میں بھادیا گیا تھا جس پر جوزف یہاں تک لایا گیا تھا۔

وہ گاڑی پر بیٹھا اونگٹا رہا۔ بھی اس کے قریب ہی بیٹھی تھی دن کے گیارہ بجے تھے۔ اس بند گاڑی کے ڈرائیور نے انہیں ایک سنان سڑک پر اتار دیا۔۔۔ اور گاڑی ڈرائیور کی دیر میں ان کی نظر وہ اونچل ہو گئی۔

جوزف خاموش تھا۔ آنکھیں کھلی ہوئی ضرور تھیں لیکن بیدار نہیں معلوم ہوتا تھا۔ وہ سڑک کے کنارے کھڑے رہے۔ جوزف بدستور خلاء میں گھورے جا رہا تھا۔

دفعاً ایک کار دکھائی دی۔۔۔ اور ساتھ ہی اس کی رفتار بھی کم ہوتی رہی اور پھر وہ ٹھیک اُس جگہ آر کی جہاں وہ دونوں کھڑے تھے۔

”لفٹ چاہئے۔“ ڈرائیور نے والے نے کھڑکی سے سر نکال کر کہا اور جوزف بیسانٹ اچھل پڑا۔۔۔ منہ کی قدر کھلا تھا لیکن پھر دانت بختی سے ایک دوسرے پر جم گئے تھے۔

”بہت بہت شکریہ۔۔۔!“ رینا بولی۔ ”میرا ساتھی بیمار ہے۔“ اُس نے پچھا دروازہ کھول کر جوزف سے اندر بیٹھنے کو کہا اور اُس کے بیٹھ جانے کے بعد خود بھی بیٹھ کر دروازہ بند کر دیا۔

”کہاں جاتا ہے۔“ ڈرائیور نے پوچھا۔

”پہلے کسی بار میں لے چلو۔۔۔ میرا ساتھی بیمار ہے۔ برائی اس کے لئے مفید ہو گی۔“

”اوہ۔۔۔ برائی تو میرے پاس بھی موجود ہے۔ اگر کسی کام آسکے۔“

اُس نے سیٹ کے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک بوقت نکالی جو جو تھائی خالی تھی۔ موی کاغذ کے دو گلاں نکالے اور پچھلی سیٹ کی طرف بڑھا دیئے۔

”بہت بہت شکریہ۔۔۔!“ رینا بولی۔ شائد وہ خود بھی کچھ پینے کی ضرورت شدت سے

"اوہو....! دھا چل کر کھڑا ہو گیا۔

پھر وہ پوری عمارت میں گھوتے پھرے لیکن باہر جانے کے لئے کوئی ایسا دروازہ نہ مل سکا جو مغلل نہ ہوتا۔ پوری عمارت میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

وہ ٹھک ہار کر بیٹھ گئے۔ دونوں ہی خاموش تھے۔ اس وقت ایک ایسے کمرے میں تھے جسے لا بھریری ہی کہا جاسکتا تھا۔ چاروں طرف الماریوں میں کتابیں لگی ہوئی تھیں اور ایک بڑی میز تھی جس کے گرد کئی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔

دھفاریٹا نے میز پر سادہ کاغذ کا ایک ٹکڑا اٹھایا اور قریب ہی پڑی ہوئی پھل سے اس پر لکھنے لگی۔ "میا تم لکھ پڑھ سکتے ہو۔"

اور وہ کاغذ جوزف کی طرف بڑھا دیا۔ جوزف اُسے دیکھ کر اثاثت میں سرہلاتے ہوئے مسکرا لیا۔ رینا پھر لکھنے لگی۔ "میں نہیں چاہتی کہ ہماری آوازیں سنی جائیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں ڈکٹافون پوشیدہ ہوں۔ میں نے ابھی تک تمہیں دھوکے میں رکھا ہے لیکن یقین کرو اُسی وقت سے میرے دل میں تمہارے لئے ہمدردی کا جذبہ جاگ اٹھا تھا جب تم نے کرنل جیدر کے یہاں سارے اڑامات اپنے سر لے لئے تھے میں تمہارے ناپ کو واچھی طرح سمجھتی ہوں۔ تم کبھی کسی عورت سے جنسی طور پر متاثر نہیں ہو سکتے۔ تمہارا وہ اقدام محض اصولوں کے تحت تھا۔ تم ایک ایماندار آدمی ہو۔ تمہاری انسانیت نے مجھے متاثر کیا تھا۔ لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ میں کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ پولیس والے نہیں تھے۔ بس انہیں تمہارے باس کی تلاش ہے۔ میں انہیں لوگوں کے لئے کام کر رہی ہوں۔ کرنل جیدر پہلی بار میرے سامنے آیا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ بھی انہیں لوگوں سے تعلق رکھتا ہو۔ اسکیم یہ تھی کہ مجھے اور تمہیں ایک جگہ بند کر دیا جائے تمہیں یہ ذہن نشین کرانے کی کوشش کی جائے کہ پولیس کو تمہارے باس کی تلاش ہے۔ اگر اس کا پتہ تباہ تو جواہرات کے سلسلے میں فریب دہی کا مقدمہ بھی تمہارے خلاف نہیں قائم کیا جائے گا۔ میں تمہیں اس پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتی۔ میں نے دیکھا کہ تم نری طرح پٹر ہے ہو لیکن پتہ نہیں بتاتے تو میرا دل پھٹنے لگا۔ میں نے تمہیں اس پر آمادہ کیا کہ میرا بتایا ہوا پتہ تم انہیں تباہ تو اسکی اس اذیت سے تو بجات مل جائے۔ وہ تمہارے بتائے ہوئے پتہ پر اسے تلاش کرتے رہے۔ واپسی پر شائد تمہیں جان ہی سے مار دیتے لیکن میں نے انہیں مشورہ دیا کہ تمہیں چھوڑ دیا جائے۔ میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ میں اُس کا اعتقاد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی ہوں۔ کسی دوسرے طور پر اسے مجبور کروں گی کہ اپنے بارس کا صحیح پتہ بتا دے۔ یہ

ہے پوری داستان.... اب خیال ہے کہ انہیں مجھ پر بھی شبہ ہو گیا ہے۔ اس لئے وہاں سے نکل کر زیہاں بند کیا ہے۔"

رینا نے پھل ایک طرف رکھتے ہوئے کاغذ جوزف کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اُسے غور سے پڑھتا اور سر ہلا تارہا۔ پھر خود بھی پھل اٹھا کر لکھنے لگا۔ "انہوں نے شائد کسی کاغذ پر میرے دستخط لئے تھے۔ اُس کاغذ کی کیا نو عیت تھی؟"

"اس اعتراف پر دستخط لئے تھے کہ تم نے جواہرات کے سلسلے میں کرنل جیدر کو دھوکہ دینے کی کوشش کی تھی۔" رینا نے لکھا۔

"لیکن جب وہ پولیس والے تھے ہی نہیں تو....!" جوزف نے لکھا لیکن رینا نے جملہ پورا نہ کرنے دیا۔

"بھنھے کی کوشش کرو۔ پولیس والے اتنی پہنچی کرنے کے بعد کہ زخم تک ہو گئے ہوں کسی اعتراف نامے کے بغیر نہیں چھوڑ سکتے اگر ایسا کریں تو خود ان کے خلاف وہی آدمی قانونی کارروائی کر سکتا ہے۔"

"لیکن وہ پولیس والے نہیں تھے۔" جوزف نے لکھا۔

"وہ دراصل تمہیں باور کرنا چاہتے تھے کہ وہ پولیس والے ہی ہیں تاکہ مجھ پر تمہارا اعتقاد بدستور برقرار ہے۔"

جوزف تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ "بالکل سمجھ گیا ہوں۔"

"شش....! اُس نے ہونوں پر انگلی روکھ کر اُسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

"میا تم سمجھتی ہو کہ میں بھی تمہاری طرح یہو شہ ہو گیا تھا۔" جوزف نہ کر بولا۔

"اگر ایسا ہی ہے تو بھی خاموش رہو۔" رینا نے پھل اٹھا کر کاغذ پر لکھا۔

"ختم کرو۔" جوزف نہ اسامنہ بنا کر بولا۔ "میں نے ایک ہی گلاس تو پی تھی۔ اس اتنی شراب میں جتنی خواب آور دوا ہو سکتی تھی اس نے مجھے اپنی مقدار سے کہیں زیادہ سر در بخش دیا تھا بس....!"

رینا نے بوکھلا کر لکھا۔ "خدا کے لئے خاموش رہو۔ ورنہ ہم دونوں ہی جان سے مار دیجے گائیں گے۔"

"نکرنا کرو۔" بھی جن چون کرماء جائیں گے جنہوں نے یہ چکر چلایا ہے۔ تم میرے بار کیا سمجھتی ہو۔ ارے خدا نے دس بزار آدمیوں کی عقل اُسے عطا کی ہے۔ تم سیا سمجھتی ہو۔

”میں اپنے باپ کو بھی اُس پر قربان کر سکتا ہوں۔“

وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔ ”مجھے رات کی ڈیوٹی پر پہنچنا ہے۔“

”تم ضرور پہنچوگی مطمئن رہو۔ ہم تمہیں قید میں نہیں رکھیں گے۔ میرا باس جرام پیشہ عورتوں کی بھی بے عزتی پسند نہیں کرتا۔ وہ کہتا ہے عورت چاہے جیسی ہو ہر حال میں متبرک ہستی ہے کیونکہ اُس نے پیغمبر و ولیوں اور بڑے بڑے برگوں کو جنم دیا ہے۔“



سُنگ ہی تین دن سے ساجدہ کو راہ پر لانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن انہیں تک کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت بھی وہ اُس سے کہہ رہا تھا۔

”چلو.... میں نے تسلیم کر لیا کہ تم انجمن کی وفادار ہو اور عمران کے پنج سے نکلنے کی کوشش کرتی ہو۔ لیکن اس میں کیا برائی ہے کہ تم پہلے بھی اس برائی میں ملوث رہ چکی ہو۔ اُس مل اوز کے لڑکے بنے۔“

”ہاں....! ساجدہ سر ہلا کر بولی۔“ لیکن بعد میں اُسی مل اوز کے لڑکے کی پہلی کو دوہیاں بھی میں نے توڑ دی تھیں۔“

”ارے تم بعد میں میرا بھی قیمة کر دینا.... مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ دیکھو مان جاؤ۔.... میں اس معاملے میں بے حد شریف آدمی واقع ہوا ہوں۔ اگر چاہتا تو تم فتح نہیں سکتی تھیں۔ لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا۔.... عورت تو ایک نرم و نازک پھول ہے۔.... اس کے لئے قہاب بن جانا کم از کم میری جمالیاتی حس تو برداشت نہیں کر سکتی۔“

”واقعی بڑے خوش ذوق ہو۔“ ساجدہ مسکرانی۔ ”اچھا میں ایک تدبیر بتاتی ہوں۔ اب تم اللہ میاں سے دعا مانگو کہ میں راہ پر آ جاؤں۔.... اپنے فلسفے سے تو بے حد بور کر چکے ہو اور اُس کے خلاف میرے دلائل بھی سن چکے ہو۔.... اور میں تمہیں بتاؤں۔.... تم دراصل اپنے بارے میں غلط فہمی میں بتتا ہو۔“

”میں نہیں سمجھتا۔“

”تم دراصل ایک بیش از م کے مریض ہو اور بس....!“

”کئی بڑے آدمی اسی مرض میں بتلا رہے چکے ہیں۔ ان میں ٹالی ٹاک رو سو بھی تھا۔ رو سو کے اعتراضات پڑھے ہیں تم نے۔“

تمہیں یہاں کون لا لایا ہے؟“

”کون لا لایا ہے....؟“ ریٹانے بے سانتہ پوچھا۔

”میرا باس....!“

ریٹا چھل پڑی۔

”ہاں وہ میرا باس تھا۔ وہ اپنے خادموں کی طرف سے کبھی اور کسی حال میں بھی غافل نہیں رہتا۔“

”تب تو نہیک ہے۔“ ریٹا یک بیک چکنے لگی۔ ”مجھے بھی اُس کی صورت کچھ جانی پہچانی سی گی تھی کیونکہ ہم لوگ اس کی تصویر دیکھے چکے ہیں۔ شائد ایک میرے ویٹنی یہی میں بھی پڑی ہو۔ لیکن اب کیا ہو گا۔“

”باس جانے!“ جو زف نے لاپرواں سے کہا۔

”باس....! اُوہ میں تمہارے باس کو قریب سے دیکھنا چاہتی ہوں۔“

”کیوں....؟“ جو زف کسی شکاری کتے کی طرح چونا نظر آنے لگا۔

”وہ سب اُس سے بہت خاوف میں۔ اُسے تلاش کر کے قتل کر دینا چاہتے ہیں۔ انجمن نے کبھی کسی کی پروداہ نہیں کی۔“

”تمہارا باس کون ہے۔“

”جشید کیانی.... یہاں کا سب سے بڑا یہودی کیت.... وہ عمر آدمی جس نے بڑے پولیس آفیسر کا روں ادا کیا تھا۔ جشید کیانی ہی تو تھا....؟“

”وہ کیا چاہتا ہے؟“

”فی الحال تو بھی چاہتا ہے کہ تمہارے باس کو تلاش کر کے قتل کر دیا جائے۔“

”مجھے اپنے باس سے ملاو۔“

”کہاں سے ملاو....؟ وہ ہمیں یہاں چھوڑ کر نہ جانے کہاں چلا گبا۔“

”لیکن تم پر اس حد تک اعتماد نہیں کرتا کہ تم اُس کے پتے سے واقع ہو۔“

”میں خود ہی نہیں چاہتا کہ وہ مجھے پر اس حد تک اعتماد کرے۔“

”کیوں....؟“

”ہو سکتا ہے کسی قسم کی اذیت مجھ سے اس کا پتہ اگلوای لے۔“

”تو تم اس کے لئے جان دے سکتے ہو۔“

سنون کی موقوع ایسے بھی آئے جب میں اُسے ہمیشہ کی نیند سلاسلت تھا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔  
”کیوں...؟“

”ایک انجمن اسالگا مجھے روک دیتا ہے۔“

”کیا تم اُسے بہت دنوں سے جانتے ہو۔“

”ہاں اُس وقت سے جب وہ لندن میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔“

”اُس کا پیشہ کیا ہے۔“

”پولیس کے لئے کام کرتا ہے۔ اکثر پرائیوٹ کیسز بھی لے لیتا ہے۔“

”انجمن سے کیوں بگڑ گئی اس کی... اور اسے اس کا علم کیسے ہوا کہ انجمن غیر قانونی حرکات کی مترجم بھی ہوتی رہتی ہے۔“

”پروفیسر راشد کی حمافت کی بناء پر انجمن روشنی میں آئی تھی ورنہ سارے کام بخوبی انجام پاتے رہتے... وہ میرے متعلق معلومات حاصل کرنے کیلئے عمران کے پاس دوڑا گیا تھا۔“

”تم کیا چاہتے تھے پروفیسر راشد سے...!“

”میں اس کا خاتمه چاہتا تھا۔“

”کیوں؟ کیا وہ پوری تنظیم کا صدر نہیں تھا۔“

”یقیناً تھا...! لیکن جس ملک کے لئے انجمن کام کر رہی ہے وہ اُس سے نداری پر آمادہ ہو گیا تھا وہ پوری تنظیم کو اس طرح ایک دوسرے ملک کے حوالے کر دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ انجمن کے کسی فرد کو اس تبدیلی کی ہوا بھی نہ لگنے پاتی اور وہ اسی طرح کام کرتی رہتی۔“

”وہ جانتا تھا کہ تم اُس کے پیچھے ہو۔“

”اُسے علم ہو گیا تھا لیکن یہ نہیں جانتا تھا کہ میں کیوں اُس کی تاک میں ہوں۔ دراصل انجمن کے قیام کے بہت پہلے میرے اور اس کے تعلقات رہے ہیں۔ ہم دونوں ہی ہیروں کے خط میں بتلاتھے اور اکثر ان کے لئے ساتھ ہتھی پیر و نی ممالک کا سفر کرتے رہتے تھے۔ ایک بار کسی بات پر جھکڑا ہوا اور یہ اتنا بڑھا کر میں نے اُسے مار دالنے کی قسم کھالی۔ پھر عرصہ تک ہم ایک دوسرے سے بے خبر رہے۔ میں اُس ملک کے لئے کام کرنے لگا جس کے لئے راشد نے انجمن بنائی تھی۔ لیکن ہم دونوں ایک دوسرے کے حالات سے بے خبر رہے۔ دیسے ساری دنیا میں میرے متعلق یہی رائے قائم کر لی گئی تھی کہ میں مر چکا ہوں۔ پھر میرے ملک کی سکرت سروس کو علم ہو گیا کہ راشد کسی طرح نداری پر آمادہ ہے۔ اُس کی سر کوبی کے لئے مجھے یہاں بھیجا گیا اگر

”میں نے پڑھے ہیں یا نہیں۔ اس بات کو میں ختم کر دو۔ یہ بتاؤ کہ انجمن سے تمہارا کیا تعلق ہے۔“

”فی الحال میں ہی اس انجمن کا صدر ہوں۔“

”مجھ پر پیک گارڈن میں محلہ کس نے کیا تھا...؟“

”عمران یا عمران کے ساتھی نے۔“

”کیوں؟ کیا اُسے علم ہو گیا ہے کہ میں انجمن کی وفادار ہوں۔“

”ہرگز نہیں۔“ سنگ نے تھیسی فنسی کے ساتھ کہا۔ ”صرف ہمیں یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ تم انجمن ہی کی وفادار ہو۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”وہ مجھے پچا کہتا ہے... پچھے سمجھ کر رہی کہتا ہو گا۔“

”میں بالکل نہیں سمجھی۔“

”اچھا تو سمجھو... تم انجمن کی وفادار ہرگز نہیں ہو تم اس لئے یہاں بھجوائی گئی ہو کہ وہ تمہارے ذریعہ سے مجھ تک پہنچ کے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ میں جس عورت میں دلچسپی لیتا ہوں اُس کی قبر سے بھی کھود نکالتا ہوں۔ لہذا کیوں نہ وہ تمہیں ہی آلہ کار بنائے۔“

”وہ کیا جانے کہ تم مجھ میں دلچسپی لیتے ہو۔“

”اوہ کیا وہ رات بھول گئیں جب میں تمہیں اُس دیہی حوالی میں لے گیا تھا اور وہ تمہاری تلاش میں وہاں جا پکچا تھا۔“

ساجدہ کچھ نہ بولی۔ اب وہ بھی سوچ رہی تھی کہ آخر گولی اس کے لگی کیوں نہیں تھی۔

”کچھ دیر بعد سنگ ہی بولا۔“ کسی کو یقین آئے یا نہ آئے مجھے یقین ہے کہ تم آج کل اُس کے صحیح پتے سے واقف نہ ہو گی۔ اُس کا کوئی ساتھی واقف نہ ہو گا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔“

”مجھے بھی اس کے بارے میں بتاؤ۔“ ساجدہ نے گھمگھایا کہا۔ وہ قطعی طور پر بھلا چکی تھی کہ خود کس قسم کا ردول ادا کر رہی ہے۔

”قریب قریب اتنا ہی حرای ہے جتنا میں ہوں۔“ سنگ ہی نے سمجھی گی سے کہا۔ ”مجھے تو کم از کم تم جیسی عورتیں ہی سمجھ سکتی ہیں لیکن اُسے کسی قسم کی بھی عورت نہیں سمجھ سکتی... اور

راشد کو معلوم ہو جاتا کہ میں اپنا ذاتی انتقام نہیں لینا چاہتا بلکہ اُسی ملک کی طرف سے بھیجا گیا ہوں تو میری فکر میں پڑنے سے پہلے ہی وہ اُن ساری چیزوں اور کاغذات کو تلف کر دیتا جو انہم سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ تو یہی سمجھا تھا کہ میں صرف اپنی قسم پوری کرنے کے درپے ہوں اودھ۔.... ختم بھی کرو۔.... تم نے بھی مجھے کن باتوں میں الجھالیا۔ کیا تمہیں مجھ پر کبھی رحم نہ آئے گا۔

”جیتے جی تو ناممکن ہے۔“ ساجدہ نے سجادہ کی سے کہا۔ ”میں خوب جاتا ہوں تم عمران پر بھی ہو۔ لیکن یقین کرو کہ وہ اُس حیثیت سے تمہیں بھی نہ دیکھے گا۔“

ساجدہ کچھ نہ بولی۔ کسی گھری سوچ میں ڈوب گئی تھی۔



صیحہ تین راتوں سے برادری کی کوثری کے چکر لگاتی رہی تھی لیکن پھر اس حرث اُنگیز آدمی سے ملاقات نہ ہو سکی۔ وہ اپنا سامان بھی کسی وقت اُس کی علمی میں نکال لے گیا تھا۔ اُس نے شوچا ممکن ہے ذیلی کی واپسی کی بناء پر وہ یہاں سے چلا گیا ہو۔ اُس کے باپ طاہر صدیقی دورے سے واپس آگئے تھے اور انہیں گھر کے ہنگاموں کے متعلق بھی سب کچھ معلوم ہو گیا تھا۔ اخڑواala معاملہ بھی اُن کے علم میں لایا گیا۔

انہوں نے صیحہ کی طرف ایسی نظر دیں دیکھا تھا جیسے اُن کے اعتماد کو نہیں لگی ہو۔ ”سب فرزاد خاڑی یہی....!“ وہ نہ کربولی تھی۔

”میں مان لیتا۔۔۔ اگر وہ پکڑانہ گیا ہوتا۔۔۔!“ طاہر صدیقی نے مفہوم لجھ میں کہا تھا۔ ”ارے وہ پچھے نہیں کون شامت زدہ تھا۔۔۔ دیکھے میں ابھی ثابت کئے دیتی ہوں۔۔۔ وہ خط می کے پاس ہے۔“

پھر وہ اُسی مضمون کا دوسرا خط لکھنے بیٹھ گئی تھی اور اپنے باپ کو مطمئن کر دیتا تھا لیکن وہ اُس آدمی کے متعلق پھر بھی تشویش میں بتا رہے تھے جس نے اس طرح پکڑتے اور پہنچنے جانے کے باوجود بھی ان لوگوں کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی تھی۔۔۔ ذرا بیکر اور سیل والے واقعات کے تذکرے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی لہذا صیحہ نے اس سلسلے میں خاموش ہی رہنا مناسب سمجھا تھا۔ ذرا بیکر کے بارے میں باپ کو بھی وہی کہانی سنادی تھی جو ماں کو سنائی تھی۔

آج اچانک طاہر صاحب نے بے حد سجادہ کی سے اُسے مخاطب کیا اور وہ اُن کے انداز میں

لچکچاہٹ سی محسوس کر کے چونک پڑی۔ وہ اُسے الگ لے جا کر گھٹکو کرنا چاہتے تھے۔

”م۔۔۔ میں تمہیں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ تم بہت ذین اور رحم دل ہو۔“

”مُکرر یہ ذیلی۔ اُس نے متبرانہ لجھ میں کہا۔ ان کی گھٹکو کا یہ انداز اُس کیلئے بالکل نیا تھا۔

”تم نے اپنے مستقبل کے بارے میں کپا سوچا۔“

”فلسفے میں ڈاکٹریٹ لوں گی۔۔۔ اور کیا ذیلی۔“

”میرا یہ مطلب نہیں تھا۔“

”پھر کیا مطلب تھا۔“

”مطلوب یہ کہ اب تمہاری شادی ہو جانی چاہئے۔“

”اوہ نہ۔۔۔ وہ تو ہو ہی جائے گی۔ لیکن شادی کے بعد مجھے دوسرے کا پابند ہو جانا پڑے گا۔

پھر شادی میں اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکوں۔“

”تم تعلیم جاری رکھ سکو گی۔۔۔ وہ اس میں قطعی حارج نہ ہو گا۔ اُسے سہارے کی ضرورت ہے بے بی۔۔۔ تم رحم دل ہو۔۔۔ ہمدردی کے جذبات سے بھر پور۔۔۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔“

”کس کی بات کر رہے ہیں آپ۔۔۔!“

”کر غل حیدر کی۔ وہ تمہاری پھوپھی کا لڑکا ہے۔“

”اوہ۔۔۔ تو یہ مسئلہ پھر چھیڑ دیا آپ نے۔ کیا آپ کو علم نہیں کہ میں پہلے ہی شدت سے اس کی مخالفت کر چکی ہوں۔“

”کیا اس لئے کہ اس کی ایک ناگ ضائع ہو گئی ہے۔“

”جی ہاں۔۔۔ وہ قریب قریب پامنچ ہے۔“

”لیکن اتنی دولت رکھتا ہے کہ کئی پشتیں بیٹھ کر کھا سکتیں۔“

”اُسی لئے تو وہ میری ہمدردی کا مستحق نہیں۔ دولت اُس کا سب سے بڑا سہارا ہے۔۔۔ وہ مجھے

بیسے سینکڑوں سہارے خرید سکتا ہے۔ میں شادی ضرور کروں گی لیکن کسی دوسرے کا انتخاب کر چکی ہوں۔“

”کس کا انتخاب کر چکی ہو۔“ طاہر صاحب نے کسی تدرنا خوش گوار لجھ میں پوچھا۔

”اگلے چورا ہے پر پیپل کے درخت کے نیچے ایک فقیر بیمار ہتا ہے جس کے دونوں ہاتھ مغلون ہیں۔“

”کیا کہتی ہو۔“

"میرا دل بھر دی کے جذبات سے لبریز ہے میں رحم دل ہوں میں اس کا سہارا بھوں گی۔ اسے کماکر نکلاوں گی.... اسے دن بھر ایک ایک پیسے کے لئے حلق نہ پھاڑنا پڑے گا.... میں اس کے لئے دنیا کی ہر آسائش مہیا کروں گی۔"

"بکواس بند کرو.... میں نے تمہیں بہت سرچھا لیا ہے۔"

"تیر کمان سے نکل چکا ہے۔" صبیحہ نے شانوں کو لاپرواںی سے جنبش دی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

غھے سے اُس کا سارا جسم کا نب رہا تھا۔ وہ اپنے باب کو ایسا نہیں سمجھتی تھی کہ نکل حیر اُس کی پھوپھی کا لڑکا تھا وہ اسے صرف اس حد تک پسند کرتی تھی کہ شانت اور ملن سار تھا لیکن اس سے شادی کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔ یقیناً اُس نے پھر ڈیٹی پر دباؤ ڈالا ہو گا اس سے پہلے بھی ایک بار اس کا پیغام آچکا تھا اور اُس نے شدت سے اُس کی مخالفت کی تھی۔ دولت محض دولت.... وہ سوچتی اور تاؤ کھاتی رہی۔ گھر میں جی نہیں لگ رہا تھا۔ اس لئے فائل سنجالا اور یونورسٹی جانے کے لئے گھر سے نکل پڑی۔ اس وقت اپنی کار استعمال کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا کیونکہ طاہر صاحب کو آفس جانا تھا۔

بس اسٹینڈنٹک پیدل آئی۔ نیکی سے پہلے یونورسٹی کی بس مل گئی اُس نے سوچا آج یہ ہی سہی۔ ہو سکتا ہے اب عوایہ ہی تم کی زندگی بر کرنی پڑے۔ ممکن ہے جگڑا اتنا بڑھ جاتا کہ اسے خود اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کرنی پڑتی۔

یونورسٹی میں بھی جی نہ لگا۔ کلاس اٹھنڈ کرنے کے بعد لا بیری کی طرف چلی آئی۔ اپنا فائل میز پر ڈال کر الماری میں کتابیں دیکھنے لگی۔ کوئی کتاب پسند نہ آئی۔ آتا کر پھر میز کی طرف پڑھ فائل اخھیا اور چونک پڑی کیونکہ فائل کے صفات سے ایک لفافہ پھسلتا ہوا میز پر گرا تھا۔ اسے اخھیا۔ نام اُسی کا تحریر تھا اور لفافہ بند تھا۔

اُس کے ہاتھ کا پینٹنگ لگ۔ سہی ہوئی نظر وہ سے چاروں طرف دیکھا۔ ساری ہی صورتیں جانی پچانی نظر آئیں۔ کوئی اجنبی نہ دکھائی دیا۔

لفافے کو پھر فائل میں رکھ کر باہر نکل آئی۔ دل کی دھڑکیں تیز ہو گئی تھیں وہ کوئی سنسان گوشہ ڈھونڈھنے لگی جہاں اُس لفافے کو کھول سکتی۔ آخر ایک جگہ موقعہ مل ہی گیا۔ اُس نے لفافہ چاک کر کے پرچہ نکالا۔ انگریزی ناٹپ میں مضمون تھا۔

"تمہارے بابے بابے جو کچھ کہا ہے اُس پر تمہیں عمل کرنا پڑے گا۔ انکار کی صورت میں ایک

تجھے کن مقدے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تمہارے بابے کا عہدہ بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔ مرنے والے کا بیان پولیس کے حوالہ کر دیا جائے گا۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ اپنی رضامندی فوراً ظاہر کرو۔ صرف دو دن کی مہلت دی جاسکتی ہے۔"

اُس نے ایک طویل سانس لی اور پرچے کو دوبارہ لفافے میں رکھ کر فائل میں ڈال لیا۔

اس جنگل سے کیسے نجات ملے گی۔ اُسے اختریاً آیا۔... لیکن وہ بھی تو نہیں ملا کئی دنوں سے اب کیا ہو گا۔ اب اگر سہیل والا واقعہ سامنے آتا ہے تو ڈیٹی بھی ریو اور تان کر کھڑے ہو جائیں گے کہ اس نے پہلے ہی انہیں کیوں نہیں بتایا جب سہیل اُس کا تعاقب کیا تھا لیکن اس بلکہ میلر کا کرٹل حیر اسے کیا تعلق۔ اُوہ سمجھی وہ لنگڑا مرد دو ایسی اوچھی حرکتوں پر اتر آیا۔ برا گھمنڈ ہے دولت پر.... سب خاک میں نہ مل جائے تو سہی۔ لنگڑا.... صورت حرام۔

وہ یونورسٹی کے بس اسٹاپ کی طرف بڑھ رہی تھی کہ ایک خالی نیکی آہستہ چلتی ہوئی اُس کے قریب سے گزری۔

"نیکی!...!" اُس نے ہاتھ اٹھا کر آواز دی۔ نیکی رک گئی.... ڈرائیور نے نیچے اتر کر میز ڈاؤن کیا اور اُس کے لئے پچھلی نشست کا دروازہ کھوٹا۔

وہ ڈرائیور کو گھوڑتی ہوئی نیکی میں بیٹھ گئی۔ آنکھیں کچھ جانی پچانی سی لگ رہی تھیں۔ دفتہ ڈرائیور نے آہستہ سے کہا۔ "اس طرح نہ گھورو۔"

اور پھر وہ سیٹ پر اچھل ہی پڑی کیونکہ وہ آواز اختر کی تھی۔ اُس نے ایک طویل سانس لی اور سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔

نیکی چل پڑی اور صبیحہ نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم یہاں کہاں۔" "کل سے ایک آدمی کا تعاقب کر رہا ہوں۔ وہ یہاں آیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ تمہارا تعاقب کر رہا ہے۔"

"کون تھا... کیا گھر ہی سے میرا تعاقب کر تاہم تھا۔"

"نہیں.... یہاں آکر مختلف عمارتوں میں کسی کو تلاش کر رہا تھا۔ جب تمہیں دیکھا تو پھر آگے نہیں بڑھا۔ لا بیری کی سکھ تھا اسے پیچھے پیچھے ہی گیا تھا جب تم الماریوں میں کتابیں دیکھتی پھر رہی تھیں تو وہ ایک جگہ رک کر تمہاری گمراہی کرنے لگا تھا۔"

"تب تو یہ خط اُسی نے میرے فائل میں رکھا ہو گا۔"

"کیسا خط!..."

”اُسی بیک میلر کی طرف سے موصول ہوا ہے۔“

”اوہ... اوہ...!“ صبیح نے اُسی کی آواز میں اضطراب محسوس کیا۔

”کیوں کیا بات ہے؟“

”تب تو میں نے غلط آدمی کا تعاقب نہیں کیا تھا اور اب وہ میرا تعاقب کر رہا ہے۔“ ڈرائیور نے عقب نما آئینے کی پوزیشن بدلتے ہوئے کہا۔ ”تم پیچھے مڑ کرنہ دیکھنا وہ سرخ رنگ کی سپورٹس کار میں ہے۔“

”یہ کیا ہو رہا ہے۔“ صبیح کیکپاٹی ہوئی آواز میں بولی۔

”فکر مت کرو۔ مجھے پڑھ کر سناؤ کیا لکھا ہے۔“

صبیح نے خط کا مضمون دہرایا۔ ڈرائیور تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ”تمہارے والد تم سے کیا چاہتے ہیں۔“

”اُن کی پندے سے شادی کروں۔“

”کسی خاص آدمی کی طرف خیال ہے۔“

”ہاں.... میرے پھوپھی زاد بھائی کا پیغام ہے۔“

”تو یہ بیک میلر اُسی پھوپھی زاد بھائی کے حق میں تھیں بیک میل کر رہا ہے۔“

”اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔“

”ذرائل ذات شریف کا بھی آتا پہنچتا تو۔“

”یہاں کے بڑے آدمیوں میں سے ہے... کر قل حیدر...!“

”اوہ.... وہ لنگرا تو نہیں۔“

”وہی.... وہی.... کیا تم اسے جانتے ہو۔“

”کہیں دیکھا تھا....؟“ اُس نے لاپرواں سے کہا۔

”پھر اب میں کیا کروں؟“

”دو دن کا وقت دیا ہے اُس نے.... دو دن بہت ہوتے ہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”کیا ٹھیک ہو جائے گا۔“

”وہی جو تم چاہتی ہو۔ تم اس سے شادی نہیں کرنا چاہتیں۔“

”ہرگز نہیں۔“

”تو بس یہ شادی نہیں ہو سکے گی۔“

”لیکن بیک میلر....!“

”دودن بعد شائد اُس کا نشان بھی نہ مل سکے۔“

”تم کیا کرو گے۔“

”اس وقت وہ کام ہوا ہے کہ اب میں بہت کچھ کر سکوں گا۔“

”تم اب رات کو کہاں رہتے ہو۔“

”چکر لگاتی رہی ہو کوٹھری کے.... کیوں؟“

”نن.... نہیں.... تو....!“

”پھر یہ کیوں پوچھ رہی ہو۔“

”اُرے تو بحث کی کیا ضرورت ہے۔“

وہ خاموش ہو گیا۔ سرخ رنگ کی اسپورٹ کار لیکسی کے پیچھے اب بھی تھی۔



ریٹا جبراہیل چلتے چلتے رک گئی۔ حسب ہدایت اُسے ایک میل پیدل چنان تھا تاکہ وہ اس پر بھی نظر رکھے کہ اُس کا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا۔

وہ دل میں نہ رہی تھی۔ بھلا اب انہیں تعاقب کی کیا ضرورت ہے۔ جب کہ وہ انہیں کے لئے کام کر رہی ہے۔ وہ جوزف سے بہت زیادہ متاثر تھی۔ پہلے وہ اُس کا منظکہ اڑایا کرتی تھی لیکن اب احترام کا جذبہ اُس پر ہنسنے سے روک دیتا تھا۔

انجمن سے متعلق اُس کے خیالات بہت پہلے سے متزلزل تھے۔ انجمن میں شریک ہونے سے پہلے وہ اسے بے فکرے کھلنڈرے اور ایڈوچر کے شائق آدمیوں کی تنظیم تصور کرتی تھی لیکن رفتہ رفتہ اسے احساس ہوا تھا کہ اُس سے کئی جرام۔ بھی سرزد ہو چکے ہیں اور اب وہ کہی ان لوگوں سے چھکارا نہ پاسکے گی۔ اجتماعی حیثیت سے وہ ایک دوسرے کی پرده پوشی کر سکتے تھے لیکن الگ رہ کر شاید ایک دن بھی پولیس کی گرفت سے آزاد نہ رہ سکتے۔ لہذا کوشش کے باوجود بھی وہ اُن سے الگ نہ ہو۔

اب ایک موقعہ ہاتھ آیا تھا۔ وہ ایک ایسے آدمی کے ساتھیوں سے آنکھی تھی جسے انجمن کے مفاد میں قتل کر دیجئے جانے کی اسکم بنائی گئی تھی اور وہ آدمی پولیس کے لئے کام کر رہا تھا۔ گلو خلاصی کے لئے بہترین موقعہ تھا۔

آج صبح جوزف نے بڑی سبیگی سے اُسے اپنے باس کا پتہ بتایا تھا اور اُس نے اُس سے پوچھا تھا کہ اس طرح پتہ بتانے کا مقصد کیا تھا۔ جوزف نے شانوں کو لا پر والی سے جنبش دے کر کہا تھا۔ ”میں نہیں جانتا مقصد و قصد۔ باس نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہیں ان کا پتہ بتادول۔“

ریٹا بکھر گئی کہ اس سے باس کا کیا مقصد ہے۔ خود اُسکے ذمے اجمن کھلڑ سے یہی کام تو تھا کہ وہ جوزف کو دھرے پر لارکر اُس سے عمران کا وہ پتہ معلوم کرے جہاں وہ یقینی طور پر مل سکے۔ اُس نے مخصوص ہر کارے کے ذریعہ جشید کیانی کو اطلاع دی کہ اُس کے پاس ایک اہم اطلاع ہے۔ جشید کیانی نے مخصوص ہدایات کے تحت اُسے ایک جگہ پہنچنے کے لئے پیغام بھجوایا تھا اور اُب وہ اُسی بتائے ہوئے پتہ پہنچنے کے لئے ہوٹل سے نکلی تھی۔

ایک میل پیدل چلنے کے بعد وہ بائیں جانب والے کچھ راستے پر مڑ گئی۔ اور وہ پہلے کبھی یہیں آئی تھی۔ اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ یہاں عالی شان کو نہیاں تو موجود ہیں لیکن سرک آج تک پکی نہ ہو سکی۔ اگر ان کو ٹھیوں کے رہنے والے آپس ہی میں چندہ کر کے اس سرک کو پختہ کرانا چاہئے تو یہ کوئی ایسی بڑی بات نہ تھی۔

اُس نے مڑ کر دیکھا در درستک کسی ایسے آدمی کا پتہ نہ تھا جس پر تعاقب کرنے والے کا شبہ کیا جاسکتا۔ تیری عمارت کے چانک پر وہ ٹھکلی۔ کیونکہ عمارت سنان معلوم ہوتی تھی۔ اسے یہیں آتا تھا۔ چانک پر نہیں پلیٹ بھی موجود نہیں تھی۔ وہ چانک سے گزر کر اُس روڈ پر ہوئی جو پورچنک جاتی تھی۔

برآمدے میں پہنچ کر کال بل کا میٹن دبادیا۔... دور سے گھنٹی کی آواز آئی اور پھر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ دروازہ کھلا۔

ایک دبلا پتلا اور لمبا سا چینی سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

”اوہ.... شاید میں غلط جگہ آگئی ہوں۔“ ریٹا نے بوکھلائے ہوئے لجھ میں آہدا۔ ”بالکل صحیح آئی ہو۔ میں ریٹا جرائیں... اندر آجائو۔“ اس نے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا۔ لیکن لجھ میں ایسی کوئی چیز ضرور تھی جس کی بناء پر ریٹا نے سخت توہین محسوس کی تھی۔ تھر اجر اندرا آئی۔ چینی اُس کے پیچے چل رہا تھا۔ آخر اُس نے ایک دروازے میں مڑنے کو کہا جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئی ایک جانی بیچانی شکل نظر آئی یہ ساجدہ جسیب تھی۔ ”تم....!“ ریٹا کی زبان سے اتنا ہی نکلا پھر اُس نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے چینی بھی

اُس کے بعد ہی کمرے میں داخل ہوا تھا۔  
”بیٹھو.... ریٹا....!“ اُس نے کہا۔ ”یہ ساجدہ جسیب ہیں۔“  
”میں جانتی ہوں۔“ ریٹا نے نشک لجھ میں کہا۔  
”یہ اور اچھی بات ہے۔“  
”تم کون ہو۔“ ریٹا نے چھاڑ کھانے والے لجھ میں پوچھا۔  
”شش....!“ ساجدہ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا۔ ”ہمارا اصلی باس۔“  
”کیا مطلب....!“  
”اجمن کا اصلی سربراہ۔“  
”میں نہیں سمجھی۔“  
”رفتہ رفتہ سمجھ جاؤ گی۔“ چینی بھی کہا۔  
”مگر میرا پیغام تو جشید کیانی کے لئے تھا۔“  
”رہا ہو گا.... ہاں تو متأوا.... وہ اہم اطلاع کیا تھی۔“  
”یعنی.... تو کیا یہ....!“ ریٹا ساجدہ کی طرف دیکھ کر یوں۔ ”میرا مطلب یہ ہے۔“  
”جشید کیانی بھی انہیں کو جواب دے ہے۔“ ساجدہ نے کہا۔  
ریٹا تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ ”اُن لوگوں کو تمہارے اس طرح غائب ہو جانے پر بے حد تشویش ہے۔“  
”ہونی ہی چاہئے۔“ ساجدہ مسکرائی۔  
”تواب تم اُن میں واپس نہیں جاؤ گی۔“  
”کیا ضرورت ہے۔“  
”اُرے میں اُس اہم اطلاع کا منتظر ہوں۔“ چینی بول پڑا۔  
”میں تمہیں نہیں جانتی اس لئے کسی قسم کی اطلاع نہیں دے سکتی۔“  
”تم غلطی پر ہو رہا تھا جس پر اعتقاد کرو۔“ ساجدہ بولی۔  
”نہیں.... تم کیانی سے فون پر گفتگو کر سکتی ہو۔“ چینی نے میز پر رکھے ہوئے فون کی طرف اشارہ کیا۔  
”میں یقیناً ایسا ہی کروں گی۔“  
”بہت محظا ہو۔“ چینی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا یا۔ ”یہ اچھی بات ہے۔“

”ش اپ...!“

”مجھ سے محبت کرو گی۔“

”تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ نہہرہ بتاتی ہوں۔“ وہ فون کی طرف چھپی لیکن چینی نے کلائی پلٹ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ کتنی سخت گرفت تھی۔ ریٹا کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کلائی کی بندی ٹوٹ ہی جائے گی۔

وہ مسکرا کر بولا۔ ”تم جوزف کے باس سے مل گئی ہو۔“

”چھوڑ میرا ہاتھ۔“ وہ آپ سے باہر ہو گئی۔ ”ہاں میں اُس سے مل گئی ہوں۔ گندے سور۔“

تم سب بہت جلد فنا کر دیے جاؤ گے۔“ چینی نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ ”میں غلط تو نہیں کہہ رہا تھا کہ تم مجھے الوہیار ہی ہو۔“ پھر اُس نے اس طرح جھکا دیا کہ وہ اُس سے آنکھ رائی اور اب وہ اس کے ہاتھوں کے حلقوں میں تھی۔ چیسے چیسے وہ الگ ہونے کی کوشش کر رہی تھی حلقة نگہ ہوتا جا رہا تھا۔ آنرودہ چینچنگ لگی۔ ”یہ کیا ہو رہا ہے۔“ دروازتے کی طرف سے ساجدہ کی آواز آئی۔

”سب ٹھیک ہو رہا ہے۔“ چینی نے کہا۔ ”تم ذرا دوڑ کر میرے لئے دوپک بنالو۔“ ”میں کہتی ہوں چھوڑو.... اسے ورنہ....!“

”بھاگ جاؤ....!“

”تم واقعی پکے سور ہو۔ ابھی مجھ پر مر رہے تھے.... اور اب یہ۔“

”مگر تم مرنے کب دیتی ہو۔“

”میں کہتی ہوں چھوڑو۔ ورنہ سر پھاڑ دوں گی۔“ ساجدہ نے میز پر سے پیپر دیٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔ ریٹا کی گھمی بندگی دفتاً اُس نے محسوس کیا کہ گرفتہ میلی پڑ رہی ہے اور پھر اُس نے چھوڑ ہی دیا اب وہ ساجدہ کو گھوڑے چارا تھا۔

”تم میرا سر پھاڑو گی کیوں؟“ دفتاً وہ سانپ کی طرح بھکھ کارا۔

”ہاں تمہارا سر پھاڑ دوں گی؟“

”رقبت....!“ وہ مسکرا یا۔

”میں کچھ نہیں جانتی۔ لیکن اس قسم کی حرکتیں نہیں ہونے دوں گی۔“

”اسے اچھی طرح جانتی ہو۔“

ریٹا نے اٹھ کر کیاں کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسرا طرف سے اُبی کی آواز آئی اور اُس نے اُسے مطمئن کر دیا تھا کہ وہ کسی غلط آدمی سے گفتگو نہیں کر رہی جو اطلاع وہ اسے دینا چاہتی تھی چینی کو بھی دے سکتی ہے۔ ریٹا یور رکھ کر وہ چینی کی طرف مڑی۔ اب صرف وہی دونوں اس کر کے میں تھے۔ ساجدہ جا چکی تھی۔

”جوزف کا بس.... دن بھر ادھر اُدھر رہتا ہے۔“ ریٹا نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”لیکن رات ہر حال میں ڈپٹی ٹکٹر طاہر صدیقی کے بنگلے میں بہر ہوتی ہے۔ کپاؤنٹ میں مال کی کوٹھری ہے.... ویس سوتا ہے۔“

”طاہر صدیقی کے بنگلے میں...!“ چینی برباد کر کچھ سوچنے لگا۔ ریٹا خاموشی سے اُسے دیکھتی رہی۔

”تمہیں یہ اطلاع کیسے ملے۔“ اُس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”جوزف نے بتایا تھا۔“

”خود بخود....؟“

”ہاں وہ بہت خائف ہے۔ اب تک اُسے خوف ہے کہ پولیس اُس کے خلاف ضرور کوئی نکوئی کارروائی کر بیٹھے گی کیونکہ اُس سے کسی کاغذ پر مستخط لئے گئے تھے۔ میں بھی اُسے کہتی رہی ہوں کہ جب تک پولیس اُس کے باس تک نہیں پہنچ جاتی وہ خطرے ہی میں رہے گا۔“

”اُس نے وہ واقعہ اپنے باس سے ضرور بیان کیا ہوا کیا خیال ہے تمہارا۔“ چینی نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میں بھلا اس کا کیا جواب دے سکوں گی۔“

”اُس نے یقیناً تذکرہ کیا ہوا۔ اور اُس کا باس اتنا حمق نہیں ہے کہ اُسے صحیح آدمیوں کی کارروائی سمجھا ہو۔ اُس نے یہاں کے سارے تھانوں سے اُس کے متعلق معلومات حاصل کی ہوں گی۔ تم سب حق ہو۔ جشید کیاں نے مجھ سے اپنی اس ایکسیم کا تذکرہ نہیں کیا تھا، جو کچھ کرنا تھا احمقوں کی طرح کر بیٹھا۔... خیر اب یا تو جوزف تمہیں اُتو بنا رہا ہے یا پھر تم مجھے الو بنا نے کی کوشش کر رہی ہو۔“

”کگ.... کیا مطلب....!“ ریٹا بول کھلا گئی۔

”کچھ نہیں....!“ چینی مسکرا یا۔ ”کیا عمر ہو گی تمہاری۔“

”چھپس سال.... م.... مگر کیوں؟“ تمہیں کیا حق ہے میری عمر پوچھنے کا۔“ ریٹا کو غصہ آگیا۔

”اچھی لگتی ہو۔“

تعجب نہیں کہ اس بار بھی پولیس ہی کے لئے کام کر رہا ہوا اسی صورت میں پولیس کا چکر چلا کر اُسے قابو میں کرنے کی کوشش حمافت ہی تھی۔

”پھر بتائے ہم کیا کر سکتے ہیں۔ جو کچھ ہم سے کہا گیا تھا ہم نے اُس میں کوتاہی نہیں کی۔“

”نہیں.... غلطی میری ہی تھی۔ اب خیال یہ ہے کہ ریٹا ان لوگوں سے مل گئی ہے؟“  
”ختم کر دیں اُسے۔“

”نہیں.... وہ صدر صاحب کے پاس ہے۔“

”یہ صدر صاحب میری سمجھ میں نہیں آتا جانا۔ ہم تو آپ ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے۔“

”پروفیسر راشد کی موت کے بعد وہ قتی طور پر چارج مجھے ملا تھا۔“

”اب.... یہ کون ہے۔“

”اپنی عددوں میں رہو۔“ جمیشید کیانی کو غصہ آگیا۔

”اوہ.... مجھے افسوس ہے جناب۔“

جمیشید کیانی تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھا تھا پھلا تارہ۔ پھر عصیلی آواز میں بولا۔ ”جو کوئی بھی ہے مجھ سے بہتر ہے۔ جانتے ہو وہ کون تھا جسے ہم طاہر صدیقی کے بنگلے میں خلاش کرتے پھر رہے تھے۔“

دونوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”صدر کا خیال ہے کہ وہ عمران کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتے۔“

”وہ یعنی.... اُس کا ذرا سیور....!“

”ہاں ذرا سیور....!“

”لیکن ہم نے تو اُسے اچھی طرح دیکھا تھا اور عمران کی تصویر بھی اچھی طرح دیکھ چکے ہیں۔ ہمیں تو دونوں میں ہلکی سی مشابہت بھی نہیں محسوس ہوئی تھی۔“

”میک اپ بھی ہو سکتا ہے۔“

وہ دونوں کچھ نہ بولے۔ تھوڑی دیر بعد ایک نے کہا۔ ”آخر وہ اس طرح طاہر صدیقی کے بنگلے تک کیسے جا پہنچا۔“

”تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ پروفیسر راشد کے سارے کاغذات غائب ہو گئے تھے۔ اس میں اسی عمران کا ہاتھ تھا اور طاہر صدیقی کے بنگلے کے سامنے والی عمارت ہمارے اہم ترین ٹھکانوں میں سے ہے۔ سہیل وہاں رہتا تھا۔ پروفیسر کے کاغذات نے اُس عمارت کی نشاندہی کی ہو گی۔“

”ہاں.... یہ بھی انجمن کی ممبر ہے۔“

”انجمن کی ممبر تو تم بھی ہو۔“ وہ باسیں آنکھ دبا کر مسکرا یا۔

ساجدہ کچھ نہ بولی۔ اُس نے پھر کہا۔ ”لیکن یہ بھی تمہاری ہی طرح عمران پر رسمیح گئی ہے۔“

ساجدہ نے ریٹا کو گھور کر دیکھا اور چینی ہنس کر بولا۔ ”یہ مجھے آؤ بنانے آئی تھی۔ بظاہر انجمن سے متعلق ہے لیکن اُن کی ہمدرد ہے۔ اُن کی نہیں صرف عمران کی۔“

ریٹا خاموش تھی۔ غصے کے مارے نہ احوال تھا۔ شرمندگی بھی تھی اور اس جذباتی الجھاؤ نے

زبان الگ روک رکھی تھی۔ درد اُسے تو اُبل پڑنا تھا۔ اس ذہنی کشمکش کے دوران میں ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے اب سر چکرانے گا اور بے سعد ہو کر گر پڑے گی۔

کچھ دیر بعد ساجدہ نے اُس سے پوچھا۔ ”کیا یہ حق ہے کہ تم انجمن کے مفاد کے خلاف کام کرنے لگی ہو۔“

”بالکل غلط ہے۔ اس نامعقول آدمی نے مجھے خواہ خواہ عصہ دلا کر اسی بات میری زبان سے نکلوادی جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور پھر یہ تو تمہارے لئے بھی پہنچ کرہا تھا۔“

”تم دونوں کے سامنے ہی عمران کو قتل کروں گا۔ مطمئن رہو۔ تم دونوں پچھی ہو اور اُس کے خون کی پیاسی بھی۔“ چینی نے تلخ لمحہ میں کہا۔

اس کے بعد وہ فون کی طرف بڑھا۔ ریٹا دیکھ رہی تھی کہ اُس نے جمیشید کیانی ہی کے نمبر ڈائل کئے ہیں۔



جمیشید کیانی فون کار سیور کریڈل پر رکھ کر ردمال سے پیشانی کا پیسہ خٹک کرنے لگا۔ سامنے بیٹھے ہوئے دونوں آدمی اُسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

”کیا بات ہے جناب....!“ اُن میں سے ایک نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”ہم غلطیوں پر غلطیاں کر رہے ہیں۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”ریٹا اور جوزف والی اسکیم مناسب نہیں تھی۔“

”آپ یقین بیجھتے۔ ہم شروع سے اخیر تک دیکھتے رہے تھے ان کا تعاقب نہیں کیا گیا۔“

”ٹھیک ہے۔ لیکن ہم اُسے بھول گئے تھے کہ وہ خود پولیس کے لئے کام کر تارہتا ہے۔ کچھ

وہ ابھی کچھ اور کہنے والا تھا کہ بیساکھیوں کی کھٹ کھٹ سنائی دی اور کر قل حیدر کمرے میں داخل ہوا۔ بہت زیادہ غصے میں معلوم ہوتا تھا وہ تیوں کھڑے ہو گئے۔ وہ ایک گوشے میں رکھی ہوئی کرسی کی طرف بڑھتا ہی چلا گیا۔

”ادھر تشریف لایے جناب۔“ جمیش کیانی نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ کر قل حیدر غریا اور بیساکھیوں سے ہاتھ نکال کر بیٹھ گیا۔ وہ تیوں بھی بیٹھ گئے تھے اور اسے تحریر آمیز سوالیہ نظرؤں سے دیکھ رہے تھے۔ کر قل حیدر نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور پھر باہر نکلا تو اس میں اعشاریہ تین آنھ کار بیوالور نظر آیا جس کا رخ انہیں تیوں کی طرف تھا۔

”اپنے ہاتھ اٹھا کر میز پر رکھ لو۔“ اس نے تھامانہ لجھ میں کہا۔ انہوں نے مشین طور پر اپنے ہاتھ میز پر رکھ لئے۔ لیکن اسے ایک ہی نظرؤں سے دیکھ رہے تھے جیسے سمجھتے ہوں کہ اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔

”لیکن..... یہ کیوں.....!“ جمیش کیانی نے احتجا کا کہا۔

”یہ اس لئے کہ تم لوگ ابھی تک مجھ سے فرلا کرتے رہے ہو۔ پچیس ہزار روپے مجھ سے وصول کر پکھے ہو۔“

”ہم کام بھی تو کر رہے ہیں۔“

”اور اسی کام کے صلے میں تم تیوں مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔“

”آپ ہوش میں ہیں یا نہیں.....!“ ایک آدمی غریا۔

”شت اپ..... میں تم سے بات نہیں کر رہا۔“

”مجھے کچھ سمجھنے بھی دیجئے جناب۔“ جمیش نے کہا۔

”پچھلی رات.... وہ ڈرامہ کس لئے ہوا تھا۔“

”کون سا ڈرامہ؟“

”تمہارے تین نقاب پوش۔“

”ہمارے تین نقاب پوش..... میں کچھ نہیں سمجھا۔“

”گولیاں ہی تمہیں سمجھائیں گی۔ میری ایک ناگہ مجاز جنگ پر ضائع ہوئی تھی سمجھے۔“

”آپ کچھ بتائیے تو سکی..... ہم بالکل لا علم ہیں۔“

”میں کہتا ہوں وہ خط مجھے واپس کر دو جو تمہارے آدمیوں نے پچھلی رات زبردستی مجھ سے لکھوایا

تھد مجھے اذیتیں دی تھیں۔ میری بیساکھیاں چھین لی تھیں اور مجھے زمین پر گھسنے پر مجبور کیا تھد۔“

”خدا کی پناہ.....! میں اس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا۔“ جمیش کیانی بولا اور ان دونوں کی

طرف جواب طلب نظرؤں سے دیکھنے لگا۔

”ہم بھی کچھ نہیں جانتے یقین کجھے..... ہم اتنا ہی کرتے ہیں جتنے کیلئے ہم سے کہا جاتا ہے۔“

”ہوں..... لیکن انہوں نے آپ سے کیا لکھوایا تھا۔“ جمیش کر قل کی طرف مڑا۔

کر قل حیدر بھی کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ”ماموں طاہر صدیقی کے نام ایک خط لکھوایا تھا جو کچھ وہ بولنے گئے لکھتا رہا تھا۔ بے بس تھا۔“

”آخر کیا لکھوایا تھا۔“

”بس یہ لکھوایا تھا کہ اگر خط ان تک پہنچ گیا تو ہمیشہ بیسھ کے لئے دونوں خاندانوں کے تعلقات بہتر نہ ہو سکیں گے۔“

”کیا آپ خط کا مضمون بتا سکیں گے۔“ کیانی نے پوچھا۔

”مجھے مزید الوہیت کی کوشش نہ کرو۔ خط میرے حوالے کر دو۔ میں پچیس ہزار روپیوں کو صبر کر لوں گا۔“

”میں آپ کو یقین دلاؤں..... ہمارا معاملہ تھا کہ اگر آپ کا کام نہ ہو سکا تو ہم پائی پائی واپس کر دیں گے۔“

”لہذا کام نہیں ہو سکا اور تم پائی پائی بھی واپس نہیں کرنا چاہتے۔“ کر قل حیدر نے تیخ لجھ میں کہا۔

”کر قل حیدر براہ کرم ریوالور جیب میں رکھ لجھے اور شریف آدمیوں کی طرح گفتگو کیجئے۔“

پڑھ نہیں آپ کس غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔“

”میں غلط فہمی کا شکار ہوا ہوں۔“ کر قل حیدر نے چیخ کر پوچھا۔

”ہاں آپ غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔“ کیانی بھی میز پر گھونسہ مار کر دہڑا۔ پھر کچھ دیر کے لئے سکوت طاری ہو گیا تھا۔

آخر کر قل حیدر نے اوپری ہونٹ بھیجن کر پوچھا۔ ”میں کس طرح غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہوں۔“

”آپ کو یاد ہو گا بھی کچھ ہی دن ہوئے ہمارا وہ آدمی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا جو آپ کے سلسلے میں کام کر رہا تھا۔“

”اچھا تو پھر.....؟“

### گلہ پر جاییں۔

”یہ.... یہ.... کیا.... تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔“ کرتل حیدر حلق بگاڑ کر دہاڑا۔  
”آپ مطمئن رہئے کرتل صاحب۔ ہم نے احتیاطاریو اور آپ سے لے لیا ہے۔ کیونکہ آپ  
اس وقت غصے میں ہیں۔“

کرتل حیدر بے بھی سے انہیں دیکھتا رہا پھر کچھ دیر بعد بولا۔ ”وہ اُس جبھی آدمی کا کیا معاملہ  
تھا۔ وہ کون تھا اور تم نے مجھے کس قسم کارول ادا کرنے کو کہا تھا۔“  
”اُسے بھول جائیے۔ ہم آپ کے لئے اتنا کچھ کرتے رہے ہیں اگر آپ نے بھی کسی معاملے  
میں ہماری تھوڑی سی مدد کرو دی تو کیا ہوا۔“

”لیکن وہاں پولیس والوں کا بھی تو چکر تھا۔“  
”میں پھر کہتا ہوں کہ اُسے بھول جائیے۔ ورنہ بڑے خسارے میں رہنے گا۔“

کرتل حیدر بیساکھیاں بیک کر اٹھتا ہوا بولا۔ ”میرا ریو اور واپس کرو۔ میں جا رہا ہوں۔“  
کیانی نے ریو اور اپنے ساتھی کے ہاتھ سے لے کر اُسے غالی کیا اور اٹھ کر کرتل حیدر کے  
پاس آیا۔

”آپ بہت غصے میں ہیں۔“ وہ اُس کی طرف ریو اور بڑھاتا ہوا بولا۔ ”میں دیکھوں گا کہ  
آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔ کوشش تو یہی ہو گی کہ خط اُس کے باپ تک نہ پہنچ سکے۔“  
کرتل حیدر نے جھٹکے کے ساتھ ریو اور اُس کے ہاتھ سے لیا اور دروازے کی طرف مزگیا۔  
وہ اس کی بیساکھیوں کی کھٹ کھٹ سنتے رہے۔ چہرے پر فکر مندی کے آثار تھے۔ کافی دیر  
تک وہ ایک دوسرے سے نہیں بولے۔



ساجدہ نے کراہ کر کرزوٹ لی اور آنکھیں کھول دیں۔ دیر تک پلکیں جھپکائے بغیر  
غلامیں گھورتی رہی پھر بڑاتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ ”پھر ہی منہوس تھے خانہ....!“  
پچھلی رات وہ اسی تھہ خانے میں سوئی تھی۔ لیکن آنکھ کھلی تھی تو خود کو ایک ایسی عمارت  
میں پایا تھا جہاں سے آسمان بھی نظر آیا تھا۔ رینا سے بھی ملاقات ہوئی۔ سنگ ہی دن بھر دونوں کو  
چھیڑتا اور ان کی گالیاں سترخاں تھا۔  
سر شام اُسے نیند آگئی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ شام کی چائے میں بھی کوئی خواب آور جیز شال روئی ہو۔

”کیا خیال ہے آپ کا کہ وہ اُس لڑکی کے ہاتھوں مرا ہو گا۔“  
”آہ...!“ کرتل حیدر کسی سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔ ”تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ اپنے کچھ  
مددگار بھی رکھتی ہے۔“

”بالکل.... میں بھی کہنا چاہتا ہوں۔“ کیانی نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”ای لئے میں خط کا  
مضمون بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔“

کرتل حیدر پھر خاموش ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر ایسے ہی تاثر تھے جیسے خود کو مطمئن نہ  
ہونے دینا چاہتا ہو۔ بالآخر کچھ دیر بعد اُس نے بتایا کہ خط اُس کے ماموں یعنی لڑکی کے باپ کے  
نام لکھوایا گیا تھا۔ الفاظ سخت اور توہین آمیز تھے یعنی اُس کی لڑکی خود کو کیا سمجھتی ہے۔ اُس جیسی  
وہ لڑکیاں وہ خرید سکتا ہے اور اگر وہ چاہتے تو پل بھر میں اُس کی ڈپٹی ٹکلنری بھی خاک میں مل  
سکتی ہے۔ وہ جیل جاسکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اخیر میں لکھوایا گیا تھا کہ وہ خود ہی اسی خود سر اور  
مفرد رُل کی سے شادی کرنا پسند نہیں کرے گا۔

”بہت نہ ہوا۔“ جمشید کیانی ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”اگر خط اُس کے باپ کو مل گیا تو  
ہماری ساری محنت بر باد ہو جائے گی۔“

”تمہاری کیسی محنت...!“ کرتل حیدر نے پوچھا۔

”ہم لڑکی کو اُسی معاملے میں بیک میل کر کے راہ پر لانے کی کوشش کر رہے تھے۔“  
کرتل حیدر کاریو اور والا ہاتھ خود بخود جھکلتا چلا گیا ب وہ سمجھی خاموش تھے۔  
کچھ دیر بعد کرتل حیدر نے بھراں ہوئی آواز میں کہا۔ ”کیا تم ان لوگوں کو جانتے ہو جو اُس کی  
پشت پناہی کر رہے ہیں۔“

”ہاں جانتا ہوں لیکن عرصہ سے ان کے ہاتھوں بھک بھی ہیں ہم لوگ۔“

”کچھ کرو... کہ وہ خطماںوں تک نہ پہنچ سکے۔ میں اُس کے لئے تمہیں مزید دس ہزار دوں گا۔“  
”اب میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ کوئی حقیقتی وعدہ کر سکوں۔“

”تو پھر میرے پیچپن ہزار...!“

”آپ نے خود ہی تحریر دے کر کھلی بگاڑ دیا ہے۔ بھلا ہم پر اُس کی ذمہ داری کیسے عائد  
ہو سکتی ہے۔“

اُبھی دو بات ختم بھی نہیں کر پایا تھا کہ اُس کے ساتھیوں میں سے ایک نے کرتل حیدر پر  
چھلانگ لگائی اور ریو اور اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ دوسرے نے چھٹ کر ریو اور اٹھایا اور پھر اپنی

لڑاکا عورت کے سے انداز میں جلتے کئے بجھ میں کہا۔ بس صرف ناک پر انگلی بھی رکھ لینے کی کسر رہ گئی تھی۔

”ارے نہیں.... لڑو نہیں تم لوگ۔“ سنگ ہی نہ کر بولا۔ ”ضروری نہیں کہ مرنے سے پہلے یہ بیچارہ گائیاں بھی کھائے۔ دیے تم دونوں ہی کی گفتگو سے مکاری کی بو آرہی ہے۔ سنو بھیجے میں اب تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔ اس لڑکی کو اس لئے اس تہہ خانے کے اوپر والی عمارت میں بلوایا تھا کہ اُسے تمہارے لئے چوہے دان بناوں۔ تم نے اس مصلحت سے اس پر خود فائز کیا کرایا تھا کہ یہ ہم لوگوں کے ہاتھ لگے اور ہم پوری طرح مطمئن ہو جائیں کہ یہ تم سے بدلت ہو چک ہے۔ پھر یہ تم سے بھی ملتی رہے اور ہم سے بھی۔ اس طرح تم مجھے جال میں پھانسے کی کوشش کرو۔ اب بتاؤ کسی کی رہی۔ یہ اس عمارت میں تھارہ گئی تھی۔ تمہارے آدمی عمارت کی کڑی گرفتی طرح ڈرایا تھا۔ صورت حرام کہیں کا۔

”پھنس گیا...!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بدستور ہنستا ہوا بولا۔ ”بالآخر چدبا پھنس گیا۔“

”کون پھنس گیا...؟“

”وہی عمران...!“ جس کے لئے تم اپنی جان ہٹھلی پر لئے پھرتی تھی۔ اب میں تمہارے ہی سامنے مارڈاں گا تاکہ تم سکون ہی سے میری ہو سکو۔ پہلے طرح دیتا تھا اب ناممکن ہے۔“

”کہاں ہے...! کیسے پھنسا...!“

”آؤ دکھاؤں...!“ میں اب اس دروس کو ختم ہی کر دینا چاہتا ہوں۔“

وہ واپسی کے لئے مڑا۔ ساجدہ بھی اس کے پیچے ہل پڑی۔ آخرا کاروہ لفٹ کی شکل کے ایک بہت بڑے پتھرے کے پاس آپنے۔

”پتھرے کے اندر عمران کھڑا احقدا انداز میں پلکیں جھپکا رہا۔“

بیک بیک ساجدہ ہنس پڑی اور سنگ ہی نے اُسے جیرت سے دیکھتے ہوئے پلکیں جھپکائیں۔

”اب بتاؤ۔“ ساجدہ عمران کو گھونسہ دکھاتی ہوئی بولی۔ ”گن گن کر بدے لوں گی۔“

عمران پکھنے بولا۔ انداز سے ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے بجو یشن کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ دفعتا ساجدہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”تم نے اُس دن مجھے پلک گارڈن میں بلوایا تھا ملنے کے لئے اور پھر وہیں مجھے قتل کر دینے کی کوشش کی تھی۔ کیوں؟ میں نے تمہارا کیا بگلا رکھا۔ کیا تمہارے ہی لئے اپنی زندگی نہیں بر باد کر لی تھی۔“

”غالباً تم نے بہت جلدی میں یہ میکنزیم ترتیب دیا تھا۔“ عمران نے پوچھا۔

”ہے نامموجہ...!“

اور اب پھر وہی تہہ خانہ...! اس نے گھری دیکھی بارہ نج رہے تھے۔ رات ہی کے بارہ بجے ہوں گے۔ اُس نے سوچا یہ کم جنت چینی بچ جنم حرام زادہ معلوم ہوتا ہے۔ کس طرح ششے میں اتارا تھاریٹا کو...! اب وہ اُس کے ساتھ ہی ہو گی۔ کچھ بھی ہو اتنی بات تو ہے...! درندگی پر نہیں آمادہ ہوتا۔

پھر وہ اپنے نامعلوم انجام کے متعلق سوچنے لگی۔ خیالات میں اس طرح ڈوب گئی کہ گردو پیش کی خبر ہی نہ رہی۔

پھر وہ کسی قسم کی آواز ہی تھی جسے سن کر اچھل پڑی تھی۔ قہقهہ...! تیز قہقہہ...! دروازے کی طرف مڑی۔

سنگ ہی کھڑا بے تھا شہ نہ رہا تھا۔ وہ غصیل نظر دن سے اُسے دیکھتی رہی۔ مردود نے بڑی طرح ڈرایا تھا۔ صورت حرام کہیں کا۔

”کہاں ہے...!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بدستور ہنستا ہوا بولا۔ ”بالآخر چدبا پھنس گیا۔“

”کون پھنس گیا...؟“

”وہی عمران...!“ جس کے لئے تم اپنی جان ہٹھلی پر لئے پھرتی تھی۔ اب میں تمہارے ہی سامنے مارڈاں گا تاکہ تم سکون ہی سے میری ہو سکو۔ پہلے طرح دیتا تھا اب ناممکن ہے۔“

”کہاں ہے...! کیسے پھنسا...!“

”آؤ دکھاؤں...!“ میں اب اس دروس کو ختم ہی کر دینا چاہتا ہوں۔“

وہ واپسی کے لئے مڑا۔ ساجدہ بھی اس کے پیچے ہل پڑی۔ آخرا کاروہ لفٹ کی شکل کے ایک بہت بڑے پتھرے کے پاس آپنے۔

”پتھرے کے اندر عمران کھڑا احقدا انداز میں پلکیں جھپکا رہا۔“

بیک بیک ساجدہ ہنس پڑی اور سنگ ہی نے اُسے جیرت سے دیکھتے ہوئے پلکیں جھپکائیں۔

”اب بتاؤ۔“ ساجدہ عمران کو گھونسہ دکھاتی ہوئی بولی۔ ”گن گن کر بدے لوں گی۔“

عمران پکھنے بولا۔ انداز سے ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے بجو یشن کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ دفعتا ساجدہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”تم نے اُس دن مجھے پلک گارڈن میں بلوایا تھا ملنے کے لئے اور پھر وہیں مجھے قتل کر دینے کی کوشش کی تھی۔ کیوں؟ میں نے تمہارا کیا بگلا رکھا۔ کیا تمہارے ہی لئے اپنی زندگی نہیں بر باد کر لی تھی۔“

” غالباً میں نے تم سے کہا تھا کہ تم میرے لئے اپنی زندگی بر باد کر لو۔“ عمران نے بھی کسی

”بالکل پچا... لیکن دیکھو تو آخر سمجھنے بھی تمہیں ذہون مذہبی نکالا۔“

”صرف اسی عمارت کی حد تک... میرا خیال ہے کہ یہاں تک تمہاری راہنمائی راشد کے کاغذات نے کی ہو گئی اور انہیں کاغذات ہی سے تمہیں اس کا بھی اندازہ ہوا ہو گا کہ تنظیم کے دو بڑے مرکزیں سے ایک عادل آباد بھی ہے اور تم نے پہلے یہیں قسم آزمائی مناسب سمجھی۔“

”تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے مجھے یقین ہی نہیں تھا کہ تم سے یہاں ملاقات ہو گی۔“  
عمران نے کہا۔

سگ ہی ہنس کر بولا۔ ”تم لوگوں کی حرکتوں کی بناء پر میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ تم انہیں میں تیر چلا رہے ہو۔“

”مثال کے طور پر ایک آدھ حركت کا تذکرہ بھی کرتے چلو۔“

”تمہارے ساتھی ایسی حرکتیں کر رہے تھے جو دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیں۔ مثال کے طور پر جوزف کی حرکتیں۔ اس بات کا اعتراف ضرور کروں گا کہ تمہارے ساتھی بہت مقblem ہیں۔ بڑی اچھی ٹریننگ دی ہے تم نے۔“

”شکریہ انکل....!“ عمران نے خلوص کا مظاہرہ کیا۔

”بہر حال اس چکر میں تھے تم کہ اگر میں یہیں ہوں تو تم لوگوں کی طرف متوجہ ہو جاؤں اور پھر تم مجھے گھیر سکو۔“

”بالکل یہی بات تھی انکل ڈیر...!“

”ریٹائر جوزف والی حماقت دوسروں سے سرزد ہوئی تھی میں کچے کام نہیں کرتا سمجھجے۔“

”یہ آخر تم نے کتنی ریٹائر میں پال رکھی ہیں.... وہ بھی تو ریٹائر تھی جو مجھے مادام نشی کا وائے کیس میں نچالی پھری تھی.... ریٹائرمنس نام تھا شاید.... یہ ریٹائر جبرا نیل ہے۔“

”اور تم لوگوں کی ہمدرد بھی۔“

”نہیں....!“ عمران خوشی کے مارے اچھل پڑا۔ سگ کا مودہ یونگٹ تبدیل ہو گیا۔ آنکھوں سے شدید ترین نفرت ظاہر ہونے لگی اور اس نے عجیب سی آواز میں پوچھا۔ ”تم نے جو کاغذات راشد کے یہاں سے اڑائے تھے وہ کہاں ہیں۔“

”دیکھو چا... اب میں سمجھوتا کرنا چاہتا ہوں۔“ عمران نے آہستہ سے کہا۔

”سمجھوتا... کیسا سمجھوتا۔“

”عمران مضطربانہ انداز میں آگے بڑھا اور جنگل کی سلانخیں پکڑی ہی تھیں کہ اچھل کر پیچھے

جاپڑا... چت گرا تھا دراب اُس کے ہاتھ پر اس طرح اینٹھ رہے تھے جیسے جانپنی میں بتلا ہو۔“

”اوہ....!“ سگ جنگل کی طرف چھپنا... پھر پیچھے ہٹ آیا۔ اس کے بعد ساجدہ نے اُسے سوچ بورڈ کی طرف دوڑتے دیکھا۔ خود ساجدہ نہی طرح بوکھال گئی تھی لیکن کریں کیا سکتی تھی اُسے تو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اب خود اس کا بھی ہادٹ فیل ہو جائے گا۔

سگ نے سوچ بورڈ پر جلدی کنی سوچ آف کے اور پھر جنگل کی طرف دوڑا آیا۔ پہلے اُسے انگل سے چھوا اور اُس کے بعد ایک جگہ کی سلانخ ہلانے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے جنگل کے سامنے کا پورا حصہ ایک طرف کھمک گیا۔

”چلو.... ادھر آؤ....!“ سگ نے ساجدہ کو پکارا۔ ”اسے الیکٹرک شاک لگا ہے۔ میری مدد کرو... اسے باہر نکالو۔“

دونوں نے بدقت تمام اُسے جنگل سے باہر نکالا۔ اُس کا جسم ساکت ہو چکا تھا۔ لیکن سانس چل رہی تھی۔

”اُبھی اسے بچایا جا سکتا ہے... لکڑی کے تختے نے جان بچالی۔“ سگ بولا۔

”الیکٹرک کے کام میں کوئی خایر رہ گئی تھی۔ کرنٹ پورے جنگل میں دوڑ گیا تھا۔“

”لل.... لیکن تم اُسے بچانا کیوں چاہتے ہو۔“ ساجدہ نے روہانی آواز میں پوچھا۔

”میرے بہت ہی اہم کاغذات ہیں اس کے قبیلے میں۔ میں اسے فوری طور پر مار دلانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔“

”مم.... میرا خیال ہے کہ اسکی زندگی خطرے میں ہے۔“ ساجدہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

سگ عمران پر جھک کر اُس کے ہاتھوں کو جنبش دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ دفتہ عمران کے دونوں ہاتھ اس کے ہاتھوں سے چھپل کر گردن کے گرد چھٹ گئے پھر اُس نے قلابازی کھائی اور سگ ہی پر سوار ہو گیا۔

”اوہ.... اوہو.... اوہو....!“ ساجدہ اپنی جگہ پر اس طرح اچھل رہی تھی جیسے اس حرکت میں کسی مشینی عمل کو دخل ہو۔

عمران اور سگ ایک دوسرے سے گٹھ کر رہے تھے۔

ساجدہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔

اچانک ایک جانب سے آواز آئی۔ ”ڈارنگ... ڈارنگ... ڈارنگ... تم کہاں ہو۔“

آواز ریٹائی کی تھی۔ ساجدہ چوک کر مری۔ اُس نے دیکھا کہ ریٹائر کھڑا تی ہوئی اُسی طرف چلی

ساجدہ بڑی متنات سے چلتی ہوئی عمران کے قریب آئی اور شانے سے شانہ ملا کر کھڑی ہو گئی۔ ہاتھ پتوں کی دائیں جانب والی جیب سے نکل کر اس کا تھا اور ساجدہ نے محسوس کیا تھا کہ اس کی جیب میں روپاور موجود ہے۔

”تم بھی اپنے ہاتھ اٹھاؤ۔“ سنگ نے اسے لکارا اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور اپنا دہنا ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے بیال عمران کی پتوں کی جیب میں ڈال دیا اور جیب ہتی سے فائز کرنے کی کوشش کی۔ فائز ہوا بھی..... لیکن ساتھ ہی سنگ کا چاقو بھی اڑتا ہوا عمران کے جسم کے کسی حصے میں پیوست ہو گیا تھا۔ ساجدہ نے اس کی کراہ کی۔ جیب سے ہونے والا فائز نہ پر نہیں بیٹھا تھا۔ دوسری ہی لمحے میں سنگ ہی نے ان دونوں پر چھلانگ لگائی۔ پھر ساجدہ کو تو اتنی مہلت بھی نہ مل سکی کہ عمران کی جیب سے روپاور ہی نکال سکتی۔ سنگ نے ان دونوں کو فرش پر گردایا تھا۔

”اوہ.... نشانہ خطا ہو گیا۔“ سنگ برباد رہا تھا۔ ”بازو میں لگا ہے چاقو۔... اب میں اسے تمہارے سینے میں اتار دوں گا۔“

اتفاقاً اس کے دونوں ہاتھ ساجدہ کی گرفت میں آگئے اور عمران کو اس سے پہلے ہی اس کے نیچے سے نکل جانے کا موقع مل گیا کہ وہ بازو میں پیوست چاقو کو کھینچ کر اس کے سینے میں پیوست کر دیتا۔ اس نے بازو سے چاقو کھینچا اور سنگ پر ٹوٹ پڑا۔

سنگ کو شاید چوپن کا احساس ہو گیا تھا اس لئے عمران کی مٹھی میں دبا ہوا چاقو فرش پر پڑا۔ وہ اس سے پہلے چھلانگ لگا کر دوسری طرف نکل گیا تھا۔ ساجدہ بال بال بچی۔ عمران کا ہاتھ اگر ایک باشتہ ہٹ کر بھی پڑا ہوتا تو اس وقت وہاں ساجدہ کی لاش نظر آتی۔

دفعہ ساجدہ چینی۔ ”دیکھو.... وہ بھاگ رہا ہے۔ اگر نکل گیا تو یہ تہ خانہ ہمارا مقبرہ بن جائیگا۔“ سنگ واقعی ایک طرف دوڑا جا رہا تھا۔ قتل اس کے عمران اس نکل پہنچا اس نے اس کرے کا دروازہ جس میں ساجدہ نے رینا کو بند کیا تھا کسی قدر اٹھایا اور تیزی سے اندر رینگ گیا۔ قریب پہنچنے پہنچنے دروازے کا نچلا حصہ پھر فرش سے آنگا۔

عمران اسے دوبارہ اٹھانے کے لئے زور لگانے لگا لیکن اس نے اپنی گدگ سے جبش بھی نہ کی۔ ادھر سے مایوس ہو کر وہ سوچ بورڈ کی طرف دوڑا۔ ”کیا کر رہے ہو....!“ ساجدہ چینی۔

”خاموش رہو۔ تم نے جیب سے فائز کر کے سارا کھلیل بگاڑ دیا۔ کیا میں خود فائز نہیں کر سکتا تھا۔“ ساجدہ کچھ نہ بولی۔ عمران سلاخوں دار جنگلے والی لفت کی طرف دیکھتا ہوا مختلف سوچوں کو

آرہی ہے۔ اس کے ہاتھ میں شیپکن کی بوقت تھی۔ چال کی لڑکڑاہٹ تاریخی تھی کہ وہ بہت زیادہ نشے میں ہے۔

ساجدہ کے قریب آکر رک گئی اور آگے پیچھے جھولتی ہوئی بولی۔ ”یہ.... کیا آہورا ہیا۔“ ساجدہ کچھ نہ بولی۔ وہ دونوں خاموشی سے ایک درسرے پر مختلف قسم کے داؤں کو آزمารہ ہے۔ رینا اس طرح آنکھیں چھاڑ رہی تھی جیسے انہیں پیچانے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر وہ ان کی طرف بڑھنے بھی لگی۔ ساجدہ نے بازو پکڑ کر اسے پیچھے کھینچ لیا اور وہ گرتے گرتے بچی۔

”چھوڑو.... چھوڑو....!“ رینا حلق چھاڑ کر دہلای۔ لیکن ساجدہ اسے ہکلیتی ہوئی چلی۔ اس دروازے تک آئی جس سے برآمد ہوتے دیکھا تھا۔ اندر دھکیل کر دروازہ نیچے کھینچ دیا۔ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس فولادی دروازے کو وہ نشے کی حالت میں جبٹش بھی نہ دے سکے گی۔ اس سے مطمین ہو کر وہ پھر ان دونوں کی طرف پلٹ آئی۔ عمران سنگ ہی سے گھا ہوا کہہ رہا تھا۔ ”آن رات ہم دونوں میں سے ایک کو ضرور سزا نہیں۔“

”میں بھی بھی سوچ رہا ہوں۔“ سنگ ہی نے کہا اور ساجدہ اس کی آواز سن کر چوک پڑی۔ وہ کسی ایسے آدمی کی آواز قطعی نہیں معلوم ہوتی تھی جو کسی کے خلاف جسمانی قوت صرف کر رہا ہو۔

”بہر حال یہ ڈان کیسار ہا انکل ڈیر... میں نے بے وجہ نہیں پوچھا کہ یہ میکرزم نیا ہے یا پرانا!“ سنگ کچھ نہ بول۔ ساجدہ دیکھ رہی تھی کہ وہ پار بار عمران کی گردن پکڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اسے جیرت تھی کہ آخر یہ دبلا پلا جسم گوشہ و پوست سے مرکب ہے یا کوئی فولادی ڈھانچہ ہے جس کی حرکت کسی مشینی نظام کی مرہون منت ہے۔

وہ ذور رہی تھی کہ کہیں اس کا کوئی مددگار نہ آجائے۔ ویسے اس نے ان تہہ خانوں میں ابھی تک اس کے علاوہ اور کسی کو نہیں دیکھا تھا۔

یک بیک سنگ ہی عمران کی گرفت سے نکل گیا۔ پھر قبل اس کے کہ عمران اس پر جھپٹا اس نے پتوں کی جیب سے چاقو نکال کر کھول بھی لیا۔

”ہاتھ اوپر اٹھاؤ.... اگر تمہارا ہاتھ جیب کی طرف گیا تو کچھ نکال لینے سے پہلے ہی چاقو تمہارے سینے میں پیوست ہو جائے گا۔“ سنگ ہی نے تیز لمحے میں کہا۔

عمران نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھادیے اور سنگ ہی چاقو کو اسی طرح پکڑے رہا جیسے پھیک مارنے کا راہ رکھتا ہو۔

پھر اس نے ساجدہ سے کہا۔ ”تم بھی اُنی کے پاس کھڑی ہو جاؤ۔“

آف اوز آن کرتا رہا۔

دفعہ ساجدہ کو کچھ یاد آیا اور وہ چیزی۔ ”ٹھہر جاؤ...!“

ٹھیک اسی وقت ایسا محسوس ہوا جیسے زمین مل کر رہ گئی ہو۔ عجیب طرح کی آوازیں چاروں طرف سے آنے لگیں۔

”یہاں ڈائیامیٹ لگے ہوئے ہیں۔“ ساجدہ اسی شور میں چیخ رہی تھی۔ ”اس نے مجھے بتایا تھا۔“

دفعہ چھت کا کچھ عرصہ ٹوٹ کر کھینچا اور دوڑتا ہوا ایک دیوار سے آگا۔

عمران نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور دوڑتا ہوا ایک دیوار سے آگا۔

”لیٹو... لیٹ جاؤ... دیوار سے لگ کر۔“ اس نے اسے دھکیلتے ہوئے کہا۔

دونوں دیوار کی جڑ سے لگ کر اوندمہ لیٹ گئے۔

ساجدہ پر غشی کی طاری ہو رہی تھی۔ جلد ہی اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوب گیا۔

پھر اسے ہپتال ہی میں پوری طرح ہوش آیا تھا۔ نہ وقت کا احساس تھا اور نہ تن بدن کا ہوش۔ وہ بھی انک حادثہ کی ڈراؤنے خواب کی طرح کچھ کچھ یاد آ رہا تھا۔

پھر کچھ دونوں بعد عمران نے اسے بتایا کہ ایک فولادی دروازہ اس طرح آکر دیوار سے نکل گیا تھا کہ وہ دونوں کے درمیان خلا میں آگئے تھے ورنہ بیٹے میں دب کر خود بھی فنا ہو جاتے۔ جب وہ ہنگامہ ختم ہوا تھا تو عمران نے دروازے کی اوٹ سے نکلنے کی کوشش کی تھی اور پھر اس نے خود کو ایک گہرے کنوں میں محسوس کیا تھا۔ اوپر کھلا آسمان بھی نظر آیا تھا۔

پوری عمارت تباہ ہو گئی تھی اور چیخ چیخ کر تھک جانے کے بعد وہ فائز بر گینڈ کے عملے کو اپنی طرف متوجہ کر سکا تھا۔ سگ کے متعلق یقین کے ساتھ کہنا و شوار تھا کہ وہ فیکر نکل گیا یا نکلنے سے پہلے ہی اسے بھی اس تباہی کا شکار ہو جانا پڑا تھا اور یہ تباہی نادانستہ طور پر عمران خود لایا تھا۔ سوچ بورڈ پر اسے اس سوچ کی تلاش تھی جس کا تعلق افت سے تھا۔ نادانستی میں وہ سوچ آن ہو گیا تو عمارت میں لگے ہوئے ڈائیامیٹ سے نسلک تھا۔

بہر حال اس حادثے کے بعد اعلیٰ پیانے پر گرفتاریاں عمل میں آئی تھیں۔ پولیس والوں کے پلے کچھ نہیں پڑ رہا تھا۔ وزارت خارجہ کے احکامات کے تحت گرفتار کئے جانیوالوں کی ایک طویل فہرست اسکے پاس ضرور تھی لیکن نہیں معلوم تھا کہ ان کا جرم کیا ہے۔ ان گرفتار ہونے والوں میں جمیش کیانی بھی تھا۔ لیکن اسے حوالات میں رکھنے کی بجائے کسی نامعلوم مقام پر پہنچا دیا گیا تھا۔

تبہ ہونے والی عمارت وہی تھی جس کے بارے میں اختر نے بتایا تھا کہ اس کا تعلق اس بلیک میلر سے تھا اور سکیل وہیں رہتا تھا۔ اس دھماکے سے آس پاس کی عمارتوں کو بھی کسی قدر نقصان پہنچا تھا۔ خود صبیحہ کے بیٹگے کی ایک دیوار شق ہو گئی تھی۔ لیکن دوسری عمارتوں میں جانی نقصان نہیں ہوا تھا۔ حادثے سے دونوں پہلے یک یہک اس کے باپ نے گھر میں اعلان کر دیا تھا کہ کرٹل حیدر سخت نالائق آدمی ہے۔ اگر کبھی ملاقات کی غرض سے بھی گھر آئے تو نوکروں کو چاہئے کہ اسے اٹھا کر باہر سڑک پر پھینک دیں۔ پھر اسی رات کو وہ مالی کی کوٹھری میں اس موقع پر گئی تھی کہ شاید اختر سے ملاقات ہو جائے لیکن وہاں اسے اس کا خط ملا تھا جس میں اس نے اسے بتایا تھا کہ اب وہ مطمئن رہے کہ کرٹل حیدر ساری زندگی اس کا نام بھی نہ لے سکے گا اور اس بلیک میلر کا انعام بھی قریب ہی ہے۔

پھر عمارت کی تباہی کے بعد اسے اطلاع ملی تھی کہ بلے کے ڈھیر سے دو زندہ افراد برآمد ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک مرد ہے اور ایک عورت۔ لیکن ان کے بارے میں تفصیل نہ معلوم ہو سکی۔ رات کو کئی کئی بار مالی کی کوٹھری کے چکر لگاتی لیکن تاریکی اور سکوت کے علاوہ وہاں اور کیا رکھا تھا۔ راتوں کی نیند حرام ہو گئی عمارت والے حادثے کی بناء پر سارے شہر میں سننی پھیل گئی۔ لیکن کسی کو بھی اس کے بارے میں حقائق نہ معلوم ہو سکے۔

آج شام صبیحہ بہت اوس تھی۔ گھر میں جی نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے سوچا بلیک گارڈن ہی تک ہو آئے... اس دوران ایک نیا ڈرائیور بھی آگیا تھا اور خود ڈرائیور کرنے کے سلسلے میں باپ کی خفگی کا بھی خدشہ نہیں تھا۔

گارڈن کے پار کنگ کے حصے میں پہنچ کر اس نے ایک ایسے آدمی کو ایک بیسی گاڑی سے اترتے دیکھا کہ باخچیں کھل گئیں۔ یہ اختر تھا سو نیصدی اختر.... لیکن وہ کون تھا.... وہ یحیم شیخ۔ جسی جو نہایت ادب سے اس کے لئے دروازہ کھولے کرٹا تھا اور اس نے دونوں پہلووں سے دو رویوں بھی تو لا کار کئے تھے۔

اور.... اور.... یہ عورت کون ہے؟

جیسے ہی اس کے ڈرائیور نے کار پار کی وہ جھپٹ کر یہجے اتر آئی.... اور بے خیالی میں تقریباً دوڑتی ہوئی ان لوگوں کی طرف چل پڑی۔

”اختر.... اختر....!“ قریب پہنچنے سے قبل ہی بے اختیارانہ طور پر اس نے اسے آوازیں

<u>جلد نمبر 13</u>	<u>جلد نمبر 7</u>	<u>جلد نمبر 1</u>	
بُلی چینی ہے	-43	خوفناک عمارت	-1
لو بولی لا	-44	رائی کا پربت	-2
سہ رنگا شعلہ	-45	پاکل کتے	-3
آٹھی بادل	-46	پراسرار چینیں	
<u>جلد نمبر 14</u>	<u>جلد نمبر 8</u>	<u>جلد نمبر 2</u>	
گیت اور خون	-47	بھیاںک آدمی	-4
دوسری آنکھ	-48	جہنم کی رقصہ	-5
آنکھ شعلہ نی	-49	سوالیہ نشان	-6
<u>جلد نمبر 15</u>	<u>جلد نمبر 9</u>	<u>جلد نمبر 3</u>	
شوگر پینک	-50	خطراں کا لاشیں	-8
تابوت میں چیخ	-51	گیند کی تباہ کاری	-9
فضلائی ہنگامہ	-52	چار لکیریں	-10
<u>جلد نمبر 16</u>	<u>جلد نمبر 10</u>	<u>جلد نمبر 4</u>	
تصویر کی اڑان	-53	چالیس ایک باون	-11
گیارہ نومبر	-54	آتشدان کا بت	-12
مناروں والیاں	-55	جزوں کی علاش	-13
بزر لہو	-56	<u>جلد نمبر 11</u>	-14
<u>جلد نمبر 17</u>	<u>جلد نمبر 5</u>	<u>جلد نمبر 5</u>	
حری یتیم خانہ	-57	جزیروں کی روح	-15
پاگلوں کی انجمن	-58	چینی رو حیں	-16
ہلاکو اینڈ کو	-59	خطراں ک جواری	-17
<u>جلد نمبر 18</u>	<u>جلد نمبر 12</u>	<u>جلد نمبر 6</u>	
پہاڑوں کے پیچے	-60	ہیروں کا فریب	-18
بزدل سورما	-61	دلچسپ حادثہ	-19
دست قضا	-62	محافت کا جال	-20
ایش ٹرے ہاؤز	-63	شفق کے پچاری	-21

دیں لیکن اس نے مژ کردیکھا تک نہیں۔

اس حرکت پر وہ جھنجھلا گئی اور تیزی سے دو قدم آگے بڑھ کر ان کا راستہ روک لیا۔

”تم سنتے کیوں نہیں۔“

”جی....!“ اس نے حیرت سے آنکھیں چھاڑ کر کہا۔

”اوچانسے لگے ہو....!“

”معاف کیجئے گا میں نے آپ کو پیچانا نہیں۔“ نہایت خنک لبجے میں کہا گیا۔

وہ سمجھ شاید حسب عادت اُسے پریشان کرنا چاہتا ہے۔ اسلئے اسکے ساتھیوں کی پرواہ کئے بغیر مفعکہ اڑانے والے انداز میں بولی۔ ”آخر صاحب جبل چلے جائیے گا۔ بہت اودھم چلایا ہے آپ نے۔“

”آپ کو یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے محترمہ....!“ پہلے سے بھی زیادہ خنک لبجے میں جواب ملا۔

”میرا تم اختر نہیں.... علی عمران ہے۔“

اور پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ اس کے ساتھی بھی چل پڑے تھے۔ لیکن عورت مژ مز کرائے دیکھے جا رہی تھی۔

وہ وہیں کھڑی کھیاہٹ میں طرح طرح کے منہ بناتی رہی۔ پھر یک بیک اپنی گاڑی کی طرف مڑی۔ دوزتی ہوئی گاڑی تک آئی اور دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر گر گئی۔

”گھر چلو....!“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں ڈرائیور سے کہا۔

”جی بی...جی....!... گھر چلو....!... ڈرائیور کے لبجے میں حیرت تھی۔

”ہاں.... گھر...!“ وہ حیچ کر بولی۔ ”کیا تم نے سنا نہیں۔“

گاڑی چل پڑی۔ ... صیحہ کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں اور وہ غصہ کے مارے ہاتپ رہی تھی۔ ... پھر یک بیک اس نے بہوت بچوت کرونا شروع کر دیا۔

شفق کی سرنی پر آہستہ آہستہ سیاہی غالب آئی جا رہی تھی۔

﴿فِيمَا شَدَدَ﴾

<u>جلد نمبر 30</u>	<u>جلد نمبر 24</u>	<u>جلد نمبر 19</u>
-103 مو نالیز اکی نواں	ریشوں کی یلغار	عقابوں کے حملے
-104 خونی فنگار	خطرناک ڈھلان	پھروہی آواز
<u>جلد نمبر 31 (اول)</u>	<u>جنگل میں منگل</u>	خوزیر یہ تصادم
-105 موت کی آہت	تمن سنگی	تصویر کی موت
-106 دوسرا رخ		
-107 چنانوں کاراز	<u>جلد نمبر 25</u>	
-108 شہنشاہ اور ج	آدھائیتر	<u>جلد نمبر 20</u>
<u>جلد نمبر 31 (دوم)</u>	آدھائیبر	کنگ چانگ
-109 تلاش گشیدہ	<u>جلد نمبر 26</u>	دوہوئیں کا حصار
-110 آگ کا دارہ	علامہ دہشت ناک	سمندر کا شگاف
-111 لرزتی کیریں	فریختے کادشمن	زلزلے کا سفر
<u>جلد نمبر 32</u>	بیچارہ شہزادور	بلیک اینڈ وائٹ
-112 پھر کا آدمی	کالی کہکشاں	<u>جلد نمبر 21</u>
-113 دوسرا پھر		تا ویدہ ہمدرد
-114 خطرناک انگلیاں	<u>جلد نمبر 27</u>	ادھورا آدمی
<u>جلد نمبر 33</u>	سرگی موت	
-115 رات کا بھکاری	محترک دھاریاں	<u>جلد نمبر 22</u>
-116 آخری آدمی	جو نک اور ناگن	آپرینشن ڈیل کراس
<u>جلد نمبر 34</u>	لاش گاتی رہی	خیر انڈیش
-117 ڈاکٹر دعا گو	<u>جلد نمبر 28</u>	پوائنٹ نمبر بارہ
<u>جلد نمبر 35</u>	خوبصور کا حملہ	ایٹلاؤا *
-118 جو نک کی واپسی	بابا سگ پرست	
-119 زہریلی تصویر	مہکتے محافظ	<u>جلد نمبر 23</u>
-120 بیبا کوں کی تلاش	<u>جلد نمبر 29</u>	نیکو کیسل
	ہلاکت خیز	-79
	زیر امین	-80
	جنگل کی شہریت	-81
		-82